اریبین میڈیسن

یعنی

طبُّ العرب

مرتبۂ

ایڈورڈ جی براؤن - ایم - بی - ایف - آر - سی - پی -

پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی

ترجمہ و تشریحات و تنقیدات

از

حکیم سیّد علی احمدؔ نیرّ واسطی

★

مطبوعاتِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ - لاہور

(پاکستان)

۱۹۵۴ء

الفہرس

	صفحہ
تعارف	۵
مقدمہ	۹
پہلا لیکچر	۱۲
طب عرب	۱۳
طب کی تدوین	۱۳
سرمایۂ تاریخ طب	۱۴
دعوت نقد و تحقیق	۱۴
طب اور تاریخ اسلام	۱۵
معجزۂ رسالت	۱۵
تاریخی بصیرت	۱۵
ضائع شدہ کتابوں کا ماتم	۱۶
عربی زبان اور سرمایۂ علم	۱۷
طبی تالیفات میں عربوں کا حصّہ	۱۷
عربوں کے تمدن اور نظم حکومت پر نکتہ چینی	۱۷
جاحظ کی روایت	۱۸
اطبا کی ہجو میں نظمیں	۱۹
ادوار ثلٰثہ	۲۰
دورِ جاہلیت کا تصور	۲۱
حارث بن کلدہ	۲۱
نضر بن الحارث	۲۲
طب اور پیغمبرؐ اسلام	۲۲
طب نبوی	۲۳
خلفائے بنی اُمیّہ کا دور	۲۴
عہدِ اوّل کے عربوں کی سادگی	۲۵
فان کریمر کی رائے	۲۵
یونانی علوم کی پہلی تحریک	۲۵
جابر بن حیّان	۲۶
عربی علم کیمیا کی عظمت	۲۶
اموی دور کے اطبّاء	۲۷
اموی شفاخانۂ امراض متعدیہ	۲۷
بدوی علاج	۲۷
زدیمر کی رائے	۲۸
طبی تراجم عمرو بن العاص کے عہد میں	۲۸
یحیی النحوی	۲۸
یحیی النحوی اور یحیی فیلابنوس	۲۹
کتب خانۂ اسکندریہ کی تباہی کا باعث	۲۹

	صفحہ
ایک اہم تاریخی مسئلہ	۲۹
والیس بیج کی رائے	۳۰
یونانی علوم کی روشنی	۳۰
جندی شاپور کا مدرسۂ طبیہ	۳۰
جندی شاپور کا بانی	۳۰
جندی شاپور کی وجہ تسمیہ	۳۱
تیاذورس اور جندی شاپور	۳۲
جندی شاپور اور بازنطینی حکومت	۳۲
نوشیرواں کی طبی خدمات	۳۲
جندی شاپور اور یونانی و شامی حکماء	۳۲
طب عربی اور سریانی زبان	۳۳
طب مشرقی پر شامیوں کا احسان	۳۳
جندی شاپور اور یونانی و ایرانی زبان	۳۳
ایک تاریخی بصیرت	۳۳
زرتشتیوں کی کتاب مقدس اور طب	۳۴
ایرانی دربار اور یونانی اطباء	۳۴
یونان کا دور انحطاط اور جندی شاپور	۳۴
بختیشوع	۳۴
خاندان بختیشوع	۳۵
اطبائے جندی شاپور کا ذہنی تعصب	۳۵
حنین بن اسحٰق	۳۶
حنین کا شوق حصول علم	۳۶

	صفحہ
حنین کی فنی دیانت کا امتحان	۳۷
طبی تراجم پر حنین کا احسان	۳۸
دور حاضر سے عربی تراجم	۳۸
طبی فن کی اشاعت کا مانع	۳۹
لاطینی تراجم پر تنقید	۳۹
مترجمین کا حرانی گروہ	۳۹
حرانی اور صابئین	۴۰
دودمان ثابت بن قرہ	۴۰
قسطا بن لوقا	۴۰
عربی زبان کا تعلق علوم و فنون تاریخیہ سے	۴۰
عربی ... محبوب علوم اور مصنفین	۴۱
[illegible] کی کتاب التشریح کا عربی ترجمہ	۴۱
سریانی تراجم پر نقد و تبصرہ	۴۱
عربی زبان اور ذہانت کی خصوصیات	۴۳
مسئلۂ وضع اصطلاحات	۴۳
متنبی اور طبی مصطلحات	۴۴
عہد خلافت میں طب سے عام دلچسپی	۴۵
تیودوروس کے علم و فضل کی داستان	۴۵
... کی رائے	۴۵
تیودوروس کا طبی امتحان	۴۵
بیمارستان اور طب	۴۶
دوسرا لیکچر	۴۷

	صفحہ
دورِ ثانی	۴۷
چند شرائط اور حدود	۴۷
عربی علمی مصطلحات کا ارتقاء	۴۸
سریانی اور لاطینی مصطلحات کے معائب	۴۸
عربی ترجمہ کی بعض اغلاط	۴۹
عربی اور یونانی زبان کا مقابلہ	۴۹
طب کی ایرانی اور سریانی مصطلحات	۴۹
سنورتا کی حقیقت	۴۹
طبِ قدیم کے قوانین کی مشکلات	۵۰
عربی صنعتِ اشتقاق اور اصطلاحاتِ طبیہ	۵۰
عربی مصطلحات اور علم ماہیتِ امراض	۵۰
عربی زبان اور مصطلحات کی عظمت	۵۱
اسلامی عہد میں لاشوں کا ڈیسیکشن	۵۱
قفطی کی خاموشی سے استدلال	۵۲
یوحنا بن ماسویہ کی درشتی مزاج	۵۲
علی بن ربن الطبری	۵۲
علی بن ربن کا قبول اسلام	۵۳
مازیار کی نظامت	۵۳
خلیفہ کی ملازمت اور فردوس الحکمۃ کی تدوین	۵۳

	صفحہ
فردوس الحکمۃ کی عظمت	۵۴
فردوس الحکمۃ کے قلمی نسخے	۵۴
فردوس الحکمۃ کی تہذیب اشاعت	۵۴
فردوس الحکمۃ کا تعارف	۵۵
لفظ مخرج کا مفہوم	۵۶
اطباء کا امتحان	۵۶
امتحان میں نرمی کا سلوک	۵۶
فردوس الحکمۃ کی عمومی حیثیت	۵۸
فردوس الحکمۃ کا حصۂ چہارم	۵۸
نقد و تبصرہ	۶۰
ابوبکر محمد بن زکریا رازی	۶۰
رازی اور علم مابعد الطبیعیات	۶۱
رازی اور شیخ کا مقابلہ	۶۱
رازی اور بیمارستان رے	۶۱
رازی اور بیمارستان بغداد	۶۲
منصور بن اسحق کی سرپرستی	۶۲
رازی کا زمانۂ حیات	۶۳
رازی کے متعلق عجیب و غریب افسانے	۶۳
رازی کی تصانیف کی فہرست	۶۴
کتاب الجدری والحصبہ	۶۴
مقالۃ فی الحصیٰ فی الکلیٰ والمثانہ	۶۵
رازی کی کتب کے فرانسیسی و جرمن تراجم	۶۵

	صفحہ
رازی کے غیر مطبوعہ رسالے	۶۵
رازی کی مبسوط کتابیں	۶۶
حاوی	۶۶
حاوی کی جلدوں اور مباحث میں اختلاف	۶۷
حاوی کے لاطینی ترجمہ کا ماخذ	۶۸
رازی اور تشخیص علل	۶۸
رازی کی تشخیصات کی حکایات	۶۸
حاوی میں رازی کی طبی یادداشتیں	۶۹
حاوی کی عبارت کا نمونہ	۶۹
رازی کی تشخیص کی تشریح اور تعریف	۷۲
علی بن عباس المجوسی	۷۲
قفطی کا بیان	۷۲
علی بن عباس کا مذہب	۷۳
علی بن عباس اور اس کے استاذ کی تالیفات	۷۳
الملکی	۷۴
قدماء پر علی بن عباس کی تنقیدات	۷۵
الملکی کا حسن ترتیب مضامین	۷۶
شفاخانوں میں حاضری کی اہمیت	۷۶
جبرئیل بن بختیشوع کی فیس	۷۷
شیخ بوعلی سینا	۷۸
شیخ کے بعض مختصر حالات	۷۸

	صفحہ
نوح بن منصور کے دربار میں رسائی	۷۹
شیخ کے مشاغل اور مصائب	۷۹
شیخ کی وفات	۸۰
معترضین کا طعن	۸۰
شیخ کی تالیفات	۸۱
شیخ کی فارسی نظمیں	۸۲
شیخ کی طبی تالیفات	۸۲
قانون	۸۳
قانون کی عظمتوں کا اعتراف	۸۴
تیسیر الیکچر	۸۷
عربی طب کا مفہوم	۸۷
طب الرکہ	۸۷
طب عربی کے دو دور	۸۸
چار مشاہیر طب	۸۸
چار ممتاز تالیفات	۸۹
رازی کی عظمت کا اعلان	۸۹
عربوں کی ذہنی قابلیت	۹۰
یورپ میں عربی طب کا پہلا مبلغ	۹۱
قسطنطین اور سلرنو کا طبیہ کالج	۹۱
ایک یہودی طبیب	۹۲
صلیبی لڑائیوں میں مبادلۂ افکار	۹۲
اسامہ اور اس کا روزنامچہ	۹۲

	صفحہ
عربی طبیب کے لئے فرنگی افسر کی درخواست	۹۳
ٹانگ کے پھوڑے کا قدیم ڈاکٹری علاج	۹۳
تپ دق کا قدیم ڈاکٹری علاج	۹۴
پادری صاحب کا کمال	۹۴
مغربی طب پر عربی طب کو ترجیح	۹۵
فرنگیوں سے انصاف	۹۵
اسامہ اور ابن بطلان	۹۶
تقویم الصحۃ	۹۶
ابن بطلان کی پہلی حکایت	۹۷
ابن بطلان کی دوسری حکایت	۹۷
قدیم علم ادب اور حکایات طبیہ	۹۸
کتاب الفرج بعد الشدّہ	۹۸
حکایت مریض قئ الدم	۹۹
حکایت مستسقیٔ لبطام	۱۰۰
حکایت مستسقیٔ کوفہ	۱۰۱
حکایت مریض درد شکم	۱۰۱
حکایت مستسقیٔ بغداد	۱۰۲
جوامع الحکایات	۱۰۴
ایک طبیب کا مقولہ	۱۰۴
ارسطو کی حکایت	۱۰۴
رستم کی والدہ اور داروئے بیہوشی	۱۰۵
چہار مقالہ	۱۰۵
چہار مقالہ کا انگریزی ترجمہ	۱۰۶
طبیب کی صفات	۱۰۶
نصاب طب	۱۰۶
ذخیرۂ خوارزم شاہی	۱۰۷
بوعلی سینا کا مرتبہ	۱۰۷
چہار مقالہ کی طبی حکایات	۱۰۷
حکایت مریض وجع المفاصل	۱۰۷
حکایت مریض عشق	۱۱۱
مرشد رومیؒ کی حکایت	۱۱۴
حکایت مریض مالیخولیا	۱۱۶
مولانا رومیؒ کی سند	۱۱۷
دو طبیبوں کا مجادلہ	۱۱۷
عربی طب اور علاج بالتخیّل	۱۱۸
اہل مشرق کی اعجوبہ پسندی	۱۱۸
مشرقیوں کے حسن اعتقاد کا اثر ڈاکٹروں پر	۱۱۹
رازی کی کتاب حاوی کی عظمت کا اعتراف	۱۱۹
عربی علم و حکمت کا دور تدوین	۱۱۹
دور تدوین کے بعد کی تالیفات	۱۲۰

	صفحہ		صفحہ
طب اور تاریخ کا تحفظ	۱۲۰	ابوالقاسم الزہراوی	۱۲۶
طب کا فارسی سرمایۂ تالیفات	۱۲۰	ابن جلجل	۱۲۷
فارسی طبی لٹریچر کی نقد و تحقیق	۱۲۱	ابن وافد	۱۲۷
ذخیرۂ خوارزم شاہی کے مخطوطات	۱۲۱	ابن الجزار	۱۲۷
فارسی زبان میں طب کی دو اہم کتابیں	۱۲۱	ابن رشد	۱۲۷
		ابن زہر	۱۲۷
ابومنصور ہراتی کی کتاب الادویہ	۱۲۱	موسیٰ بن میمون	۱۲۷
		ابن البیطار	۱۲۷
منصور بن محمد کی مصوّر کتاب التشریح	۱۲۲	یورپ میں عربی طب کی تبلیغ کے وسائل	۱۲۸
مشرق میں مغربی طب کا تعارف	۱۲۲	ایران اور بارہویں صدی	۱۲۸
ایران کی مجلس صحت	۱۲۲	زین الدین اسمٰعیل جرجانی کا کارنامہ	۱۲۸
ایران میں مغربی طب کا نزول	۱۲۲		
ایران میں ایلوپیتھی کی سب سے پہلی کتاب	۱۲۳	ذخیرۂ خوارزم شاہی	۱۲۸
		سید اسمٰعیل جرجانی کی دیگر کتابیں	۱۲۹
مصر میں مغربی طب کا نزول	۱۲۳	تیرھویں صدی عیسوی کی تاریخی کتب	۱۳۰
مصر کی نہضت علمیہ	۱۲۳	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	۱۳۰
دو اہم تاریخی تشبیہیں	۱۲۴		
ابوالعلاء المعرّی کی تشبیہ	۱۲۵	تاریخ الحکماء	۱۳۰
چوتھا لیکچر	۱۲۶	نزہۃ الارواح و روضۃ الافراح	۱۳۱
تمہید	۱۲۶		
مغربی اطباء کے چند درخشاں نام	۱۲۶	وفیات الاعیان	۱۳۱

عنوان	صفحہ
معجم الادباء	۱۳۱
مختصر الدول	۱۳۱
قرون وسطیٰ کے اسلامی ہسپتال	۱۳۲
قاہرہ کے پانچ ہسپتال	۱۳۲
قاہرہ کے بیمارستان کبیر کے قیام کا عہد	۱۳۳
قاہرہ کے بیمارستان کبیر کی عظمت و شان	۱۳۳
لفظ مارستان کی حقیقت	۱۳۴
قدیم ہسپتالوں میں مجنونوں کیلئے انتظامات	۱۳۴
لیموں کا بیان	۱۳۴
ایک لاثانی تاریخی کتاب	۱۳۴
حکیم رشید الدین فضل اللہ	۱۳۵
رشید کا عہدہ وزارت	۱۳۵
ربع رشیدی	۱۳۵
ربع رشیدی کی تباہی	۱۳۵
رشید کے پچاس خطوط	۱۳۶
اٹھارھواں خط	۱۳۶
انیسواں خط	۱۳۷
اکیسواں خط	۱۳۷
اٹھیسواں خط	۱۳۷
چھتیسواں خط	۱۳۸
چالیسواں خط	۱۳۹
اکتالیسواں خط	۱۳۹
بیالیسواں خط	۱۴۰
سینتالیسواں خط	۱۴۰
اکیاونواں خط	۱۴۱
ربع رشیدی کی تمدنی علمی اور طبی شان	۱۴۱
تین قدیم کتابیں	۱۴۲
کامل الصناعۃ	۱۴۲
قانون و ذخیرہ	۱۴۳
ذخیرۂ خوارزم شاہی کی فہرست مضامین	۱۴۴
دو اہم سوال	۱۴۵
نظام طب قدیم پر اعتراض	۱۴۵
ایک اہم سوال	۱۴۶
سوال کے جواب کا عقدۂ دشوار	۱۴۶
لفظ فرانیطس کی حقیقت	۱۴۷
طالب علم عرب کی مشکلات	۱۴۷
[illegible] ہندوستانی [illegible] علم [illegible] ترقی	۱۴۸
کتب خانہ [illegible] کی پوری فہرست	۱۴۸

	صفحہ
کتب خانۂ بانکی پور سے استفادہ کا مشورہ	۱۴۸
دعوت وسعت نظر	۱۴۸
علوم کی منازل اوّلین کی سیر کا مشورہ	۱۴۸
طبی حکایات کے مطالعہ کا مشورہ	۱۴۸
قرونِ وسطیٰ کے علم کی دو خصوصیتیں	۱۴۹
قدماء اور وسعت وشوق علم ونظر	۱۴۹
فرقۂ باطنیہ میں خاص اعداد کی اہمیت	۱۴۹
عناصر اربعہ	۱۵۰
کیفیات کے مرکبات کا ایک نقشہ	۱۵۱
علم ارض وسماء	۱۵۲
موجودات ارضی کی پیدائش	۱۵۲
نظریۂ ارتقاء	۱۵۲
عام اصول طب	۱۵۳
مزاج	۱۵۳

	صفحہ
غذا یا دوا کے چار درجات	۱۵۴
اخلاط	۱۵۴
اخلاط کی اقسام	۱۵۶
اعضاء	۱۵۶
افعال وقویٰ	۱۵۷
قوائے طبیعیہ	۱۵۷
قوائے حیوانیہ	۱۵۷
قوائے نفسانیہ	۱۵۷
انبساط وانقباض	۱۵۸
عمل نفس اور روح	۱۵۸
نظریۂ دوران خون	۱۵۸
نظریۂ دوران خون کی قدامت کا اعتراف	۱۵۹
ارواح	۱۵۹
مقالۃ فی خلق الانسان	۱۶۰
نتھنوں سے روح کی پرواز	۱۶۰
خاتمہ	۱۶۱
تشریحات وتنقیدات	۱۶۴

تعارف

تاریخ شاہد ہے کہ فلسفہ، ادب اور دیگر علوم کی طرح عربی علم طب ہمارا وہ محبوب ترین علم ہے جس کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لئے اسلاف نے صدیوں تک تالیف و تصنیف درس و تدریس اور ابداع و اختراع کے سلسلے جاری رکھے۔

قوم کے اخلاق اور اس کے اعلیٰ کردار کی تعمیر کے لئے ہر شخص کے لئے اسلاف کے ان کارناموں کا مطالعہ ضروری ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو علوم طبیہ سے تعلق رکھتے ہیں خصوصاً اور بھی ضروری ہے تاکہ وہ صحیح طور پر اپنے فن کے نظریات و مسلمات کے مبداء و منبع کے علم کے ساتھ ساتھ ان کے عہد بعہد کی تبدیلیوں اور ترقیوں کا علم حاصل کرتے ہوئے فن کی تدوین میں اطبائے سلف کی مساعی۔ ان کی معالجانہ مصروفیات ان کی طبی اخلاقیات اور طریقہائے علاج سے متعلق ان کی اہم حکایات اور موقع بموقع ہدایات سے متمتع ہو سکیں۔

یورپ نے اس نکتہ کو صحیح طور پر سمجھا۔ چنانچہ وہاں مختلف ادوار میں متعدد زبانوں میں طب عربی کی تاریخ پر بہت سی کتابیں شائع ہوئیں اور مغرب کے اہل فن نے ان سے بیش از بیش استفادہ کیا۔

فاضل مستشرق ایڈورڈ۔ جی براؤن۔ ایم۔ بی۔ ایف۔ آر۔ سی۔ پی۔ پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے لنڈن کے رائل کالج آف فزیشنز میں ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں اسی سلسلے میں طب عربی پر چار فاضلانہ خطبات (فٹز پیٹرک لیکچرز) ارشاد فرمائے جو بعد میں اریبین میڈیسن کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

پروفیسر براؤن کا نام علمی اور ادبی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے آپ نے دی لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر ٹارٹار ڈومینین اور پریس اینڈ پوئٹری آف پرشیا جیسی بلند پایہ کتابیں لکھ کر فارسی علم و ادب کی بیش بہا خدمت

انجام دی ہے ۔ اور عربی طب کی تاریخ پر طب العرب (اریبین میڈیسن) کے ذریعہ آپ نے وہ نقوشِ قلم یادگار چھوڑے ہیں جنھیں یقیناً قبولِ عام کا شرف حاصل ہوا اور بقائے دوام کا فخر حاصل ہوگا ۔

پروفیسر براؤن نے جو اپنی محنت و کاوش اور دقت نظر کی وجہ سے مستشرقین میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اپنے ان چار خطبات کے ذریعہ طبی ادب ۔ عربی علم طب اور علم تاریخ طب پر بہت بڑا احسان کیا ہے ۔ یہ خطبات علمی دنیا میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے اور یورپ کی کئی زبانوں میں ان کے ترجمے شائع ہوئے چنانچہ ۱۹۳۳ء میں پیرس میں ان کا فرانسیسی ترجمہ شائع ہوا ۔

حکیم سید علی احمد نیر واسطی ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس مجموعۂ خطبات کا انگریزی سے سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ کیا اور اس میں جا بجا اپنی جانب سے مفید تشریحات اور علمی وفنی و تاریخی تنقیدات کا اضافہ کیا ۔

پروفیسر براؤن کی تالیف (اریبین میڈیسن) کی خوبی اس کے طرزِ بیان مضامین کے حسن انتخاب اور حسن ترتیب سے واضح ہے ۔ یہاں میں چند کلمات اس ترجمہ اور حکیم صاحب موصوف کی تشریحات و تنقیدات کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں ۔

طب العرب جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے ۔ پروفیسر براؤن کی کتاب اریبین میڈیسن کا بامحاورہ اردو ترجمہ ہے اور اس ترجمہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصل کتاب کی طرح طرزِ ادا میں ادب اور زبان کی خوبیوں کو پوری طرح قائم رکھا گیا ہے پس بلاشبہ جس طرح اصل انگریزی کتاب طرز نگارش اور اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے اس کے مؤلف کی عظمت کی آئینہ دار ہے اسی طرح یہ ترجمہ بھی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مترجم کے علم و فضل قدرت بیان اور ادیبانہ کمالات پر شاہد عدل ہے ۔ چنانچہ بادی النظر میں یہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ فصیح و بلیغ اردو زبان میں تاریخ طب کی ایک مستقل تالیف معلوم ہوتی ہے ۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا فاضل مترجم نے طب العرب کے آخر میں تشریحات و تنقیدات کا اضافہ کیا ہے اور درحقیقت اس کتاب کا یہی وہ حصہ ہے جس سے ہم علم ادب کے علاوہ فن طب

اور اس کی تاریخ میں مترجم کے علم وفضل ۔ دقتِ نظر اور وسعت مطالعہ کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ اس حصہ میں جو اصل کتاب سے دوچند ہو گیا ہے فاضل مترجم نے نہایت قابلیت کے ساتھ جا بجا پروفیسر براؤن کے بیانات کی محققانہ تشریح و توضیح کی ہے اور اس ضمن میں وہ مقامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں ہمارے مترجم شارح اور نقاد نے اختلافی امور میں پروفیسر براؤن سے اختلاف رائے کرتے ہوئے ان کے بیانات پر نقد و جرح کی ہے اور اس سلسلے میں مستند حوالہ جات کا انبار لگا دیا ہے ۔

حکیم نیر واسطی صاحب ہمارے تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے مایۂ ناز فرزند ہیں ۔ علمی ۔ ادبی اور فنی حیثیت سے آپ کا خاص درجہ ہے اور تاریخ فن طب میں آپ کو ملک میں جو امتیازی مقام حاصل ہے ۔ طب العرب کا وجود اس کا واضح ثبوت ہے ۔

ملک میں مورخوں کی کمی نہیں لیکن فن طب کا مورخ صدیوں سے مفقود تھا جس کی کمی حکیم صاحب موصوف کی ذات سے پوری ہوئی ہے ۔ خدا ان کی اس علمی خدمت کو متلاشیانِ حق کے لئے مبارک کرے ۔

حکیم نیر واسطی صاحب نے اپنے مطب کی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس بیش بہا کتاب کے ترجمہ و شرح و نقد و تحقیق میں اپنے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کیا ہے ۔ آپ کی تشریحات و تنقیدات کے اضافہ کے ساتھ اصل کتاب یکسر ایک نئی چیز بن گئی ہے اور اس طرح صحیح معنی میں طب قدیم اور اطبائے سلف کے حالات پر یہ ایک ایسی مفید، کارآمد اور مستند کتاب تاریخ مرتب ہو گئی ہے جس کی روشنی میں ہم عربوں کے دور علم و حکمت کے صحیح نقوش دیکھ سکتے اور ان نقوش میں اپنے لئے نشانات راہ تلاش کر سکتے ہیں ۔

(حکیم) عبد اللطیف (شفاء الملک)
پرنسپل طبیہ کالج ۔ علی گڈھ
۱۴ — ۷ — ۵۴

مقدمہ

مجھے گزشتہ دس سال میں جمہور کی طرف سے دو ایسی جلیل القدر عزتیں بخشی گئیں جو میرے لئے بیحد موجبِ مسرت و شادمانی ہیں۔ اوّل یہ کہ مجھے ۱۹۱۱ء میں رائل کالج آف فزیشنز کا فیلو منتخب کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ میری ۵۹ ویں سالگرہ (فروری ۱۹۲۱ء) کی تقریب میں ممتاز ایرانی ادیبوں نے مجھے ایک سپاسنامہ سے مشرف کیا جس کے ساتھ بیش قیمت اور نفیس تحفے بھی تھے (اس سپاس نامے میں پیش کرنے والوں نے براہِ کرم یہ رائے ظاہر کی تھی کہ میں نے ایران کی زبان اور ادب کی شاندار خدمات انجام دی ہیں)

میرا مقصود طبِ عرب پر اس مختصر کتاب کی تالیف و اشاعت سے یہ نہیں کہ ان دوگونہ احسانوں سے سبکدوش ہوں بلکہ میں عملاً اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک طرف ایرانی فضلاء اور اطباء کی وہ خدمات بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو انہوں نے عہد تاریک سے عصرِ حاضر کے علمی ارتقاء تک فنِ طب کے فروغ کے لئے انجام دیں اور دوسری طرف ادبیاتِ ایران و عرب کے ان قدر دانوں پر جو مشرقی ادب کی علمی وسعتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انہوں نے شاعروں اور قصیدہ نگاروں کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ کی اور علم اور سائنس کی ان ترقیوں کو نظر انداز کر دیا جن کی بناء پر مشرق نے عہدِ وسطیٰ میں بمقابلہ مغرب ادب اور فنونِ لطیفہ کو ترقی دی تھی۔ اور جو مشرقی ادبیات سے چولی دامن کا تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے اس کتاب میں واضح کیا ہے۔ کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مشہور عالم مثنوی سے دینی شخص

بیشتر مستفید اور محظوظ ہو سکتا ہے جو قدیم علم طب کی اصطلاحوں سے واقف ہو۔
میں نے ان تقریروں (فٹز پیٹرک لیکچرز (Fitz Patric Lectures)
کی طیاری سے پہلے کیمبرج یونیورسٹی کے شاہی معلّم طب سر کلیفورڈ ایلبٹ
(Clifford Allbutt) سے استصواب کیا کہ اس علم طب کی تاریخ پر بہتر کتابیں
کونسی ہیں جس کے متعلق پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہبی روایات میں ہے۔ کہ العلم
علمان - علم الادیان وعلم الابدان (علم دو ہیں۔ ایک علم دین اور
دوسرا علم بدن)۔ سر کلیفورڈ نے جو کتابیں تجویز کیں اور اکثر مطالعہ کے واسطے مجھے
دیں ان میں پروفیسر میکس نیوبرگر کی کتاب Geschchichte der Medizin
زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ (اگرچہ اس میں طب عرب کا ذکر ۲۸ صفحات تک محدود ہے)
لیکن اس کے باوجود یہ کتاب حقائق اور مستند تفصیلات سے معمور ہے۔[1] کتاب مذکور
میں موضوع کے متعلق ایک قابل قدر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مزید توضیح کی گنجائش تو
ہے لیکن تصحیح کی نہیں۔

مجھے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ ان چاروں لیکچروں کو اصل صورت میں شائع
کردیا جائے۔ چنانچہ ان کو کسی نئے سانچے میں نہیں ڈھالا۔ طباعت کے وقت میرے
دوستوں اور رفیقوں میں سے ڈاکٹر ایف۔ ایچ۔ ایچ۔ گلیمرڈ۔ ایم۔ ڈی۔ ڈاکٹر
ای۔ ایچ منرلٹ ڈی۔ مرزا محمد خاں قزوینی اور محمد اقبال نے کتاب کی کاپیاں
پڑھیں اور مجھے مفید مشورے دئے۔ جن کے لئے میں ان دوستوں کا احسان مند
ہوں اور پروفیسر اے۔ اے۔ بیون۔ اور ریورینڈ پروفیسر ڈی۔ ایس۔
مارگولیوتھ نے رازی کی کتاب کا ترجمہ کرنے اور تشخیص عملی کے نکات سمجھنے میں مجھے
جو مدد دی ہیں اس کا بھی شکرگزار ہوں (تشخیص عملی کے ان نکات کا بیان دوسرے
لیکچر میں حاوی میں رازی کی طبی یادداشتوں کے ضمن میں درج ہے)۔
میرے لئے یہ امر خاص طور پر خوشی کا باعث ہے کہ مجھے یہ کتاب سر نارمن مور کے
نام کے ساتھ معنون کرنے کی اجازت مل گئی۔ جو طب کی روایات علمی و خلقی کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ انگریزی ترجمہ کتاب مذکور از ایل۔ اے۔ پلے فیئر جلد اوّل حصہ دوم صفحات ۴۲، ۲۲۸، ۳۴۹
- ۳۹۴ - مؤلف

کے زندہ پیکر ہیں اور مجھے کیمبرج یونیورسٹی اور سینٹ بارتھولومیوز کے ہسپتال
(St. Bartholomew's Hospital) میں بحیثیت طالب علم اُن کے
چشمۂ فیض سے علم کی پیاس بجھانے کا شرف حاصل ہو چکا ہے ۔ سر ڈارمن مور کے
علاوہ تعلیم طب کے ان مشہور مرکزوں میں مجھے دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ
کا موقع ملا ہے اور میں نے تحقیق کے متعلق ان کے اختیار کردہ طریقوں سے علم و فن
کے دوسرے شعبوں میں بھی کام لیا ہے ۔

ایڈورڈ - جی - براؤن

۱۶ اپریل ۱۹۲۰ء

موضوع اور محدود وقت کا تقاضا یہ ہے کہ میں غیر ضروری اور بے تعلق امور پر گفتگو نہ کروں باایں ہمہ مجھے کالج کا فیلو منتخب ہونے کے بعد ان لیکچروں کے ذریعے قابل قدر اور غیر متوقع اعزاز کی سپاس گزاری کا جو موقع مل گیا ہے میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

مجھے یہ اعزاز اسی وجہ سے بخشا گیا ہے کہ میں طب عربی کی تاریخی حیثیت سے واقف ہوں اور کالج کے متعلقین میں سے ایک ایسے فیلو کی شرکت مناسب سمجھی گئی جو کتب عربی سے طب عرب کے متعلق براہ راست استفادہ کر سکے۔

عرب میں یہ مثل زبان زد عام ہے کہ ہر شخص اور ہر چیز سے استفادہ کا ایک خاص وقت ہوتا ہے عربی مثل یہ ہے ما اذخرتك يا دمعي الا لشدتي (اے میرے آنسو میں نے تجھے صرف اس غرض سے سنبھال کر رکھا ہے کہ تو میری مصیبت میں کام آئے)۔

امسال جب فٹزپیٹرک لیکچروں کے لئے دعوت دی گئی تو میں نے محسوس کیا کہ یہ مثل مجھ پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ اگرچہ میں سمجھتا تھا کہ کالج کی نگاہِ انتخاب جس اعزاز کے لئے مجھ پر پڑی ہے میں اس کا مستحق نہیں ہوں تاہم اس کو رد کرنا غیر ممکن ہوگیا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ کالج کے صدر سر نارمن مور (جن سے میں نے زمانۂ طلب علم میں استفادہ کیا ہے) بھی یہی چاہتے تھے۔ اور میں ان کا اس قدر احسان مند ہوں کہ سپاس گزاری کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ آپ ان لیکچروں کے مطالعہ کے بعد مجھے عرب کی اس مثل کا مصداق نہ پائیں گے کہ من اول غزواته

انکسرت عصاتہ (پہلے ہی حملے میں اس کی لاٹھی ٹوٹ گئی)۔

طب عرب

طبِ عرب سے وہ طب مراد ہے جو عربی زبان میں پیش کی گئی اس کا بیشتر حصہ یونانی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس میں ہندوستان ایران اور شام کے علما نے اضافے کئے ہیں اور عربی ذہانت کی پیداکردہ چیزیں کم ہیں۔

یہ حقیقت دیر سے تسلیم کی جا چکی ہے۔ کہ طبِ عرب اس وجہ سے ممتاز نہیں کہ یہ عربوں کی ایجاد و اختراع ہے۔ بلکہ اس کے امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ زوالِ یونان اور عروجِ مغرب کے درمیان حائل ہونے والے تاریک عہد میں عربوں نے علم و حکمت کی روایت کو برقرار رکھا۔ اور بعد میں اہلِ مغرب نے فلسفہ اور سائنس کی اس گرانقدر پونجی سے فائدہ اٹھایا[1]۔

طب عرب کی تدوین

یونانی کتابیں براہِ راست یا سریانی زبان کے تراجم سے عربی میں منتقل کی گئی ہیں۔ اور یہ عظیم الشان علمی خدمت بغداد میں خلفائے بنی عباس کے زیرِ سرپرستی (آٹھویں صدی اور نویں صدی عیسوی کے درمیان) اس عہد کے علماء نے انجام دی۔ تمام مترجمین عرب اور مسلمان نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت سریانی۔ عبرانی۔ اور فارسی بولنے والوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ لوگ مجوسی اور یہودی مذہب کے پیرو تھے۔ مغرب کے فدایانِ علم و حکمت نے چار یا پانچ صدی کے بعد یونانی زبان کے ذخیرے سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس قدیم فن کو روز افزوں جوش کے ساتھ عربی زبان سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور طب کو عربی سے لاطینی میں منتقل کر دیا اور فنِ طباعت کی پہلی صدی ہی میں فلسفہ سائنس اور طب کی کتابوں کے لاطینی ترجمے بہ تعداد کثیر یورپ کے مطابع میں چھپ گئے۔ یہاں تک کہ اہلِ مغرب کو یونانی کتابوں سے براہِ راست استفادہ کا موقع ملا۔ اور انہوں نے خود ہی اپنے ذہنی قویٰ سے اسرارِ فطرت اور قوانینِ قدرت معلوم کرنے کے لئے ایک پرزور اور موثر جد و جہد شروع کر دی جس کے نتیجہ میں عربی کا اقتدار اور امتیاز کم ہو گیا

---

[1] صفحہ ۱۶۴ پر مترجم۔

اور ابتدا میں اس کی طرف جس قدر میلان تھا اسی قدر بے توجہی ہو گئی یعنی دونوں صورتوں میں حدِ اعتدال کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا
عہدِ حاضر میں جب سے ارتقائے علوم سے دلچسپی بڑھی ہے علاج
کے عربی اور دوسرے قدیم متروک طریقوں کی طرف پھر زیادہ توجہ ہونے لگی ہے یہاں تک کہ
اب پوری احتیاط اور غور و فکر کے ساتھ قابلِ قدر تحقیق شروع کر دی گئی ہے اور اس موضوع پہ
کافی علمی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے ؛

عہدِ حاضر میں عرب مصنفین اور عربی کی طبی کتابوں کے متعلق خاص تصانیف کا ترجمہ
انگریزی زبان میں کیا گیا۔ ابن الندیم کی الفہرست (۳۷۷ھ مطابق ۹۸۷ء) القفطی کی تاریخ الحکما
(۶۴۶ھ مطابق ۱۲۴۸ء) ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء (۶۶۸ ہجری مطابق ۱۲۷۰ء)
اور حاجی خلیفہ کی ضخیم تاریخ کشف الظنون ہجری مطابق ۱۶۵۷ء) وغیرہ کے اعلیٰ ایڈیشن شائع
کئے گئے ہیں۔ وینرچ Wenrich وستنفلڈ Wüstenfeld لکلارک
Leclerc براکلمن Broklemann وغیرہ نے ان کتابوں کے ضروری مضامین کی تلخیصات
کی ہیں۔ اور طب عرب کی عمومی حیثیت اور مغربی طب کے ساتھ اس کے تعلق کے موضوع
پر پیجل Pagel نیوبرگر Neuburger وتھنگٹن Withington
اور گیریسن (Garrison) نے قابلِ قدر کتابیں لکھی ہیں۔

یہ چند مصنفین حال ہی میں گزرے ہیں اور انہوں نے تمام طب عرب پہ بحیثیت مجموعی نا قدانہ
بحث کی ہے لیکن جن لوگوں نے اپنی توجہ کو فن کے کسی ایک شعبہ پہ مرکوز کر دیا ان میں ڈاکٹر پی ڈی
کیننگ Dr. P. D. Köning اور ڈاکٹر میکس سائمن Max Simon کے نام خصوصیت
کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان مصنفین نے تشریح کی اصطلاحوں کو صحت کے ساتھ درج کیا ہے اور ان کی
مترادف یونانی اصطلاحیں بھی لکھی ہیں ؛

تشخیصِ امراض کے سلسلے میں ابھی تحقیق کا بہت سا کام باقی ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے عربی
کی طبی کتابوں کے مطالعہ میں بڑی مشکل پیش آئی ہے بہت سے الفاظ اور مصطلحات کے معنی و مفہوم
کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکا۔ (کیونکہ عام علمی زبان میں ان کے مفہوم کا سمجھنا بہت دشوار ہے۔
لاطینی ترجموں سے بھی جو عہد وسطیٰ میں بزبان عرب کئے گئے ہیں کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی کیونکہ
مترجموں نے عموماً ترجمہ کرتے وقت عربی الفاظ کی صورتیں تبدیل کر دی ہیں مثلاً شیخ الرئیس ابو علی بن سینا

کی شہرۂ آفاق کتاب قانون کی جلد سوم میں حصۂ اوّل کے پہلے باب کا عنوان لاطینی زبان میں سوڈا ر Soda. قائم کیا گیا ہے لیکن جس شخص کے پیش نظر عربی کی اصل کتاب (قانون) نہ ہو وہ کس طرح سمجھ سکتا ہے کہ سوڈا سے مراد صداع ہے جو صدع سے مشتق ہے اور جس کے معنی عربی میں چیرنے اور شق ہونے کے ہیں۔

طب عرب کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے اسلام کی تاریخ کا علم بہت ضروری ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے ۶۲۲ء میں سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل کیا اس سن میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز مکہ سے مدینہ میں منتقل کر دیا اس واقعہ سے سنہ اسلامی شروع ہوتا ہے جو سنہ ہجری کہلاتا ہے (اور تاریخ ترتیب کتاب تک اس کے ۱۳۴۸ قمری سال گزر چکے ہیں)۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے عرب کے لڑنے اور ایک دوسرے سے خصومت رکھنے والے قبیلوں میں مذہبی اور معاشرتی یک رنگی اور یک جہتی پیدا کر دی جس سے ان کا نصب العین ایک ہو گیا۔ وہ ایک قوم کی صورت میں دنیائے معلوم کے نصف حصہ پر غالب ہو گئے۔ اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بجائے انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی۔

یہ نظام حکومت دنیا میں تقریباً چھ سو برس تک قائم رہا آخر ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں عرب یا صحیح تر الفاظ میں اسلامی تہذیب کو مغلوں (تاتاریوں) کے حملوں سے ایسا شدید نقصان پہنچا جس سے وہ زندہ نہ رہ سکی۔ اس حادثہ نے خلافت۔ عرب سلطنت کے نام نہاد اتحاد، عظمت و فضیلت بغداد کو جو اسے مرکزیت کی حیثیت سے حاصل تھی، ہمیشہ کیلئے تباہ کر دیا۔

یہاں اس تاریخی حقیقت کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ عرب علم و حکمت کی بنیاد ساتویں صدی ہجری سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ معتزلہ کا زور (جو مذہبی عقائد میں زیادہ آزاد خیال تھے) عروج و زوال میں بدل گیا تھا۔ اور ان کی جگہ اشاعرہ کا اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ معتقدات میں قدامت پسندی اور تنگ نظری آگئی تھی اس کے علاوہ عربی اور ایرانی اثرات کی جگہ سیاست

سائنس اور علی الخصوص فلسفہ میں ترکی اثر غالب ہو چلا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں علوم عقلیہ اور فنونِ حکمیہ کی تحصیل کے لئے وہ جوش اور ثبات عزم نہ رہا جو خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے چند پیشروؤں اور جانشینوں کے عہد میں پایا جاتا تھا[2]۔ اس دور میں فلسفہ کے ساتھ طب کا تعلق اس قدر گہرا رہا ہے کہ طبیب اور ماہر علم الطبیعات ہر ایک حکیم کہلاتا تھا۔ جیسا کہ اب تک کہلاتا ہے۔

درحقیقت عربی علم و حکمت کا دور ایک صدی یعنی ۷۵۰ء اور ۸۵۰ء کے درمیان ختم ہو گیا تھا اور یہی وہ دورِ زریں ہے جس میں خلفائے بنی عباس کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اس عہد کے دس خلفا میں سے خلیفہ ثانی یعنی منصور اور خلیفہ ہفتم یعنی (مامون جس کی والدہ اور زوجہ دونوں ایرانی نژاد تھیں اور جس کے عہد میں بڑھے ہوئے ایرانی اثرات اور ترقی کر گئے تھے)۔ ترویج و اشاعت علوم اور علمی ذوق کے لئے خاص طور سے ممتاز اور مشہور ہیں منصور اور مامون علوم و فنون میں بہت زیادہ وسیع النظر اور آزاد خیال تھے اور اسی وجہ سے قدامت پسند لوگ خلیفہ کو بجائے امیر المومنین کے امیر الکافرین[3] کہتے تھے۔

منصور اور مامون علوم قدیمہ سے خاص دلچسپی اور شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے قدیم زبانوں خصوصاً یونانی زبان کے نادر قلمی نسخے خرید کر یا مبادلہ کے ذریعہ حاصل کئے اور انہیں شاہی کتب خانہ میں (جس کا نام بیت الحکمت تھا[3]) جمع کیا۔ نیز علمائے عصر کی خدمات حاصل کیں اور یونانی زبان سے براہِ راست عربی میں یا یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرانے کے بعد اپنی عربی میں منتقل کرا لیا۔

ضائع شدہ قلمی کتابوں کا ماتم — کتاب الفہرست مشہور عربی کتاب ہے جو ۹۸۷ء میں یعنی دورِ زریں کے ایک سو سال بعد لکھی گئی ہے (اور جس میں اس عہد کے علوم کی فہرست درج ہے)، اس زمانہ کے علوم کی آئینہ دار ہے

---

[1] ملاحظہ ہو الیعقوبی صفحہ ۵۴۶ — مؤلف

[2] صفحہ ۱۶۹ براؤن — مترجم ۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو — مترجم

[3] صفحہ ۱۷۰ براؤن — مترجم

یہ کتاب بتاتی ہے کہ دورِ زرین میں بے شمار علمی کتابیں تھیں جو بعد میں ضائع کر دی گئیں۔ کتاب الفہرست میں جن کتابوں کا ذکر ہے ان میں فی ہزار ایک کتاب اور وہ بھی بحال خراب و خستہ باقی نہیں رہی۔ میتھیو پیرس نے ۱۲۴۰ء میں تاتاریوں کی غارت گری کی تکمیل کے متعلق لکھا تھا۔

"یہ ملعون قوم جس کو تارتاری کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ تاتار سے لشکر شیطانی کی طرح آئی اور شوق غارتگری کی تکمیل کے لئے قبائے خلافت کو تار تار کر گئی"

اور اسلامی ثقافت کا باقی اثر بھی ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی اور خلافت کے سقوط کے بعد زائل ہو گیا صرف اس کا موہوم سایہ باقی رہ گیا [4]

میں عربی تہذیب کی بجائے اسلامی تہذیب کا لفظ استعمال کروں گا (اس کی وجوہ اجمالاً بعد میں بیان کی جائیں گی) حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی علمی زبان لاطینی تھی اسی طرح عربی زبان بڑی حد تک دنیائے اسلام کی علمی زبان تھی۔ عربی طب اور عربی علم کہنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے وہ علم یا طب مراد ہو جو عربی زبان کی کتابوں میں ہے۔ ہمیں گیارھویں صدی عیسوی سے عربی زبان کے علمی سرمایہ کا جائزہ لینا چاہیئے کہ اس عہد کی عربی زبان میں وہ قدیم علمی سرمایہ ملتا ہے جسے بجا طور سے عربوں کا علمی لٹریچر کہا جا سکتا ہے اس صدی کے لٹریچر میں ایک کتاب التفہیم ہے جو البیرونی نے فلکیات پر لکھی تھی اور بارھویں صدی عیسوی میں خوارزم (باخیوا) کے بادشاہ کے لئے طب میں ذخیرہ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی گئی تھی۔

(عربی زبان اور سرمایۂ علم)

مذکورہ بالا علمی لٹریچر عربی زبان میں بیشتر ایرانیوں۔ شامیوں اور یہودیوں اور کچھ یونانیوں نے پیدا کیا تھا عربوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا ہے [5]

(طبی تالیفات میں عربوں ...)

ابن خلدون نے (جس کے مقدمۂ تاریخ کا شمار عربی زبان کی ممتاز تصانیف میں ہے) اپنے مقدمۂ تاریخ میں جو ۱۳۷۷ء کی تصنیف ہے عربوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ ابن خلدون

(عربوں کے زوال ... نظم حکومت ... نکتہ چینی)

---

[4] صفحہ ۱۷۵ پر۔ مترجم

[5] صفحہ ۱۷۷ پر۔ مترجم

لکھتا ہے کہ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا وہ جلد تباہ ہوگیا[۱] - وہ باقاعدہ نظام حکومت قائم کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں[۲] - دیگر اقوام عالم کے مقابلہ میں حکمرانی کی قابلیت کم رکھتے ہیں[۳] اور صنعت اور آرٹ کے ذوق سے محروم ہیں[۴] -

گولڈ تسیر نے .Gold Ziher جو یہودی المذہب اور عہد حاضر میں عربی زبان کا بڑا فاضل ہے لاکانڈے کے متعلق بجا طور سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس نے یہ کہنے میں غلو سے کام لیا ہے کہ جن مسلمانوں نے علم میں کوئی انتیاز حاصل کیا ان میں سے ایک بھی نشامی النسل عربی نہیں - مگر وہ خود (گولڈ تسیر) یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ علوم دینیہ تفسیر - حدیث - فقہ وغیرہ میں بھی غیر عربوں کے مقابلہ میں عرب مصنفین کم نظر آتے ہیں[۵]

عربوں کے مقابلے میں غیر عرب اطباء اور مصنفین کی مقبولیت اور کثرت کا مزید ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے مگر میں صرف ایک مثال پر قناعت کروں گا اس سے ظاہر ہوگا کہ عرب اطباء پر خود عربوں کو اعتماد نہ تھا - (غالباً یہ مثال ہنوز اہلِ مغرب کی نظر سے نہیں گزری) -

جاحظ کی روایت

عرب کے مشہور فاضل اور ظریف مصنف جاحظ (جاحظ عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں اُبھری ہوئی ہوں) نے کتاب البخلاء میں لکھا ہے[۶] کہ اسد بن جانی ایک

---

۱ De Slanes Translation Page 310. - مؤلف

۲ De Slanes Translation Page 311. - مؤلف

۳ De Slanes Translation Page 314. مؤلف

۴ De Slanes Translation Page 365. مؤلف

۵ ملاحظہ ہو ہماری کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا - جلد اول صفحہ ۲۶۰ مؤلف

۶ E. Van Vloten P. P. 109—110. - مؤلف

۱ صفحہ ۱۷۸ پر مترجم ۔ ۲ صفحہ ۱۸۹ پر - مترجم

عرب طبیب تھا۔ بیماریوں کی کثرت اور شدت کے زمانہ میں بھی بہت کم لوگ اس کے پاس
علاج کے لئے جاتے تھے اگرچہ اس کا علم وفضل مسلم تھا۔ ایک بار ایک دوست نے جاحظ سے
اس کے مطب کے بے رونق ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اول تو میں مسلمان
ہوں اور اس سے پہلے کہ میں طب پڑھوں یا اس سے پیشتر کہ پیدا ہوں لوگ یہ رائے قائم کر چکے
تھے کہ مسلمان کامیاب طبیب نہیں بن سکتا۔ اس کے علاوہ میرا نام اسعد ہے حالانکہ
ہونا چاہیئے تھا صلیبا۔ مارائیل۔ یوحنا یا بیرا (یعنی سریانی یا عبرانی نام ہونا چاہیے تھا)
پھر میری کنیت ابوالحارث ہے۔ حالانکہ ہونی چاہیئے تھی۔ ابوعیسیٰ۔ ابوذکریا یا
ابوابراہیم (یعنی کنیت اسلامی نہیں بلکہ یہودیوں یا نصرانیوں کی سی ہونی چاہیئے تھی)
میں ایک سفید سوتی جبہ پہنتا ہوں۔ حالانکہ سیاہ ریشمیں عبا پہننی چاہیئے تھی۔ میں عربی
میں تقریر کرتا ہوں۔ حالانکہ جندی شاپور (جنوب مغربی ایران) کی زبان میں ہونی چاہیئے
تھی ۸؎

اطباء کی ہجو میں نظمیں

مذہبی امور میں آزاد خیالات رکھنے والے عرب طب کو کسی فرقہ یا مذہب کے لوگوں سے
مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مذہب اور ملت سے صرف نظر کرتے ہوئے اطباء
کی ہجو میں نظمیں لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ نظم درج کی جاتی ہے جو مسیحی طبیب یوحنا بن ماسویہ نے
(جسے قرون وسطیٰ کے مغربی مصنفین میسوئز Mesues کہتے ہیں) کی وفات پر لکھی گئی۔
(یوحنا بن ماسویہ کی وفات ۸۵۷ء میں ہوئی تھی)

ان الطبیب بطبہ ودوائہ	لا یستطیع دفاع امر قد اتی
طبیب اپنی طب اور دوا کے باوجود	اس امر پر قادر نہیں کہ اپنے کو آنیوالی موت سے بچا سکے
ما للطبیب یموت بالداء الذی	قد کان یبری منہ فیما قد مضی
طبیب کو کیا ہوا کہ وہ خود اس مرض کا شکار ہو گیا	جس سے وہ عہد ماضی میں دوسروں کو نجات دلایا کرتا تھا
مات المداوی والمداوی والذی	جلب الدواء وباعہ ومن اشتری
علاج کرنے والا مر گیا اور دوا استعمال کرنیوالا	اور وہ بھی جس نے دوا حاصل کی یا فروخت کی یا جس نے خریدی

۸؎ صفحہ 191 پر۔ مترجم

اسی طرز کی ایک اور نظم قدیم عرب بدوی شاعر عنترہ کی تصنیف ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

یقول لک الطبیب دواک عندی — اذا ماجس زندک والذراعا

طبیب کہتا ہے کہ میرے پاس تیری دوا ہے — جب وہ تیری نبض اور بازو کا معائنہ کرتا ہے

ولو علم الطبیب دواء داءٍ — یرد الموت ماقاسی النزاعا[9]

لیکن اگر طبیب کو ایسی دوا معلوم ہوتی — جو موت کو لوٹا دیتی تو وہ خود نزع کی تکلیف میں مبتلا نہ ہوتا

ادوار ثلاثہ

اگرچہ عربی طب کے ارتقا کی حدود واضح ہو گئیں تاہم بہت سی تفصیلات باقی ہیں اور اس سلسلے میں یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قدیم عربوں کی طبی معلومات (اس زمانے میں جبکہ اسلام نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر کے انہیں اس عہد کی معلومہ دنیا کے نصف پر حکمران بنا دیا۔ اور یونانی ۔ ایرانی ۔ مصری اور ہندی تہذیبوں کے قریب تر کر دیا تھا) کس قدر تھیں ۔

جس دور زرین کا ذکر کیا گیا اس سے پہلے تین دور اور گزر چکے ہیں ۔

(۱) دورِ جاہلیت وہ زمانہ جو اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی فتوحات کے آغاز سے تھوڑی مدت پہلے ساتویں صدی عیسوی کے وسط سے قبل گزرا ۔

(۲) پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے خلفائے اربعہ کا دور جو ۶۲۲ء سے ۶۶۱ء تک (ہجرت کے بعد تقریباً چالیس سال تک) حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) پر ختم ہوا۔ اس دور میں مدینہ مرکز اسلام تھا جس کا قدیم نام یثرب اور یونانی نام (Iáθριππα) تھا۔

(۳) خلفائے بنی امیہ کا دور جن کی سلطنت ہسپانیہ سے سمرقند تک پھیلی ہوئی تھی ۔ یہاں دمشق میں ان خلفا کے درباروں نے وہ شان پیدا کر لی تھی جس کا عربوں کو خواب میں بھی خیال نہ آیا تھا ۔

---

9 صفحہ ۱۹۴ یہ ، مترجم

دورِ جاہلیت کا تصور

پیش نظر مقصد کے لئے ضروری نہیں کہ ان ادوار میں سے پہلے اور دوسرے پر علیحدہ بحث کی جائے۔ اگرچہ یہ ادوار مذہبی اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے بہت مختلف ہیں لیکن بلحاظ علوم وفنون ایک ہی سطح پر نظر آتے ہیں۔ قدیم جاہل عربوں کی زندگی سراسر وحشیانہ تھی۔ جس کے آثار آج بھی ریگستان عرب میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ہمیشہ برسرِ پیکار پرخاش رہتے تھے۔ صرف طاقتور اور بااثر اشخاص ہی اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ غریبوں اور کمزوروں کے لئے اپنا بچاؤ کرنا دشوار تھا۔ عرب ہوشیار، بہادر اور جفاکش تھے اور عورتوں کا احترام اور قدرت کے قانون کا مطالعہ کرتے تھے ان کی زبان نہایت وسیع اور فصیح تھی اور انہیں اپنی زبان پر بہت ناز تھا۔ آج بھی جب وہ اپنی فصیح زبان میں جس کو خدا نے تمام زبانوں سے افضل بنایا ہے خدا کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ تو سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

قدیم عربوں کی نظمیں جوان کے جنگ وجدل، سفر اور عاشقانہ زندگی کے جذبات پر مشتمل ہیں۔ عرب زبان کی فصاحت اور عظمت کی سرمایہ دار ہیں۔ عربوں کے اکثر قبیلے جو باہم لڑتے تھے کسی کے تابع فرماں نہ تھے۔ وہ صرف اپنے سرداروں کی اطاعت کرتے تھے۔ اس وقت حیرہ اور غسان کی ریاستوں میں تہذیب وتمدن کے کچھ آثار پائے جاتے تھے غالباً اس وجہ سے کہ یہ ریاستیں سلطنت ایران اور روما کی سرحدوں کے قریب واقع تھیں

حارث بن کلدہ

تفطی اور ابن ابی اصیبعہ (جنہوں نے اپنی کتابوں میں اطباء اور حکماء کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں) کے نزدیک پہلا عرب طبیب حارث بن کلدہ تھا۔ جس نے اپنی آخری عمر میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ پایا۔ حارث نے طبی تعلیم کی تکمیل جندی شاپور کے مشہور مدرسہ طبیہ میں کی تھی اور اسے کم از کم ایک بادشاہ ایران نوشیرواں سے گفتگو کا اعزاز بھی حاصل ہوا تھا۔ نوشیرواں کو عرب کسریٰ اور یونانی کسروز Chosroes کہتے تھے اسی بادشاہ نے افلاطون کے فلسفۂ جدید کے حاملین کو (جو قدیم رومن قوانین کے پرستار مطلق العنان بادشاہوں کی بے توجہی سے دل شکستہ تھے)[1] پناہ دی تھی۔

---

[1] سنا صفحہ ۱۹۷ پر۔ مترجم۔

نضر بن الحارث

نوشیرواں سے حارث بن کلدہ کے طبّی مکالمہ کا حال ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں تحریر کیا ہے (جو اس کتاب کے دو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اور جس کا ملخص ڈاکٹر لوسین لکلارک نے اپنی کتاب تاریخ طب عربی میں درج کیا ہے[۱]) اس میں صحت کے عام اصول پر بحث کی گئی ہے (اور یہ اصول بڑی حد تک درست ہیں لیکن اپنے اندر کوئی خصوصی دلچسپی نہیں رکھتے) ۔

اسی حارث کا فرزند نضر بن الحارث بھی طب اور ایرانی علوم میں اپنے باپ کی طرح لائق تھا ۔ اس کے متعلق یہ غمناک داستان بیان کی گئی ہے کہ اس نے ایرانی تعلیم کے زیر اثر قرآن کی حکایات اور قصص کو سن کر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ افسانے رستم و اسفندیار کے ایرانی قصوں کے مقابلے میں بہت کم دلچسپ ہیں ۔ وہ اسی طرح لوگوں کو اسلام سے بدظن کیا کرتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوئی (جو کفار پر مسلمانوں کی پہلی فتح تھی) تو اسے تہ تیغ کر دیا گیا ۔

طب اور پیغمبر اسلام

پیغمبر اسلام (صلّی اللہ علیہ وسلم) طبّ اور اصول حفظِ صحت کے متعلق (جن کی نسبت بہت ممکن ہے کہ آپ نے حارث بن کلدہ سے بھی مشورہ کیا ہو) جو خیالات رکھتے تھے ان کا حال کتب احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے جو قرآن کے بعد کا درجہ رکھتی ہیں یہ کتب احادیث و روایات آخری بارھویں اور دسویں صدی عیسوی میں مدوّن کی گئی ہیں ۔ کتب احادیث میں ہر ایک موضوع اور بحث کو کتاب اور ہر ایک روایت کو باب قرار دیا گیا ہے ۔ صحیح بخاری (جو کتب احادیث میں مقبول ترین کتاب ہے) کی چوتھی جلد کے شروع میں دواؤں اور مریضوں کے متعلق دو کتابیں وقف کر دی گئی ہیں جو اسّی ابواب پر مشتمل ہیں ۔ یہ امر امید افزا معلوم ہوتا ہے لیکن جب ہم اصول فن کی روشنی میں تحقیق کے لئے ان ابواب پر غور کرتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ طب

---

[۱] Histoire de La Medecine Arabe. مؤلف

[۲] میرے فاضل دوست مرزا محمد قزوینی نے ان صفحات کو پڑھنے کے بعد بہت سے دلائل سے ثابت کیا کہ یہ نضر بن حارث بن کلدہ ثقفی کا نہیں بلکہ حارث بن علقمہ بن عبدہ کا بیٹا تھا ۔ مؤلف

علم جراحت اور علم الادویہ پہ بہت کم بحث کی گئی ہے اکثر ابواب - عیادت - بیمار کی حوصلہ افزائی روحانی تسکین نظر بد اور سحر کے ازالہ کے طریقوں اور محفوظ رہنے کی دعاؤں سے تعلق رکھتے ہیں - اگرچہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ لکل داءٍ دواءٌ (ہر مرض کی دوا ہے) لیکن آپ نے علاج کے صرف تین طریقے بیان کئے ہیں -

(۱) شہد کا استعمال (۲) حجامت بالنار (۳) کی کرنا یا داغ دینا - داغ دینے کی نسبت آپ نے فرمایا کہ اس کو یا تو بالکل ترک کر دیا جائے - یا اس سے بہت کم کام لیا جائے احادیث میں اونٹنی کا دودھ - ایلوا - شبرغشت (سن) وغیرہ ادویہ کا ذکر پایا جاتا ہے اور امراض چشم کے لئے سرمہ اور زخموں سے خون روکنے کے لئے سوختہ چٹائی کی راکھ لگانا تجویز کیا گیا ہے -

احادیث میں دردسر - دردشقیقہ - آشوب چشم - جذام - ذات الجنب - وبا اور بخار کا تذکرہ ہے اور ان کو فیح جہنم سے تعبیر کیا گیا ہے - پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کسی ایسے ملک میں نہ جاؤ جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو - اور اگر اس جگہ وبا پھیل جائے تو جہاں مقیم ہو وہاں سے ترک سکونت نہ کرو -

ان عام طبی معلومات اور بعض دوسرے فنی امور کے علاوہ کتب احادیث سے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا (البتہ قرآن مجید میں جروح وقروح اور تخلیق انسانی کے مشہور ابتدائی مدارج کا ذکر ہے - ان کے علاوہ اس سے بھی طبی اور فنی معلومات بمشکل حاصل ہو سکتی ہیں) بعد میں لوگوں نے احادیث و روایات وغیرہ سے کم و بیش ایک باقاعدہ طب بنانے کی کوشش کی ہے اور انہی پر طب نبوی کی بنیاد رکھی ہے [۱۱]

طب نبوی

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں طب قدیم کے طلباء کو شیخ الرئیس بو علی بن سینا کے قانونچہ (قانون کی تلخیص) کے ساتھ طب نبوی کے نام کی ایک کتاب بھی پڑھائی جاتی ہے [۱۲]

---

[۱۱] صفحہ ۱۹۷ پر - مترجم [۱۲] صفحہ ۱۹۵ پر - مترجم

ابن خلدون (جس سے آپ کا تعارف کرایا جا چکا ہے) نے طبِ نبوی کے متعلق اچھی رائے ظاہر نہیں کی[1] اور کہا ہے کہ ہم طبِ نبوی (جو جزوی طور سے عرب کی دیسی طب پر مشتمل ہے) کے قواعد کی پابندی کے لئے مکلّف نہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کا مقصد لوگوں کو طب کی تعلیم دینا یا عام زندگی کی معمولی باتیں بتانا نہیں تھا بلکہ خدا پرستی کے طریقوں کی تلقین کرنا تھا۔"

اسی سلسلہ میں ابن خلدون نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کھجور کے درختوں میں پیوند لگانے سے روک دیا۔ جس سے پھلوں کی پیداوار کم ہو گئی۔ بعد میں آپ نے یہ کہہ کر پیوند لگانے کی اجازت دے دی کہ "تم لوگ اپنے دنیاوی مفاد کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو"۔ ابن خلدون اس واقعہ پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ

"مذکورۂ بالا واقعہ کے پیش نظر معتبر روایات سے بھی جو طبی ہدایتیں ہم کو ملی ہیں وہ ہمارے واسطے قوانین کا حکم نہیں رکھتیں۔ ہم ان کی پابندی پر مجبور نہیں اور نہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ہدایتوں کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص عمداً کی برکت حاصل کرنے کے لئے ان پر اخلاص سے کاربند ہو تو کثیر فائدے حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان ہدایتوں کو باضابطہ طب کا جزو نہیں کہہ سکتے۔"[۱۳]

خلفائے بنی امیّہ کا دور

میں امید کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس حقیقت کی وضاحت کیلئے کافی ہے کہ عربوں کی اس ابتدائی طب[1] اور اس مکمل طب میں کس قدر فرق ہے جسے خلفائے بنی عباس کے دورِ اوّل میں بقراط اور جالینوس کے افادات کی اساس پر ترقی ہوئی تھی۔ البتہ یہ بتانا دشوار ہے کہ اس نظامِ طب نے خلفائے بنی امیّہ کے درمیانی عہد میں (ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط) میں کیا ترقی کی؟

---

[1] De Slanes Translation iii P.P. 163-4. مؤلف

[۱۳] صفحہ ۱۹۵ پر۔ مترجم

عہدِ اوّل کے عربوں کی سادگی

خلفائے بنی امیہ خالص عرب تھے اور ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے مابین پرسکون زندگی اور تہذیب کی برکات سے متمتع ہو چکے تھے۔ ان میں اب عربوں کی وہ سادگی باقی نہ رہی تھی جس کا ابتداء میں یہ حال تھا کہ عرب فوج نے ساسانیوں کے پایۂ تخت مدائن کو فتح کیا تو چند سپاہیوں نے کافور کو نمک سمجھ کر دیگچی میں ڈال لیا۔ ایک مرتبہ چند عربوں نے سونے کے بدلے چاندی خرید لی اور یہ کہہ کر خوشی کا اظہار کیا کہ ہم نے زرد چیز کے عوض سفید چیز حاصل کی ہے۔ ایک بار چند عربوں نے ایک گراں بہا اور نادر گوہر کو چاندی کی ایک ہزار ٹکلیوں کے عوض بیچ دیا۔ خریدار کو تعجب تھا کہ عرب اس گوہر کو اتنا ارزاں کیوں فروخت کر رہے ہیں۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایک ہزار[1] سے اوپر گنتی نہیں جانتے اسی وجہ سے زیادہ مطالبہ نہیں کر سکے۔

فان کریمر کی رائے

خلفائے بنی امیہ کے درمیانی عہد میں عربی یا اسلامی سلطنت انتہائی وسعت کو پہنچ چکی تھی۔ وہ ہسپانیہ پر قابض تھے (جو اُن کا بہترین مرکزِ عیش و راحت تھا) ہسپانیہ نے خلفائے بنی عباس کی سیادت اور قیادت کبھی تسلیم نہیں کی۔ وہ مصر و ایران شام اور اس کے پایۂ تخت دمشق میں دربار کیا کرتے تھے۔ اور قدیم علمی مراکز سے قریب تھے لیکن اب سوال یہ ہے کہ خلفائے بنی امیہ نے ان ذرائع سے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔ فان کریمر Kremer کے بیان کے مطابق خلفائے بنی امیہ نے علوم عقلیہ کی نشر و اشاعت اور ترقی کے سلسلہ میں یقیناً یوحنا دمشقی سے استفادہ کیا[2] جس کا لقب کرائسوروز Chrysorrhoas تھا اور جسے اہلِ عرب منصور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اوّلین اموی خلیفہ امیر معاویہ منصور پر بے حد مہربان تھے۔

یونانی علوم کی پہلی تحریک

اموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ علم کیمیا کا بہت دلدادہ تھا۔ اسی نے عربوں میں یونانی علوم سے بہرہ ور ہونے کی تحریک کی۔ کتاب الفہرست میں (جو ان امور میں معلومات کا

---

[1] (Culturgeschichte d. orients, Vol. ii, pp. 401) مؤلف

[2] صفحہ ۱۹۶ پر۔ مترجم

بہترین اور قدیم ترین وسیلہ ہے، لکھا[۱] ہے کہ خالد نے یونانی فلسفہ کے علماء کو مصر میں جمع کیا۔ اور کیمیا کے متعلق یونانی اور مصری کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ اسلامی عہد کے اولین تراجم یہی تھے۔ خالد بن یزید کے ساتھ مشہور ماہر کیمیا جابر بن حیان بھی ان علمی مشاغل میں شریک ہو گیا۔ جابر بن حیان کو قرون وسطیٰ میں اہل مغرب گیبر (Geber) کے نام سے یاد کرتے تھے)۔

جابر بن حیان

قرون وسطیٰ میں اہل مغرب نے لاطینی زبان کی جو کتابیں جابر کے نام سے منسوب کیں ان میں سے اکثر یورپین محققین کی تصانیف ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں کو مقبول اور مستند بنانے کیلئے انہیں جابر بن حیان کے مشہور اور معروف نام سے منسوب[۱۵] کر دیا۔

جابر بن حیان کی اصل عربی کتابیں کم یاب ہیں۔ البتہ برتھیلوٹ (Berthelot) کی مقبول عام کتاب تاریخ کیمیا میں[۲] جابر بن حیان کا ایک عربی رسالہ متن وار فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے[۱۶]۔

عربی علم کیمیا کی عظمت

برتھیلوٹ نے اپنی تصنیف تاریخ کیمیا میں لکھا ہے کہ اگرچہ یہ امر مدت سے تسلیم شدہ ہے کہ فن کیمیائے قدیم سے ماہرین علم کیمیا کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ رنگ پارس اور اکسیر کا انکشاف کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود عربوں نے علم کیمیا میں کثیر التعداد بیش قیمت اور اہم معلومات فراہم کیں اس فن پر عربوں کے جو احسانات ہیں ان کا اندازہ الکحل۔ قرع انبیق اور اسی قسم کے دوسرے علمی الفاظ اور مصطلحات سے کیا جا سکتا ہے جو آج تک مروج اور مستعمل ہیں۔ بہرحال عربوں نے علم کیمیا اور علم الادویہ کے سلسلے میں ان معلومات پر گرانقدر اضافہ کیا جو انہیں یونانیوں سے حاصل ہوتی تھیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۳۴۲ مؤلف

[۲] Histoire de la Chimie au Moyen Age مؤلف۔

[۱۵] صفحہ ۱۹۸ پر ۔ مترجم ؎

[۱۶] صفحہ ۱۹۸ پر ۔ مترجم ؎

اموی دور کے اطباء

اموی دور کے عربوں میں خصوصیت کے ساتھ طب کا بہت کم سراغ ملتا ہے۔ صرف تین یا چار اطباء کا ذکر پایا جاتا ہے اور یہ بھی اکثر مسیحی یا غیر عرب تھے۔ ایک ابن اثال تھا جو پہلے اموی خلیفہ امیر معاویہ کا طبیب خاص تھا۔ ابن اثال کو قبیلۂ مخزوم کے ایک شخص نے اس شبہ کی بنا پر قتل کر دیا کہ اس نے خلیفہ کے ایماء سے اس کے ایک رشتہ دار عبدالرحمٰن کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

اس عہد کا دوسرا طبیب ابوالحکم تھا اور یہ بھی مسیحی تھا۔ اس نے سو سال کی عمر پائی اور اس کا فرزند حکم بھی سو سال زندہ رہا۔ حکم کے کامیاب علاج کا یہ واقعہ کتب تاریخ میں شرح و بسط کے ساتھ درج ہے کہ اس نے ایک مریض کی شریان کے جریانِ خون کو جو خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا بند کر دیا۔ مریض کی شریان کو ایک ناتجربہ کار حجام (جراح) نے کھول دیا تھا۔ ان اطباء کی کسی تالیف کا ذکر کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ البتہ عیسیٰ بن حکم کے نام سے کتاب "کناش" منسوب کی جاتی ہے۔ جو فن طب پر تھی لیکن اس کا کوئی جزو باقی نہیں رہا۔ اس دور کے اطباء کے سوانح نگاروں نے تیاذوق (یونانی نام تھیوڈوسی۔ ایس یا تھیوڈوریس) کا بھی ذکر کیا ہے[1] جو یونانی معلوم ہوتا ہے تیاذوق مشہور ظالم اور طاقتور فرمانروا حجاج بن یوسف کا طبیب خاص تھا۔ جس کا حجاج بیحد احترام کرتا تھا۔ اس کے بعض رسائل تا ہنوز محفوظ ہیں اور ان کی تعداد تین یا چار سے زیادہ نہیں۔ اموی عہد کے دور کے چند اطباء کی یہ مختصر فہرست بدوی خاتون زینب کے نام پر ختم ہو جاتی ہے جو امراض چشم[2] کا علاج کیا کرتی تھی۔

اموی شفاخانہ

امراض متعدیہ

اموی خلفاء کے عہد میں حفظ صحت عامہ پر نسبتاً زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔ مورخ طبری نے لکھا ہے[3] کہ ۸۸ ہجری مطابق ۷۰۶ء میں خلیفہ ولید نے مریضانِ جذام کے قیام کے لئے ایک علیحدہ جگہ بنا دی تھی اور ان کو کھانا بافاعدہ مہیا کیا جاتا تھا۔

بدوی علاج

اس زمانہ میں بدوی عرب سحر اور جادو سے کام لیتے اور جھاڑ پھونک کرنے والے

---

[1] ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب کی جلد اول صفحہ ۱۲۱ اور ۱۲۳ پر اس طبیب کا نام تیاذوق لکھا ہے۔ مؤلف

[2] ملاحظہ ہو۔ جلد دوم صفحہ ۱۱۹۶۔ مؤلف۔

[3] صفحہ ۲۰۵ پر۔ مترجم ؛

عام طور پہ اپنا لعاب دہن مریض کے جسم کے اس حصہ پہ لگا دیتے تھے جہاں تکلیف ہوتی تھی مثال کے طور پہ مشہور عربی شاعر جریہ کا یہ واقعہ کتب تاریخ میں مذکور ہے[1] کہ اس نے اپنی دختر ام غیلان کی شادی ابلق نامی ساحر کے ساتھ اس بناء پہ کر دی تھی کہ اس نے جریہ کو سحر کے ذریعہ مرض ماشرا سے شفایاب کیا تھا۔

زویمر کی رائے

زویمر (Zwemer) نے اپنی کتاب عرب گہوارۂ اسلام (اریبیا دی کریڈل آف اسلام) میں وضاحت[2] کے ساتھ بتایا ہے کہ آجکل عرب کے دیہاتی اور شہری باشندوں میں علاج کے کونسے طریقے مروج ہیں۔ اور وہاں طب کس شکل میں ہے۔ زویمر کی تصریحات سے اس امر کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائی دور میں عرب کے اندر وہ طب کس شکل پر تھی جس کے متعلق یہاں بحث کی جا رہی ہے۔

طبی تراجم عمرو بن العاص کے عہد میں

بغداد میں خلفائے بنی عباس کے ابتدائی عہد (آٹھویں اور نویں صدی عیسوی) کی علمی ہنگامہ آرائیوں کا ذکر کرنے سے پہلے ایک اور اہم مسئلہ غور طلب ہے اور وہ یہ کہ کلارک نے اپنی کتاب تاریخ طب عرب میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عباسی عہد سے تقریباً ایک صدی پیشتر ہی عربوں نے یونانی کتب سے اخذ ونقل شروع کر دی تھی جبکہ فتح مصر کے بعد وہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اس سلسلے میں کلارک یحییٰ النحوی (جان دی گرامیرین) john the Grammarian کا ذکر کرتا ہے جس پر امیر عمرو بن العاص فاتح و اوّلین عامل مصر بہت مہربان تھے اور کہتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کو جان فیلوپونس john Philoponus بھی کہتے ہیں جو فلسفۂ ارسطو کا شارح ہے۔

یحییٰ النحوی

یحییٰ جس کا ذکر قفطی کی تاریخ الحکماء میں بہ تفصیل[3] موجود ہے اسکندریہ میں یعقوبی فرقے

---

[1] Beven's ed. of the Naqaid, p. 840 ۔ مؤلف

[2] Arabia, the Cradle of Islam p. 280 ۔ مؤلف

[3] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۳۵۴ ۔ مؤلف

کا مذہبی رہنما (بشپ) تھا بعد میں اُس نے عقیدۂ تثلیث کو جس سے موحد مسلمان سخت بیزار ہیں ترک کر دیا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں کے عام جذباتِ ہمدردی اس کی طرف منعطف ہو گئے۔ یحییٰ النحوی نادانستہ اسکندریہ کے اس عظیم الشان کتب خانہ کی تباہی کا موجب بنا جس کو مسلمانوں نے نذرِ آتش کیا تھا۔ اس کے متعلق اگرچہ یہ افسانہ مشہور ہے لیکن تمام مستشرقین نے اس کو غلط قرار دیا ہے[۱] مگر تعجب ہے کہ بٹلر کٹ مسلمانوں اور عربوں کا حامی ہونے کے باوجود کتب خانۂ اسکندریہ کے جلانے کو تاریخی حقیقت قرار دیتا ہے[۲]

بہرحال یحییٰ یونانی زبان کا متبحر عالم تھا۔ بقول قفطی اس نے اپنی ایک کتاب کا سن تصنیف ۳۴۳ھ (ڈائکلیشین[۱۸] لکھا ہے جس کی ابتدا ۲۸۴ء سے ہوتی ہے) اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عربوں نے ۶۴۰ء میں مصر کو فتح کیا تو یحییٰ وہاں موجود تھا۔

یحییٰ النحوی اور یحییٰ فیلاپونس

قفطی کے اس قول کے مطابق یحییٰ النحوی جان فیلاپونس نہیں ہو سکتا پروفیسر بری Bury نے گبن (Gibbon) کی ایک تحریر پر حاشیہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے[۳] کہ جان فیلاپونس ساتویں صدی میں نہیں بلکہ چھٹی صدی عیسوی[۱۹] کے ابتدائی دور میں گزرا ہے۔

کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی کا باعث

کتب خانۂ اسکندریہ کی تباہی کو مسلمانوں سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن گبن کی رائے ہے کہ مصر میں اسلامی فتوحات سے تین صدی پیشتر ہی مسیحی مذہب کے پُرجوش حامی اس کو تباہ کر چکے تھے۔

ایک اہم تاریخی مسئلہ

کتب خانہ اسکندریہ کے انجام اور اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ یحییٰ النحوی اور جان فیلڈپونس ایک ہی شخص کے نام ہیں یا دو جداگانہ شخصیتیں ہیں۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مصر میں عربوں کی فتوحات کے وقت قدیم علوم و فنون کی کیا حالت تھی اس سلسلے میں بٹلر ک

---

[۱] اس داستان کی تردید میں مسٹر ایل کریبل نے مستشرقین کی چوتھی بین الاقوامی کانگرس کے ایک اجلاس میں جو فلورینس میں ۱۸۸۰ء میں منعقد ہوئی نہایت معقول اور پرزور دلائل پیش کئے ہیں۔ مؤلف

[۲] Vol. v of Bury's ed., P 452 مؤلف

[۱۸] صفحہ ۲۰۷ پر۔ مترجم :: [۱۹] صفحہ ۲۰۷ پر۔ مترجم۔

نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مصر میں قدیم نظام طب فلسفۂ قدیم سے پہلے ہی رو بہ زوال ہو چکا تھا۔ اور عربوں کی فتوحات کے زمانہ تک طب قدیم اپنی شان و عظمت کھو چکی تھی ۔

والیس بج کی رائے

ہم نے اس ضمن میں ڈاکٹر والیس بج Wallis Budge سے استصواب کیا تو انہوں نے کہا کہ اس عہد کی مصری کتابوں میں (یونانی ہوں یا غیر یونانی) علم طب کا سراغ بہت کم ملتا ہے لیکن میرے نزدیک اس معاملہ میں عربوں کی اس مستند روایت کو پوری وقعت دینی چاہیے کہ مصر میں اموی شہزادہ خالد بن یزید کے لئے علم کیمیا کی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں ان یونانی کتابوں کے تراجم بھی کئے گئے ہوں جو فلسفہ طب اور دوسرے علوم سے تعلق رکھتی تھیں ۔

یونانی علوم کی روشنی

غرض آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں جدید اسلامی پایۂ تخت بغداد سے یونانی اور دوسرے علوم و فنون کی شعاعیں تمام اسلامی دنیا میں پہنچنے لگیں اور اس عہد میں بے شمار پرانی یونانی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا ۔

جندی شاپور کا مدرسہ طبیہ

جہاں تک فن طب کا تعلق ہے آٹھویں صدی عیسوی سے پہلے جندی شاپور کے قدیم ساسانی مدرسہ طبیہ کی تعلیم ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھی ۔ یہ مدرسہ کسی زمانہ میں بہت مشہور تھا لیکن اب اس کا صرف نام باقی رہ گیا ہے ۔ عہد حاضر کے سیاحوں اور محققوں نے بڑی مشکل سے جندی شاپور کا محل وقوع معلوم کیا ہے ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ جندی شاپور موجودہ موضع شاہ آباد (صوبۂ خوزستان جنوب مغربی ایران) کی جگہ واقع تھا ۔

جندی شاپور کا بانی

ساسانی فرمانروا شاپور فرزند اول و جانشین اردشیر بابکان نے جندی شاپور کی بنیاد رکھی تھی تیسری صدی عیسوی میں ساسانی خاندان کی حکومت قائم ہوئی، اور یہ ساسانی خاندان ۵۰۰ سال تک برسر عروج رہا اور اس نے ایران قدیم کے ہخامنشیوں (اکامینین Achaemenian) کی عظمت و شوکت گذشتہ کو از سر نو زندگی بخشی ۔

سلہ، ملاحظہ ہو رالنسن (Rawlinson) کی وہ تنقید جو اس نے رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کے مجلۂ علمیہ میں کتاب سفرنامہ خوزستان (ذہاب خوزستان) پر کی ہے اور جو مجلہ مذکور میں (جلد نہم صفحات ۷۱ و ۷۲) پر درج ہے اور اسی سلسلے میں لیارڈ (Layard) کی وہ رائے ملاحظہ کیجئے جو اس رسالہ کی جلد شانزدہم کے صفحہ ۸۶ پر مسطور ہے ۔ مؤلف

شاپور اوّل نے شہنشاہ ولیریان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور اس کے مشہور شہر انطیوک (انٹیوک۔ بیتھ لے پٹ Bêth Lâpât سریانی) کو تباہ کر کے دہ از اندیو شاپور کے نام سے نیا شہر آباد کیا (دہ از اندیو شاپور کے معنیٰ ہیں شہر شاپور بہتر از اندیو) رفتہ رفتہ یہ نام بگڑ کر گندی شاپور بن گیا اور عربوں نے اس کو جندی شاپور بنا لیا[۱]۔

جندی شاپور کی وجہ تسمیہ

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی میں خسرو نوشیروان نے (جس کو یونانی کسروز) اور عرب کسریٰ کہتے ہیں) بھی ایک شہر آباد کیا تھا اور اس کو بھی بہ از اندیو قرار دیا گیا تھا۔ اور دہ از اندیو شاپور سے ممتاز کرنے کے لئے اس کا نام دہ از اندیو خسرو تجویز کیا گیا تھا (دہ از اندیو خسرو کے معنی ہیں شہر خسرو بہتر از اندیو) اس شہر میں قدیم ایرانی رواج کے مطابق (جو سولھویں صدی عیسوی تک قائم رہا) بیشتر اہل حرفہ اور کاریگر باہر سے صنعتی اغراض کے لئے آکر آباد ہوتے رہے۔

خسرو نوشیرواں کے شہر کی طرح غالباً جندی شاپور میں بھی یونانی ہنرمند اور علماء بڑی تعداد میں آبسے شہر اصطخر (ایران کا قدیم پایۂ تخت) کی چٹانوں پر شاپور اوّل نے جو کتبے پہلوی زبان میں کندہ کرائے تھے یونانی زبان میں ان کا ترجمہ بھی پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ایران کے اندر یونانی ہنرمندوں کی خدمات میسر آتی تھیں۔

شاپور دوم کے عہد میں (چوتھی صدی عیسوی کے آغاز سے چالیس پچاس سال بعد) جندی شاپور پایۂ تخت بنایا گیا اور حکومت کا مستقر بننے کے بعد شہر کی شان بڑھ گئی۔ اسی شہر میں مانی یا مینس Manes کو جس نے پارسیوں کے مذہب میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی تھی سزائے موت دی گئی اور اس کی کھال بھُس بھر کر شہر کے دروازہ[۲] پر لٹکا دی گئی۔ (یہ دروازہ مدت تک حتیٰ کہ اسلامی فتوحات کے بعد بھی باب المانی کہلاتا رہا)۔

---

[۱] Th. NöldeKe's Gesch. d. Perser u. Arab. Zur Zeil der Sasaniden (Leyden 1889) PP, 40 - 42.

[۲] صفحہ ۲۰۷ پر۔ مترجم؎

تیادورس اور جندی شاپور

شاہ پور دوم نے غالباً اسی جندی شاپور میں یونانی طبیب تھیوڈوسی اس یا تھیوڈورس کو دربار میں طلب کر کے اپنا طبیب مقرر کیا تھا۔ الفہرست میں تھیوڈورس کے نظام طب کا ذکر موجود ہے[1] اور یہ کہا گیا ہے کہ اس نے قدیم ایرانی زبان میں طب پر ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا عربی ترجمہ دسویں صدی عیسوی تک باقی رہا۔

تھیوڈورس مسیحی مذہب کا پیرو تھا اور ایران میں اس کا اس درجہ احترام کیا جاتا تھا کہ شاپور دوم نے اس کے لئے ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کی درخواست پر اس کے بہت سے ہم وطن قیدیوں[۲۱] کو رہا کر دیا تھا۔

جندی شاپور اور بازنطینی حکومت

جندی شاپور کے مدرسۂ طبیہ کی ترقی بڑی حد تک بازنطینی حکومت کے تعصب اور عدم رواداری کا اتفاقی نتیجہ تھی۔ اس حکومت نے پانچویں صدی عیسوی میں ٹہا دائیڈیسہ کے مدرسے سے نسطوریوں کو خارج کر دیا تھا۔ اور اس لئے وہ لوگ ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔

نوشیرواں کی طبی خدمات

چھٹی صدی عیسوی میں ایران کا بادشاہ خسرو نوشیرواں بڑا بیدار مغز اور علم دوست تھا اس نے تقریباً ۵۳۱ء میں افلاطون کے جدید فلسفہ کے ماہرین نیو پلیٹونسٹس (Neo-Platonists) کو اپنے دربار میں پناہ دی۔ اور اپنے وزیر برزویہ کو ہندوستان بھیجا جو وہاں سے شطرنج اور مشہور کتاب کلیلہ دمنہ اور طبی کتابیں لایا اور متعدد ہندوستانی اطبّاء بھی غالباً اس کے ساتھ ایران آئے۔

جندی شاپور اور یونانی و شامی حکماء

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے وقت مدرسہ طبیہ جندی شاپور ترقی کی انتہائی بلندیوں پر تھا۔ یونانی اور مشرقی علوم کے سرچشمے ایک دوسرے سے اسی جگہ ملے اور یہیں سے یونانی علوم یونانی علماء کے ذریعہ پھیلے اور ان علوم کی اشاعت میں یونانیوں کی نسبت شامیوں نے زیادہ حصّہ لیا۔ شامی حکماء اگرچہ مبادیات اختراعات اور معلومات فن میں پسماندہ تھے۔ لیکن اس پسماندگی کی تلافی ان کی محنت اور ذہانت سے ہو جاتی تھی۔ سرجس باشندۂ رہاعین

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۳۔ مؤلف۔

[۲۱] صفحہ ۲۰۷ پر۔ مترجم۔

(جو اس عہد سے کچھ پہلے گزرا[1]) ان فاضل مترجمین میں سے تھا۔ جنھوں نے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کا ترجمہ سریانی میں کیا تھا۔

طب عربی اور سریانی زبان

قرون وسطیٰ کے اس سریانی طبی لٹریچر میں سے غالباً اکثر کتابوں کا ترجمہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں بزبان عربی کیا جا چکا تھا (لیکن یہ کتابیں اب ایک حد تک نایاب ہیں) بہرحال قدیم سریانی لٹریچر کی قدر و منزلت کا اندازہ بقراط کی کتاب فصول بقراط ایفارمز (Apharisms) سے جس کا سریانی ایڈیشن ایم۔ ایچ۔ پوگنن (M. H. Pognon) نے شائع کیا ہے۔ اور سریانی سے اس کے فرانسیسی ترجمے[2] اور ڈاکٹر والیس بج کی سریانی کتاب[3] طب Syriac Book of Medicines سے کیا جا سکتا ہے۔

طب مشرق پر شامیوں کا احسان

قدیم اہل شام نے جو طبی لٹریچر یادگار چھوڑا اگرچہ اس میں کچھ خامیاں ہیں لیکن ایشیا کے باشندے طب قدیم کی خدمت کے سلسلے میں اس کے بہت رہین منت ہیں۔ شام کے نسطوریوں کا بھی احسان اس باب میں کچھ کم نہیں۔ منگولیا اور منچوریا کی اقوام اور مغربی ایشیا کی اقوام کے رسم الخط سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پر ارامی (سریانی) بولنے والوں کا بہت اثر تھا۔[4]

جندی شاپور اور یونانی و ایرانی زبان

جندی شاپور کے مدرسہ میں طلباء کو یونانی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی تھی اور اس میں کچھ ایرانی عنصر بھی شامل تھا۔ خصوصاً علم الادویہ میں جس کی بہت سی عربی اصطلاحات ایرانی زبان سے ماخوذ ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔

ایک تاریخی بصیرت

ایران قبل از اسلام کی دو نوں حکومتوں اور ان کی شان و شوکت کو بیرونی حملہ آوروں نے فنا کر دیا یعنی ہخامنشیوں کی عظمت کو (جن کا دور ۵۵۰ء قبل مسیح سے ۳۳۰ء قبل مسیح تک رہا) یونانیوں نے اور ساسانیوں کے قصر جاہ و جلال کو (جن کا دور ۲۲۶ء سے ۶۴۲ء تک رہا) عربوں نے خاک میں ملا دیا

---

[1] سرجس نے تقریباً ۵۳۶ء میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ مؤلف

[2] یہ ترجمہ لیپزک میں ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ مؤلف

[3] یہ کتاب دو جلدوں میں اصل مع ترجمہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ مؤلف

[4] صفحہ ۲۰۸ پر۔ مترجم

ان حملوں میں قدیم ایرانی علوم بالکل تباہ ہو گئے اور اب ان قدیم تہذیبوں کے دور کے صرف خاص خاص خط و خال ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔

زرتشتیوں کی کتاب مقدس اور طب

زرتشتیوں کی مقدس کتاب ژند اوستا میں تین قسم کے معالجین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اول دعاؤں اور مذہبی رسوم کے ذریعہ علاج کرنے والے۔ دوم دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ علاج کرنے والے اور سوم آلات کے ذریعہ علاج کرنے والے (یعنی مذہبی پیشوا، اطباء اور جراح) وندیداد میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی نو آموز جراح زرتشتی مذہب کے پیرو پر عمل جراحی نہ کرے۔ جب تک وہ تین کافروں (مذہب زرتشت کے منکروں) پر عمل جراحی نہ کر چکا ہو۔

ایرانی دربار اور یونانی اطباء

ایران قدیم کے تاریخی انکشافات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مقدونیہ میں سکندر اعظم کے عہد سے قبل ایران کے ہخامنشی بادشاہوں کے درباروں میں ایک مصری طبیب کے علاوہ یونانی اطبا بھی رہا کرتے تھے جن میں، سٹےسی اس (Stesias) خصوصیت سے ممتاز تھے۔

بغداد کا دارالشفاء اور جندی شاپور

تاریخ شاہد ہے کہ عرب حملوں اور ساتویں صدی عیسوی کی اسلامی فتوحات سے جندی شاپور کے مدرسہ طبیہ پر بہت کم اثر پڑا اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط تک (جب کہ بغداد اسلامی دارالخلافہ اور مرکز علم و فضل تھا) جندی شاپور کا مدرسہ تمام عالم اسلامی پر اثر انداز رہا۔

جورجیس

بنی عباس کا دوسرا خلیفہ منصور سنہ ۷۶۵ء میں کسی خاص مرض میں مبتلا ہوا[1]۔ شاہی اطبا بیماری کو سمجھنے اور علاج کرنے سے قاصر رہے۔ آخر جورجیس بن بختیشوع کو طلب کیا گیا۔ جو اس وقت شفاخانہ جندی شاپور میں طبیب اعلیٰ تھا۔ (جورجیس کے باپ بختیشوع کا نام نیم ایرانی اور نیم سریانی ہے جس کے معنی ہیں عطا کردہ مسیح[2])

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء از ابن القفطی صفحہ ۱۵۸۔ مؤلف

[2] ان ایرانی ناموں کی تشریح کے لیے جن کے اول یا آخر میں بخت آتا ہے۔ ہم پروفیسر تھامس نلدکے Th. Nöldeke کے رہین کرم ہیں۔ مؤلف

[3] صفحہ ۲۰۸ پر۔ مترجم

جورجس چار سال تک خلیفہ منصور عباسی کی خدمت میں رہا۔ اور اتفاقاً بیمار پڑ گیا۔ لہٰذا اس نے رخصت کی درخواست کی تاکہ اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لیے وطن جا سکے اور اگر وقت موعود آ جائے تو اسی خاک کا پیوند ہو جہاں اس کے اسلاف مدفون ہیں۔ خلیفہ نے اس کو اسلام سے ہم آغوش ہونے کی دعوت دی لیکن اس نے جواب دیا کہ خواہ دوزخ ہو یا جنت میں اپنے آبا و اجداد کے ساتھ رہنے کو بہتر سمجھتا ہوں۔ خلیفہ اس کے جواب پر ہنسا اور کہنے لگا کہ جورجس! تمہارے آنے سے مجھے ان تمام بیماریوں سے افاقہ ہوا جو مجھے مدت سے تکلیف دے رہی تھیں۔ بالآخر خلیفہ نے جورجس کو دس ہزار دینار (۱۰۰۰۰) عطا فرما کر رخصت کیا ـــ اور اپنا ایک خاص آدمی اس غرض کے لیے مامور کیا کہ جورجس کو بآرام تمام زندہ اور اگر راہ میں مر جائے تو اس کی میت کو جندی شاپور (مرکز علوم بقراطیہ) Civitas Hippocratica پہنچا آئے جو اسے بے حد محبوب تھا۔

وقتِ وداع جورجس نے وعدہ کیا کہ میں دربار خلافت پر طبی خدمات کے لیے اپنے شاگرد عیسیٰ بن شہلا کو روانہ کر دوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے معذرت کی کہ میں اپنے فرزند بختیشوع ثانی کو یہاں نہیں بھیج سکتا۔ اس لئے کہ جندی شاپور کے شفاخانہ میں اس کا رہنا ضروری ہے۔

خاندان بختیشوع

جورجس کا خاندان مسلسل چھ نسلوں (۲۵۰ سال) تک دنیائے طب میں ممتاز رہا۔ اس کا آخری طبیب جبریل بن عبیداللہ بن بختیشوع بن جبریل بن بختیشوع (۲) بن جورجس ابن جبریل تھا۔ جبریل بن عبیداللہ نے ۱۰ اپریل ۱۰۰۶ء کو وفات پائی۔ معاصر امراء اور فرمانروا جبریل اوّل کی طرح اس کی بھی بیحد تعظیم و تکریم کرتے تھے[۲۴]۔

اطبائے جندی شاپور کا فنی تعصب

اطبائے جندی شاپور باہر کے رہنے والوں اور غیروں کو علم طب سکھانا پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس کا ثبوت ان کے اس سلوک سے ملتا ہے جو انہوں نے مشہور و مقبول طبیب اور یونانی زبان سے عربی زبان میں طبی کتب کے مشہور مترجم حنین بن اسحٰق کے ساتھ اس

۲۴؎ صفحہ ۲۰۸ پر۔ مترجم۔

اس کے ابتدائی زمانۂ حصول تعلیم میں کیا۔

حنین بن اسحٰق

حنین بن اسحٰق ایک نہایت بلند پایہ طبیب گزرا ہے یہ طبیب حیرہ کا باشندہ تھا مسیحی المذہب تھا۔ اور علم و حکمت کا بڑا عاشق اور دلدادہ تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے مغربی مصنفین اس کو جانی ٹی اس (Johannitius) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حنین بن اسحٰق حکیم یوحنا بن ماسویہ (جس کو لاطینی کتب میں میسوئز Messues کے نام سے یاد کیا گیا ہے) کے شفاخانہ کا دواساز تھا۔ اور اس کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر اس کی تعلیم سے بھی استفادہ کیا کرتا تھا۔ لیکن دوران درس میں وہ استاد سے بالعموم نہایت ادق پیچیدہ اور دماغ سوز سوالات کیا کرتا تھا۔

آخر ایک روز یوحنا تنگ آگیا اور فرط غیظ و غضب سے بے اختیار ہو کر حنین بن اسحٰق سے کہنے لگا کہ بھلا حیرہ کے باشندوں کو طب سے کیا نسبت۔ جا! اور بازار میں صرافی کر۔ چنانچہ یوحنا بن ماسویہ نے یہ کہہ کر حنین کو باچشم گریاں اپنی مجلس درس سے باہر نکلوا دیا کیونکہ بقول قفطی[1] یہ جندی شاپور کے اطبا یہ یقین رکھتے تھے کہ صرف جندی شاپور ہی کے لوگ علم طب کے مستحق اور وارث ہیں اور اس فن کو ان سے اور ان کے بچوں اور رشتہ داروں سے باہر نہیں جانے دینا چاہیئے۔

حنین کا شوق حصولِ علم

لیکن اس ابتلاء اور پریشانی کے باوجود حنین نے دل نہیں چھوڑا۔ بلکہ یہ مصیبت اس کے سمند شوق کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی۔ چنانچہ حنین کا شعلۂ شوقِ حصولِ علم بھڑک اٹھا اور اس نے پہلے سے بھی زیادہ حصولِ علم کے لئے جد و جہد کا قصد کر لیا۔ اور اس سلسلے میں اس نے یہ طے کیا کہ اولاً یونانی زبان حاصل کی جائے جو علم طب کے لئے سرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا وہ روانہ ہوا۔ اور اس نے مختلف مقامات پر کئی سال یونانی زبان سیکھنے میں صرف کر دیئے۔

اس اثنا میں ایک دن اس کے قدیم دوست حکیم یوسف نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۱۷۴۔ مؤلف

داڑھی بڑھی ہوئی اور مونچھیں لمبی ہیں سڑک پر کھڑا یونان کے بے نظیر شاعر ہومر کے اشعار پڑھ رہا ہے۔ اگرچہ اس کی ہیئت بالکل بدلی ہوئی تھی لیکن یوسف نے اس کی آواز پہچان لی۔ کہ یہ حنین ہے۔ چنانچہ یوسف نے جب اس سے پوچھا تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یوسف کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک یونانی زبان میں مہارت تامہ حاصل نہ کر لوں علم طب کی تحصیل سے مجتنب رہوں گا۔

بالآخر جب حنین یونانی زبان کی تحصیل سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو جبرئیل بن بختیشوع (جس کے ساتھ اب وہ رہنے لگا تھا) اس کو یونانی زبان کا ایک اعلیٰ فاضل اور محقق پا کر بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ تمہارا علم تو معجزہ ہے۔ یوحنا بن ماسویہ کو بھی (جو قبل ازیں حنین کو اپنی مجلس درس سے نکلوا چکا تھا) حنین کے علم و فضل کی خبر ہوئی تو اس نے یوسف کے توسط سے اس کو خوشنود کر لیا۔

حنین کی فنی دیانت کا امتحان

حنین نے بعد میں خلیفہ وقت کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی خلیفہ اس کی طبیبانہ دیانت کا ثبوت چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے حنین کو اپنے ایک دشمن کے لئے زہر تیار کرنے کا حکم دیا اس اعلان کے ساتھ کہ بصورت تعمیل گرانقدر انعامات ملیں گے ورنہ قید یا موت کی سزا۔

حنین نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا اور اس کی پاداش میں ایک سال تک قید کی سختیاں اٹھائیں۔ اس کے بعد اسے دوبارہ خلیفہ کے سامنے لایا گیا۔ خلیفہ نے کہا یا تو حکم کی تعمیل کر کے اعزاز و انعام حاصل کرو یا سر کٹانے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔

حنین نے جواب دیا میں نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ فن طب کو نوع انسانی کی فلاح کے لئے استعمال کروں گا۔ ہلاکت اور تباہی کے لئے نہیں۔ میں نفع پہنچانے والی باتوں کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اس کے بعد حنین کو جلاد تیغ کئے جانے کی دھمکی دی گئی۔ تو اس نے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ ناانصافی کریں گے تو قیامت کے روز میرا مالک میرے ساتھ انصاف کریگا۔ ہاں آپ کی روح آلودۂ گناہ ہو جائے گی۔ آپ شوق سے میرے ساتھ جو

سلوک چاہیں روا رکھیں ۔ اس جواب پر خلیفہ نے متبسم ہو کر فرمایا ۔ کہ یہ محض امتحان تھا میری خواہش تھی کہ کامل اعتماد کرنے سے پہلے تمہاری دیانت داری اور راست بازی کا امتحان لے لوں تو تم اس میں کامیاب رہے[25] ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے ابتدائی عہد میں شاہی اطبّا کی سخت آزمائشیں ہوتی تھیں اور اس دستور کا ثبوت الف لیلہ کی مشہور داستان حکیم دوبان وشاہ یونان سے بھی ملتا ہے جو ایک المیہ[1] افسانہ ہے[26]

طبی تراجم پر حنین کا احسان

حنین بن اسحٰق اپنے دور کا ممتاز اور مقبول طبیب ہی نہیں ۔ یونانی طب کا سب سے بڑا مترجم بھی تھا ۔ اس نے اپنے عہد کے مترجمین میں سب سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ کیا ۔ صاحب کتاب الفہرست نے بقراط کی دس کتابوں کے عربی ترجموں کا ذکر کیا ہے ۔ جو اس کے عہد میں پائے جاتے تھے ان میں سات کتابوں کا ترجمہ حنین بن اسحٰق اور تین کا اس کے شاگرد عیسیٰ ابن یحییٰ نے کیا ۔ جالینوس کی سولہ[1] کتابوں کا مترجم بھی حنین ہی ہے یا اس کا شاگرد حبیش ۔ کتاب الفہرست[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین عموماً یونانی سے سریانی میں اور حبیش ہی کو سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا ۔ حبیش کے ترجموں پر حنین نظر ثانی اور بعض اوقات خود بھی یونانی سے براہ راست عربی میں ترجمہ کر لیا[27] کرتا تھا ۔ اس عہد میں اکثر مترجمین یونانی اور عربی تینوں زبانیں جانتے تھے اور اس سلسلے میں لکلارک کا یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عموماً مسیحیوں کے لئے یونانی کتابوں کا ترجمہ سریانی اور مسلمانوں کے لئے عربی میں کیا جاتا تھا ۔

دور حاضر کے عربی تراجم

آج ان عربی تراجم کے صرف معدودے چند نسخے پائے جاتے ہیں اور وہ بھی قلمی ۔ چنانچہ برٹش میوزیم میں ایفارزمز (Apharisms) اور پراگ ناسٹکس (Pragnostics) کے صرف دو[1] قلمی[2] نسخے محفوظ ہیں[28]

---

[1] ملاحظہ ہو الف لیلہ کے متن کا انگریزی ترجمہ (مطبوعہ لندن ۱۸۵۹ء) جلد اوّل صفحہ ۸۳ و ۸۶ ۔ مؤلف ۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۲۸۹ ۔ مؤلف ۔

۲۵ صفحہ ۲۰۹ پر ۔ مترجم ۔ ۲۶ صفحہ ۲۰۹ پر ۔ مترجم ۔

۲۷ صفحہ ۲۰۹ پر ۔ مترجم ۔ ۲۸ صفحہ ۲۱۱ پر ۔ مترجم ۔

ان کے علاوہ جو الینوس کی سولہ کتابوں کا ترجمہ بھی جن کا مترجم یحییٰ النحوی بتایا جاتا ہے برٹش میوزیم میں موجود ہے اور ابقراط کی فصول بقراط) کا ایک عربی ترجمہ ہندوستان میں (لکھنؤ میں) طبع ہوا ہے لیکن میری نظر سے نہیں گذرا۔

طبی متن کی اضاعت کا ماتم

عربی طب۔ طلباء اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے طب کے متن کی یہ ندرت و قلت بڑی کم نصیبی ہے۔ اس لئے طلباء کے واسطے ان دو ابتدائی اور اہم سوالوں کا حل کرنا دشوار ہے کہ
(۱) یونانی طبی کتابوں کے عربی تراجم کس حد تک صحیح ہیں۔
(۲) اور ان طبی مصطلحات کا ارتقاء کس طرح عمل میں آیا جو کثرت سے اصل یونانی اصطلاحات سے مقابلہ کئے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔

لاطینی تراجم پر تنقید

لکلارک کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے[1] کہ ابتداءً یونانی سے عربی میں جو تراجم ہوئے وہ عموماً بعد کے ان ترجموں کی نسبت جو عربی سے لاطینی میں کئے گئے زیادہ صحیح اور قابل قدر ہیں۔ اس لئے جو شخص عربی طب کی قدر و قیمت کا فیصلہ لاطینی تراجم سے کرنا چاہتا ہے وہ یقیناً اس کے رتبہ کو کم کر دے گا۔ اور طب عربی کے ساتھ ناانصافی کرے گا۔ یقیناً یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کے قانون کا لاطینی میں جو ترجمہ کیا گیا ہے مترجم اس کے اکثر حصوں کو غلط سمجھا ہے یا بالکل نہیں سمجھ سکا اور اس وجہ سے قانون شیخ کا لاطینی ترجمہ پڑھنے والے پر کل طب کے مسائل کی حقیقت صحیح طور پر واضح نہیں ہو سکتی۔[29]

مترجمین کا حرانی گروہ

مترجمین کا ایک دوسرا گروہ جو یونانی سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ حرانی تھا (حران کو قدیم کتب میں کلیرا Charrae کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہاں مسیحیت تیرھویں صدی عیسوی میں پھیلی تھی۔ اور چونکہ یہاں قدیم تہذیب و تمدن کے اثرات مدت تک اور اعلیٰ

---

[1] Hist, de la Medicine Arabe, جلد دوم صفحہ ۲۶ و ۲۴، ۲۵ مؤلف

[29] صفحہ ۲۱۵ پر - مترجم

معیار پر قائم رہے اس لئے اس کو مرکز تہذیب یونانی ہیلے نوپلس (Hellenopolis) سمجھا جاتا رہا۔

حرانی اور مذہب صابئین

حران کے باشندے نویں صدی عیسوی کے بعد صابی مشہور ہو گئے۔ حالانکہ انہیں کلدان کے ان اصل صابئین سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جن کی ایک باقی ماندہ جماعت مسلمانوں میں المغتسلہ (نہانے دھونے والی قوم) کے لقب سے مشہور تھی اس لئے کہ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق نہاتی دھوتی زیادہ تھی۔ اور اسی لئے اہل مغرب بھی ان کو پیروان جان دی بپٹسٹ Cristians of John The Beptist کہتے تھے۔ اصل صابئین کی یہ قوم ہنوز بصرہ اور سواحل شط العرب کے قریب آباد ہے اب سوال یہ ہے کہ جب حران کے باشندے صابی نہ تھے تو صابی کیوں مشہور ہو گئے؟ یہ ایک بڑی دلچسپ داستان ہے جس کا ذکر چولسن نے اپنی مشہور تالیف صابئین و مذہب صابئین میں کیا ہے[1]۔

ود ماین ثابت بن قرہ

حران کے علماء اور فضلا میں ثابت بن قرہ (المتولد ۸۳۶ء والمتوفی ۹۰۱ء) اور اس کے بیٹوں ابراہیم و سنان اس کے پوتوں ثابت و ابراہیم اور اس کے پڑپوتے سنان کو سب سے زیادہ شہرت حاصل تھی اور ان کے علاوہ خاندان زہرون کو بھی خاص امتیاز حاصل رہا[2]۔

قسطا بن لوقا

یہاں ایک اور فاضل حرانی مترجم کی جانب بھی اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ قسطا بن لوقا ہے۔ قسطا بن لوقا طب کی نسبت ریاضی سے زیادہ شغف رکھتا تھا۔ مسیحی المذہب اور شام کے شہر بعلبک کا باشندہ تھا۔ تقریباً ۹۲۳ء میں فوت ہوا۔

عربی زبان کا تسلط علوم و فنون قدیمہ پر

اس طرح دسویں صدی عیسوی کے قریب عربی بلالحاظ قومیت مسلمانوں کی نہ صرف مذہبی زبان بلکہ ان کے علوم و فنون، سیاسیات اور تہذیب و تمدن کی ترقیات کا بہترین ذریعہ بن گئی۔ یہاں تک کہ اس میں فلسفہ اور سائنس پر قدیم یونانی حکماء کی عموماً تمام مشہور کتابوں کے تراجم کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب Die Ssabier und Ssabismus جلد اول صفحہ ۱۳۹ و ۱۵۷ – مؤلف۔

[2] طب میں ثابت بن قرہ حرانی کی ایک اہم کتاب کتاب الذخیرہ بہت مشہور تھی جو حال میں مصر میں ڈاکٹر سوبھی کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ (مترجم)

عربوں کے محبوب علوم اور مصنفین

عربوں نے یونانی فن تمثیل (ڈراما) کی طرف بہت کم توجہ کی اور اسی طرح انہوں نے لاطینی زبان کے مصنفین کی طرف بھی چنداں التفات نہ کیا یونانی طب کے مصنفین میں وہ خصوصیت کے ساتھ جالینوس۔ بقراط۔ روفس اور یباسیوس اور اسکندرا فرودیسی کے مداح تھے اور علم الادویہ میں ویسقوریدوس ان کا پسندیدہ مصنف تھا۔

جالینوس کی کتاب التشریح کا جرمن ترجمہ

بعض صورتوں میں اصل یونانی کتابیں مفقود ہوچکی ہیں اور ہمارے ہاتھوں میں صرف ان کے عربی تراجم باقی رہ گئے ہیں۔ اس کی ایک مثال جالینوس کی کتاب التشریح (گیلن اناٹومی) ہے۔ اصل یونانی کتاب تو تلف ہوگئی صرف اس کا عربی ترجمہ موجود ہے۔ جس کو ڈاکٹر سائمن نے جرمن زبان میں ترجمہ کرکے اصل عربی متن کے ساتھ شائع کیا ہے[1]۔ اور اس پر مبسوط تبصرہ بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے عربی یونانی اور جرمن طبّی اصطلاحات بھی بالمقابل لکھ دی ہیں۔ جن کا حوالہ پہلے دیا جاچکا ہے۔

سریانی تراجم پر نقد و تبصرہ

اصل یونانی کتابیں موجود ہوتیں تو ان تراجم کا جو براہ راست یونانی سے عربی میں کئے گئے ان تراجم سے مقابلہ کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوتا۔ جو سریانی سے عربی میں کئے گئے۔ چند سریانی تراجم جو باقی ہیں ان کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں سریانی سے ناآشنا ہوں۔ لیکن ایم پوگنن (M. Pognon) جس نے فصول بقراط کے سریانی ترجمہ کا ایک ایڈیشن اپنے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ[2] شائع کیا ہے) نے ان سریانی تراجم پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"فصول بقراط کے سریانی ترجمہ کا جو نسخہ میرے پاس ہے وہ لفظاً بلفظ ترجمہ ہونے کے باعث بہت قابل اعتماد ہے۔ یہ یونانی متن کا سراسر لفظی ترجمہ ہے اور لفظی ترجمہ ہونے کے باعث کہیں کہیں بے معنی اور مہمل ہوگیا ہے۔ اور چونکہ سریانی زبان کے اکثر مترجمین لفظی ترجمہ میں بہت غلو کرتے تھے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب سائمن جو ۱۹۰۶ء میں دو جلدوں میں لیپزگ میں طبع ہوئی ہے۔ مؤلف

[2] ملاحظہ ہو فصول بقراط کا سریانی ترجمہ جس کو ایم پوگنن نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا اور ۱۹۰۳ء میں لیپزگ میں طبع ہوا۔ مؤلف۔ [illegible] ۳۰ صفحہ ۲۱۷ پر۔ مترجم

اس لیئے بدقسمتی سے اب یہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ یہ ترجمہ کس زمانہ میں کیا گیا"۔
آگے چل کر ایم۔ پوگنن نے یہ رائے ظاہر کی ہے:۔

" میں یہ کہنے کی جراٗت تو نہیں کرتا کہ سریانی زبان میں صاف اور واضح تراجم جن میں صحیح اندازِ تحریر اختیار کیا گیا ہو مفقود ہیں۔ لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ اکثر سریانی تراجم میں جو ہم تک پہنچے ہیں اندازِ بیان درست نہیں۔ عبارت الجھی ہوئی ہے اور الفاظ کو ان کے صحیح معانی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً سریانی مترجم کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ترجمہ لفظی ہو تا کہ یونانی متن کو سریانی زبان میں زیادہ قابلِ اعتماد طور سے پیش کر سکے۔ بسا اوقات جب سریانی مترجم یونانی کتب کے دشوار حصّوں کو سمجھنے میں قاصر رہتے تھے۔ تو وہ مشکل الفاظ کو قابلِ فہم جملوں میں کہنے کی بجائے ہر مشکل یونانی لفظ کی جگہ سریانی کا ایک لفظ لکھ دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم ان تراجم میں بہت سے غیر صحیح جملے دیکھتے ہیں بلکہ اکثر ایسی عبارتیں بھی نظر آتی ہیں جو شرمندۂ معنی نہیں۔ علاوہ ازیں بعض سریانی مترجمین جب کسی سریانی لفظ کے معنی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تو وہ اس کو سریانی حروف تہجی میں بجنسہٖ نقل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور پڑھنے والوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ خود ان چیستانوں کو حل کر لیں گے"۔

ایم۔ پوگنن فصول لبقراط کے سریانی ترجمہ کے متعلق جو اس کے پیش نظر تھا اپنی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ" یہ ترجمہ سخت نامرغوب و ناپسندیدہ ہے"۔ اور پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ:۔

" جب اس کا مترجم کسی عبارت کا مطلب نہیں سمجھتا تو گول مول ترجمہ کر دیتا ہے اور جب وہ ایسی عبارت پہ پہنچتا ہے جس کے کئی معانی نکلتے ہوں۔ تو وہ اس کا ترجمہ کئی مختلف طریقوں سے کر دیتا ہے"۔

ایم پوگنن نے اپنے بیان کی تائید میں بہت سی مثالیں پیش کی ہیں[1]۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ساٹمی جو ۱۹۰۶ء میں دو جلدوں میں پیرس میں طبع ہوئی۔ مؤلف۔

عربی زبان کی ذہانت کی خصوصیات

اس کے برعکس عربی دماغ ایک روشن دماغ اور عرب ذہانت حقیقی ذہانت ہے۔ عربی پُرزور اور مردانہ زبان ہے جس میں ہر حیثیت سے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔ قدیم عرب ذہین اور فرلیس تھے۔ مناظر قدرت کا صحیح مطالعہ کرتے تھے۔ اور ان تمام چیزوں کے لئے جو ان کی نظر سے گزرتی تھیں عربی میں بہترین اور موزوں ترین الفاظ موجود تھے۔

وضع اصطلاحات

عربوں کو یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے بسا اوقات جدید اصطلاحات وضع کرنی پڑیں اس کے لئے اصل یونانی الفاظ کا عربی میں ترجمہ کر دیا گیا۔ یا یونانی الفاظ کو معرب بنا لیا گیا۔ اور یا پھر یونانی الفاظ کو مشہور اور زبانزد ہونے کے باعث اصل صورت میں رہنے دیا گیا۔ عربوں کو علم تشریح کی اصطلاحات وضع کرنے کی ضرورت خصوصاً بہت کم پیش آئی۔ کیونکہ ان کے پاس تشریح کے متعلق الفاظ کا بڑا ذخیرہ پہلے سے موجود تھا جس کو وہ روزمرہ کی گفتگو بلکہ نظم میں بھی استعمال کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ لطیفہ مشہور ہے۔ اور وہ یہ کہ خلیفہ یزید بن عبدالملک (جو ۱۰۵ھ ہجری مطابق ۷۲۳ء میں ایک کنیز حبابہ کے عشق[51] میں فوت ہوا) حبابہ کے گانے پر وجد کیا کرتا تھا جب وہ مندرجہ ذیل شعر گایا کرتی تھی۔

بین التراقی واللهاة حرارة ما تطمئن ولا تسوغ فتبرد

ہنسلی کی ہڈی اور حلق کے کوے کے درمیان ایک آتش سوزاں ہے جو نہ سکون پذیر ہوتی ہے اور نہ نگلی جا سکتی ہے تاکہ ٹھنڈی ہو جائے[31]۔

متنبی اور طبی اصطلاحات

دسویں صدی عیسوی کا مشہور عرب شاعر متنبی ایک بار قیام مصر کے دوران میں ذی الحجہ ۳۴۸ھ مطابق فروری ۹۶۰ء میں بعارضہ تپ مبتلا ہو گیا تھا۔ غسل صحت کے بعد اس نے بخار پر ایک دلچسپ نظم لکھی[52] جو حسب ذیل ہے۔

علیل الجسم ممتنع القیام شدید السکر من غیر المدام

میرا جسم بیمار ہے اور میں کھڑا ہونے سے معذور ہوں اور میں شراب پیئے بغیر نشہ میں چور ہوں

---

[51] ملاحظہ ہو کتاب الفخری صفحہ ۱۵۵۔ مؤلف۔

[52] ملاحظہ ہو۔ دیوان متنبی کا مغربی ایڈیشن صفحہ ۶۷۵ و ۶۸۰۔ مؤلف

[31] صفحہ ۲۱۸ پر۔ مترجم۔

پھر آگے چل کر متنبی نے بخار کو ایک شرمیلی نازنین کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اس سے صرف رات کی تاریکی کے پردہ میں ملاقات کے لئے آتی ہے چنانچہ اس سلسلے میں وہ کہتا ہے :-

وزائرتی کأن بها حیاءً / فلیس تزور الا فی الظلام

میری ملاقات کے لئے جو نازنین آتی ہے وہ شرمیلی معلوم ہوتی ہے / کیونکہ وہ میری ملاقات کیلئے صرف رات کی تاریکی ہی میں آتی ہے

بذلت لها المطارف والحشایا / فعافتها وباتت فی عظامی

میں نے اس کو اپنی چادریں اور تکیے پیش کئے ـ لیکن اُسنے انکو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور میری ہڈیوں میں شب باش ہو گئی

یضیق الجلد عن نفسی وعنها / فتوسعه بانواع السقام

میری جلد تنگ ہے اس میں میری اور اسکی ذات دونوں مل کر نہیں سما سکتے / اسلئے وہ اس جلد میں گونا گوں عوارض کے ذریعے وسعت[۳۲] پیدا کرتی ہے

اذا ما فارقتنی غسلتنی ! / کانا عاکفان علیٰ حرام

جب وہ مجھ سے جدا ہوتی ہے تو مجھے غسل دیتی ہے یعنی مجھ کو پسینے میں شرابور کر دیتی ہے ـ / گویا ہم دونوں فعل ممنوع سے فارغ ہوئے تھے یا گویا کہ ہم بیت الحرام کے اعتکاف کرنے والے تھے)

کان الصبح یطردها فتجری ، / مدامعها باربعة سجام

اب جب صبح ہوتی ہے تو وہ گویا اُسکو مجھ سے جدا کرتی ہے / اور غم جدائی میں اسکی آنکھوں کے چاروں کونوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں

اراقب وقتها من غیر شوق / مراقبة المشوق المستهام

اب پھر میں اسکی آمد کا انتظار کرتا ہوں لیکن بغیر شوق کے / مگر اس کے باوجود میرے انتظار میں ایک عاشقانہ شان پائی جاتی ہے

ویصدق وعدها والصدق شر / اذا القاک فی الکرب العظام

وہ اپنے وعدہ پر سچی ثابت ہوتی ہے لیکن یہ سچائی بھی شر سے خالی نہیں / کیونکہ اس کی یہ سچائی تیرے لئے سخت تکلیف کا موجب ہوتی ہے

متنبی نے شاعرانہ رنگ میں بخار کی تمام کیفیت وضاحت سے بیان کر دی ہے اور بتایا ہے کہ بخار کس قسم کی ... کیفیت طاری کرتا ہے اور کس طرح رات کو آتا اور صبح کو رخصت ہو جاتا ہے ـ ابتدا میں کیا تکلیف ہوتی ہے اور کس طرح پسینہ آنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے

---

۳۲ صفحہ ۲۱۹ پر ـ مترجم

بخار کی آخری حالت کو وہ معشوقہ کے رونے سے تشبیہہ دیتا ہے جو صبح کے وقت بالچشم پُر آب آغوش عاشق سے جدا ہوتی ہے[1]۔

عہد خلافت میں طب سے عام دلچسپی

عہد خلافت میں ہر پڑھے لکھے شخص سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ طب سے کچھ تعلق رکھتا ہوگا اور علم تشریح کے متعلق کچھ جانتا ہوگا۔ چنانچہ تودّد کے متعلق جو ایک بڑی عالمہ اور خوبصورت کنیز تھی الف لیلہ کی یہ حکایت مشہور ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد کے لوگ علم تشریح سے کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔

تودّد کے علم و فضل کی داستان

الف لیلہ کی حکایت یہ ہے کہ ایک شخص مسمی ابوالحسن کے پاس ایک عالمہ اور خوبصورت کنیز تھی جس کا نام تودّد تھا۔ ابوالحسن نادار اور مفلس ہو گیا۔ تو اس نے تودّد کو خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کر دیا اور دس ہزار دینار قیمت بتائی۔ خلیفہ تودّد کو اس قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس شرط سے کہ وہ جن علوم میں مہارت کا دعویٰ کرتی ہے ان کے ماہرین کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے۔ چنانچہ دینیات۔ قانون۔ تفسیر۔ طب۔ فلکیات۔ فلسفہ۔ ادب اور شطرنج کے ممتاز علماء نے اس کا امتحان لیا جس میں وہ کامیاب ہوئی۔ تودّد نے صرف سوالوں کا اطمینان بخش جواب ہی نہیں دیا بلکہ جواب کے بعد خود بھی علماء اور ماہرین سے ہر فن کے متعلق ایسے ایسے ٹیڑھے سوالات کئے جن کے جواب سے علماء قاصر رہے۔

لین کی رائے

لین Lane نے الف لیلہ کے ایک ہزار ایک قصوں میں سے اس قصۂ ششم کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے[2] کہ قارئین کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے تاہم اس لحاظ سے یہ قصہ زیادہ دلچسپ ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ کے مسلمان ہر قسم کی عام اور ہمہ گیر تعلیم کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

تودّد کا طبی امتحان

طب میں تودّد کا امتحان لیا گیا تو قدیم عربی معلومات کے مطابق علم التشریح اور علم وظائف الاعضاء کے سوالات کئے گئے اور علم تشخیص بالعلامات والعوارض علم الامراض

---

[1] ملاحظہ ہو الف لیلہ کا انگریزی ترجمہ جس کا نام اریبین نائٹ ہے صفحہ ۴۴۹ و ۴۵۴۔ مؤلف

[2] ن۔ علاوہ ازیں غور کیجئے۔ اس نظم میں بکر۔ عظام۔ سقام۔ مدامع۔ سجام وغیرہ طبی الفاظ موجود ہیں (مترجم)

علم حفظ صحت ۔ اور علم الاغذیہ وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کئے گئے ۔ تودو نے ہڈیوں کی تعداد مکمل طور پر صحیح بتائی ۔ لیکن عروق کی نسبت شک ظاہر کیا چنانچہ جب قلب کی شریان اعظم اورطی- ایارٹا (Aorta) کی شاخوں کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس بات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہے (یہ ایک مخفی المعنی اور مقدس عدد ہے اور آج تک بعض اسلامی فرقوں کے اصول سے اس عدد کو خاص تعلق ہے ۔ جو اس کو عدد کل شئی (ہر چیز کا عدد) کہتے ہیں ۔ غالباً اس سے کثرت کا مفہوم لیا گیا ہے)۔

چار مشاہیر طب

میں نے آج سہ پہر کو تاریخ طب عربی کی مبادیات پر بحث کرتے ہوئے آپ کا بہت سا وقت لے لیا اب دوسرے لیکچر میں ابتدائی عہد کے ان چار فاضل مصنفین طب کا ذکر کروں گا ۔ جو ان جلیل القدر مترجمین کے بعد گزرے جن کا ذکر اس لیکچر میں کیا گیا ہے ۔ یہ چاروں طبی مصنفین ایرانی نژاد تھے ۔ لیکن ان کی تصانیف عربی میں ہیں ۔ ان میں سے تین یعنی رازی ۔ علی بن عباس اور شیخ بوعلی سینا کی خاص خاص طبی کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں ہو چکا ہے لاطینی کتابوں میں رازی کو ریزز Rhazes علی بن عباس کو ہالی عباس (Haly Abbas) اور بوعلی سینا کو ابوی سینا (Avicenna) لکھا جاتا ہے ۔ یہ تینوں نہایت بلند مرتبہ اطبا تھے اور انہوں نے علم طب پر نہایت معقول اور شاندار کتابیں لکھی ہیں ۔ جن کو یورپ میں قرون وسطیٰ میں خاص مقبولیت اور شہرت حاصل تھی ۔

دوسرا لیکچر

میں نے اپنے پہلے لیکچر میں عربی طب کے ارتقاء کے متعلق نویں صدی عیسوی تک کے حالات بیان کر دیئے ہیں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے۔ جب عباسی خلافت کے ابتدائی عہد میں عربی طب کے جلیل القدر مترجمین پیدا ہوئے۔ اور اس سلسلے میں یہ بتا چکا ہوں۔ کہ کس طرح ان مترجمین کی ذہانت اور تحصیل علم کی بدولت یونان قدیم کے ممتاز ترین اطباء علی الخصوص بقراط جالینوس اور یا سیلوس روفس (ساکن افسس) اور پالوس (ساکن اجینیا) کی تعلیمات دنیائے اسلام میں پھیلیں۔

دور ثانی

اس کے بعد عربی طب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جو طب میں عربی زبان کے ان صحیح الفکر اور آزاد رائے مصنفین کے حالات سے متعلق ہے۔ جنہوں نے مترجمین کے تراجم کی بنیاد پر طب میں تالیفی کام کا آغاز کیا۔ اور پھر بڑی حد تک ذاتی غور و فکر اور مشاہدات سے فن میں ذاتی معلومات کا ایک ذخیرہ فراہم کر دیا۔ اور اس طرح طرز خاص سے اپنی رائے کے مطابق فن کی ترتیب[۳۳] و تدوین کی۔

چند شرائط اور حدود

ان مصنفین کی خدمات کا بیان ایک وسیع موضوع ہے اور اس کی وسعت کے لحاظ سے یہ امر میرے لئے ضروری ہے کہ مکان و زمان اور مبحث سے متعلق اپنے اوپر چند سخت قیود عائد کر لوں تاکہ سلسلۂ کلام زیادہ طویل نہ ہو۔ لہٰذا میں سلسلۂ بحث کو ان دو صدیوں میں محدود رکھوں گا جو اس دورِ زرین کے بعد آئیں جو ۸۵۰ء سے لے کر ۱۰۵۰ء تک رہا۔

---

[۳۳] صفحہ ۲۱۹ پر۔ مترجم ؛

اور خلافت اسلامیہ کے صرف مشرقی مقبوضات علی الخصوص ایران کے متعلق ذکر کروں گا۔
نیز لیکچر کو اس دور کے صرف چار پانچ ممتاز ترین طبی مصنفین کے حالات تک محدود رکھوں گا۔ ان کی صرف ایک کتاب پر روشنی ڈالوں گا۔ اور اس طرح اس موضوع پر نہایت جزوی اور اجمالی بحث کر سکوں گا۔ کیونکہ ہر ایک کتاب پر (جس کے متعلق میں آج بحث کرنا چاہتا ہوں) مبسوط اور مفصل تبصرہ کی صرف یہی صورت ہے۔ کہ چاروں لیکچر صرف اسی کے لئے وقف کر دیئے جائیں۔

عربی علمی مصطلحات کا ارتقاء

طبی مصنفین کے متعلق سلسلۂ بحث کا آغاز کرنے سے پہلے بعض دیگر ابتدائی امور پر چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عربی علمی اصطلاحات کا ارتقاء کیونکر عمل میں آیا۔

سریانی اور لاطینی مصطلحات کے معائب

اس سلسلے میں جیسا کہ میں پہلے لیکچر میں عرض کر چکا ہوں سریانی مترجمین یونانی زبان سے ترجمہ کرتے وقت بالعموم یونانی الفاظ کو بجنسہ نقل کر دیا کرتے تھے۔ اور خود ان کے معانی واضح کرنے کی جگہ تفہیم و تفہم کا معاملہ تمام تر اپنے قارئین پر چھوڑ دیتے تھے۔
قرون وسطیٰ میں عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے والوں نے بھی یکسر یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے قانون کا لاطینی ترجمہ بہت سے ایسے بربری الفاظ پر مشتمل ہے۔ جو ترجمہ نہیں بلکہ اکثر مقامات پہ الفاظ کی تقریباً ناقابلِ امتیاز اور بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مثلاً قانون کے اس لاطینی ترجمہ میں ڈمچی کی ہڈی کو جس کو عربی میں عصعص یا العصعص کہتے ہیں۔ الہوس دس (Alhosos) کر کو جس کو عربی میں القطن کہتے ہیں۔ الکاتم (Alchatim) ڈھڈی کی ہڈی کے مقام کو جس کو عربی میں العجز کہتے ہیں۔ الحائز Alhauis یا الحاجزی ALhagiazi اور عقل ڈاڑھوں کو جن کو عربی میں النواجذ کہتے ہیں۔ ناجڈ Nuaged یا نے جڈی Neguegidi. کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔
اس قسم کی بیسیوں عجیب و غریب غلطیاں ہیں۔ جو ڈاکٹر ہرٹل کی کتاب علم تشریح میں عربی اور سریانی زبان Das Arabische und Hebraischeinder Anatomie

سے رجوع کی جا سکتی ہیں (یہ کتاب ۱۸۷۹ء میں وی آنا میں طبع ہوئی ہے)

عربی ترجمہ کی بعض اغلاط

عربی مترجمین نے بھی یونانی سے عربی میں ترجمہ کرتے ہوئے اس قسم کی غلطیاں کی ہیں اگرچہ ان کی غلطیوں کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے۔ مثلاً عربوں نے یونانی لفظ âμvelos کی شکل بدل کر اس کو نفس بنادیا۔ اور پھر جب یہ لفظ لاطینی مترجمین کے سامنے آیا تو انہوں نے اسے انجس Abgas بنادیا۔

عربی اور یونانی زبان کا مقابلہ

درحقیقت عربی زبان یونانی زبان کے مقابلہ میں عموماً پس ماندہ ہے۔ اور عربی میں نئے اور پیچیدہ مفاہیم کے اظہار کے لئے وہ سہولت میسر نہیں جو یونانی زبان میں بصورت ترکیب الفاظ موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود عربوں نے عربی میں یونانی اصطلاحات کا مفہوم واضح کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ مثلاً ڈایاگنوسس (Diagnosis) کے لئے انہوں نے تشخیص کی اصطلاح وضع کی حالانکہ اس کے معنی ہیں کسی شخص کی شخصیت کو متعین کرنا اور پراگنوسس (Prognosis.) کا ترجمہ تقدمۃ المعرفۃ کیا جس کے معنی ہیں علم کو آگے بھیجنا۔

طب کی ایرانی اور سریانی اصطلاحات

ابتدائی عربی طبی کتب مثلاً فردوس الحکمۃ میں (جس کے متعلق میں ابھی اظہار خیال کرنے والا ہوں) بعض ایسے عجیب و غریب الفاظ موجود ہیں۔ جو ایرانی و سریانی دونوں زبانوں سے مرکب اور غالباً جندی شاپور کی طبی درسگاہ سے لئے گئے ہیں۔ اور عربی طب میں عربی مصطلحات کی جگہ بخوبی مستعمل ہیں۔

سنورنا کی حقیقت

مثال کے طور پر غور کیجئے کہ فردوس الحکمۃ کے ایک نادر قلمی نسخہ میں اس درد سر کے لئے جو بخلاف شقیقہ (آدھا سیسی کے درد) تمام سر پہ حاوی ہوتا ہے۔ دوبار ایک لفظ ایک جگہ سنوریا اور دوسری جگہ سورتا لکھا گیا ہے لیکن سریانی زبان کے علماء سے بہت سی تحقیقات کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ درحقیقت یہ لفظ سنوریا ہے اور نہ سورتا۔ بلکہ یہ سریانی لفظ سنورتا (mhiouno,) ہے جو سریانی زبان میں ایک فارسی لفظ سربند یا سرونده سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خود کے ہیں۔ بعد میں سرونده کی "دا" اور "نون" کو آگے پیچھے کر کے سنورد بنادیا گیا۔ اور پھر سریانی زبان میں الف کا اضافہ کر کے سن وردا

کرلیا گیا۔ ذ اور دال تا سے تبدیل کردی گئی ۔ کیونکہ دال اور تا متقارب المخرج ہیں[۳۴] (اس طرح سنورتا بن گیا مترجم)

طبِ قدیم کے قارئین کی مشکلات

لفظ سنورتا کی تحقیق کے سلسلے میں مثال مذکور سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ قدیم عربی طبی کتب کے قارئین مترجمین یا مدیرین کو کس قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جن عربی طبی کتب کے اصل متن شائع ہو گئے ہیں۔ ان کے ایسے ایڈیشن بہت کم موجود ہیں۔ جن میں نقد و تبصرہ کا حق پوری طرح ادا کیا گیا ہو[۳۵]۔

عربی صنعت اشتقاق اور اصطلاحات طبیہ

عربی زبان میں ۔علم تشریح علم امراض اور فروع فن کی دیگر اصطلاحات کے بہتر اور کثیر ذخیرہ کے علاوہ جو اس میں پہلے سے موجود تھا ۔ موجودہ مادّوں سے مشتقات بنائے جانے کی ایک بہت بڑی صلاحیت اور قدرت پائی جاتی ہے ۔ جو بنتے ہی فی الفور اپنا مفہوم واضح کر دیتے اور سمجھ میں آ جاتے ہیں ۔ چنانچہ اصل کلمۂ فعل میں ضم فا اور اضافۂ الف کے ساتھ فُعال کے وزن پر بہت سی بیماریوں کے نام رکھے گئے ہیں ۔ مثلاً صداع دردسر کے معنی میں فُعال کے وزن پر ہے جب لاطینی تراجم میں غلطی سے سوڈا Soda. لکھا گیا ہے (یہ ذکر پہلے لیکچر میں ہو چکا ہے) اسی طرح زکام جس کو انگریزی میں کٹار کہتے ہیں اور جذام جس کو انگریزی میں ایلی فن ٹائی سس کہتے ہیں ۔ فعال کے وزن پر ہیں[۳۶]۔

عربی مصطلحات اور علم ماہیت امراض

اسی طرح دوار دورے سے بنایا گیا ہے ۔ جس کے معنی دوران سر (سر چکرانے) کے ہیں اور بحر سے بحار بنایا گیا ہے ۔ جس کے معنی سمندر کی بیماری کے ہیں ۔ اور خمر سے خمار بنایا گیا ہے جو کثرت شراب نوشی سے پیدا ہونے والے دردِ سر و گرانی کے معنی میں مستعمل ہے ۔ اور یہ سب فعال کے وزن پر ہیں ۔ میری نظر سے لفظ جُبال کسی کتاب میں نہیں گزرا ورنہ میں ضرور سمجھ لیتا کہ اس کے معنی پہاڑ کی بیماری کے ہیں ۔ اور یہ لفظ جبل سے مشتق ہے ۔ عربی میں مصطلحات علم ماہیتِ امراض کے نظریہ کو بھی خوب واضح کرتی ہیں چنانچہ

---

[۳۴] صفحہ ۲۱۹ پر ۔ مترجم ۔ [۳۵] صفحہ ۲۱۹ پر ۔ مترجم ۔

[۳۶] صفحہ ۲۲۰ پر ۔ مترجم ۔

سقی یسقی سے استسقاء اور مستسقی بنائے گئے ہیں۔ المستقی کے معنی ہیں پانی پلانا اور استسقاء کے معنی ہیں پانی طلب کرنا۔ چونکہ اس بیماری میں جس کو انگریزی میں ڈراپسی (جلندھر) کہتے ہیں۔ مریض بالعموم پانی مانگتا ہے۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے اور اسی تعلق کی بنا پر لاطینی میں اس مرض کا نام ہائی ڈراپس (Hydrops) رکھا گیا ہے۔

عربی زبان اور اصطلاحات کی عظمت

عربی زبان نے بحیثیت مجموعی نہایت موزوں طبی اصطلاحات مہیا کی ہیں۔ اور وہ صرف عربوں کے لئے نہیں۔ بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لئے ہیں۔ جہاں عربی فارسی۔ ترکی یا اُردو بولی جاتی ہے۔ دورِ حاضرہ کے مصری جرائد و کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج بھی یہ اصطلاحات وہاں رائج ہیں۔

اسلامی عہد میں لاشوں کی ڈیسیکشن

ایک اور امر قابلِ توجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیا اسلامی عہد میں کبھی لاشوں کے چیرنے (ڈیسیکشن) کی مشق کرائی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب بالعموم نفی میں دیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک بھی یہ صحیح ہے۔ لیکن ایک فارسی کتاب نامۂ دانشوراں سے (جو ایرانِ جدید کے دورِ حاضر کے سلسلۂ معلومات پر مشتمل تاریخی قاموس ہے) معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان لاشوں کو چیرا کرتے تھے۔

نامۂ دانشوراں سابق شاہِ ایران ناصرالدین قاچار کے حکم سے چار مشہور فضلا۔ مرزا ابوالفضل حکیم ساوہ طبیب۔ شیخ محمد مہدی شمس العلماء۔ عبدالرب عبادی۔ مرزا حسن طالقانی ادیب اور مرزا عبدالوہاب بن عبدالعلی قزوینی نے مرتب کی تھی اور پچیس (۲۵) سال پیشتر طہران میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔

کتاب نامۂ دانشوراں میں لکھا ہے[1]۔ کہ یوحنا بن ماسویہ النسائی لاشیں میسر نہ آنے کی وجہ سے اپنے ایک خاص ڈیسیکشن روم میں جو اس نے اسی مقصد کے لئے دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کرایا تھا۔ بندروں کا ڈیسیکشن کیا کرتا تھا۔ اور ۲۳۶ھ میں خلیفہ

[1] ملاحظہ ہو۔ نامۂ دانشوراں جلد دوم صفحہ ۳۷ و ۳۸۔ مؤلف۔

معتصم باللہ کے حکم سے فرمانروائے نوبہ نے اس کو بندر کی ایک خاص قسم مہیا کی تھی جو قد و قامت میں انسان سے بہت مشابہ تھی۔

یہ قصہ نامۂ دانشوراں میں ابن ابی اصیبعہ کے حوالے[۳۷] سے نقل کیا گیا ہے اور ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء میں اس کا غیر واضح اور غیر مفصل ذکر موجود[۱] ہے۔

قفطی کی خاموشی سے استدلال

چونکہ قفطی کی کتاب تاریخ الحکماء میں ڈیسکشن کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ ابن ابی اصیبعہ کی یہ روایت یہ ثابت کرنے کے[۳۸] لئے کوئی وزن دار اور قطعی شہادت نہیں ہے۔ کہ عربوں کی طبی درسگاہوں میں لاشوں کی چیر پھاڑ ہوتی تھی۔

یوحنا ابن ماسویہ کی درشتی مزاج

یوحنا ابن ماسویہ نہایت درشت مزاج تھا۔ اور اس کی زبان قینچی کی طرح تیز چلتی تھی چنانچہ کتاب الفہرست میں یہ لطیفہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مدعی نے جب یوحنا کو عدالت میں جج کے سامنے پیش ہونے کے لئے زیادہ تنگ کیا۔ تو اس نے مدعی سے جھنجھلا کر کہا۔ کہ اگر جہالت حماقت جس میں تو مبتلا ہے عقل سے بدل دی جائے اور پھر اس عقل کو سو کیڑوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو ہر کیڑا ارسطو سے زیادہ ذہین و عقیل ثابت ہوگا۔

علی بن ربن الطبری

اب میں حسب وعدہ طبی مصنفین کا ذکر کرتا ہوں۔ ان میں سب سے قدیم علی بن ربن ساکن طبرستان ہے (طبرستان ایران کا ایک صوبہ ہے۔ جو بحیرۂ اخضر کے جنوب میں واقع ہے) ربن (جیسا کہ علی بن ربن نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں بیان کیا ہے) اس کے والد کا نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"میرا باپ شہر مرو کے ایک خاندان کا چشم و چراغ اور بڑا راستباز شخص تھا۔ اس نے طب اور فلسفہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ اور اپنے اجداد کے پیشہ پر طب کو ترجیح دی اس سے یہ مقصد نہ تھا کہ لوگوں سے نفع اور ان کی مدح و ستائش

---

[۱] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۷۸ مطبوعہ قاہرہ۔ (مؤلف)

[۳۷] صفحہ ۲۲۱ برم۔ مترجم ؎

[۳۸] صفحہ ۲۲۱ برم - مترجم ؎

سے کوئی بڑا منصب حاصل کرے - بلکہ غرض یہ تھی کہ اپنے اندر انسانی ہمدردی کا ایک اعلیٰ جذبہ پیدا کر سکے - لہٰذا ان لوگوں نے اس کو ربن کے لقب سے ملقب کیا - جس کا ترجمہ ہے ' ہمارے آقا! یا ہمارے استاذ"

علی بن ربن کا قبول اسلام

ربن کے لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ علی کا باپ مسیحی یا یہودی تھا - چنانچہ قفطی نے بھی اپنی مشہور کتاب[1] میں مختصراً ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" علی کا باپ یہودی تھا - اور اس کا اصل نام سہل تھا - اور صرف اس کے بیٹے علی نے خلیفہ متوکل باللہ کی ملازمت میں داخل ہو کر اسلام قبول کیا تھا -"

مازیار کی ملازمت

علی اس سے قبل مشہور شہریار مازیار کا سیکرٹری تھا - جو ایران کے ایک معزز خاندان قارن سے تعلق رکھتا تھا - اور جس نے خلیفہ کے خلاف اس امید پر بغاوت کی تھی کہ عربوں کی غلامی کا جوا اپنے ملک کی گردن سے اتار پھینکنے میں کامیاب ہو سکے گا - لیکن بالآخر مازیار گرفتار ہوا اور باغی اور گمراہ بابک کے ساتھ بغداد میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا -

خلیفہ کی ملازمت اور فردوس الحکمت کی تدوین

علی بن ربن نے آخر میں خلیفہ کی ملازمت اختیار کر لی - اور خلیفہ کے عہد حکومت کے تیسرے سال ۸۵۰ء میں اپنی گرانقدر کتاب طب و فلسفۂ طبیعات پر پایۂ تکمیل کو پہنچائی (جس کی ترتیب و تدوین میں وہ مدت سے مصروف تھا - اور جس کی تالیف میں بہت سے وقفے پڑتے رہے تھے) اس نے اس کتاب کا نام فردوس الحکمت رکھا -

ہمیں علی بن ربن کی زندگی کے متعلق تقریباً صرف اسی قدر معلوم ہے - البتہ کتاب فردوس الحکمت کے ایک دو حوالوں[2] سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے - کہ وہ طبرستان کے پہاڑوں اور حالات سے جیسا کہ اس کی نسبت وطنی سے ظاہر ہے - بخوبی واقف تھا اور ایک خاص اور اہم بات یہ ہے کہ وہ جلیل المرتبت طبیب رازی کے اساتذہ میں سے تھا - اور اسی حقیقت نے فردوس الحکمت کو بہت بڑی دلچسپی کا مرکز بنا دیا ہے -

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۲۳۱ - مؤلف :

[2] ملاحظہ ہو فردوس الحکمت قلمی محفوظہ برطانی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) - مؤلف :

فردوس الحکمت کی عظمت

کتاب الفہرست سے معلوم[1] ہوتا ہے کہ علی بن ربن نے صرف چار کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ اہم فردوس الحکمۃ ہے۔ فردوس الحکمۃ ایک زمانہ میں یقیناً بہت زیادہ مشہور ہوگی۔ اور بہت بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہوگی۔ چنانچہ ہم یاقوت الحموی کی کتاب معجم الادباء میں پڑھتے ہیں کہ جب مشہور ممتاز مورخ محمد بن جریر طبری بستر علالت پر پڑا تھا۔ تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کیا کرتا[2] تھا اور اسی کتاب میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صاحب اسمٰعیل بن عباد کو اہلِ علم نے اس بنا پر ملامت کی تھی۔ کہ وہ اپنی کتاب کو تمام علوم و فنون کی کتب سے افضل و برتر خیال کرتا[3] تھا۔ اور ان کتب میں اس نے علی بن ربن الطبری کی فردوس الحکمۃ کا بھی ذکر کیا تھا[4]

فردوس الحکمت کے قلمی نسخے

بعد میں یہ کتاب دوسری گرانقدر عربی کتب کی طرح تقریباً مفقود ہوگئی اور اب (جہاں تک مجھے معلوم ہے) اس کے صرف دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مکمل صورت اور پرانا نسخہ برطانوی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں ہے۔ جس کے اوراق کے فوٹو میں نے اپنے استفادہ کے لیئے حاصل کئے ہیں۔ اور دوسرا نسخہ برلن میں ہے۔ لیکن ثانی الذکر نسخہ کی حیثیت جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں۔ صرف ایک تلخیص کی سی ہے یا کم از کم اس میں کچھ قطع و برید کر دی گئی ہے۔ یا متن کے بعض حصص حذف کر دیئے گئے ہیں۔[39]

فردوس الحکمت کی تہذیب و اشاعت

فردوس الحکمۃ کے متعلق میری خواہش ہے۔ کہ اس کو شائع کر دوں۔ یا اس کا ترجمہ کر دوں۔[40]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۲۹۶ - مؤلف

[2] ملاحظہ ہو معجم الادباء مطبوعہ ای جے۔ ڈبلیو گب میموریل جلد ششم صفحہ ۴۲۹ - مؤلف

[3] ملاحظہ ہو معجم الادباء مطبوعہ ای۔ جے ڈبلیو۔ گب میموریل جلد دوم صفحہ ۲۷۹ - مؤلف

[4] صاحب معجم الادباء نے اپنی کتاب میں ربن کی جگہ زین لکھدیا ہے۔ - مؤلف

[39] صفحہ ۲۳۵ پر۔ مترجم ؛

[40] صفحہ ۲۳۵ پر مترجم ؛

فردوس الحکمت کا تعارف

فردوس الحکمۃ بیشتر طبی مباحث پر مشتمل ہے ۔ لیکن ایک حد تک اس کا تعلق فلسفہ علم تعبیر المواسم ۔ علم الحیوانات ۔ علم تولید ۔ نفسیات اور فلکیات سے بھی ہے یہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے جو تقریباً پانچسو پچاس ۵۵۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اور اس کے سات حصص (انواع) تیس ۳۰ مقالات اور تین سو ساٹھ ۳۶۰ ابواب ہیں ۔

فردوس الحکمۃ کا مصنف اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں بقراط ۔ ارسطو ۔ جالینوس ۔ یوحنا بن ماسویہ (جس کو لاطینی کتب میں میسوئیز (Messues) لکھا جاتا ہے) اور حنین مترجم یعنی حنین بن اسحٰق (جس کو لاطینی کتب میں جانی ٹی اس (Johannitius) لکھا جاتا ہے) کی تصانیف و معلومات کو اصل ماخذ کی حیثیت سے ذکر کرتا ہے ۔ اور کتاب کے ساتویں حصہ کا چوتھا اور آخری مقالہ جس میں ۳۶ ابواب ہیں ۔ آیور ویدک یعنی ہندوستانی طب کے خلاصہ پر مشتمل ہے

اگر میں کتاب کے مباحث کے خلاصے آپ کے سامنے پیش کروں ۔ جو میں نے طیار کئے ہیں ۔ تو یہ امر آپ کے لیئے موجب زحمت ہوگا ۔ اور خود مصنف کو یہ طریقہ پسند نہ تھا ۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب میں لکھ چکا ہے : ۔

جو شخص اس کتاب کا سوچ سمجھ کر مطالعہ کرتا ہے ۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جو پھلوں سے لدے ہوئے فرحت بخش باغوں کی سیر کرتا ہے ۔ یا بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں سیر کرتا ہے جہاں ہر ایک دماغ کے لیئے مسرت اور خوشی کا سامان مہیا ہے لیکن جو شخص ان باغوں اور شہروں کے دروازوں ہی تک اپنے علم کو محدود رکھے (اور اندر داخل نہ ہو) تو گویا اس نے کچھ نہیں دیکھا اسی طرح جو شخص میری کتاب کے ابواب گنتا ہے اور جو کچھ میں نے ان میں لکھا ہے ۔ اس کو توجہ اور غور کے ساتھ نہیں پڑھتا ۔ تو وہ میرے مطلب کو نہیں سمجھ سکتا ۔ لیکن جو شخص کتاب پر پورے طور سے حاوی ہونا چاہتا ہے اور پوری توجہ اور تعمق نظر سے مطالعہ کرتا ہے ۔ تو وہ اس کے اندر ان معلومات کا بیشتر حصہ پاتا ہے ۔ جن کا علم عالم صغر اور کل کائنات کے باب میں علم طب اور اعمال قوائے طبیعیہ سے متعلق

ایک نوجوان متخرّج کے لئے ضروری ہے"

لفظ متخرج کا مفہوم

یہاں صاحب فردوس الحکمۃ کے متخرّج کے متعلق کچھ تشریح ضروری ہے۔ جو آج کل کے انگریزی لفظ گریجویٹ کے مترادف ہے اور جس کے واضح معنیٰ ہیں اسکول یا کالج سے فارغ التحصیل ہوکر باہر آنے والا۔ جس میں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ طب کے امتحان میں کسی قسم کے امتیاز کے لئے مستعمل تھا۔

اطباء کا امتحان

اگرچہ ۸۵۰ء میں (جب فردوس الحکمۃ لکھی گئی) طب کے باقاعدہ امتحان کے رواج کا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن اسّی سال کے بعد خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں طبّی امتحان کا باقاعدہ نظام جاری ہوچکا تھا۔ جبکہ خلیفہ کو ۹۳۱ء میں علاج ومعالجہ میں ایک نیم حکیم کی غلطی کی اطلاع پہنچی۔ چنانچہ قفطی ہم کو مطلع کرتا ہے[1]۔ کہ خلیفہ نے ایک فرمان جاری کردیا۔ کہ بعد ازیں کوئی شخص مطب نہ کرے۔ جب تک وہ اس قابل نہ ہو کہ سنان بن ثابت حرّانی کو اپنی پوری قابلیت اور لیاقت سے مطمئن کر سکے۔ البتہ ان چند اطباء کو امتحان سے مستثنیٰ کردیا جائے۔ جن کی شہرت ان کی قابلیت کی بنا پر مسلّم ہے۔ چنانچہ ان کو مستثنےٰ کیا گیا۔ اور باقی اطباء کو جن کی تعداد تقریباً آٹھ سو ساٹھ ۸۶۰ تھی امتحان میں شامل ہونا پڑا۔[2]

امتحان میں نرمی کا سلوک

یہ امتحان ہمیشہ نہایت مشکل اور معیاری طور پر بہت زیادہ قابلیت اور حالات کی تحقیق پر ختم نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس امر سے ظاہر ہے کہ ان طبابت پیشہ اشخاص میں سے جو سنان بن ثابت کے سامنے امتحان کے لئے پیش ہوئے ایک خوش وضع اور خوش پوش بوڑھا بھی تھا جس کی ظاہری حالت بہت دل نشین اور مؤثر تھی سنان پیر مرد کے ساتھ نہایت توجہ اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔ اور اس نے اس سے ان مریضوں کے متعلق جو سامنے تھے چند سوالات کئے۔

جب دوسرے لوگ امتحان لے کر فارغ کردیئے گئے اور وہ چلے گئے تو سنان

---

[1] صفحہ ۲۳۶ — مترجم۔ [2] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحات ۱۹۱، ۱۹۲ مؤلف۔

نے بوڑھے سے کہا کہ میں آپ کے استاد کے متعلق آپ سے چند امور معلوم کرنا چاہتا ہوں - یہ فرمائیے کہ طب میں آپ کا استاد کون ہے ؟

یہ سن کر بوڑھے نے ایک کیسہ زر سنان کے آگے رکھ دیا - اور کہنے لگا " کہ میں اچھی طرح پڑھ نہیں سکتا - اور نہ میں نے طب میں کوئی کتاب باقاعدہ پڑھی ہے لیکن میں ایک خاندان رکھتا ہوں جس کا پیٹ پیشۂ طبابت کی مزدوری سے بھرتا ہوں - لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے سلسلۂ معاش کو قطع نہ کریں "

سنان ہنسا - اور کہنے لگا - کہ تمہیں بایں شرط اجازت دی جاتی ہے - کہ کسی ایسے مریض کا علاج نہ کرو جس کی بیماری کے متعلق کچھ نہ جانتے ہو - اور کسی کے لئے فصد تجویز نہ کرو - اور سوائے سادہ اور بے ضرر دواؤں کے کسی کو مسہل نہ دو -

یہ سن کر بوڑھا بولا کہ بندہ نواز ! اس طریق پر ساری عمر پیرا عمل رہا ہے اور میں تو کبھی سکنجبین اور جلاب (جلاپا) سے آگے بڑھا ہی نہیں[42] !

اگلے دن جو امتحان دینے والے سنان کے روبرو پیش ہوئے - ان میں ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان بھی تھا - جو شکل سے ذہین معلوم ہوتا تھا - سنان نے اس سے دریافت کیا - کہ تم نے طب کس سے سیکھی ہے ؟ جوان نے جواب دیا - کہ اپنے باپ سے - پھر سنان نے استفسار کیا کہ تمہارا باپ کون ہے ؟ تو اس نے کہا - کہ وہی بوڑھا - جو کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا -

سنان بولا - کہ اچھا ! وہ خوش پوش بوڑھا - تو پھر کیا تم اس کے طریق علاج پر عمل پیرا ہو ؟

نوجوان نے جواب دیا - کہ جی ہاں ہوں -

یہ سن کر سنان نے کہا - کہ اچھا جاؤ - مگر احتیاط رکھنا اور بوڑھے کے طریق علاج سے آگے نہ نکل جانا[43] -

---

[42] صفحہ ۲۴۵ پر - مترجم -
[43] صفحہ ۲۴۵ پر - مترجم -

فردوس الحکمۃ کی عمومی حیثیت

جیساکہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں۔ یہاں فردوس الحکمۃ کے مباحث کا مفصل بیان بے محل ہوگا۔ تاہم یہ امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی مجموعی حیثیت کو اختصار کے ساتھ واضح کردیا جائے

حصۂ اوّل۔ عام فلسفیانہ مباحث۔ امورِ کلّیہ۔ کیفیات اربعہ۔ ارکان استحالہ اور عمل کون و فساد کے ذکر پر مشتمل ہے۔

حصۂ دوم۔ علم جنین۔ حمل۔ مختلف اعضاء۔ اعمار اور فصول کے اعمال و طبائع شخصی استعداد۔ بعض عصبی امراض (مثلاً کزاز۔ خدر۔ اختلاج۔ کابوس وغیرہ) نقص بصارت۔ علم حفظ صحت اور علم اغذیہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

حصۂ سوم۔ تغذیہ اور اغذیہ کے ذکر پر مشتمل ہے

حصۂ چہارم:۔ (یہ حصہ سب سے زیادہ طویل ہے۔ اور اس میں بارہ[۱۲] مقالات ہیں) اس میں سر سے لے کر پاؤں تک کے تمام عام و خاص امراض کی ماہیت کا ذکر ہے۔ عضلات۔ اعصاب اور اوردہ کی تعداد کا بیان ہے۔ اور آخر میں فصد، نبض اور معائنۂ بول پر مفید روشنی ڈالی گئی ہے۔

حصۂ پنجم:۔ میں ذوق۔ روائح۔ اور الوان کا ذکر ہے۔

حصۂ ششم میں علم الادویہ اور علم السموم پر بحث کی گئی ہے۔

حصۂ ہفتم میں آب و ہوا اور فصول کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ ان کا صحت انسانی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ نیز علم ہیئت اور علم نجوم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ علم طب کے فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں جیساکہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں چھتیس[۳۶] ابواب میں ہندوستانی طب یعنی آیورویدک کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں علم تشریح یا علم جراحت کے متعلق بہت کم معلومات ہیں اور اس کا زیادہ حصہ آب و ہوا اغذیہ اور ادویہ سے متعلق ہے۔ جس میں علم السموم بھی شامل ہے۔

فردوس الحکمۃ کا حصۂ چہارم

کتاب کا حصۂ چہارم جس میں علم ماہیتِ امراض سے بحث کی گئی ہے۔ بحیثیت مجموعی

دلچسپ ترین ہے۔ اور مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کو اس کے بارہ (۱۲) مقالات کی ان معلومات سے کسی قدر تفصیل سے مطلع کردوں۔ جن پر یہ حصہ مشتمل ہے۔

مقالۂ اوّل (۵۔ ابواب) اس میں عام علم الامراض۔ باطنی امراض و عوارض کی علامات اور اصول علاج کا ذکر ہے۔

مقالۂ دوم (۱۴۔ ابواب) اس میں سر اور دماغ کے امراض اور عوارض کا ذکر ہے جن میں مرگی مختلف اقسام درد سر۔ دوی وطنین سدر و دوار نسیان اور کابوس شامل ہیں

مقالۂ سوم (۱۲۔ ابواب) اس میں آنکھوں۔ پلکوں کان اور ناک کے امراض کا ذکر ہے (جن میں نکسیر اور زکام و نزلہ شامل ہیں) نیز چہرہ دہن اور دانتوں کے امراض کو بیان کیا گیا ہے

مقالۂ چہارم (۷۔ ابواب) اس میں عصبی بیماریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں تشنج فالج اور لقوہ وغیرہ شامل ہیں۔

مقالۂ پنجم (۷۔ ابواب) اس میں حلق سینہ اور آلات صوت کے امراض کا بیان ہے۔ جن میں دمہ بھی شامل ہے۔

مقالۂ ششم (۶۔ ابواب) امراض شکم پر مشتمل ہے۔ جن میں ہچکی کا بیان بھی ہے

مقالۂ ہفتم (۵۔ ابواب) امراض جگر کے متعلق ہے۔ جن میں استسقا کا بیان بھی شامل ہے۔

مقالۂ ہشتم (۱۷۔ ابواب) ششش۔ پتہ اور تلی کے امراض پر مشتمل ہے۔

مقالۂ نہم (۱۹۔ ابواب) آنتوں کے امراض (علی الخصوص قولنج) اور امراض آلات بول اعضائے خاص کے ذکر کے لئے وقف ہے۔

مقالۂ دہم (۲۶۔ ابواب) حمیات۔ حمٰی یومیہ۔ حمٰی دق۔ حمٰی لازمہ۔ غب دائرہ حمٰی ربع اور ربع لازمہ پر۔ ذات الجنب ماشرا۔ اور چیچک اور خسرہ پر اور بحرانات اور علم تقدمۃ المعرفۃ پر اور موافق اور غیر موافق عوارض و علامات مرگ کے بیان پر مشتمل ہے

مقالۂ یازدہم (۱۳۔ ابواب) وجع المفاصل۔ نقرس۔ عرق النساء۔ جذام داء الفیل

خنازیر - فروع خبیثہ - سرطان - سلعہ - شقاقلوس - جرودح - ضربہ سقطہ اور طاعون کے متعلق ہے - اور آخری چار باب علم تشریح کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں - جن میں عضلات اعصاب اور شرائین و اوردہ کی تعداد بھی بتائی گئی ہے -

مقالۂ دوازدہم (۲۰ - ابواب) فصد - حجامت غسل اور نبض و قارورہ کے دلائل کے بیان پر مشتمل ہے - یہ چوتھا حصہ ساری کتاب کے ۲/۵ حصہ کے برابر ہے جس نے کل ۲۷۶ - اوراق میں سے اس کتاب کے ۱۰۷ - اوراق گھیر لئے ہیں اور یہ حصہ ۱۵۲ ابواب پر مشتمل ہے - لہٰذا ہر باب بہت مختصر ہے یعنی اکثر ایک صفحہ اور شاذونادر دو صفحوں پر ختم ہوتا ہے -

نقد و تبصرہ

ان ابواب میں امراض کے متعلق صرف ان کی خاص اور اہم علامات اور مجوزہ طریقہ ہائے علاج کو بیان کیا گیا ہے اور اس سے آگے جانے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے اور (جہاں تک میں نے دیکھا ہے) مبتلائے مرض اشخاص کے حالات کے حوالے یا بستر علالت پر پڑے ہوئے مریضوں کے باب میں طبی یادداشتیں موجود نہیں -

کتاب کا پہلا حصہ عام فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہے ! در اس میں بعض دلچسپ مباحث طبائع اربعہ حرارت برودت - یبوست اور رطوبت) اور عناصر اربعہ (خاک - باد - آتش اور آب) کی تکوین کے متعلق بھی درج کیا اور ان کے استحالہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے - جو دلچسپ ہے لیکن اگر ان امور سے قطع نظر کر لیا جائے - تو یقیناً کتاب کی حیثیت ایک طبیب کی خاص بیاض سے کچھ ہی زیادہ ہے - جو اس لحاظ سے خاص طور پر بہت دلچسپ ہے - کہ یہ عربی زبان کی قدیم ترین اور صحت رائے کے ساتھ لکھی ہوئی طبی تصانیف میں سے ہے - جو اب تک محفوظ ہیں - اور طبیب اعظم رازی کے استاذ کے قلم کی یادگار ہے[۴۴] - جس کا ذکر میں آگے کروں گا -

ابوبکر محمد بن ذکریا رازی

ابوبکر محمد بن ذکریا رازی مسلمان اطباء میں غالباً سب سے زیادہ جلیل القدر اور جدت پسند طبیب تھا - اور بحیثیت مصنف سب سے زیادہ ذاتی معلومات سے لبریز اور پرازمنافع کتب کا مصنف تھا - ابو محمد بن ذکریا کا وطن رے تھا - اور اسی لئے اس کو عربی میں رازی اور قرون وسطیٰ کی لاطینی زبان میں ریزز Rhazes لکھا

---

۴۴ صفحہ ۲۵۲ پر مترجم :

جاتا ہے (رے - ایران کے موجودہ پایۂ تخت طہران سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے) اور یہ رے قدیم ترین ایرانی شہروں میں سے ایک شہر ہے - جس کو ژند اوستا میں تین قبیلوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے - اور بتایا گیا ہے - کہ یہ ان مقدس مقامات میں سے بارھواں شہر ہے - جن کو ہرمزد نے پیدا کیا تھا[1]۔

رازی اور علم مابعد الطبیعات

رازی کو ابتدائی عمر میں موسیقی سے خاص شغف تھا - اور وہ عود بجانے میں بڑا ماہر تھا۔ بعد کو اس نے فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔ لیکن قاضی صاعد کی رائے ہے - کہ وہ علم مابعد الطبیعات کو بغور و تعمق نظر نہیں سمجھ سکا - اور نہ وہ فلسفہ کا صحیح مقصد معلوم کر سکا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس علم میں رازی کا فیصلہ خام ہے اور اس نے غلط اور غیر محفوظ اصول اختیار کئے ہیں - اور قابل اعتراض یعنی خلاف مذہب معلومات کی حمایت کی ہے اور ان لوگوں پر نکتہ چینی کی ہے - جن کو وہ نہیں سمجھ سکا اور جن کے طریقوں کا اس نے اتباع نہیں کیا[2]۔

رازی اور شیخ کا مقابلہ

ہم غور کرتے ہیں - تو معلوم ہوتا ہے کہ رازی علمی خصوصیات میں شیخ بوعلی سینا (جس کے متعلق ہم آگے چل کر لکھیں گے) کے عین مقابل اور برعکس تھا چنانچہ بوعلی سینا بہ نسبت طبیب ہونے کے فلسفی زیادہ اچھا ہے لیکن رازی بہ نسبت فلسفی ہونے کے طبیب زیادہ اچھا ہے -

رازی اور بیمارستان رے

ابن ابی اصیبعہ کے بیان کے مطابق رازی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ اپنے وطن ایران میں بسر کیا - جہاں اس کا بھائی اور دیگر اقربا رہتے تھے - جب وہ سنِ شباب کو پہنچا - تو دل میں علم طب کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا - شوق کا سبب یہ تھا کہ رازی کو ہسپتال بار بار جانے اور ایک بوڑھے دواساز یا دوافروش سے گفتگو کرنے کا موقع ملا جو وہاں کام کرتا تھا - بعد میں رازی نے طب میں اتنی مہارت حاصل کی - کہ رے کے بیمارستان) کا افسر الاطباء بن گیا[۲۵] -

---

[1] ملاحظہ ہو وندیداد جلد دوم صفحہ ۱۶ - مؤلف ؛ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطبار جلد اول صفحہ ۳۱۰ - مؤلف

[۲۵] صفحہ ۲۷۳ - ۲۷۴ - مترجم +

رازی ہسپتال کی باقاعدہ طبی خدمات انجام دیتا تھا - اور اپنے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں سے گھرا رہتا تھا - ہر بیمار جو ہسپتال میں پہنچتا تھا - پہلے آخر الذکر اس کا طبی معائنہ کرتے تھے - جن کو کلینیکل کلرک کہنا چاہیئے - اور اگر مرض بہت عسیر الفہم ثابت ہوتا اور وہ اس کو نہ سمجھتے - تو مریض کو ثانی الذکر اطبا یعنی رازی کے بلاواسطہ شاگرد دیکھتے تھے اور اگر وہ بھی مرض کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے - تب مریض کو اوّل الذکر یعنی رازی کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا -

رازی اور بیمارستان بغداد

اس کے بعد رازی بغداد کے عظیم الشان ہسپتال کا افسر الاطباء مقرر ہوا - جس کی بنیاد اس کے مشورہ سے رکھی گئی - چنانچہ کہتے ہیں کہ جب رازی سے کہا گیا - کہ وہ ہسپتال کی عمارت کے لئے کوئی موزوں تر مقام انتخاب کرے - تو اس نے شہر کے مختلف محلّوں میں گوشت کے ٹکڑے لٹکوا دیئے - اور وہ مقام تعمیر بیمارستان کے لئے پسند کیا - جہاں ان گوشت کے ٹکڑوں میں تعفن اور فساد کی علامات تمام مقامات سے نسبتاً زیادہ دیر میں نمودار ہوئیں[46] -

منصور بن اسحٰق کی سرپرستی

قیام ایران کے دوران میں رازی کو منصور بن اسحٰق فرمانروائے خراسان کی دوستی اور سرپرستی کا شرف حاصل ہوا - اور منصور کے لئے اس نے کتاب منصوری تالیف کی - جس کو لاطینی میں لبر المنصوریس (Liber Almansoris) کے نام سے یاد کرتے ہیں[47] -

رازی کا زمانۂ حیات

رازی کی زندگی کی تاریخ بہت مشتبہ ہے - چنانچہ سنہ ۹۰۳ء سے لے کر سنہ ۹۲۳ء تک اس کی وفات کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں[1] - اور اس پر لطف یہ ہے کہ بعض سوانح نگاروں[2] نے بیان کیا ہے کہ رازی دیلمی خاندان کے فرمانروا عضد الدولہ کے ساتھ وابستہ تھا جس

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل ص ۳۱۴ - مؤلف [2] ملاحظہ ہو ایضاً صفحہ ۳۰۹ و ۳۱۰ لیکن اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ اپنی یہ صحیح رائے بھی بیان کرتا ہے - کہ رازی عضد الدولہ سے پہلے تھا - اور وہ ہسپتال جس سے رازی کا تعلق ہوا بعد میں بیمارستان عضدی کے نام سے موسوم ہوا ہے - مؤلف

[46] صفحہ ۲۷۳ پر - مترجم ؞ [47] صفحہ ۲۷۳ پر - مترجم ؞

اپنی سلطنت کے آخری ایام میں وہ بیمارستانِ عضدی قائم کر رہا ۔ جس کے محلِ وقوع کا انتخاب رازی نے طریق مذکورہ[۴۸] سے کیا تھا ۔

رازی کے اکثر سوانح نگاروں نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں نزول الماء (موتیا بند) کی وجہ سے نابینا ہو گیا تھا ۔ اور اس نے آپریشن کرانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا ۔ کہ میں اس دنیا کو اب زیادہ عرصہ تک دیکھنا نہیں چاہتا ۔ مجھے اس نے مایوس کیا ہے ۔ اور میرے ساتھ دغا کی ہے ۔

رازی کے متعلق عجیب غریب افسانے

رازی کی بصارت کے زوال کا بالواسطہ سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ علم کیمیا سے بہت زیادہ شغف رکھتا تھا ۔ چنانچہ قفطی اور ابن ابی اصیبعہ نے اس کی کتاب کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے ۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ رازی نے علم کیمیا پر بارہ[۱۲] رسالے لکھے ہیں ۔

ان میں سے ایک رسالہ اس نے کسی رئیس کے نام کے ساتھ معنون کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا ۔ رئیس نے گرانقدر انعام دیا ۔ لیکن جب رئیس نے رازی کو حکم دیا ۔ کہ وہ اپنے بیان کردہ علم سے سونا بنا کر دکھائے ۔ تو رازی نے مختلف عذرات پیش کر کے امتحان سے پیچھا چھڑانا چاہا ۔ اس پر رئیس کو طیش آگیا ۔ اور اس نے رازی کو محض ایک فریب کار سمجھ کر اس کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی جس کی وجہ سے[۴۹] وہ نابینا ہو گیا ۔

دیگر مصنفین کا بیان ہے کہ رازی سونا بنانے میں ناکام رہا ۔ تو رئیس نے خفیہ طور پر اس کو پھانسی دلوادی اور دوسرے سوانح نگار زوال بصارت کا سبب یہ لکھتے ہیں کہ رازی باقلا کی پھلیاں زیادہ کھایا کرتا تھا ۔ جن کا وہ بہت مشتاق تھا ۔ اس لئے نابینا ہو گیا[۵۰] ۔

مختصر یہ کہ رازی کے سوانح نگار اس کے مختصر حالات کو مفصل بنانے کے لئے ہمارے

---

[۴۸] صفحہ ۲۷۶ پر ۔ مترجم ۔

[۴۹] صفحہ ۲۷۶ پر ۔ مترجم

[۵۰] صفحہ ۲۷۷ پر ۔ مترجم ۔

سامنے عجیب و غریب افسانے بیان کرتے ہیں۔ جس طرح قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں فلسفۂ طبیعات کے علماء اور ماہرین کی نسبت غیر معمولی و دُور از کار داستانیں مشہور کی جایا کرتی تھیں۔ جب وہاں سائنس کا ایک طالب العلم بوڑھا ہو جاتا تھا اور اس پر جادوگر ہونے کا شبہ کیا جاتا تھا۔[۵۰]

رازی کی تصانیف کی فہرست

جب ہم رازی کی تصانیف کی فہرست کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہم کو صحیح معلوم ہوتی ہے اور ہمیں شک و شبہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس فہرست کو تین[۳] قابلِ اعتماد سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے اور خود رازی کے حوالوں اور بیانوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔[۵۲]

فہرست میں جو ہماری قدیم ترین کتاب ہے۔ رازی کی ایک[۱۳] سو تیرہ بڑی اور اٹھائیس[۲۸] چھوٹی تصانیف اور دو[۲] نظموں کا ذکر ہے۔ اکثر کتابیں مفقود ہو گئی ہیں لیکن جو باقی ہیں ان سے ہم رازی کے علم و فضل کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اگرچہ تصانیفِ رازی کے قلمی نسخوں کے علاوہ ہماری رسائی اس کی صرف چند کتابوں ہی تک ہو سکتی ہے۔

کتاب الجدری والحصبہ

رازی کی کثیر التعداد تالیفات میں سے جن کا یورپ میں بہت زیادہ خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اس کا مشہور ترین رسالہ کتاب الجدری والحصبہ ہے۔ جس کو اصل عربی متن اور لاطینی ترجمہ کے ساتھ سب سے پہلے لندن میں ۱۷۶۶ء میں چیننگ نے شائع کیا۔ اور اس سے پہلے ۱۵۶۵ء میں وینس میں اس کا لاطینی میں ترجمہ شائع ہو چکا تھا۔ بعد کو انگریزی میں اس کا ترجمہ گرین ہل نے کیا۔ جو سیڈنہم سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا۔

یہ رسالہ ابتداءً یورپ میں ڈی پیسٹے (De Peste) یا ڈی پیسٹیلینشیا De Pestelentiâ کے نام سے مشہور تھا۔ اور نیوبرگر اس کی نسبت یوں رقم طراز ہے[۱]:-

---

[۵۰] ملاحظہ ہو۔ ارنسٹ ہے فیرز ٹرانسلیشن جلد اول صفحہ ۲۷۲ - مؤلف

[۵۱] صفحہ ۲۷۸ پر مترجم ۔ [۵۲] صفحہ ۲۸۰ پر مترجم ۔

یہ ایک صداقت ہے ۔ کہ یہ رسالہ آج ہر ایک ہاتھ میں عربوں کے طبی لٹریچر
کے ایک زیور کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے ۔ اور اپنی اہمیت کے اعتبار
سے بہت بڑا درجہ رکھتا ہے ۔"

پھر اس کے بعد نیوبرگر آگے چل کر لکھتا ہے ۔ کہ :۔

" وبائی امراض کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے ۔ اور ہم کو بتاتی ہے
کہ رازی ایک بڑا روشن ضمیر اور ذی ہوش طبیب تھا ۔ وہ بقراط کے
نقوش قدم پر چلتا تھا ۔ اور خود رائی اور ہٹ دھرمی کے احساسات و تاثرات
سے پاک تھا ۔"[53]

مقالہ فی الحصیٰ فی الکلی والمثانہ

رازی کا ایک رسالہ گردہ اور مثانہ کی پتھری کے متعلق ہے ۔ جس کو عربی متن اور فرانسیسی
ترجمہ کے ساتھ ڈاکٹر پی ۔ ڈی کیننگ نے لیڈن میں ۱۸۹۶ء میں شائع کیا[54] ۔

رازی کی کتب کے فرانسیسی اور جرمن تراجم

ڈاکٹر پی ڈی کیننگ نے رازی کی کتاب حاوی کے اس حصہ کو بھی جو علم تشریح
سے متعلق ہے ۔ علی بن عباس مجوسی کی کتاب الملکی اور بوعلی سینا کی کتاب قانون کے
علم تشریح سے متعلق حصوں کے ساتھ ایک جگہ مع اصل متن عربی کے فرانسیسی زبان میں
ترجمہ کر کے شائع کیا ہے ۔ رازی کے دوسرے رسالوں کے جرمن ترجمہ کے لئے ہم سٹین شنیڈر
کے رہین منت ہیں ۔ ان میں سے وہ رسالہ بہت دلچسپ ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ
بسا اوقات نیم حکیم اور عطائی معالج وہ ہر دلعزیزی حاصل کر لیتے ہیں ۔ جو مستند اور لائق اطبا
کو میسر[1] نہیں ہوتی ۔[55]

رازی کے غیر مطبوعہ رسالے

ان کے علاوہ رازی کے دیگر غیر مطبوعہ رسالے بھی یورپ اور ایشیا کی مختلف لائبریریوں
میں پائے جاتے ہیں ۔ چنانچہ حال ہی میں ایک قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری نے خریدا

لہ ملاحظہ ہو ۔ Virchow's Archiv صفحہ ۵۷۰ و ۵۸۶ ۔ مؤلف

۵۳ صفحہ ۲۸۰ پر ۔ مترجم ۔ ۵۴ صفحہ ۲۸۸ پر ۔ مترجم

۵۵ صفحہ ۲۸۹ پر ۔ مترجم

ہے۔ جو مختلف رسالوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک رسالہ وجع المفاصل اور ایک
دوسرا قولنج پر ہے[1]۔ ان رسالوں کا ذکر قفطی نے بھی کیا ہے۔

رازی کی مبسوط کتابیں

رازی نے کثیر التعداد طبی رسالوں کے علاوہ طب عمومی پر جو مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً نصف درجن ہے[2] ان میں ایک کتاب جامع ہے۔ دوسری کافی۔ تیسری مدخل صغیر۔ چوتھی مدخل کبیر۔ اور پانچویں ملوکی ہے۔ جو رازی نے فرمانروائے طبرستان کے لئے لکھی تھی۔ اور چھٹی فاخر ہے۔ لیکن فاخر کی نسبت یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا مصنف رازی ہی ہے۔ اور ساتویں منصوری ہے۔ جس کو لاطینی مترجمین لبرالمنصوریس (Liber Almansovis) کہتے ہیں اس کا لاطینی ترجمہ ۱۴۸۹ء میں شائع ہوا ہے[56]۔

رازی کی مبسوط کتابوں میں آٹھویں کتاب حاوی ہے۔ جس کا لاطینی ترجمہ ۱۴۸۶ء میں بریشیا میں اور پھر ۱۵۴۲ء میں وینس میں شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ بہت نادر ہے۔ اور اس کا صرف ایک نسخہ کنگز کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]۔

حاوی

میں یہاں صرف حاوی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ کتاب رازی کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ بدقسمتی سے حاوی کا مطالعہ بہت سی خاص مشکلات کو شامل ہے کیونکہ کبھی اس کا عربی متن شائع نہیں ہوا۔ اور نہ اس کا کوئی مکمل نسخہ موجود ہے۔ اور جہاں تک میری موجودہ معلومات کا تعلق ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اس عظیم الشان تصنیف کا نصف حصہ بھی آج دنیا میں موجود نہیں۔

علاوہ ازیں حاوی کی جو جلدیں محفوظ ہیں۔ وہ بھی جابجا دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی تین[3] جلدیں برطانوی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں ہیں۔ تین[3] بوڈلین لائبریری میں۔ چار[4] یا

---

[1] الف۔ الیف ۱۱۰ - ۱۴۲ - مؤلف۔ [2] الیف ۸۸ - ۹۲ - مؤلف۔
[3] اس کا کلاس مارک 2.4.7 ہے۔
[56] صفحہ ۲۸۹ پر۔ مترجم۔

پانچ ایسکوریل لائبریری میں چند جلدیں لیونگا اور پیٹر و گریڈ کے کتب خانوں میں اور چند تلخیصات برکن میں ہیں۔

حاوی کی جلدوں اور مباحث میں اختلاف

مزید برآں حاوی کی جلدوں کی تعداد اور ان کے مباحث کے متعلق بھی اختلاف موجود ہے۔ چنانچہ کتاب الفہرست میں اس کی صرف بارہ جلدیں بتائی گئی ہیں[1] لیکن اس کا لاطینی ترجمہ پچیس[25] جلدوں پر محتوی ہے۔ اور پھر مباحث و ترتیب کے لحاظ سے اس کتاب کی مختلف جلدوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی۔

اس خلط مبحث کا سبب کچھ تو یہ ہے کہ حاوی یقیناً ایک ایسی کتاب ہے۔ جو مصنف کی وفات کے بعد عالم وجود میں آئی۔ کیونکہ حاوی کی تکمیل رازی کی وفات کے بعد تلامذہ نے ان نا تمام یادداشتوں اور کاغذات سے کی ہے۔ جن کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ تسلسل خیال اور حسن بیان پیدا نہیں ہو سکتا جس کو صرف مصنف ہی پیدا کر سکتا تھا۔ اور کچھ یہ سبب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حقیقتاً بعض اوقات حاوی کا نام رازی کی دوسری ضخیم کتب پر بھی بولا جاتا ہے۔

پھر اس سلسلے میں ایک قابل غور امر یہ بھی ہے کہ حاوی کا حجم بہت بڑا اور حد سے زیادہ تھا۔ اور اس میں تفصیلات کا ایک انبار جمع تھا۔ اس لئے بہت بڑے جفاکش کاتب بھی اس کو نقل کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اور اس تک صرف بڑے دولتمند ارباب فن اور مورخین ہی کی رسائی ہو سکتی تھی۔ اسی لئے علی بن عباس مجوسی لکھتا ہے۔ کہ اس زمانے میں جہاں تک مجھے علم ہے۔ حاوی کے صرف دو مکمل نسخے ہیں[3] موعلی بن عباس مجوسی کا حال میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ اس نے اپنی کتاب الملکی رازی کے انتقال سے صرف پچاس یا ساٹھ سال بعد لکھی ہے[5]۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۰۔ مؤلف

[2] ملاحظہ ہو کامل الصناعۃ (الکتاب الملکی) صفحہ ۵ و ۶ جو ۱۲۹۴ھ المطابق ۱۸۷۷ء میں قاہرہ میں طبع ہوئی۔ مؤلف۔

[3] صفحہ ۲۹۰ پر۔ مؤلف ؛

حاوی کے لاطینی نسخہ کا ماخذ

حاوی کا یہ لاطینی نسخہ جو آج موجود ہے کس اصل عربی نسخہ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور وہ اصل عربی نسخہ اب موجود بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر موجود ہے تو کہاں؟ بدقسمتی سے ان سوالوں کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ قرون وسطیٰ کے مترجمین اس قسم کی تفاصیل کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔

ان مشکلات کے پیش نظر جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ میں نے حاوی کی ان چھ جلدوں کا سرسری طور پر مطالعہ کر لیا ہے۔ جو برطانوی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) اور بوڈلین لائبریری میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ بوڈلین لائبریری کی وہ جلد ہے۔ جس کا لائبریری نمبر ۱۵۶ ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے بعض حصص بہت ہی دلچسپ ہیں۔ جن کے فوٹو ڈاکٹر کا ڈلے اور پروفیسر مارگولیتھ کی مہربانی کی بدولت میں نے حاصل کر لئے ہیں۔

رازی اور تشخیص عملی

اس موضوع پر ممتاز علمائے فن کی جانب سے میں پہلے یہ کہہ چکا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ رازی تشخیص عملی کے لحاظ سے اپنے تمام اقران و اماثل سے افضل و برتر تھا۔ اور چونکہ قدیم عرب اطباء کے متروک علم وظائف الاعضاء اور علم امراض اور ان کے پرانے اور فرسودہ علم تشریح کے مقابلہ میں ان کی تشخیصی یادداشتیں اور تحریریں بہت زیادہ دلچسپ اور اہم ہیں۔ اس لئے رازی کی تصانیف اور بالخصوص اس کی کتاب حاوی کا مطالعہ علم علاج و علم الادویہ میں عربی طب کے محقق کے لئے غالباً بہت نفع بخش ہے۔

رازی کی تشخیصات کی حکایات

رازی کی بعض مشہور اور معرکہ آرا تشخیصات کے حالات حکایات و قصص کی کتب میں مندرج ہیں۔ چنانچہ عربی تالیف کتاب الفرج بعد الشدۃ میں جس کو تنوخی (المتوفی ۹۹۴ء) نے لکھا ہے۔ اور فارسی کتاب چہار مقالہ میں جس کو نظامی عروضی سمرقندی نے تقریباً ۱۱۵۵ء میں تحریر کیا ہے۔ رازی کے تشخیصی افسانے مسطور ہیں۔ اور اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب طبقات الاطباء میں اس طرح رقمطراز ہے:۔

"رازی کے متعلق بہت سے بیانات اور مختلف قیمتی چشم دید حالات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے علم و دانش سے فن طب میں کیا کمال حاصل کیا

بیماروں کو تندرست کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے - اپنے علم تقدمۃ المعرفۃ سے مریضوں کے حالات پر کیا کیا حکم لگائے - اور مریضوں کے عوارض اور اپنے طریقہائے علاج سے متعلق وہ کونسی بیش قیمت معلومات بیان کیں - جن سے صرف چند ہی اطبا باخبر تھے - رازی کے متعلق اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں - جو طبی تجارب کے ذکر پر مشتمل اس کی اکثر کتابوں میں درج ہیں[1] "

حاوی میں رازی کی طبی یادداشتیں

بوڈلین لائبریری کے مذکورہ قلمی نسخہ میں جو بارہ[2] صفحات پر مشتمل ہے - مرصناد کے طبی معائنہ کے متعلق رازی کی بیش قیمت طبی یادداشتیں موجود ہیں - جن کا ذکر ابن ابی اصیبعہ نے کیا ہے اور اس بارہ[۱۲] صفحہ کے قلمی نسخہ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے - کہ یہ حاوی کی ساتویں جلد ہے - لیکن حاوی کے لاطینی ترجمہ کے لحاظ سے یہ اس کی سترھویں جلد معلوم ہوتی ہے[2]

اس جلد کا نام امثلۃ من قصص المرضیٰ وحکایات لنا خلط نوادر ہے یعنی مریضوں کے حالات کی مثالیں اور ان کے متعلق وہ حکایتیں جن کی تشخیص میں ہمیں شکوک و شبہات تھے اس جلد میں تقریباً چوبیس[۲۴] مریضوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے بالعموم پورے نام بتائے گئے ہیں - اور ساتھ ہی عوارض - علاج اور اس کے نتائج کو بیان کیا گیا ہے - ان کا سمجھنا آسان نہیں کیونکہ اس جلد کا صرف ایک عربی متن موجود ہے اور اغلاطِ کتابت کے علاوہ اس کا اندازِ بیان الجھا ہوا ہے - اور عبارت مصطلحات سے لبریز ہے -

حاوی کی عبارت کا

ذیل میں بصداق مشتے نمونہ از خروارے اس جلد سے پہلے مریض کے متعلق حاوی کی عبارت نقل کرتا ہوں جس کے ترجمہ میں میں نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی ہے :-

کان یاتی عبد اللہ بن سوادہ حمیات مختلطۃ تنوب مرۃ فی ستۃ

---

[1] ملاحظہ ہو - طبقات الاطباء جلد اوّل - صفحہ ۳۱۱ - مؤلف -

[2] لاطینی زبان میں اس کے ترجمہ کا نام ہے - De Passionibus cordis et epatis et Splenis; Book xvii Deeffimerá et elhicâ ? hecticâ

ایام مرۃ غب ومرۃ ربع ومرۃ کل یوم - وبنفض معہا نافض بسیر وکان یبول مرات کثیرۃ وحکمت انہ لا یخلو ان تکون ھذہ الحمیات ترید ان تنقلب ربعا واما ان یکون بہ خراج فی کلاہ فلم یلبث الامر بدۃ حتی بال مدۃ اعلمتہ انہ لایعاودہ ھذہ الحمیات وکان کذالک وانما صدنی فی اول الامر عن ان ابت القول بان بہ خراجاً فی کلاہ انہ کان یحم قبل ذالک حمی غب و حمیات اخر فکان للظن بان تلک الحمی المخلطۃ من احتراقات ترید ان تصیر ربعاً موضعاً اقوی ولم یشک الی ان قطنہ شبہ ثقل معلق منہ اذا قام راغفلت انا ایضاً ان یسئلہ عنہ وقد کان کثرۃ البول یقوی ظنی بالخراج فی الکلی الا انی کنت لا اعلم ان اباہ ایضاً ضعیف المثانہ یعتریہ ھذا الداء وھو ایضاً قد کان یعتریہ فی صحتہ فینبغی ان لا یغفل بعد ذالک غایۃ التقصی ان شاء اللہ ولما بال المدۃ اکببت علیہ بما یدر البول حتی صفا البول من المدۃ ثم سقیتہ بعد ذالک الطین المختوم والکندر ودم الاخوین وتخلص من علتہ وبرأ برواً تاما سریعاً فی نحو من شہرین وکان الخراج صغیراً ودلنی علی ذالک انہ لم یشک الی ابتداء ثقلاً فی قطنہ - لکن بعد ان بال مرۃ قلت لہ ھل کنت تجد ذالک قال نعم فلو کان کثیراً لقد کان یشکو ذلک وان المدۃ تنبث سریعاً تدل علی صغر الخراج فاما غیری من الاطباء فانھم کانو بعد ان بال مدۃ ایضاً لا یعلمون حالتہ البتۃ

ترجمہ: عبداللہ بن سوادہ مدّت سے حمیات مرکبہ میں مبتلا تھا - چنانچہ کبھی اس کو چھٹے دن اور کبھی تیسرے دن بخار آتا تھا - اور کبھی چوتھے دن اور کبھی ہر روز - بخار سے پہلے اس کو تھوڑا سا لرزہ آتا تھا - اور بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی تھی - یہ صورت حال دیکھ کر میں نے حکم لگا دیا - کہ یہ حمیات مرکبہ یا تو ربع یعنی چوتھیا بخار میں تبدیل ہو جائیں گے - اور یا مریض کے گردوں میں پھوڑا موجود ہے - تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا - کہ مریض کے پیشاب میں پیپ آئی - لہٰذا میں نے مریض کو خبر دے دی - کہ اب تم کو بخار کی باریاں نہیں آئیں گی - اور ایسا ہی ہوا -

وہ چیز جس نے مجھ کو پہلی مرتبہ یہ کہنے سے باز نہ رکھا۔ کہ مریض کے گردوں میں پھوڑا ہے۔ یہ تھی کہ مریض اس سے پہلے حمیٰ غب (تپ نوبتیہ بخار) اور دوسرے قسم کے مرکب بخاروں میں مبتلا تھا۔ اور یہ حالت دیکھ کر میں نے یہ گمان کیا تھا۔ کہ یہ حمیات عمل احتراق (اخلاط) کا نتیجہ ہیں۔ جو قوی ہو کر ربع میں منتقل ہو جائیں گے۔

علاوہ ازیں مریض نے مجھ سے یہ شکایت نہیں کی تھی کہ جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو اپنی کمر میں ایک طرح کا بوجھ محسوس کرتا ہے۔ اور میں بھی یہ بات پوچھنے سے چوک گیا۔ یہ پیشاب کا بار بار آنا مریض کے گردوں میں پھوڑے کے گمان کو میرے دل میں قوی کر دیتا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اس مریض کے باپ کو بھی ضعف مثانہ کی شکایت ہے اور وہ بھی اس مرض میں مبتلا ہے اور اپنی صحت کے زمانہ میں بھی (یعنی بخاروں کی باریاں آنے سے پہلے) وہ اس مرض میں اسیر تھا۔ لیکن اب یہ مریض آخر تک انشاء اللہ اس مرض میں مبتلا نہ رہے گا۔

پس اب جبکہ مریض کے پیشاب میں پیپ برآمد ہوئی۔ تو میں نے اس کو پیشاب آور دوائیں استعمال کرائیں۔ حتیٰ کہ پیشاب پیپ سے صاف ہو گیا۔ بعد ازاں میں نے اس کو گل مختوم۔ کندر اور دم الاخوین دوائیں دیں۔ جن سے اس نے بیماری سے نجات پائی۔ اور تقریباً ۲ ماہ میں اس کو شفائے کامل و عاجل نصیب ہو گئی۔

یہ پھوڑا چھوٹا تھا۔ اور اس کا چھوٹا ہونا مجھے یوں معلوم ہوا۔ کہ مریض نے ابتداءً میں اپنی کمر میں بوجھ کے محسوس ہونے کی شکایت نہیں کی۔ لیکن پیشاب کی راہ پیپ خارج ہو چکی تو میں نے اس سے پوچھا۔ کہ کیا تو کمر میں کچھ بوجھ سا محسوس کرتا تھا۔ جو تجھ کو اب نہیں محسوس ہوتا۔ تو اس نے کہا۔ ہاں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ پھوڑا بڑا ہوتا۔ تو مریض پیپ کے خارج ہونے سے پہلے کمر میں بوجھ کی ضرور شکایت کرتا۔ علاوہ ازیں چونکہ یہ پیپ جلد ہی پیدا ہو کر خارج ہو گئی۔ لہٰذا اس سے بھی اس پھوڑے کے چھوٹا ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

میرے علاوہ جو دوسرے طبیب تھے۔ وہ بیچارے اس مریض کے مرض کی نوعیت اور حالت پیشاب میں پیپ کے خارج ہونے سے پہلے تو کیا سمجھتے پیپ کے

خارج ہونے کے بعد بھی کچھ نہ سمجھ سکے "۔

رازی کی تشخیص کی تشریح اور تعریف

اس عبارت میں دونوں یعنی لفظی اور معنوی کئی قسم کی مشکلات کے باوجود جن کو میں اطمینان بخش طور پر حل نہیں کر سکا۔ اس مریض کی حالت کیسر واضح ہے۔ اس مریض کو پہلے لرزہ سے اور سردی محسوس ہو کر مختلف ایام میں وقفہ کے ساتھ بے قاعدہ طور پر باری کے بخار کے حملے ہوتے تھے اور عام طور پر اس ملک اور وقت کے اطبا اس کو ملیریا بخار سمجھتے اور ملیریا کی طرح اس کا علاج کرتے تھے۔

مگر حقیقت میں یہ ایک قسم کا عفنی بخار (سیپٹک فیور) تھا۔ اور رازی نے خود بھی اس کو ابتدا میں ملیریا سمجھا تھا۔ لیکن آخر میں جب اس نے مریض کے پیشاب میں پیپ دیکھی تو سمجھا۔ کہ یہ مریض درحقیقت قرح کلیہ (پائی لائی ٹس) کا مریض ہے تب اس نے اس کا قاعدہ کے مطابق علاج کیا اور کامیاب ہوا۔

علی بن العباس المجوسی

اب ہم اپنی فہرست کے تیسرے نام یعنی علی بن العباس کے نام پر آتے ہیں۔ جو یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں ہالی عباس Haly Abbas کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی ایک تالیف الملکی ہے۔ جس کا ترجمہ لاطینی زبان میں مشہور فلسفی سٹیفن نے کیا ہے۔ جو مائیکل ڈی کیپلا (Michael de Capella) کے تحشیہ کے ساتھ ۱۵۲۳ء میں لائنس میں شائع ہو چکا ہے۔ اور لبر ریجی اس Liber Regius کے نام سے موسوم ہے۔

قفطی کا بیان

علی بن العباس کے متعلق قفطی نے جو حالات لکھے ہیں۔ وہ اس قدر مختصر ہیں۔ کہ ہم ان سب کو ذیل میں ترجمہ کر کے درج کرتے ہیں:

علی بن العباس مجوسی یا زرتشتی ایک نہایت فاضل اور اکمل ایرانی نژاد طبیب تھا اور ابن المجوسی کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ایرانی شیخ یعنی پروفیسر ابو ماہر (موسیٰ بن سیار) سے تعلیم حاصل کی اور خود بھی اپنے ذاتی شوق سے بہت سا مطالعہ کیا۔ اور کتابیں لکھیں۔ اور قدما کی تصانیف پر عبور کامل حاصل کیا۔ عضد الدولہ فنا خسرو بن بویہ الدیلمی کے لئے جس نے ۹۴۹ء

سے لے کر ۹۸۲ء تک حکومت کی الملکی کے نام سے اپنی طب پر ایک شاندار کتاب لکھی یہ کتاب درحقیقت ایک عظیم الشان کارنامہ اور ایک گرانقدر علمی خزانہ ہے جس میں فن طب کی علمی وادبی معلومات کو ایک نہایت دلچسپ ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ اس تالیف کو مؤلف کے عہد میں بیحد مقبولیت حاصل تھی اور لوگ اس کو بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ تاآنکہ بوعلی سینا کی تصنیف قانون نے اس کی برتری کو کم کر دیا۔ اور لوگوں کی توجہ الملکی کی طرف کسی قدر کم ہوگئی۔ ثانی الذکر کتاب علمی لحاظ سے اور اول الذکر عملی حیثیت سے تفوق اور فضیلت رکھتی ہے[1]

علی ابن عباس کا وطن

اب کتاب الفہرست ہمارے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں اس سے قبل یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی۔ (لہٰذا ظاہر ہے کہ علی بن عباس کے حالات فہرست میں نہیں مل سکتے) ہاں ابن ابی اصیبعہ کی کتاب[2] سے ہم اس کے متعلق حالات میں یہ خاص اور اہم چیز اضافہ کر سکتے ہیں کہ وہ اہواز کا اصل باشندہ تھا۔ جو جنوب مغربی ایران میں جندی شاپور کے قریب واقع تھا۔ جس کے مدرسۂ طبیہ کے متعلق ہم پہلے لیکچر میں تفصیل[58] سے لکھ چکے ہیں۔

علی بن عباس کا مذہب

علی بن عباس کے نام کے ساتھ لفظ مجوسی یعنی اس کی نسبت[59] سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا باپ یا دادا ایران کے قدیم زرتشتی مذہب کا پیرو تھا۔

علی بن عباس اور اس کے استاد کی تالیفات

علی بن عباس نے یا اس کے استاد ابو ماہر نے بہت زیادہ کتابیں نہیں لکھیں۔ صرف الملکی ہی ایک کتاب ہے جس کو علی بن عباس کے سوانح نگاروں نے اس کے نام کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ البتہ یہ ہرالکمن کا بیان ہے کہ گوتھا (Gotha)

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۲۳۲ - مؤلف

[2] ملاحظہ ہو - طبقات الاطبا رجلد اول صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷ - مؤلف

[58] صفحہ ۹۳ م پر - مترجم ۔ [59] صفحہ ۲۹۴ پر - مترجم

میں ایک اور طبی کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ جو علی بن عباس سے منسوب کی جاتی ہے[1]
اور اس کے استاد ابو ماہر کے متعلق بھی صرف دو مختصر کتابیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں
سے ایک فصد پر ہے اور دوسری اسحٰق بن حنین کی ان مختصر کتابوں کے ضمیمہ کی حیثیت
رکھتی ہے۔ جو اسحٰق نے طب عملی پر لکھی ہیں[60]۔

الملکی

ہمیں علی بن عباس کے متعلق صرف یہی مختصر حالات معلوم ہیں جو ذکر کئے گئے اور
اس کے زمانہ حیات کے متعلق بھی اختصار کے ساتھ صرف اسی قدر علم ہے کہ وہ جلیل المرتبت
اور روشن خیال بادشاہ عضد الدولہ کا ہمعصر تھا جس نے بغداد میں بیمارستان عضدی
قائم کیا۔ جس کو دسویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ میں بڑی شہرت اور ترقی حاصل
ہوئی لیکن اس کی تالیف الملکی یا لبریجی اس سہل المحصول کتاب ہے۔ اور یہ جلیل القدر
عربی نظام طب پر بہت مطالعہ کی جاتی ہے۔ الملکی کا ایک نفیس عربی ایڈیشن دو جلدوں
میں ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں قاہرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ الملکی کا لاطینی ترجمہ بھی
اگرچہ قلیل الوجود ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے کتب نادرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ اور اس لئے
ان کتب خانوں سے جن میں موجود ہے مستعار لیا جا سکتا ہے[61]۔

الملکی کا عربی متن تقریباً چار لاکھ الفاظ پر مشتمل اور بیس[2] مقالات میں منقسم ہے اور ہر
مقالہ میں بہت سے ابواب ہیں پہلے دس[1] مقالات طب کے جز و نظری پر ہیں۔ اور دوسرے
دس[1] مقالات جزو عملی پر۔ الملکی کا دوسرا اور تیسرا مقالہ علم تشریح پر ہے۔ جس کو ڈاکٹر پی۔ ڈی
کیننگ نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے مع اصل متن کے لیڈن میں ۱۹۰۳ء میں شائع
کیا ہے۔ اور اس کی کتاب "عربی علم تشریح" Trois Traites.de
Anatomie Arabs میں (از صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۳۴) درج ہے۔ الملکی کا انیسواں[19]
مقالہ علم جراحت سے متعلق ہے اور ایک سو دس[110] ابواب پر مشتمل ہے[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو کیٹلاگ ڈی اریب برلن جلد اوّل صفحہ ۲۳۷۔ مؤلف

[2] ملاحظہ ہو الملکی از صفحہ ۴۵۴ تا ۵۱۶ جلد دوم مطبوعہ قاہرہ (مؤلف)

[60] صفحہ ۲۹۵ پر۔ مترجم۔ [61] صفحہ ۲۹۵ پر۔ مترجم۔

قدما پر علی بن عباس کی تنقیدات

الملکی کا تعارفی حصہ جو اس کے پہلے مقالہ کے تین ۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ نہایت اچھا لکھا گیا ہے۔ اور بغایت دلچسپ ہے اور اس میں بھی وہ حصہ خصوصاً بہت خوب اور دلچسپ ہے۔ جس میں سابقہ طبی کتب پر تنقید کی گئی ہے۔[۶۲]

اس میں علی بن العباس یونانی اطبا میں خصوصیت کے ساتھ بقراط۔ جالینوس اوریباسیوس اور بولیس (پال آف ایجینا) پر بحث کرتا ہے۔ اور شامی اور مسلمان اطبا میں سے اہرون القس۔ یوحنا ابن سرافیون اور رازی پر نقد و نظر کرتا ہے۔ اس کی رائے ہے کہ بقراط کی تحریرات بہت زیادہ مختصر اور اس لئے بعض صورتوں میں مبہم ہیں۔ اور جالینوس کے یہاں الفاظ کی بھرمار ہے۔ اور اطناب ہے۔ اوریباسیوس اور بولیس (پالوس) کے متعلق اس کی رائے ہے۔ کہ انہوں نے علم تشریح۔ علم جراحت فلسفہ طبیعات علم تشخیص امراض بعلامات اخلاط اور علم اسباب امراض کے مسائل قلم انداز کر دیئے ہیں۔ اور بیان پر مکمل طور پر بحث نہیں کی۔

اپنے عہد کی تالیفات میں علی بن العباس صرف اہرون کی کتاب کو اپنی طرز میں مکمل کتاب سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے متعلق بھی یہ شکایت ہے کہ اس میں عربی ترجمہ کی زبان خراب اور مبہم ہے۔ اور ابن سرافیون کی نسبت لکھا ہے۔ کہ اس نے اپنی تالیفات میں علم جراحت کی بحث نظر انداز کر دی ہے اور بہت سے اہم امراض کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جن میں ابورسما بھی شامل ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ اس تالیف کے مباحث کی ترتیب بری اور بے قاعدہ ہے۔

رازی کی کتاب حاوی کے بے انتہا حجم اور طویل مضامین کے متعلق میں علی بن العباس کی رائے پہلے نقل کر چکا ہوں۔ جس میں وہ یہ امر ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس قدر ضخیم اور گراں قیمت کتاب ہے۔ کہ اس تک صرف بڑے دولتمند اشخاص ہی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ [illegible] کہ وہ ایک نادر کتاب ہے۔ اور رازی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سے ہی حاوی کے [illegible] بہت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ باقی رہی رازی کی دوسری مشہور طبی تالیف

---

[۶۲] صفحہ ۲۹۶ پر۔ مترجم

منصوری کے متعلق کہتا ہے کہ اس میں غیر واجب ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے

الملکی کا حسن ترتیب مضامین

اس کے بعد علی بن العباس اپنی کتاب الملکی کی نسبت یہ امر واضح کرتا ہے۔ کہ میں اس کی ترتیب و تدوین میں راہ اعتدال اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے نہ زیادہ اختصار سے کام لوں گا اور نہ اپنے بیان کو غیر ضروری طول دوں گا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے طریق کی تمثیل کے طور پر ذات الجنب کا بیان درج کیا ہے۔ جس میں ابتدا میں اس مرض کی تعریف تحریر کی ہے۔ اس کے بعد اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے اور پھر علامات خاصہ گنائی ہیں۔ جو چار ہیں۔ بخار۔ کھانسی۔ درد اور تنگئ تنفس۔ زاں بعد مرض کی آئندہ حالت کے متعلق پیش گوئی کرتا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان علامات کا ذکر کرتا ہے۔ جو مریض کے بلغم کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں۔ اور آخر میں اس کا علاج بیان کرتا ہے۔

شفاخانوں میں حاضری کی اہمیت

اس باب کے آخر میں علی بن العباس نے بیمارستانوں میں باقاعدہ حاضری کی اہمیت بیان کی ہے۔ جو یہاں قابل ذکر ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"ان امور میں سے جو اس فن کے طلباء کے لئے لازمی ہیں۔ ایک اہم امر یہ ہے کہ وہ برابر بیمارستانوں اور بیماروں کے گھروں کی حاضری دیں۔ اور ان میں جو بیمار رہتے ہیں۔ فاضل ترین اساتذۂ فن یعنی طبی پروفیسروں کی معیت میں ان کے حالات اور کوائف پر توجہ اور غور کریں۔ مریضوں سے اکثر ان کے حالات اور علامات و عوارض معلوم کرتے رہیں۔ جو ان میں ظاہر ہوں اور اپنے دماغ میں ان معلومات کو بھی مستحضر رکھیں۔ جو انہوں نے ان تغیرات کے متعلق کتابوں میں پڑھی ہیں۔ اور اب وہ ظاہر ہو رہی ہیں۔ جو اور وہ اچھی یا بری ہیں۔ اگر کوئی طالب علم ایسا کرے گا تو وہ اس فن میں پایۂ بلند حاصل کرے گا۔ لہٰذا جو شخص طبیب کامل بننا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ متذکرۂ صدر امور کا خاص خیال رکھے ان کو اپنی سیرت کا جزو بنائے۔ اور ان سے غافل نہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ مریضوں

کا علاج کامیابی سے کر سکے گا۔ لوگ اس پر اعتماد کریں گے اور اس کی طرف محبت کے ساتھ کھنچے چلے آئیں گے اس سے ہمدردی کریں گے اس کا احترام ملحوظ رکھیں گے اور اس کو شہرت حاصل ہوگی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ لوگوں سے مالی نفع اور مفاد بھی حاصل کرے گا۔

واللہ اعلم بالصواب[1]۔

جبرئیل بن بختیشوع کی فیس

بحوالہ فوق تخصیصات اور ہیبت سالے) کے ذکر کے سلسلے میں یہاں یہ امر بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنی عباس کے ابتدائی عہد میں اس دور کے ایک ممتاز ترین طبیب جبرئیل بن بختیشوع المتوفی ۸۳۰ء کو فیس سے کس قدر آمدنی تھی۔

قفطی کے بیان کے مطابق جبرئیل کو پبلک فنڈ یعنی خزانۂ عامرہ سے دس ہزار ۱۰۰۰۰ درہم ماہانہ ملتے تھے اور اس کے علاوہ خلیفہ اپنی جیب خاص سے ہر سال کے شروع میں پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ درہم نقد اور دس ہزار درہم کے ملبوسات عطا کرتا تھا۔ اور پھر سال میں دو دفعہ جبرئیل خلیفہ ہارون الرشید کی فصد کھولتا تھا۔ جس کے لئے اس کو ایک لاکھ ۱۰۰۰۰۰ درہم وصول ہوتے تھے۔ اور اسی قدر رقم خطیر اس کو خلیفہ کو سال میں دو۲ بار باقاعدہ مسہل دینے کے صلہ میں مل جاتی تھی۔

اس کے علاوہ جبرئیل کو امرائے دربار سے تقریباً چار لاکھ ۴۰۰۰۰۰ درہم سالانہ کی نقد آمدنی تھی جس میں تحائف بھی شامل ہیں۔ اور خاندان برامکہ سے اس کو ہر سال چودہ ۱۴ لاکھ علیحدہ وصول ہوتے تھے۔

قفطی کا اندازہ ہے کہ اگر اس آمدنی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ جو جبرئیل کو عام مریضوں سے فیس کے طور پر وصول ہوتی تھی اور صرف اس رقم کو جمع کیا جائے۔ جو اس نے متذکرہ فوق ذرائع سے فراہم کی تو اس نے ہارون الرشید کی ۲۳ سالہ اور برامکہ کی سیزدہ ۱۳ سالہ خدمت کے صلہ میں آٹھ کروڑ اٹھاسی لاکھ ۸۸۸۰۰۰۰۰ دینار کمائے۔ اور

---

[1] ملاحظہ ہو۔ الملکی جلد اوّل صفحہ ۹ ۔ مؤلف ۔

غور کیجئے ۔ کہ اگر فان کریمر کا یہ اندازہ درست تسلیم کیا جائے کہ ایک درہم تقریباً
ایک فرینک (چاندی کے ایک فرانسیسی سکہ) کے برابر ہے ۔ تو رقم مذکورہ جو جبریل
نے کمائی پینتیس لاکھ پونڈ سے زیادہ ہوتی ہے ۔

شیخ بوعلی سینا

اب میں آخری اور چاروں ایرانی نژاد اطبا[۱] میں سب سے زیادہ مشہور اور کامل
طبیب بوعلی سینا کے نام نامی پر آتا ہوں ۔ جس کو اہل مغرب ایوی سینا (Avicenna)
کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کا پورا اور صحیح نام بوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ہے
لیکن اس کو عام طور سے شیخ الرئیس یا معلم الثانی (بعد از ارسطو) کے لقب سے یاد
کیا جاتا ہے ۔

اب یہاں مشکل یہ پیش آتی ہے ۔ کہ ان بیشمار قابل ذکر خصوصیات میں سے جو بوعلی سینا
کی ذات میں موجود ہیں ۔ اس کی کس کس خصوصیت پر لکھنے کا فیصلہ کیا جائے ۔ کیونکہ وہ فلسفی بھی
ہے، طبیب بھی ہے ۔ شاعر بھی ہے ۔ اور ایک معاملہ فہم مدبر و مفکر بھی ہے، اور
طب عربی کو تو اس کی ذات نے معراج کمال پر پہنچا دیا ہے ۔ گویا کہ اس نے فن طب میں
جان ڈال دی ہے ۔

شیخ کے بعض مختصر حالات

اپنی ان پابندیوں کی بنا پر جو میرے لئے مقرر ہیں یہ ناممکن ہے کہ میں ان بیشمار ضخیم
کتب کے نام گناؤں جو شیخ بوعلی سینا نے فلسفہ اور سائنس پر لکھیں ۔ یا اس کی زندگی
کے وہ تفصیلی حالات تحریر کروں جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں اور جن کو اس نے
اپنی زندگی میں اکیس سال کی عمر تک خود قلمبند کیا ۔ اور اس کے شاگرد اور دوست
ابوعبید جوزجانی نے لکھا ہے[۲] ۔
شیخ کا باپ فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا اور بلخ کا باشندہ تھا ۔ اور اس کی

---

[۱] چاروں ایران نژاد اطبا ۔ سے یہاں علی بن ربن الطبری ۔ محمد بن زکریا رازی ۔ علی بن عباس
مجوسی اور شیخ بوعلی سینا مراد ہیں ۔ مترجم
[۲] صفحہ ۲۹۶ پر ۔ مترجم ۔

والدہ کا وطن ایک گاؤں تھا جو بخارا کے قریب واقع تھا۔ شیخ تقریباً ۹۸۰ء میں پیدا ہوا۔ دس۱۰ سال کی عمر تک اس نے قرآن اور ابتدائی عربی کتب درسیہ کی تکمیل کرلی اور مزید چھ۶ سال فقہ۔ فلسفہ اور علم طبیعات میں صرف کئے اور منطق اور اقلیدس وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ اور مجسطی کو پڑھا۔

اس کے بعد سولہ۱۶ سال کی عمر میں شیخ نے طب کی طرف توجہ کی۔ لیکن اس کو ان مسائل نے بہت پریشان کیا۔ جو علم مابعد الطبیعات سے متعلق تھے بالآخر یہ پریشانی بھی اس طرح دور ہوگئی کہ خوش قسمتی سے مشہور فلسفی فارابی کی ایک چھوٹی اور سستی کتاب ہاتھ لگ گئی۔ جس نے اس کی مشکلات کو حل کر دیا۔

نوح بن منصور کے دربار میں رسائی

ابھی شیخ کی عمر اٹھارہ۱۸ سال ہی کی تھی۔ کہ اس کو ایک طبیب کی حیثیت سے اس قدر شہرت حاصل ہوگئی۔ کہ وہ نوح بن منصور سامانی کے معالجے کے لئے جس نے ۹۷۶ء سے لے کر ۹۹۷ء تک حکومت کی طلب کیا گیا۔ جب نوح بن منصور شفایاب ہوگیا۔ تو اس نے خوش ہوکر شیخ کو شاہی کتب خانہ سے استفادہ کرنے کی اجازت دیدی۔ جس میں کثیر التعداد نادر اور بے مثال کتابیں موجود تھیں۔ یہ کتب خانہ بعد میں جل کر ضائع ہوگیا۔ اور اس سلسلے میں بوعلی سینا کے بعض حاسدین یہ کہنے سے باز نہیں رہے۔ کہ اس نے کتب خانہ کو خود آگ لگادی تھی۔ تاکہ کوئی دوسرا شخص ان معلومات سے کیف اندوز اور متمتع نہ ہوسکے جو اس نے اس نادر کتب خانہ کے ذریعہ سے حاصل کیں۔

شیخ کے مشاغل اور مصائب

شیخ اکیس۲۱ سال کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہوگیا۔ اور تقریباً اسی زمانے میں اس نے اپنی پہلی کتاب مرتب کی۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ کے لئے علی بن مامون حاکم خوارزم (یا خیوا) کی ملازمت میں رہا۔ لیکن بالآخر یہاں سے بھاگا۔ کیونکہ سلطان محمود غزنوی اس کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ آخرالامر بڑی سرگردانی اور بادیہ پیمائی کے بعد جرجان کے حاکم قابوس کی علم دوستی کا شہرہ سن کر جرجان پہنچا۔ لیکن یہاں وہ اس وقت پہنچا۔ جب قابوس معزول و مقتول ہوچکا تھا۔ اُس نے اپنی بدبختی کا اظہار ایک نہایت دردناک انداز سے ایک نظم میں کیا ہے جو اس نے اس موقع پہ لکھی تھی۔ وہ کہتا ہے:۔

لما عظمت فلیس مصر واسعی

جب میں (باعتبار علم و فضل) بڑا آدمی بنا تو اب دُنیا میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں،

لما غلا ثمنی عدمت المشتری

اور جب میری قیمت بڑھی - تو اب میرا کوئی خریدار نہیں[۶۳]

بالآخر خدا نے شیخ کی سُن لی - اور امیر شمس الدولہ حاکم ہمدان کی شکل میں اس کو ایک خریدار مل گیا شیخ نے اس کے مرض قولنج کا علاج کیا — اور اس نے شیخ کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا -

مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا - کہ فوج نے امیر شمس الدولہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا - جس پر امیر موصوف نے شیخ کو ملازمت سے برطرف کر کے قید کر دیا - لیکن بعد میں جب قولنج کا پھر حملہ ہُوا - تو اس نے شیخ کو پھر طلب کیا - معافی مانگی اور سابقہ منصب پہ بحال کر دیا[۶۴] -

شیخ کی زندگی غیر معمولی طور پر مشاغل اور سرگرمیوں سے معمور تھی - وہ تمام دن امیر کی خدمت میں مصروف رہتا تھا - اور رات کا بیشتر حصہ لیکچر دینے اور اپنی کتابوں کے لئے مختلف مباحث املاء کرانے میں صرف کرتا تھا - اور رات کے وقت تھوڑے تھوڑے وقفہ سے موسیقی اور مے نوشی کا شغل بھی رہتا تھا[۶۵] -

شیخ کی وفات

بالآخر بہت سے انقلابات اور حوادث کے بعد جن کی تفصیل کے لئے میرے پاس وقت نہیں - لیکن جن کو اس کے شاگرد اور وفادار دوست ابو عبید جوزجانی نے بلا کم و کاست قلمبند کر دیا ہے - بو علی سینا جو سخت مشاغل اور سخت زندگی سے تھک چکا تھا - اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ء میں فوت ہو گیا[۶۶]۔

معترضین کا طعن

شیخ اپنی آخری بیماری کا علاج کرنے سے قاصر رہا - جس پر معترضین نے کہا - کہ شیخ کا علم طبیعات اس کے جسم کو نہ بچا سکا - اور نہ اس کا علم مابعد الطبیعات روح کو[۶۷]۔

---

[۶۳] معترضین نے یہ مفہوم اشعار میں ادا کیا ہے اور یہ اشعار ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا کی جلد دوم میں صفحہ ۶ پر درج کئے ہیں اور یہ اشعار چہار مقالہ کے حواشی میں بھی نقل کئے گئے ہیں - جس کا ترجمہ میں نے کیا ہے - اور جس کو گب میموریل ٹرسٹ کے ارکان نے شائع کیا ہے - ملاحظہ ہو ترجمہ چہار مقالہ جلد دوم صفحہ ۱۵۶ - مؤلف

[۶۴] صفحہ ۲۹۶ پر مترجم؛ [۶۵] صفحہ ۲۹۷ پر مترجم؛

[۶۶] صفحہ ۳۰۰ پر مترجم؛ [۶۷] صفحہ ۳۰۰ پر مترجم

شیخ کی تالیفات

شیخ بو علی سینا کی تالیفات بیشمار ہیں - اور ان میں اکثر بہت ضخیم اور مجلد ہیں۔ بعض بڑی کتابیں تو بیس بیس[۲۰] جلدوں پر مشتمل ہیں قفطی نے شیخ کی تالیفات کی جو فہرست دی ہے[۱] - اور جو بظاہر مکمل معلوم ہوتی ہے - اس میں اس کی اکیس[۲۱] بڑی اور چوبیس[۲۴] چھوٹی کتب کے نام مندرج ہیں - یہ فلسفہ طب دینیات، اقلیدس، فلکیات لسانیات وغیرہ پر ہیں۔

ان میں سے اکثر کتابیں عربی زبان میں ہیں - لیکن شیخ نے اپنی مادری زبان فارسی میں بھی دو کتابیں لکھی ہیں - ایک بڑی اور ضخیم کتاب فلسفیانہ معلومات پر مشتمل ہے جس کا نام دانش نامۂ علائی ہے اور جس کا ایک قلمی نسخہ برطانوی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں بھی ہے[۲] اور دوسری ایک مختصر سا رسالہ ہے جو نبض کے متعلق ہے۔

لیکن براکلمن نے اپنی کتاب گیشختے ڈیر ارابِشِن لٹریچر Geschichte der Arab ischen Litterature کی جلد اوّل میں (از صفحہ ۴۵۲ تا صفحہ ۴۵۸) کتب بو علی سینا کی جو فہرست دی ہے۔ وہ قفطی کی فہرست سے بہت زیادہ طویل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بو علی سینا نے دینیات اور علم مابعد الطبیعات پر اڑسٹھ[۶۸] کتابیں لکھی ہیں - اور گیارہ کتابیں فلکیات اور فلسفۂ طبیعیات پر اور سولہ[۱۶] طب پر تالیف کی ہیں - اور چار کتابیں اس کی نظموں پر مشتمل ہیں - یعنی کل ننانوے[۹۹] کتب لکھی ہیں۔

شیخ کی مقبول ترین عربی نظم وہ ہے - جس میں اس نے بتایا ہے کہ روح کس طرح عالمِ علوی (محل ارفع) سے جو اس کا وطن ہے - اُتر کر جسم میں داخل ہوگئی - یہ نظم حقیقتاً نہایت دلکش ہے - اور میں نے اپنی کتاب تاریخ ادبیاتِ ایران (لٹریری ہسٹری آف پرشیا) کی

---

[۱] ملاحظہ ہو - تاریخ الحکماء صفحہ ۴۱۸ مطبوعہ لیپرٹ - مؤلف)

[۲] ملاحظہ ہو - ریو کی فہرست کتب فارسی - مسٹر اے - جی - ایلس نے میری توجہ کو اس طرف منعطف کرایا ہے - کہ اس کتاب دانش نامۂ علائی کا ایک نسخہ ہندوستان میں ۱۳۰۹ھ المطابق ۱۸۹۱ء میں لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے - مؤلف ۔
ج ۱۸ صفحہ ۳۰۰ پر - مترجم ۔

جلد دوم میں صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ پر) اس کا ترجمہ دیا ہے ۔

شیخ کی فارسی نظمیں

ڈاکٹر ایتھے Ethe آنجہانی کی محنت بھی مستحق داد ہے جس نے مختلف کتب تاریخ سے شیخ کی پندرہ[۱۵] مختصر فارسی نظمیں جمع کی ہیں ۔ ان میں سے اکثر رباعیاں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد تقریباً چالیس[۴۰] ہے ۔ اور ان میں سے بالعموم مشہور ترین باعی وہ ہے جو شاید غلطی سے عمر خیام کی جانب منسوب کی جاتی ہے ۔ جس کی مشہور رباعیوں کا کم از کم ۱/۵ حصہ دیگر اشخاص کی جانب منسوب کئے جانے کے متعلق بہترین شہادت رکھتا ہے ۔

اس رباعی کا فٹز جیرالڈ نے انگریزی زبان میں نظم میں جو ترجمہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے :-

"Up from Earth's Centre through the Seventh -
-Gate ."

مرکز زمین سے روانہ ہو کر فلک ہفتم سے گزر کر ۔

I rose, and on the throne of Saturn Sate,

میں (زمین سے) اٹھا اور زحل کے تخت پر جا بیٹھا ۔

And many a knot unravelled by the Road,

اور میں نے بہت سی گرہیں راہ چلتے کھول کر رکھ دیں ۔

But not the Master-knot of Human Fate."

مگر مجھ سے انسانی تقدیر کا عقدہ دشوار نہ کھل سکا ۔

شیخ کی یہ اصل رباعی مجمع الفصحاء میں موجود ہے[۱] ۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ؎

از قعر گلِ سیاہ تا اوجِ زحل کردم ہمہ مشکلات گیتی را حل
بیروں جستم ز قید ہر مکر و حیل ہر بند گشادہ شد مگر بند اجل

شیخ کی طبی تالیفات

شیخ بوعلی سینا کی طبی کتب میں نصف یعنی آٹھ منظوم ہیں ۔ اور ان میں امراض کے مہلک نتیجہ سے آگاہ کرنے والی پچیس[۲۵] علامات ۔ حفظان صحت کے احکام مسلمہ طریقہائے علاج

---

[۱] ملاحظہ ہو ۔ مجمع الفصحاء ، جلد اوّل صفحہ ۶۸ ۔ (مؤلف)

علم تشریح کی تلخیص وغیرہ امور پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اور ان منظوم رسالوں میں سے ایک یا دو مشرق میں طبع ہو چکے ہیں۔ لیکن میری نظر سے نہیں گزرے۔ بہر نوع میرا خیال ہے کہ یہ منظوم رسالے نہ شاعری کے اعتبار سے بہت زیادہ وقیع ہیں اور نہ علمی لحاظ سے۔

قانون کے بعد نثر میں شیخ کی طبی تصانیف میں غالباً سب سے زیادہ اہم کتاب الادویۃ القلبیہ ہے۔ جس میں دل کی دوائیں بتائی گئی ہیں اور جس کے کئی نفیس قلمی نسخے برطانی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی ابھی تک نہیں چھپا۔ اور ان کا مطالعہ صرف برطانی عجائب خانہ یا دوسرے بڑے بڑے کتب خانوں کی چار دیواری کے اندر ہی کیا جا سکتا ہے۔[۱][۶۹]

قانون

یقیناً قانون بوعلی سینا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ اہم طبی کتاب ہے اور اسی طرح سب سے زیادہ سہل الحصول بھی ہے۔ اور اس کے اصل عربی نسخہ کے لاطینی ترجمہ تک جو جیرارڈ آف کریمونا (Gerard of Cremona) نے سپرد قلم کیا ہے۔ بآسانی رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اصل عربی قانون کا ایک مصری ایڈیشن بھی موجود ہے۔ جو حال ہی میں طبع ہوا ہے۔ پھر اصل متن کا ایک رومی ایڈیشن بھی ملتا ہے جو ۱۵۹۳ء میں چھپا ہے۔ اور وہ خوبصورت لاطینی ترجمہ بھی دستیاب ہوتا ہے۔ جو ۱۵۴۴ء میں شائع ہوا تھا۔

قانون میں کم از کم دس لاکھ الفاظ ہیں۔ اور اکثر عربی کتب کی طرح اس کے حصص کی تعیم و تقسیم خوش اسلوبی کے ساتھ کی گئی ہے۔ ساری کتاب پانچ کتابوں (حصوں) پر مشتمل ہے۔ کتاب اوّل میں عام اصول طب کا بیان ہے۔ کتاب دوم میں بترتیب ابجد مفردات کا ذکر ہے۔ کتاب سوم میں امراض اعضائے خاصہ کا بیان ہے۔ اور اس میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر عضو کے امراض پر علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے

---

[۱] مثلاً برلن۔ گوتھا۔ لیڈن اور اسکوریل کے کتب خانوں میں۔ مؤلف

[۶۹] صفحہ ۳۰۱ پر۔ مترجم ∴ [۷۰] صفحہ ۳۰۳ پر۔ مترجم ∴

کتاب چہارم میں امراض عامہ پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ جو اگرچہ ابتدا میں مقامی اور مخصوص ہوتے ہیں لیکن آگے چل کر جسم کے دوسرے اعضا تک ان کا اثر پھیل جاتا ہے۔ مثلاً حمیات اور کتاب پنجم میں ادویۂ مرکبہ کا بیان ہے۔

یہ بیانات درحقیقت بہت ناکافی ہیں۔ اور کتاب چہارم میں صرف حمیات ہی کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ایام بحران۔ تقدمۃ المعرفۃ۔ رسولیوں۔ زخموں۔ شکست عظام وبٹی (جوڑ اُترنے) اور علم السموم کا بیان بھی ہے۔

قانون کی غلطیوں کا اعتراف

میں نے چاہا تھا کہ میں اس گرامی قدر اور مقبول ترین کتاب کے متعلق بحث پر اس سے زیادہ وقت صرف کروں۔ جتنا وقت کہ آج میرے لئے مقرر ہے۔ لیکن چونکہ کالج نے اگلے سال پھر مجھ کو عربی طب پر لیکچر دینے کی عزت بخشی ہے۔ اس لئے میں توقع رکھتا ہوں۔ کہ سال آئندہ تشنۂ بحث امور پر مزید گفتگو کر سکوں گا۔

تاہم اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قانون کی قاموسانہ شان قابلِ تعریف ترتیب و تبویب۔ فلسفیانہ انداز بیان اور جدّتِ مضامین طب کے علاوہ دیگر شعبہائے علوم و فنون کے میدانوں میں اس کے مؤلّف کی زبردست شہرت کے ساتھ مل کر دنیائے اسلام کے طبی لٹریچر میں اس کو ایک خاص مرتبہ بلند پر پہنچا رہی ہے۔

اس لئے ابتدائی عہد کی رازی اور مجوسی کی طبی تصانیف جن کی خوبیاں بلاشبہ مسلّم ہیں۔ قانون کی وجہ سے عملی طور پر کتب منسوخہ قرار دے دی گئیں۔ اور اب بھی مشرق میں طب یونانی کے حاملین دستورِ علاج میں قانون کی آراء کو دلائل میں ایک آخری اور قطعی دلیل سند اور ثبوت کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔[1]

نظامی عروضی کی رائے

اس بیان کے ثبوت کے لئے اور اس عزت و تکریم کے اعلان کے لئے جو بوعلی سینا کو حاصل ہے میں چہار مقالہ سے ایک حوالہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ چہار مقالہ بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں نظامی عروضی سمرقندی نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ جس میں بنی نوع انسان

---

[1] صفحہ ۳۰۴ پر۔ مترجم

چار طبقوں (دبیروں، شاعروں، منجموں اور اطبا) کا ذکر کیا ہے۔ جن کا وجود وہ سلاطین کی خدمت کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔

نظامی عروضی اطبار کے ذکر کے سلسلے میں بہت سی کتابوں کے نام گنانے کے بعد جن کا عمیق مطالعہ طب میں کمال حاصل کرنے والے کے لئے از بس ضروری ہے، کہتا ہے۔ کہ اگر کوئی طالب علم یہ چاہتا ہے۔ کہ تمام دیگر طبی کتابوں سے بے نیاز اور آزاد ہو جائے۔ تو وہ پورے اعتماد کے ساتھ قانون شیخ پر اکتفا کر سکتا ہے۔

نظامی عروضی اس کے بعد لکھتا ہے۔ کہ سرور دو جہاں، ہادی انس و جاں کا ارشاد ہے کہ گورخر کے شکار میں ہر قسم کا کھیل شامل ہے۔ یہی حال بحیثیت مجموعی قانون کا ہے کہ یہ طب کے ہر ایک شعبہ پر مشتمل ہے۔ جو شخص اس کی جلد اوّل کا پوری طرح مطالعہ کریگا اس پر نظریات اور اصول طب میں کوئی چیز مخفی نہ رہے گی۔ پس اگر بقراط اور جالینوس زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آسکیں۔ تو یقین کیجئے کہ وہ بھی اس کتاب کا احترام کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ہاں میں نے ایک عجیب بات سنی ہے کہ ایک شخص نے اس کتاب پر اعتراضات کئے ہیں۔ اور ان کو جمع کر کے اس نے اس کا نام اصلاح قانون رکھا ہے۔

میں نے ان دونوں کتابوں (قانون اور اصلاح قانون) کو پڑھا ہے۔ اور دیکھا ہے کہ مؤلف اصلاح قانون کس قدر احمق اور اس کی کتاب کس قدر قابل نفرت ہے؟ غور کیجئے۔ کہ جو شخص قانون کے پہلے ہی مسئلہ کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے اس کو کیا حق پہنچتا ہے۔ کہ بوعلی سینا جیسی جلیل القدر شخصیت پر نکتہ چینی کرے؟

چار ہزار سال تک حکمائے قدیم نے پوری قوت کے ساتھ جد و جہد کی اور اس کام میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ کہ علم فلسفہ کے چند مستحکم اصول منضبط کریں لیکن ان کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخر اس دور کے گزرنے کے بعد ایک حقیقی فلسفی اور بہت بڑا عالم

---

۴۲ صفحہ ۲۰۶ پر۔ مترجم ؎

ارسطو دنیا میں پیدا ہوا - جس نے اس سکہ کو منطق کی ترازو پر تولا - تعریفوں کی کسوٹی پر پرکھا - اور تشبیہات و استعارات کے پیمانوں سے ناپا - پس اس علم کے متعلق تمام شکوک و شبہات رفع ہو گئے - اور اس کی بنیاد قطعی اور ممتاز دلائل پر قائم ہو گئی -

پھر ارسطو کے عہد کے بعد پندرہ صدیوں تک کوئی ایسا فلسفی دنیا میں نہ آیا - جو اس کی تعلیم کی گہرائیوں تک پہنچا ہو - اور جس نے وہ مرتبۂ بلند حاصل کیا ہو - جس پر ارسطو فائز تھا - بالآخر افضل المتاخرین فلسفیٔ مشرق آیۃٌ من آیات اللہ ابوعلی حسین بن عبد اللہ بن سینا پیدا ہوا - اور اس کو یہ شرف حاصل ہوا -

لہٰذا جو شخص ان دو جلیل القدر ہستیوں پر نکتہ چینی کرے گا - وہ اپنی ذات کو عقلاء کی محفل سے باہر پھینک کر پاگلوں کے زمرہ میں داخل کرے گا - خبط باختہ سمجھا جائے گا - اور اپنے آپ کو صرف بے وقوفوں کی صحبت کے قابل بنائے گا - خدائے برتر ہم کو اپنے لطف و کرم سے ایسی خطرناک لغزشوں اور لغو خیالات[1] سے بچائے"۔

---

[1] یہ عبارت چہار مقالہ کے صفحہ ۷۰ و ۷۱ پر درج ہے - جس کو ۱۹۱۰ء میں - ای - جے ڈبلو گب میموریل ٹرسٹ نے شائع کیا تھا - نیز صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ پر چہار مقالہ کے اس ترجمہ میں موجود ہے جو ۱۸۹۹ء میں جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں میں نے شائع کرایا - اور چہار مقالہ کے نئے ایڈیشن میں جو میری نظر ثانی کے بعد گب میموریل ٹرسٹ کی جانب سے شائع ہوگا - یہ عبارت صفحہ ۷۹ و ۸۰ پر ملے گی - (مؤلف)

تیسرا لیکچر

اپنے موضوع پر قلم اُٹھانے سے پہلے شاید یہ بہتر ہوگا۔ کہ میں بہت اختصار کے ساتھ ان اصل امور کو دوبارہ عرض کر دوں۔ جن کو گذشتہ سال اپنے ہر دو لیکچروں میں آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں ؛

عربی طب کا مفہوم

میں نے اپنے سابقہ لیکچروں میں یہ عرض کیا تھا۔ کہ عربی طب کو جس کو اسلامی طب کہنا زیادہ صحیح ہے۔ صرف اس لحاظ سے عربی طب کہا جاسکتا ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے نیز میں نے یہ بتایا تھا کہ یہ طب زیادہ تر قدیم نظاماتِ علاج اور خصوصاً یونانی علاج کے طریقوں کا منتخب مجموعہ ہے لیکن اس کی ترکیب میں کسی قدر ہندوستانی اور قدیم ایرانی طب اور دیگر غیر ملکی قوانینِ علاج کے خلاصہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جن کی توضیح ذرا مشکل ہے اور میں نے اس سلسلے میں یہ بھی واضح کیا تھا۔ کہ اصل باشندگانِ بادیۂ عرب کی طب ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہورِ قدسی کے وقت جو ساتویں صدی عیسوی میں ہوا۔ بہت ابتدائی طرز کی طب تھی۔ جو کم و بیش اسی نہج پر رہی۔

طبِ ابّرکہ

میں نے اسی سلسلہ میں ڈاکٹر زویمر کی کتاب عرب گہوارۂ اسلام (Arabia) the Cradle of Islam سے زویمر کے مشاہدات بطور حوالہ پیش کئے تھے اور اب ایک مصری ڈاکٹر عبدالرحمٰن آفندی اسمٰعیل کی ایک چھوٹی سی دلچسپ ترین عربی کتاب کا حوالہ پیش کرتا ہوں جس میں اصل باشندگانِ وادیٔ عرب کی مقبول طب اور علاج اور زیادہ تر عربی عورتوں کے طبی معتقدات اور توہمات سے بحث کی گئی ہے ؛

یہ کتاب قاہرہ میں ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور اس کا نام طب الرکہ[1] ہے جس کا سادہ مفہوم ہے طب العجائز یعنی بوڑھی عورتوں کی طب۔

اس میں قدیم بدوی عربی طب پر جو آج تک مصر جیسے ملک میں اور موجودہ روشنی کے عہد میں پائی جاتی ہے۔ اس کے مؤلف کی جانب سے سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے اور اس کو ایک قابل احتراز چیز بیان کیا گیا ہے[2]۔

طب عربی کے دو دور

اس منتخب اور ممتاز تہذیب اور علم کے نظام عمومی کے لئے جس کو مسلمان محققین اور مفکرین نے بغداد کی خلافت کے عہد زرین میں (جو آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے لے کر کچھ عرصہ تک قائم رہا) تعمیر کیا۔ جس عربی طب کو ترقی دی گئی یا ذرا وسیع معنی میں جس یونانی طب کو اختیار کیا گیا۔ اس کے میں نے دو دور بیان کئے ہیں۔ دورِ اوّل وہ ہے جس میں مستقبل میں مزید طبی مطالعہ کی بنیاد قائم کرنے کے لئے یونانی سرمایۂ علم طب کے شاہکاروں کو عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور دَور دوم وہ ہے۔ جس میں عربی بولنے والے یا بہر نوع عربی لکھنے والے اطباء نے جن میں اکثر یہودی مسیحی۔ صابی اور مجوسی تھے۔ یونانی زبان کے اس قدیم سرمایۂ طب کو جو اب عربی زبان میں منتقل ہو چکا تھا اپنے تجارب کی روشنی میں نظر ثانی کر کے یا اس کی طرز اور قدیم شکل تبدیل کر کے اپنی ذاتی ذہنی کاوشوں کے نتائج سے معمور اور مقلدانہ افکار و معلومات سے آزاد نئے طرز و انداز کی کتابیں لکھیں۔

چہار مشاہیرِ طب

اس دَورِ دوم کے مصنفین میں سے چار قابل ذکر مشاہیر اطباء کے متعلق جنہوں نے ایران میں ۸۵۰ء اور ۱۰۳۶ء کے درمیان بہت بڑی شہرت اور ترقی حاصل کی میں اختصار کے ساتھ پہلے لکھ چکا ہوں۔ اور یہ ۱۰۳۶ء وہ سن ہے جس میں بوعلی ابن سینا نے (جو مغرب میں ایوی سینا Avicenna کے نام سے مشہور ہے) وفات پائی۔

---

[1] غالباً اطالوی لفظ روکو (Roco) سے معرب کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے متعلق واکرس نے اپنی کتاب میں جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی ہے صفحہ ۳۲۲ پر دلکش روشنی ڈالی ہے۔ (مؤلف)

[2] یہ کتاب مطبعۃ البہیہ مصر میں طبع ہوا اور ہمارے مطالعہ سے بھی گزر چکا ہے۔ مترجم۔

باقی تین[۳] مشاہیر اطبائے ایران میں سے پہلا علی بن ربن ہے جس نے خلیفہ متوکل باللہ کے لئے ۸۵۰ء میں فردوس الحکمۃ تالیف کی۔ دوسرا ابوبکر محمد بن ذکریا الرازی ہے۔ جو قرون وسطیٰ میں یورپ میں ریزز (Rhazes) کے نام سے مشہور تھا۔ اور تیسرا[۳] علی بن عباس مجوسی ہے۔ جو بربریہ کی لاطینی زبان میں قرون وسطیٰ میں ہالی عباس۔ Haly Abbas کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

چہار ممتاز تالیفات

میں ان چاروں جلیل القدر اطباء کی چاروں ممتاز تالیفات سے بھی آپ کو اختصار کے ساتھ متعارف کرا چکا ہوں۔ یعنی میں نے فردوس الحکمۃ سے جس کا مغربی نام پیراڈائز آف وزڈم (Paradise of Wisdom.) ہے اور جو آج اپنے کمال ندرت کی وجہ سے برطانی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) اور برلن کے کتب خانوں کی غربی فہرستوں سے باہر نذر غفلت و بے توجہی ہو کر رہ گئی ہے[۱]۔ حاوی سے جس کا مغربی نام کانٹی نینس (Continens) ہے۔ کامل الصناعۃ سے جس کا لاطینی نام لبریجی اس (Liber Regius) ہے اور بوعلی سینا کے قانون سے جس کا مغربی نام کینن آف میڈیسن (Canon of Medicine.) ہے۔ آپ کا تعارف کرا دیا ہے۔

رازی کی عظمت کا اعلان

میں نے اس سلسلے میں نیوبرگر۔ بیجل اور دیگر مؤرخین طب کی رائے سے پورا اتفاق ظاہر کیا ہے۔ کہ باوجودیکہ بوعلی بن سینا نے سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے لیکن وہ گرانقدر طبی یادداشتیں جو رازی نے اپنے زیر علاج مریضوں کے حالات کا مشاہدہ کر کے لکھی ہیں۔ جن میں سے بعض حاوی کے اس قلمی نسخہ کی ایک جلد میں جو آج بوڈلین لائبریری میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ درج ہیں۔ رازی کو ان چاروں اطبا میں سب سے افضل و برتر قرار دیتی ہیں۔ اور اس بنا پر شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ اسلام نے تیرہ صدیوں میں جتنے اطباء پیدا کئے ہیں رازی کا مرتبہ ان میں سب سے

---

[۱] فردوس الحکمۃ اب مطبع آفتاب برلن میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ (مترجم)

بلند ہے۔

العود الی المقصود

رازی کی حاوی اور متذکرہ فوق تین اطباء کی تالیفات وحالات کی نسبت میں پھر کچھ عرض کروں گا۔ بشرطیکہ مجھ کو میرے مختصر مقررہ وقت نے اجازت دی لیکن سردست پہلے ان امور پر غور کرنا ضروری ہے جو اسلامی دنیا میں طب کی تاریخ ادب اور مرتبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاکہ تفصیلات میں پڑنے سے پہلے اس تمام میدان کی پیمائش ہو کر آپ کے سامنے ایک مکمل خاکہ آجائے۔

عربوں کی مساعیٔ طبیہ

یہ حقیقت پہلے واضح کی جاچکی ہے۔ کہ مسلمانوں نے طب میں کوئی جدید نظام پیدا کرنے کے مقابلے میں بڑا کام یہ کیا ہے۔ کہ انہوں نے قدیم یونانی علم کو اپنی زبان میں نہایت دیانت داری کے ساتھ صحیح شکل میں منتقل کر دیا ہے ؛

عربوں کی ذہنی قابلیت

اس مسئلہ پر دو نگٹن نے اپنی کتاب تاریخ طب میں اس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے[1] ۔ کہ مزید عرض کرنے کی جگہ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ذیل میں صرف اس کے الفاظ نقل کردوں ۔ چنانچہ وہ عربوں کی ان حیرت انگیز فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد جو ساتویں صدی عیسوی میں سر دئے کار آئیں رقمطراز ہے کہ :-

" جسمانی قوت کے اس مظاہرہ کے سلسلے میں عربوں نے جس دماغی اور ذہنی قابلیت اور قوت کی نمائش کی وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ۔ چنانچہ ایک بازنطینی شہزادہ یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا کہ جب کہ ایک عرب فاتح نے اس کے سامنے جو شرائط پیش کیں ۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس کو یونانی قلمی نسخے خریدنے اور جمع کرنے کا پورا پورا حق ہوگا ۔ اور ایک عرب سردار کو اس بادشاہ کے تحائف میں سب سے زیادہ جو تحفہ پسند آیا وہ دیسقوریدوس کی کتاب کا ایک مصور قلمی نسخہ تھا "

---

[1] ملاحظہ ہو ۔ ہسٹری آف میڈیسن جو لندن کے سائنٹفک پریس میں ۱۸۹۴ء میں طبع ہوئی صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ ۔ (مؤلف)

۴۳ صفحہ ۳۰۷ پر ؛ مترجم ؛

قسطنطنیہ کے فلسفی مسلمان مصنفین کی علمی تصانیف دیکھ کر حیران ہو گئے اور انہوں نے ان کی شاندار ذہنی قابلیت کا منظر دیکھ کر با دلِ ناخواستہ اُن کی قدر کرتے ہوئے ان کو وحشی اور غیر مہذب علماء کے لقب سے یاد کیا! یہی حال اس دور کے نیم مہذب عیسائیوں کا ہُوا۔ کہ انہوں نے مسلمانوں کی عقل و ذہانت کا تماشا دیکھ کر یہ سمجھا۔ کہ یہ لوگ تو بنی نوع انسان کے مقابلے میں کوئی بالاتر مخلوق ہیں۔

یہی وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے جالینوس اور بقراط کے نااہل اخلاف کے ہاتھوں سے طبِ یونانی کی ٹمٹماتی ہوئی مشعل اپنے ہاتھ میں لی اور اگرچہ ابتداء میں وہ اس میں پہلی سی روشنی اور تجلی پیدا نہ کر سکے۔ لیکن اس وقت انہوں نے اس کو کم از کم بجھنے سے بچا لیا۔ اور پانچ صدیوں کے بعد اس کو پہلے سے زیادہ درخشاں اور فروزاں شکل میں واپس کر دیا۔"

یورپ میں عربی طب کا پہلا مبلغ

غالباً پانچ صدیوں کا اندازہ زیادہ ہے۔ کیونکہ بوعلی سینا (المتوفی ۱۰۳۶ء) ابھی اپنے عہدِ طفولیت میں ہی تھا۔ کہ شمالی افریقہ (غالباً ٹیونس) میں ایک ایسا شخص پیدا ہو چکا تھا جس نے پہلی مرتبہ مغربی یورپ کو لاطینی زبان کے توسط سے عربوں کے علوم سے آشنا کرایا[1]۔

اس شخص کا تذکرۂ حیات لوگوں کو بہت کم معلوم ہے۔ لیکن قدرت کو منظور تھا۔ کہ اس کی ذاتِ گرامی کو اس کے نام قسطنطین افریقی (کنس ٹین ٹی نس افری کے نس)

(Constantinus Africanus.)

کے ساتھ شہرت حاصل ہو۔

قسطنطین اور سلرنو کا طبیہ کالج

یہ قسطنطین افریقی سلرنو کے مشہور طبی کالج (مرکز علوم بقراطیہ) سے وابستہ تھا۔ اور

---

[1] ملاحظہ کیجئے وہ مقالہ طبیہ جو قسطنطین افریقی پر مشہور جرمن مستشرق مارٹنز سٹین شٹینڈر نے لکھا ہے اور ورخوارکیو Virchows Archiv کی کتاب میں جو ۱۸۶۷ء میں برلن میں چھپی ہے صفحہ ۳۵۱ سے لیکر ۴۱۰ تک درج ہے (مؤلف)

انھوں نے اپنی زندگی میں بہت سی شاندار خدمات انجام دینے کے بعد ۱۰۸۵ء میں جبل مانٹے کسینو میں وفات پائی۔ اور اس کی وفات جیرارڈ آف کریمونا کی وفات سے جو السنۃ شرقیہ کا زندہ جاوید مشہور فاضل اور مترجم تھا۔ ٹھیک ایک صدی پہلے واقع ہوئی

ایک یہودی طبیب — ان کے طبی علم و فضل کی بناء پر ان دونوں جلیل القدر شخصیتوں کے علاوہ قرونِ وسطیٰ کے اہلِ یورپ یہودی طبیب فرج بن سالم (مغربی نام فارے ری اس Fararius. یا فارے جٹ Faragut. کے بھی ممنونِ احسان ہیں۔ جس نے ۱۲۷۹ء میں رازی کی کتاب الحاوی کا ترجمہ لاطینی زبان میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

صلیبی لڑائیوں میں مبادلۂ خیالات — مشرق و مغرب کے درمیان افکار و خیالات کا میدلہ ادبی وسائل کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی ہوا۔ اور اس سلسلے میں قابلِ غور چیز یہ ہے کہ اگرچہ صلیبی جنگ کے دور میں عربوں اور صلیبی محاربین میں ہر دو جانب سخت تلخ احساسات موجود تھے لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے کہ جب جنگ چند روز کے لئے رُک جاتی تھی تو فریقین کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا ہو جاتے تھے۔

اسامہ اور اس کا روزنامچہ — اس دور کے بعض خشک حالات ہمارے پاس محفوظ ہیں اور وہ اس طرح کہ اس عہد کے ایک عرب امیر اسامہ بن منقذ کا ایک درخشاں اور شاندار روزنامچہ جس کو ایچ ہارٹ وگ ڈیرنبرگ نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے مع اصل عربی متن کے شائع کیا ہے[1] موجود ہے۔

اسامہ بن منقذ بارہویں صدی عیسوی میں شام میں گزرا ہے۔ اور اس کی زندگی کا بیشتر حصہ مغربی یورپ کے فرنگیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں بسر ہوا ہے۔ وہ ۱۰۹۵ء میں پیدا ہوا تھا جبکہ صلیبی محاربین نے یروشلم اور انطاکیہ پر قبضہ کیا) اور ۱۱۸۸ء میں وفات پائی۔ اتفاقاً ۱۱۴۰ء سے لے کر ۱۱۴۳ء تک عارضی طور پر جنگ صلیبی ملتوی ہو گئی۔ لہٰذا اس عرصہ میں

---

[1] ملاحظہ ہو روزنامچہ اسامہ بن منقذ جو پیرس میں ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا۔ (مؤلف)

[2] صفحہ ۲۴۳ پر۔ (مترجم) — [3] صفحہ ۳۰۹ پر۔ (مترجم)

اس کو فرنگیوں کے ساتھ ملنے جلنے کا پوری طرح[6] موقع ملا۔

اسامہ بن منقذ اپنے غیر مسلسل مگر دلچسپ روزنامچہ میں فرنگیوں کی بہت سی ان رسوم اور عادات و خصائل سے بھی بحث کرتا ہے۔ جو اس کو عجیب یا دلچسپ معلوم ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں وہ ان کے طریقۂ علاج کے متعلق بھی چند عجیب و غریب قصے لکھتا ہے[1]

اسامہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لبنان کے قلعہ منیطیرا کے فرنگی محافظ افسر کی درخواست پر اس کے چچا نے اپنے مسیحی طبیب ثابت کو ان مریضوں کے علاج کے لئے بھیجا۔ جو قلعہ میں بیمار پڑے[2] ہوئے تھے۔

عربی طبیب کے لئے فرنگی افسر کی درخواست

جب ثابت دس روز کے بعد اس قلعہ سے واپس آیا تو اس کو مبارکباد دی گئی کہ اس نے مریضوں کو اس قدر جلد اچھا کر دیا۔ لیکن ثابت نے کہا کہ میں کسی تہنیت کا مستحق نہیں ہوں حقیقت یہ ہے کہ مجھے دو مریض دکھلائے گئے تھے۔ ایک مرد جس کی ٹانگ میں پھوڑا تھا اور دوسری ایک عورت جو تپ دق میں مبتلا تھی۔

ٹانگ کے پھوڑے کا قدیم ڈاکٹری علاج۔

ان میں سے میں نے پہلے مریض کی ٹانگ پر پلٹسیں بندھوائیں اور دوسرے کے لئے مناسب اغذیہ اور ادویہ تجویز کیں، جن سے ان دونوں کو اطمینان بخش طور پر افاقہ ہونے لگا۔

اسی اثنا میں ایک فرنگی ڈاکٹر آ گیا۔ اور اس نے کہا کہ یہ علاج فضول ہے پھر اس نے مریض سے دریافت کیا کہ تم دو ٹانگوں کے ساتھ مرنا پسند کرتے ہو یا ایک ٹانگ کے ساتھ زندہ رہنا۔ مریض نے دوسرا چارہ کار پسند کیا۔

اس پر اس فرنگی ڈاکٹر نے ایک طاقتور سپاہی کو تیز کلہاڑی کے طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ مریض کی ٹانگ کو ایک ہی ضرب میں کاٹ ڈالے لیکن وہ ایک ضرب میں نہ کاٹ سکا اور اسے دوسری ضرب لگانی

---

[1] روزنامچۂ اسامہ بن منقذ میں اصل عربی متن میں صفحہ ۹۷ سے لے کر صفحہ ۱۰۱ تک اور اس کے فرانسیسی ترجمہ میں ۱۹۱ سے لے کر صفحہ ۱۹۴ تک یہ قصے ملیں گے۔ (مؤلف)

[2] صفحہ ۳۱۰ بعد۔ (مترجم)

[6] صفحہ ۳۱۰ بعد۔ (مترجم)

پڑی۔ جس سے ٹانگ تو کٹ گئی لیکن ساتھ ہی مریض کا رشتۂ حیات بھی منقطع ہوگیا۔ اور اب حالت یہ تھی۔ کہ گودا ہڈی سے باہر نکل آیا تھا۔ اور مریض ملکِ عدم کو سدھار چکا تھا۔

نپ دِق کا قدیم ڈاکٹری علاج

زاں بعد اس فرنگی ڈاکٹر نے اپنی توجہ مریضہ کی طرف منعطف کی اور اس کا علمی امتحان کر کے یہ تجویز فرمایا۔ کہ اس کے دماغ میں کسی بھوت پریت یا شیطان نے اپنا گھر کر کے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ یہ تجویز کر کے حکم کر دیا۔ کہ مریضہ کا سر مونڈ دیا جائے۔ اور اس کو معمولی خوراک مثلاً دیسی غذا لہسن اور تیل دی جائے۔

مگر جب مریضہ کی حالت اس طریق علاج سے بہت خراب ہوگئی۔ تو ڈاکٹر صاحب نے اس کے سر پر صلیب کی شکل کا ایک گہرا شگاف دیا۔ اور جب ہڈی عریاں ہوگئی تو اس زخم پر خوب نمک ملا۔ یہاں تک کہ مریضہ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آخر میں ثابت کا بیان یہ ہے۔ کہ اس کے بعد میں نے فرنگی قلعہ کے افسروں سے دریافت کیا کہ کیا اب بھی میری خدمات درکار ہیں؟ تو اس کا جواب مجھ کو نفی میں ملا۔ اور میں فرنگیوں کے علاج کے یہ عجیب و غریب طریقے سیکھ کر۔ جن سے میں اب تک ناواقف تھا۔ واپس آگیا۔

پادری صاحب کا کمال

اسامہ نے گیوم ڈی بورا (Guillaumede Bures,) کے حوالہ سے جس کے ساتھ اس نے (شام کے) ایک شہر عکّہ سے طبریہ تک کا سفر کیا تھا۔ اسی طرح کا ایک اور قصّہ بیان کیا ہے[1]۔ وہ کہتا ہے۔ کہ گیوم نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا بہادر اور جنگ آزما سردار تھا۔ جب وہ بیمار ہو کر مرنے کے قریب ہوا۔ تو علاج کے لئے ہم نے آخری چارۂ کار سمجھ کر ایک بہت بلند مرتبہ مسیحی بلیشرا کو یاد کیا۔ اور اس کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا۔ کہ ہمارے ساتھ آئیے۔ اور فلاں سردار کا معائنہ کیجئے۔

وہ مسیحی پادری رضامند ہو کر ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہمارا اعتقاد تھا۔ کہ وہ مریض کو ہاتھ لگاتے ہی تندرست کر دے گا۔ لیکن ہُوا یہ کہ جب وہ آیا۔ تو آتے ہی مریض کو دیکھ

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اصل عربی روزنامچہ اسامہ صفحہ ١٠١ اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ٤٩٤۔ (مؤلف)

کے بعد موم منگوایا - جو ہم نے لا دیا - اور اب اس نے انگلی کے دو پوروں کے برابر موم کو پگھلا کر اس کے دو ڈاٹ بنائے - اور ان کو مریض کے دونوں نتھنوں میں ٹھونس دیا جس سے مریض راہیِ ملکِ بقا ہُوا -

اب ہم رو کر چلّائے ” اور کہنے لگے کہ پادری صاحب! مریض نوجوان بحق ہو گیا “ جس پہ پادری صاحب نے ارشاد فرمایا :-

” کہ ہاں وہ تکلیف میں تھا - اور میں نے اس کے نتھنے بند کر دیئے تھے - تاکہ وہ آرام کے ساتھ مر جائے “

مغربی طب پر عربی طب کو ترجیح

اُس دَور کے عربوں کی نگاہ میں جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں - ان کی اپنی طب کے مقابلہ میں فرنگی طب بہت زیادہ وحشیانہ اور ابتدائی طرز کی طب تھی اور ہم کو اس پہ متعجب نہ ہونا چاہیئے - کہ جب اسامہ خود ایک مرتبہ شیذار - میں تپ دلرزہ میں مبتلا ہوا - تو اس نے فرنگی ڈاکٹر کی جگہ ایک عرب طبیب سے اپنا علاج کرانا پسند کیا[1] - جس کا نام شیخ ابوالوفا تمیم تھا -

فرنگیوں سے انصاف

ہاں اس کے بعد اسامہ نے فرنگیوں سے انصاف کرتے ہوئے دو[2] ایسے مریضوں کا بھی ذکر کیا ہے - جو فرنگی معالجوں کے علاج سے شفا یاب ہو گئے تھے - پہلے مریض کا نام برنارڈ تھا جو فرانس کے شہر آنژو (انجوا) کے نواب فولکز کا خاندان تھا - اور جس کو اسامہ فرنگیوں میں سب سے زیادہ شریر اور ذلیل سمجھتا اور بد دعا کرتا تھا - اور دوسرا مریض ایک عرب صنّاع کا لڑکا تھا - جس کا نام ابوالفتح[3] تھا - اور وہ خنازیر کی بیماری میں مبتلا تھا -

اوّل الذکر مریض کی ٹانگ میں اس کے گھوڑے کی لات سے چوٹ لگ کر زخموں کی تکلیف تھی - اور ان زخموں پر چودہ[14] شگاف دیئے گئے تھے لیکن ٹانگ صحیح ہوتے میں نہیں آتی تھی - بالآخر اس کو ایک فرنگی ڈاکٹر نے دیکھا - اور وہ تمام مراہم اور ضمادات اتروا دیئے جو

---

[1] ملاحظہ ہو - اصل عربی روزنامچۂ اسامہ صفحہ ۱۳۷ - اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۴۹۱ (مؤلف)

[2] ملاحظہ ہو اصل روزنامچۂ اسامہ صفحہ ۹۸ - اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۴۹۲ و ۴۹۳ (مؤلف)

[3] ملاحظہ ہو اصل روزنامچۂ اسامہ صفحہ ۹۸ و ۹۹ - اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۴۹۳ و ۴۹۴ (ر)

زخموں پر لگائے گئے تھے ۔ اس کے بعد وہ ان زخموں کو تیز سرکہ سے دھوتا رہا جس سے رفتہ رفتہ ٹانگ بالکل اچھی ہو گئی ۔ اور مریض اسامہ کے لفظوں میں تندرست ہو کر شیطان کی طرح اُٹھ کر کھڑا ہوا ۔ اور کسی تازہ شرارت کے لئے تیار ہو گیا ۔

ثانی الذکر لڑکا جس کی گردن میں خنازیری گلٹیاں تھیں انطاکیہ میں مقیم تھا ۔ کیونکہ اس کا باپ یہاں تجارت کرتا تھا ۔ ایک دن یہ دونوں باپ بیٹے ایک فرنگی ڈاکٹر کے سامنے پہنچے تو اس کو لڑکے کی حالت دیکھ کر رحم آیا ۔ اور اس نے اس کے باپ سے کہا کہ میں تجھ کو اس مرض کا نسخہ بتاتا ہوں ۔ مگر شرط یہ ہے ۔ کہ پہلے تو اپنے ایمان کی قسم کھا کر وعدہ کر ۔ کہ جو علاج میں تجھ کو تیرے لڑکے کے لئے بتاؤں تو اس علاج کا کسی اور مریض سے جو اس بیماری میں مبتلا ہو کر تیرے پاس آئے ۔ سونے یا چاندی کی شکل میں کوئی معاوضہ نہ لے گا ۔ چنانچہ لڑکے کے باپ نے یہ ارشاد سنا اور بصمیم قلب وعدہ کر لیا ۔

اب لڑکے کے باپ کو ہدایت کی گئی کہ وہ بے پسا سوڈا روغن زیتون اور تیز سرکہ میں گرم کر کے رکھ لے ۔ اور پہلے اس دوا کو لڑکے کی بہتی ہوئی خنازیری گلٹیوں پر لگایا کرے اور بعد ازاں اُن پر جلا ہوا سیسہ مکھن یا چربی میں ملا کر لگاتا رہے ۔

اسامہ کے روزنامچہ میں ہم پڑھتے ہیں ۔ کہ اس طریق علاج سے وہ لڑکا اچھا ہو گیا اور بعد ازاں یہ طریق علاج اس بیماری کے دیگر مریضوں پر بھی کامیاب ثابت ہوا ۔

اسامہ اور ابن بطلان

اس دلچسپ روزنامچہ کی طبی معلومات کا سرمایہ متذکرہ فوق بیانات پر ختم نہیں ہو جاتا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسامہ نے ایک مشہور عرب مسیحی المذہب طبیب ابن بطلان کے متعلق بھی چند قصے لکھے ہیں ۔ جو اس نے ایام طفلی میں اپنے گھر والوں سے سُنے تھے[3]

تقویم الصحۃ

ابن بطلان نے تقریباً ۱۰۶۳ء میں وفات پائی اور اس نے بہت سی طبی کتابیں لکھی ہیں جن کو لکلارک[1] اور براکلمن[2] نے اپنی اپنی کتابوں میں شمار کرایا ہے ۔ اس کی سب سے

---

[1] ملاحظہ ہو استوار ولابتیس ارب Hist de la Médecine Arabe, جلد اوّل صفحہ ۴۸۹ و ۴۹۲ – (مؤلف)

[2] ملاحظہ ہو گشتے ڈی ارب لٹریچر Gesch d. Arab. Litt, جلد اوّل صفحہ ۴۸۳ (مؤلف) ۔ [3] صفحہ ۲۱۱ پر (مترجم)

زیادہ مشہور و مقبول کتاب تقویم الصحۃ ہے جس کے لاطینی ترجمہ کا نام ٹاسوئنی سانی ٹاٹس Tacuini Sanitatis ہے جو سٹرسبرگ میں ۱۵۳۱ء یا ۱۵۳۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس تقویم الصحۃ کا ایک اصل عربی قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی کے ایڈمز کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۷۹]

ابن بطلان اپنی طویل سیر و سیاحت کے دوران میں کچھ عرصہ کے لئے شیزار میں اسامہ کے پرداداکی خدمت میں بھی رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسامہ نے اسی سلسلے میں ابن بطلان کے متعلق اپنے گھر والوں سے بچپن میں بعض حکایات سُنی ہیں۔

ابن بطلان کی پہلی حکایت

ان میں سے ایک حکایت یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ ابن بطلان کے پاس استسقاء کا ایک مریض لایا گیا۔ جس کو اس نے لاعلاج سمجھ کر واپس کر دیا۔ لیکن بعد میں جب وہ اس سے ملا تو مریض کلیتاً درست ہو چکا تھا۔ جب مریض سے علاج کے متعلق دریافت کیا گیا (جو اس قدر کامیاب ثابت ہُوا تھا) تو اس نے کہا کہ اس مصیبت میں سوائے میری بوڑھی ماں کے کوئی میرے کام نہ آیا چنانچہ وہی میرا علاج کرتی رہی اور وہ اس طرح کہ ہر روز روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے سرکہ میں بھگو کر جو ایک مرتبان میں پڑا تھا۔ کھلا دیتی تھی۔

ابن بطلان نے اس مرتبان کو منگوایا۔ جس میں سرکہ تھا۔ مرتبان کو الٹ کر باقی ماندہ سرکہ باہر نکالنے پر معلوم ہُوا۔ کہ مرتبان کی تلی میں دو زہریلے سانپ پڑے ہیں۔ جو اب سوکھ کر کانٹا ہو چکے ہیں۔ یا بہت حد تک سرکہ میں حل ہو چکے ہیں۔

یہ نظارہ دیکھ کر ابن بطلان نے کہا کہ اے برخوردار! خدا کے سوائے جو قادر اور مہربان ہے۔ تیرا علاج سرکہ میں ان سانپوں کے نیسانده سے اور کون کر سکتا تھا۔[۱]

ابن بطلان کی دوسری حکایت

دوسرے موقع پر ایک مریض بحۃ الصوت (گلا بیٹھ جانے) کی شکایت کے سلسلے میں اپریشن کی غرض سے حلب میں ابن بطلان کی خدمت میں آیا۔ اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ آواز یکسر

---

[۱] ملاحظہ ہو اصل عربی روزنامچہ اسامہ صفحہ ۱۳۵ اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۴۸۸ و ۴۸۹ (مؤلف)

[۷۹] صفحہ ۳۱۶ پر۔ مترجم ۔

بند ہوگئی تھی۔

مریض کو دیکھ کر جب ابن بطلان نے اس کے پیشہ کے متعلق سوالات کئے تو اُس نے جواب میں کہا۔ کہ میں مزدور ہوں اور مٹی چھانا کرتا ہوں۔ ابن بطلان نے اس کو تقریباً پاؤ بھر تیز سرکہ پلادیا۔ جس سے مریض کو فوراً قے شروع ہوئی۔ اور کچھ دیر تک ہوتی رہی اور بہت سی مٹی سرکہ میں مل کر خارج ہوئی۔ جس سے مریض کا گلا صاف ہوگیا اور آواز کھل گئی۔

اب ابن بطلان نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں سے کہا۔ کہ تم لوگ اس طریق سے اس بیماری کے ہر ایک مریض کا علاج نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ مریض کو ہلاک کر دو گے۔ کیونکہ یہاں تو صورتِ حالات یہ تھی کہ کچھ مٹی چھلنی میں سے اُڑ کر مریض کے معدہ کی نالی (مری) میں جم گئی تھی۔ اور وہ صرف سرکہ ہی سے قے کے ذریعہ وہاں سے اکھڑ کر خارج ہوسکتی تھی[1]۔

قدیم علم ادب اور حکایاتِ طبیہ

میں یہ امر تقریباً پہلے واضح کر چکا ہوں کہ اسلامی دنیا میں قرون وسطیٰ میں عام طور پر طبّی مسائل کے ساتھ کس قدر دلچسپی لی جاتی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ فارسی اور عربی علم ادب کی ایک بڑی مشہور شاخ عجیب وغریب حکایات وقصص کی اُن کتب پر مشتمل ہے۔ جن کو نوادر کہا جاتا ہے۔ ان میں تاریخی یا نیم تاریخی قصّے مناسب عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں اور طب اور اطبّاء کے لئے بھی ایک حصّہ مخصوص کیا گیا ہے۔ کتب حکایات طبّ واطبّا کا یہ سرمایۂ معلومات میرے خیال میں توجہ کا مستحق ہے۔ اگرچہ اس کی جانب کچھ زیادہ التفات نہیں کیا گیا۔

کتاب الفرج بعد الشدۃ

اس نوع کی ایک قدیم عربی کتاب کا نام الفرج بعد الشدۃ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہوئے خوشی بعد از غم یا راحت بعد از مصیبت اس کتاب کے مؤلف کا نام قاضی ابو علی التنوخی ہے۔ جو ۹۳۹ء میں پیدا اور ۹۹۴ء میں راہگرائے عالم بقا ہوا۔ یہ کتاب ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں دو جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ اس میں چودہ ابواب ہیں۔ اور اس کے دسویں باب میں جو اس کی جلد دوم میں صفحہ ۹۴ سے لے کر ۱۰۴ تک پھیلا ہوا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اصل عربی روزنامچۂ اسامہ صفحہ ۱۳۵ اور اس کا فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۴۸۹ (مؤلف)

حکایت مریض
قئ الدم

قابل ذکر امراض کے متعلق پندرہ[5] حکایات بیان کی گئی ہیں[ش]۔

پہلی حکایت[1] بغداد کے ایک نوجوان کے متعلق ہے۔ جو رازی کے پاس قئ الدم (خون کی قے) کی شکایت لے کر پہنچا۔ رازی نے اس کا بغور معائنہ کیا۔ لیکن وہ اس کے مرض کا سبب بیان کرنے سے قاصر رہا۔

یہ دیکھ کر مریض صحت سے مایوس ہوا۔ اور اس نے دیکھا۔ کہ جب رازی جیسا طبیب حاذق میرے مرض کو نہ سمجھ سکا۔ تو اب اور کوئی کیا سمجھے گا۔

رازی نے جب مریض کی پریشانی اور فرط عقیدت کو دیکھا۔ تو اس نے از سر نو پوری توجہ کے ساتھ مرض کے متعلق سوالات کئے۔ اور مریض سے پوچھا کہ تو نے اپنے سفر میں کس قسم کا پانی پیا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس نے یہ معلوم کر لیا کہ بعض مقامات پر مریض نے ان تالابوں کا بھی پانی پیا ہے۔ جو بند اور ٹھہرا ہوا تھا۔

یہ معلوم کر کے رازی نے مریض سے کہا کہ جب میں کل آؤں گا۔ تو تیرا علاج کروں گا اور تجھ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا۔ جب تک تو کلیتاً صحت یاب نہ ہو جائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ تو اپنے ملازموں سے یہ کہہ دے کہ جو کچھ میں ان کو تیرے بارہ میں حکم دوں اس کو پوری طرح بجا لائیں۔ چنانچہ مریض نے اس کا وعدہ کر لیا۔

اگلے دن رازی واپس آیا اور اپنے ساتھ کائی کے دو گھڑے بھروا کر لایا۔ جس کو عربی میں طحلب اور فارسی میں جامۂ غوک (مینڈک کا لباس) یا پشم وزغ (مینڈک کی اون) کہتے ہیں[2]۔ اور اس کے بعد اس نے مریض کو حکم دیا۔ کہ اس کو کھا جائے۔ مریض نے کائی کی کافی مقدار کھا لینے کے بعد کہا کہ اب اس سے زیادہ نہیں کھا سکتا۔ اس پر رازی نے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفرج بعد الشدۃ جلد دوم صفحہ ۹۷۔ علاوہ ازیں ابن ابی اصیبعہ نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۱ و ۳۱۲ (مؤلف) [2] کائی کا انگریزی نام ڈاک ویڈ ہے اور اخوند نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳۱ و ۳۸۳ پر لکھا ہے کہ اس کو لاطینی میں لیمنا یا ہربہ لینٹس پلسٹرس کہتے ہیں۔ اور دیسقوریدوس کی زبان میں اس کا یونانی نام Φακός ہے۔ جرمنی میں واسرلنسے بولتے ہیں اور دور حاضر میں اس کو فارسی میں جل وزغ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

[ش] صفحہ ۳۱۶ پر۔ (مترجم)

نے ملازموں کو حکم دیا۔ کہ وہ مریض کو چت لٹا کر پکڑیں۔ اور اس کے منہ کو کھولے رکھیں جس میں رازی بار بار زیادہ سے زیادہ کائی ڈالتا جاتا تھا۔

بالآخر مریض کو سخت قے ہوئی اور جب رازی نے اس کا معائنہ کیا۔ تو دیکھا۔ کہ اس میں ایک جونک موجود تھی۔ جس کے خارج ہوتے ہی مریض صحت یاب ہو گیا۔

اس حکایت کو عوفی نے بھی (جس کے متعلق میں آگے چل کر کچھ عرض کروں گا) اپنی فارسی کتاب جوامع الحکایات میں بیان کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب مریض نے جونک کو پانی کے ساتھ پی لیا۔ تو وہ اس کے فمِ معدہ پر جا کر چمٹ گئی اور چمٹی رہی۔ حتیٰ کہ اس کو کائی نظر آئی۔ اور وہ فمِ معدہ کو چھوڑ کر کائی میں آلپٹی۔ جو اس کو زیادہ مرغوب تھی۔

حکایت مستسقیٔ بسطام

دوسری حکایت[1] کا مفاد یہ ہے۔ کہ جب رازی امیر خراسان[2] کا علاج کر کے (جس کے لئے اس نے کتاب منصوری تالیف کی تھی) واپس آیا تو راستہ میں بمقام بسطام (شمالی مشرقی ایران میں) ایک شخص نے اس سے اپنے بیٹے کے علاج کے لئے درخواست کی جو استسقاء میں مبتلا تھا۔

رازی نے مریض کو دیکھ کر کہا۔ کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں جو مانگے اسے کھانے اور پینے کے لئے دے دیا کرو۔

جب ایک سال کے بعد رازی کا گذر دوبارہ اس مقام پر ہوا۔ تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لڑکا بالکل تندرست ہے۔ آخر دریافت کرنے پر اس کو بتایا گیا کہ لڑکے کے گھر فرش پر مخیض (چھاچھ) سے بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک سانپ آیا اور اس نے کچھ چھاچھ پی لی اور اس پیالہ میں قے کر دی جس کی وجہ سے چھاچھ کا

---

[1] کتاب الفرج بعد الشدۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴، یا طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۲ (مؤلف)

[2] امیر خراسان درحقیقت رے کا گورنر تھا اور اس کا نام منصور بن اسحٰق بن احمد تھا اور اس کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو میرا چہار مقالہ کا ترجمہ جلد دوم صفحہ ۱۵۰۔ (مؤلف)

رنگ بدل گیا۔

اس لڑکے نے جو اپنی جان سے بیزار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ جلد ہی زندگی کا خاتمہ کر لے یہ سب کچھ دیکھا اور مرنے کے ارادے سے چھاچھ کا بہت سا حصہ پی لیا۔ اس کے بعد گہری نیند سو گیا۔ لیکن جب بیدار ہوا تو پسینہ میں شرابور تھا۔ پھر اس کو بہت بڑے بڑے دست آئے۔ آخر مرض کافور ہو گیا۔ اور اس کو از سر نو بھوک لگنے لگی[1]۔

حکایت مستسقیٔ کوفہ

تیسری[2] حکایت اس دوسری حکایت سے مشابہ ہے۔ اس کا راوی ابوعلی عمر بن یحییٰ العلوی ہے۔ جو بیان کرتا ہے کہ حج کے سفر میں کوفہ سے ایک شخص میرے ساتھ ہوا۔ جو استسقاء کا مریض تھا۔ اس کو اونٹ سمیت عرب کے ڈاکوؤں نے گرفتار کر لیا۔

ایک روز یہ ڈاکو اس جھونپڑے میں جس میں یہ مریض استسقا پڑا ہوا تھا۔ چند سانپ پکڑ کر لائے۔ اور سر اور دُم کاٹنے کے بعد ان کو بھون کر کھانے لگے۔ مریض نے یہ سوچ کر کہ شاید یہ عجیب غذا جس کے استعمال کا میں عادی نہیں میری زندگی کا خاتمہ کر سکے ان ڈاکوؤں سے سانپوں کا ایک ٹکڑا مانگ کر کھا لیا۔ کھانے کے بعد اس مریض میں بھی وہی علامات ظاہر ہوئیں جو دوسری حکایت میں مذکور ہوئیں۔ چنانچہ یہ مریض بھی مذکورہ سابق مریض استسقاء کی طرح تندرست[81] ہو گیا۔

حکایت مریض درد شکم

چوتھی حکایت[3] میں ایک لڑکے کا ذکر ہے۔ جس کے شکم میں سخت درد اور مروڑ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس کا کوئی سبب معلوم نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ مشہور شہر اہواز میں جو جنوبی مغربی ایران میں جندی شاپور کے قریب (جس کے مدرسۂ طبیہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) واقع تھا۔ بہت سے اطبا نے اس کا معائنہ کیا۔ لیکن کوئی مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکا۔ بالآخر وہ لڑکا اپنے گھر واپس بھیج دیا گیا۔ اور یہاں اتفاقاً ایک راہ چلتے طبیب نے

---

[1] اس نوع کی بہت سی حکایات طبقات الاطباء اور تاریخ الحکماء میں درج ہیں۔ (مترجم)

[2] ملاحظہ ہو کتاب الفرج بعد الشدۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۰ (مؤلف)

[3] ملاحظہ ہو کتاب الفرج بعد الشدۃ جلد دوم صفحہ ۹۶ و ۹۷۔ (مؤلف)

[81] صفحہ ۳۱۶ پہ :: مترجم :

جس کا نام مذکور نہیں مرض کے متعلق چند سوالات کئے اور معلوم کر لیا - کہ پیٹ میں درد اس وقت سے شروع ہوا ہے - جب سے مریض نے انار کھائے ہیں جو ایک ایسے گھر میں رکھے ہوئے تھے - جہاں گائیں باندھی جاتی ہیں -

دوسرے دن اس طبیب نے ایک کتے کے پلے کو پکڑ کر اس کے گوشت کا سالن تیار کیا - اور اس لڑکے سے کہا کہ تو جتنا زیادہ کھا سکے کھالے لیکن یہ نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے

اس کے بعد مریض کو خربوزہ کھلایا - اور پھر دو گھنٹہ بعد گرم پانی میں جو کی شراب ملا کر پلائی - اور اس کے بعد مریض کو بتایا کہ یہ سالن کس چیز کا تھا -

اس پر مریض کو سخت تکلیف کے ساتھ قے ہوئی - اور قے میں ایک سیاہ سی چیز نکلی جو کھجور کی بڑی گٹھلی کے برابر تھی - اور حرکت کر رہی تھی - غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا - کہ یہ چیچڑی ہے جو بالعموم چوپایوں کے جسم سے چمٹ جایا کرتی ہے - یہ چیچڑی کسی طرح انار کے اندر گھس گئی اور لڑکا اتفاقاً انار کے ساتھ اس کو نگل گیا - اور یہ چیچڑی پہلی حکایت میں بیان کردہ جونک کی طرح معدہ کی جھلی کے ساتھ چمٹ گئی - اور اس وقت تک چمٹی رہی - جب تک کہ اس کو اس کی زیادہ مرغوب چیز نظر نہ آئی -

حکایت مستسقی بغداد

پانچویں حکایت میں ایک اور مریض استسقاء کا ذکر ہے جس کو بہت سی دوائیں استعمال کرانے کے بعد بغداد کے اطبا نے لاعلاج قرار دے دیا تھا - اور اجازت دیدی تھی کہ جو مرضی ہو کھائے پیئے - تاکہ بد پرہیزی کے ساتھ کثرت استعمال غذا سے ہلاک ہو جائے -

ایک دن مریض نے دیکھا کہ ایک شخص پکی ہوئی ٹڈیاں بیچ رہا ہے - اس نے بہت سی ٹڈیاں خرید کر کھا لیں - کھانے کے بعد اسہال آنے شروع ہوئے اور مسلسل تین دن تک آتے رہے - جن سے وہ اس قدر کمزور ہو گیا - کہ زندگی سے مایوسی پیدا ہو گئی - لیکن چند روز بعد وہ بتدریج درست ہونے لگا - اور مرض استسقاء جاتا رہا حتیٰ کہ پانچویں دن وہ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا -

تندرست ہونے کے بعد وہ ان اطباء میں سے جو اس کو پہلے دیکھ چکے تھے، ایک

طبیب سے ملا - جو اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور ماجرا دریافت کیا - مریض بیان کر چکا تو اُس نے کہا کہ یہ معمولی ٹڈیاں نہ تھیں - تو میرے ساتھ آ - اور مجھے بتا کہ وہ کون شخص تھا - جس سے تو نے ٹڈیاں خریدیں ؟

بالآخر یہ طبیب ٹڈیاں بیچنے والے تک پہنچ گیا - اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ ٹڈیاں میں نے ایک گاؤں سے پکڑی تھیں - جو بغداد سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے بعد یہ ٹڈیاں بیچنے والا طبیب سے کچھ مزدوری لے کر اس کو اس گاؤں میں لے گیا - جہاں پہنچ کر اس نے ایک کھیت دیکھا - جس میں ماذریون اُگی ہوئی ہے - جس کو شلمر اور انخوندنے لاطینی میں ڈیفنے آلیوآئیڈز (Daphne Oleoides) لکھا ہے اور انگریزی میں لاریل سپرگ یا سپرگ فلیکس کہتے ہیں[۲]

ماذریون قلیل مقدار میں استسقاء کے لئے مفید مشہور ہے - مگر بالعموم زیادہ مقدار میں اس کا استعمال خطرناک[۱] ہے - لیکن یہاں چونکہ ٹڈیوں کو آگ پر خوب جوش دیا گیا تھا اور اس وجہ سے ماذریون کی قوت اور تیزی کم ہو گئی تھی لہٰذا اس کے استعمال سے پورا پورا فائدہ مترتب ہُوا -

ان کے علاوہ تالیف الفرج بعد الشدۃ میں جو دیگر حکایات مندرج ہیں - ان کے بیان کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں - ان حکایات میں بتایا گیا ہے - کہ سکتہ کوڑے مارنے سے، ذات الجنب ایک بچھو کے کاٹنے سے اور فالج دودھ میں حنظل کے جوشاندہ کے پلانے سے دُور ہو گیا -

---

[۱] ملاحظہ ہو قانون بوعلی سینا کا صفحہ ۲۰۵ جو ۱۵۹۳ء میں روم میں چھپا، یا پھر ملاحظہ ہو قانون کے لاطینی ترجمہ کا صفحہ ۲۷۱ جو ۱۵۶۴ء میں وینس میں طبع ہُوا - اس میں بتایا گیا ہے کہ دو درہم ماذریون انسان کو ہلاک کر دیتی ہے - اس سلسلے میں ایک قابل غور امر یہ ہے کہ برہان قاطع اور فرہنگ ناصری میں ماذریون کو ذال کی جگہ زائے معجمہ سے لکھا گیا ہے - (مؤلف)

[۲] صفحہ ۳۱۸ پر - (مترجم)

میں نے قصص و حکایات کی جس فارسی کتاب کا ذکر کیا۔ وہ محمد عوفی نے
سنہ ۱۲۳۰ء میں تالیف کی ہے۔ اس کا نام جوامع الحکایات و لوامع الروایات ہے یہ
ایک ضخیم کتاب ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کی ہر جلد میں ۲۵ ابواب ہیں۔ اور یہ
کتاب کبھی شائع نہیں ہوئی لیکن خوش قسمتی سے میرے پاس اس کا ایک مکمل قلمی نسخہ موجود
ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کی پہلی جلد کا ایک اور قلمی نسخہ بھی میرے پاس ہے[۸۳]۔

جوامع الحکایات

اس کی پہلی جلد کے بیسویں باب میں اطباء کا ذکر ہے۔ اور اس میں اطباء کے متعلق ۹ حکایات
بیان کی گئی ہیں۔ جن میں سے چار تنوخی کی کتاب الفرج بعد الشدۃ سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کا
بیان ابھی ہو چکا ہے۔ باقی پانچ نئی حکایات میں سے ایک رازی کے متعلق ہے۔ جس میں
بتایا گیا ہے کہ ایک مریض کی آنتیں جڑ گئی تھیں۔ یا ان میں سدہ پڑ کر راستہ بند ہو گیا تھا۔
اس کا علاج رازی نے اس طرح کیا۔ کہ مریض کو دو درہم (تقریباً ۶ ماشہ) پارہ کھلا دیا۔
باقی رہیں چار حکایتیں۔ تو ان میں سے صرف دو چیزیں ذرا دلچسپ ہیں۔ اول ایک
طبیب کا مقولہ اور دوسری ارسطو کی ایک حکایت۔

ایک طبیب کا مقولہ

مقولہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک نامعلوم الاسم طبیب نے ایک مریض سے کہا۔ کہ میں اور
تُو اور مرض تین فریق ہیں جو باہم گر برسر جنگ و پیکار ہیں۔ پس اگر تو میرا طرفدار بن جائے اور
میرے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ حتٰی کہ میں جس غذا سے تجھ کو روکوں اس سے تو پرہیز کرے تو ہم ایک
کے مقابلہ میں دو ہو کر مرض پر غالب آجائیں گے۔

ارسطو کی حکایت

اب رہی ارسطو کی حکایت تو وہ یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ ارسطو کے پاس ہندوستان
سے ایک طبیب پہنچا۔ جس کا نام سرباب یا سرناب تھا۔ یہ طبیب اپنے آپ کو غیر طبیب
ظاہر کر کے اس کا شاگرد بن گیا۔ تاکہ اس کے طریقۂ علاج کا مطالعہ کرے اور شاگرد نے
اس وقت اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ جبکہ ارسطو ایک مریض کے کان میں اپریشن کر کے کنکھجورا نکالتے
وقت پریشان تھا۔ یہ کنکھجورا مریض کے کان میں گھس کر دماغ میں چمٹ گیا تھا۔ کنکھجورے کو

---

[۸۳] صفحہ ۳۱۸ پر۔ مترجم۔

فارسی میں ہزار پایہ یا گوش خوک کہتے ہیں۔

یہ حکایت یکسر ناقابلِ یقین ہے۔ لیکن اس حکایت میں یہ امر دلچسپ ہے کہ ارسطو نے مریض کو کان کا اپریشن کرنے سے پہلے ایک دوا پلا کر بیہوش کیا تھا۔

عہد قدیم میں اپریشن کے متعلق کتب قدیمہ میں صرف ایک اور حوالہ فارسی علم ادب میں شاہنامۂ فردوسی سے ملتا ہے[1] جو گیارھویں صدی عیسوی سے قبل لکھا گیا ہے۔

رستم کی ولادت اور دوائے بیہوشی

اس میں مذکور ہے کہ رستم کی ولادت کے وقت اس کی ماں رودابہ پر عمل جراحی کیا گیا تھا اور عمل جراحی سے قبل اس کو ایک زرتشتی مذہب کے پیشوا نے شراب پلا کر بیہوش کر دیا تھا۔

چہار مقالہ

ایک اور فارسی کتاب چہار مقالہ ہے جس کو سمرقند کے درباری شاعر نظامی عروضی نے تقریباً ۱۱۵۵ء میں تالیف کیا ہے۔ اس میں کتب متذکرۂ سابق کے مقابلے میں ہماری موجودہ ضروریات کے لئے بہت قابلِ قدر سرمایۂ معلومات موجود ہے۔

چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے دربار میں چار قسم کے لوگوں دبیروں شاعروں نجومیوں اور طبیبوں کا وجود ضروری ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کا نظم ونسق حکومت صحیح طور پر مستحکم نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ وہ فصیح اللسان اور خوش بیان شعراء کو اپنے دربار میں مقرر نہ کریں۔ اُن کی مہمات کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تاوقتیکہ وہ قابل نجومیوں کے مشورہ سے نیک ساعات میں شروع نہ کی جائیں۔ اور وہ صحت سے جو تمام مسرتوں اور کامرانیوں کی کلید ہے) بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ حاذق اور قابلِ اعتماد اطباء کو اپنی خدمت کا شرف نہ بخشیں۔

چہار مقالہ کے ہر ایک مقالہ میں علیحدہ علیحدہ ہر قسم کے لوگوں کے متعلق اُن کے پیشہ میں کامیابی کے لئے مطلوبہ قابلیت کے باب میں چند ابتدائی امور ذکر کرنے کے بعد دس دس حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو مصنف کی اپنی یادداشتوں اور اپنے تجارب سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے یہ حکایتیں ایک خاص قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

اب جب کہ سنہ ۱۹۱۲ء گزر رہا ہے) تقریباً بیس سال ہوئے کہ میں نے چہار مقالہ

---

[1] ملاحظہ ہو شاہنامہ فردوسی مرتبہ ٹرنر میکن جلد اول صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳۔ (مؤلف)

کا مکمل انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں چھپوایا تھا[1]۔ اس کے دس سال بعد میرے فاضل ایرانی دوست مرزا محمد خاں قزوینی نے متن کی تصحیح کر کے فارسی میں تحشیہ کیا۔ جس کو ای جے ڈبلیو گب میموریل ٹرسٹ کے ارکان[42] نے طبع کرایا۔

چہار مقالہ کا انگریزی ترجمہ طبیب کی صفات

اب میں چہار مقالہ کے انگریزی ترجمہ پر (جو قبل ازیں جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں شائع ہو چکا ہے) نظر ثانی کر رہا ہوں۔ جس میں طبی حکایات[85] پر خاص توجہ کی جائیگی چہار مقالہ بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے اسلئے میں اس کے مباحث سے تعارف کے لئے بالتفصیل گفتگو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہاں چوتھے مقالے کے متعلق جس میں اطباؑ کا ذکر ہے۔ صرف چند کلمات ضرور کہنا چاہتا ہوں۔ صاحب چہار مقالہ اطباؑ کے متعلق رقمطراز ہے :-

"ایک طبیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ رقیق الخلق، حکیم النفس اور جیّد الحدس ہو اور علی الخصوص اس قابل ہو کہ ہر ایک کو اپنی جودت حس اور اپنے صحیح طرز تشخیص سے فائدہ پہنچا سکے یعنی اس میں یہ قابلیت ہو کہ بہت جلد امور غیر معلومہ کو امور معلومہ سے دریافت کر سکے۔ اور کوئی طبیب رحم دل اور رقیق الخلق نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اس قابل نہیں کہ شرافت انسانی کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ اور کوئی طبیب حکیم النفس نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ وہ منطق سے آشنا نہ ہو۔ اور کوئی طبیب جیّد الحدس نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ تائید الٰہی اس کے شامل حال نہ ہو۔ اور جو طبیب جیّد الحدس نہیں وہ مرض کا صحیح سبب نہیں معلوم کر سکتا۔"

نصاب طب

نظامی عروضی اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس مریض کا ذکر کر کے جو ایک مرد خدا کی دعا سے شفایاب ہوا تھا۔ ان کتابوں کی ایک مکمل فہرست پیش کرتا ہے جن کا پڑھنا ایک متعلم طب کے لئے ضروری ہے۔ وہ فصول بقراط اور جالینوس کے ستولہ[16]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے متعلقہ جولائی و اکتوبر ۱۸۹۹ء (مؤلف)

[42] صفحہ ۳۱۸ پر۔ (مترجم)

[85] صفحہ ۳۱۹ پر۔ (مترجم)

رسائل سے لے کر ذخیرۂ خوارزم شاہی تک پورا طبی نصاب بیان کرنا ہے۔

ذخیرۂ خوارزم شاہی

کتاب ذخیرۂ خوارزم شاہی کو انگریزی میں طبی سارس (Thesaurus) کہتے ہیں۔ اور یہ فارسی زبان کی ایک جلیل القدر طبی تصنیف ہے۔ جو سید اسمٰعیل جرجانی نے شاہ خوارزم یا خیوا کے لئے چہار مقالہ کی تالیف سے صرف بیس یا تیس سال پہلے مرتب کی تھی۔

بوعلی سینا کا مرتبہ

یہ سب کچھ ذکر کر کے نظامی عروضی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی متعلم طب تمام دوسری طبی کتب سے بے نیاز ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے صرف بوعلی سینا کا قانون کافی ہے
نظامی عروضی کی رائے میں شیخ بوعلی سینا ارسطو کے بعد دیگر تمام اطبا و حکما سے افضل و برتر ہے اور اس نے نہایت شاندار الفاظ میں شیخ کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ گزشتہ پندرہ صدیوں میں صرف شیخ ہی دنیا میں ایک ایسا مفکر انسان پیدا ہوا۔ جس نے فلسفۂ ارسطا طالیس کے معارف کی گہرائیوں تک پوری رسائی حاصل کی اور علم و حکمت کی منزل میں وہ عظیم الشان مرتبہ حاصل کیا جو ارسطا طالیس کو نصیب تھا

چہار مقالہ کی طبی حکایات

چہار مقالہ سے جو طبی حکایات ہم درج کریں گے۔ وہ ذرا مختلف طرز کی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان حکایات میں غیر قدرتی طور پر جونکوں اور چھچھڑیوں وغیرہا کے حملے کے عجیب و غریب حالات یا زہریلے سانپوں اور ٹڈیوں کے طبی فوائد مذکور نہیں۔ بلکہ ان میں کم از کم چار حکایات ایسی ہیں جن میں علم نفسیات کے بنیادی اصول اصل سرمایۂ معلومات ہیں اور ان میں سے بعض حکایات کو وہ شہرت نصیب ہوئی ہے۔ کہ انہوں نے عام فارسی کائنات علم و ادب بلکہ نظموں میں بھی جگہ حاصل کر لی ہے۔ ان میں سے پہلے ہم ان دو حکایتوں کو بیان کرتے ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ غصہ اور حیا سے وجع المفاصل کی تکالیف کا کس طرح علاج کیا گیا۔

حکایت مریض وجع المفاصل

ایک مرتبہ طبیب اعظم رازی کو امیر منصور کے علاج کے لئے جو وجع المفاصل میں مبتلا تھا۔ اور جس کے علاج میں تمام اطبا ناکام ہو چکے تھے ماوراء النہر طلب کیا گیا۔

ف مگر تعجب ہے کہ پروفیسر براؤن نے پھر ان روایتوں کو بیان کرنے کے لئے کیوں منتخب کیا۔ (مترجم)

راستہ میں جب رازی دریائے جیحون پر پہنچا۔ تو وہ چھوٹی سی کمزور اور شکستہ کشتی کو دیکھ کر جو اس کی سواری کے لئے لائی گئی تھی خوفزدہ ہوا۔ اور اس نے اس پر سوار ہو کر آگے جانے سے انکار کر دیا۔

شاہی ملازموں نے جو رازی کو لینے کے لئے آئے تھے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور زبردستی کشتی میں ڈال کر پار پہنچایا۔ لیکن بعد میں انہوں نے رازی کی بہت تعظیم کی۔ اور اس تشدد آمیز گستاخی کی معذرت چاہی اور کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی ذات سے کوئی عداوت نہیں۔

یہ دیکھ کر رازی نے ان ملازمان سلطان کو یہ یقین دلایا۔ کہ میں کشتی میں سوار ہونے سے متاذی نہیں ہوا۔ اور پھر ان سے یہ کہا۔ کہ میں یہ جانتا ہوں کہ ہر سال ہزاروں آدمی دریائے جیحوں کو بخیریت تمام عبور کرتے ہیں۔ لیکن تم غور کرو کہ میں اس نازک اور شکستہ کشتی میں بیٹھ کر ڈوب جاتا۔ تو لوگ کہتے۔ کہ واہ محمد بن زکریا رازی کیسا بے وقوف تھا کہ اس نے دیدہ دانستہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ لیکن اگر دست و پا بستہ کشتی میں ڈال کر زبردستی لے جانے کی حالت میں غرق دریا ہو جاتا۔ تو لوگ مظلوم قرار دے کر مجھ پر رحم کھاتے۔

بخارا پہنچ کر رازی نے کئی طریقوں سے امیر کا علاج کیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی آخر میں اس نے امیر سے کہا۔ کہ کل میں ایک نئے طریق علاج کی آزمائش کروں گا۔ لیکن اس میں آپ کو اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا اور بہترین خچر صرف کرنا پڑے گا۔

امیر رضامند ہو گیا۔ اور رازی کی تجویز کے مطابق دونوں جانوروں کو متعین کر دیا گیا اگلے دن رازی امیر کو شہر کے باہر ایک گرم حمام میں غسل کرانے کے لئے لے گیا۔ حمام کے باہر اس نے پہلے اپنے گھوڑے اور خچر کو باندھا اور ان پر زین کسا اور لگام باندھی اور پھر تنہا امیر کو ہمراہ لے کر حمام[۸۶] میں داخل ہوا۔

وہاں پہنچ کر رازی نے امیر کے جسم پر پانی کی دھاریں ڈالیں اور ایک دوا پلائی۔ جو

---

[۸۶] صفحہ ۳۱۹ پر۔ (مترجم)؛

اس وقت کے لئے تیار کر رکھی تھی ۔ تا آنکہ جسم کے فضلات اور رطوبات میں نضج پیدا ہو گیا جیسا کہ راوی بیان کرتا ہے

اس کے بعد رازی باہر گیا ۔ کپڑے پہنے اور ایک چاقو اپنے ہاتھ میں لے کر حمام میں داخل ہوا اور وہاں تھوڑی دیر کھڑا ہو کر امیر کو گالی دے کر کہنے لگا ۔ کہ او نابکار! کیا تو نے میری جان لینے کے لئے سازش نہیں کی تھی؟ اب اگر میں انتقام میں تجھ کو ہلاک نہ کر دوں تو میرا نام محمد بن ذکریا نہیں ۔

یہ سن کر امیر بے قابو ہو کر اٹھا ۔ کچھ تو غصہ کی وجہ سے اور کچھ خوف کی وجہ سے اور رازی نے جب یہ دیکھا ۔ تو فوراً حمام سے نکل کر باہر آیا ۔ جہاں اس کا ملازم گھوڑا اور خچر لئے انتظار کر رہا تھا ۔ باہر آتے ہی سوار ہو کر اس نے اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا ۔ اور اس وقت اطمینان کا سانس لیا ۔ جب جیحوں کو عبور کر کے مرو پہنچ گیا ۔
مرو پہنچ کر رازی نے امیر کے نام حسب ذیل[1] خط لکھا :-

" خدائے برتر بادشاہ کی زندگی کو مع صحت و اقبال دراز کرے ۔ میں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنی انتہائی توجہ اور قابلیت کے ساتھ آپ کا علاج کیا ہے ۔ اب میرے علاج کی کیفیت سنیئے ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ آپ کی حرارت غریزی ضعیف تھی اور دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ حرارت کو بڑھا کر دفع مرض کرنے میں علاج کے بہت زیادہ طوالت پذیر ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔ اس لئے میں نے علاج دوائی کو تو چھوڑا اور اس کی جگہ آپ کے لئے علاج نفسانی اختیار کیا ۔ اور جب میں نے دیکھا

---

[1] میں نے اس خط کو مختصر کر دیا ہے اور آپ انگریزی زبان میں اس کا مکمل ترجمہ پڑھنا چاہتے ہیں تو وہ آپ کو چہار مقالہ کے میرے اس انگریزی ترجمہ میں جو ۱۸۹۹ء میں دی جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں صفحہ ۷۰ پر شائع ہوا مل جائے گا یا پھر آپ کو چہار مقالہ کے اس ایڈیشن میں جس پر میں نے نظر ثانی کی ہے صفحہ ۸۴ پر ملے گا ۔ (مؤلف)

کہ گرم حمام میں غسل کرنے کے بعد اخلاط فاسدہ میں پوری طرح نرمی اور نضج کی علامات پیدا ہوگئی ہیں تو پھر اچھی طرح سوچ سمجھ کر عمداً آپ کو اشتعال دلایا تاکہ آپ کی حرارت غریزی میں اضافہ ہو کر اتنی قوت پیدا ہو جائے کہ وہ پوری طرح جسم کی نضج یافتہ اخلاط کو تحلیل کر سکے لیکن اب یہ امر خلاف مصلحت ہے کہ آئندہ ہم ایک دوسرے سے ملیں[۸۷]"۔

ادھر جب رازی کے جانے کے بعد امیر کا غصّہ فرو ہُوا۔ تو اُسے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ میں صحت یاب ہو چکا ہوں اور باسانی چل پھر سکتا ہوں۔ لہٰذا اس نے رازی کو ادھر اُدھر تلاش کرایا۔ لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر ساتویں روز رازی کا نوکر گھوڑا۔ خچر اور رازی کا مذکورۂ بالا خط لے کر امیر کی خدمت میں پہنچا۔

چونکہ رازی نے خط میں واضح طور سے لکھ دیا تھا۔ کہ اب میں امیر کی خدمت میں حاضر ہونا نہیں چاہتا۔ اس لئے امیر نے ایک خلعت فاخرہ۔ ایک جبّہ ایک عمامہ۔ ایک غلام ایک کنیزک، ایک گھوڑا مع سازو سامان اور چند اسلحہ بطور انعام بھجوا دیئے اور آئندہ کے لئے دو ہزار دینار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور حکم دے دیا۔ کہ ہر سال دو سو خروار اناج رازی کے گھر بھجوا دیا جایا کرے[۸۸]۔

یہ حکایت اخلاق جلالی میں بھی مذکور ہے۔ جو علم الاخلاق پر مشہور ترین فارسی کتاب ہے اور چہار مقالہ کی تالیف سے تین سو سال بعد لکھی گئی ہے[۸۹]۔

حکایت دیرینہ وجع المفاصل — دوسری حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بادشاہ کی ایک کنیز ایک دستر خوان کو زمین پر بچھانے کے لئے جھکی جس سے فوری طور پر اس کے جسم کے جوڑوں میں سوجن ہو گئی۔ اور درد پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے وہ سیدھی کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا شاہی طبیب کو جس کا نام نہیں لیا گیا حکم دیا گیا کہ کنیز کا علاج کرے۔

---

۸۷ صفحہ ۳۱۹ پر۔ (مترجم) ۸۸ صفحہ ۳۱۹ پر۔ مترجم
۸۹ صفحہ ۳۲۰ پر۔ (مترجم)

شاہی طبیب نے مریضہ کا معائنہ کیا - اور چونکہ دوائیں موجود نہ تھیں - لہذا اس نے نفسیاتی طریق سے جس کو قدیم اصطلاح میں تدبیر نفسانی کہا جاتا ہے - معالجہ شروع کیا پہلے مریضہ کی نقاب اُٹھائی - پھر اس کے پیرہن پر ہاتھ ڈالا جس سے مریضہ کا جذبۂ حیا جوش میں آ گیا اور مؤلف چہار مقالہ کے لفظوں میں مریضہ کے جسم میں حرارت پیدا ہو گئی - جس سے درد کا مادہ تحلیل ہو گیا - اور مریضہ کامل طور پر صحت یاب ہو کر سیدھی کھڑی ہو گئی -

اس حکایت کو جلیل القدر شاعر جامی نے بھی جو تقریباً پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں بیان کیا ہے لیکن اس سلسلے میں ایک خاص اہم چیز یہ ہے کہ یہ حکایت کتاب المبداء والمعاد میں بھی مذکور ہے - اور جیسا کہ نظامی عروضی نے خود بیان کیا ہے یہ حکایت اس نے کتاب مذکورہ سے اخذ کی ہے[1] - یہ کتاب المبداء والمعاد بوعلی سینا کی تالیف ہے اور اب تک کہیں نہیں چھپی - لیکن اس کا ایک نایاب قلمی نسخہ مرزا محمد خاں قزوینی کے پاس ہے جس میں یہ حکایت درج ہے -

بوعلی سینا اس حکایت کو نظر حسین سمجھتا ہے لیکن وہ بھی اس طبیب کا نام نہیں بتاتا جس کے ساتھ یہ حکایت متعلق ہے - صرف یہ لکھتا ہے کہ وہ دسویں صدی میں خراسان اور ماوراء النہر کے کسی سامانی بادشاہ کا طبیب[2] خاص تھا -

حکایت مریضِ عشق

میں نے چہار مقالہ کی دس حکایات میں سے چار طبی حکایات بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا - ان میں سے دو بیان کی جا چکی ہیں - باقی دو حکایتیں بوعلی سینا کے متعلق ہیں - ان میں سے پہلی حکایت کا مفاد یہ ہے کہ جب بوعلی سینا محمود غزنوی کے خوف سے بھاگا اور چھپ کر جرجان یا گرگان پہنچا - جس کا قدیم نام ہرکانیہ Hyrcania. تھا اور جو بحیرۂ اخضر کے کنارے آباد ہے - تو اس صوبہ کے حاکم کا ایک رشتہ دار

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۵۲ مطبوعہ لیدن - (مؤلف)

[2] صفحہ ۹۰ ۳۲۰ پر - (مترجم)

ایک قسم کے جنون میں مبتلا تھا۔ جس کے علاج سے تمام مقامی اطبار عاجز آچکے تھے۔[۹۱]
اس وقت اگرچہ بوعلی سینا کی شخصیت گرگان میں غیر متعارف تھی تاہم مریض کے متعلق رائے دینے کے لئے اس کو بھی طلب کیا گیا۔

بوعلی سینا نے پہلے بیمار کا طبی معائنہ کیا اور پھر ایک ایسے شخص کو طلب کیا۔ جو صوبہ کے تمام اضلاع اور قصبات کے ناموں سے واقف تھا اور جب وہ آگیا تو شیخ نے کہا۔ کہ میں اس مریض کی نبض پر انگلی رکھتا ہوں اور تو اس صوبہ کے مقامات کے نام بیان کر چنانچہ اس شخص نے چند مقامات کے نام ذکر کئے ہی تھے کہ ایک قصبہ کے نام پر نوجوان کی نبض تیز ہو گئی۔ اور شیخ نے اس کو معلوم کر لیا۔

اس کے بعد شیخ نے ایک ایسے شخص کو طلب کیا۔ جو قصبہ کی تمام سڑکوں اور مکانات سے باخبر تھا اور کہا۔ کہ تو قصبے کی تمام سڑکوں اور مقامات کا نام لے اور میں مریض کی نبض دیکھتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قصبہ کی ایک سڑک کا نام آنے پر نبض پھر تیز ہو گئی۔ اور جب سڑک پر رہنے والوں کے ایک خاندان کے افراد کے نام گنائے گئے تو نبض میں مکرر تغیر آگیا۔

اب شیخ بوعلی سینا نے مریض کے متعلقین سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ لو قصہ ختم ہوا معاملہ یہ ہے کہ یہ لڑکا فلاں لڑکی پر جو فلاں مکان میں فلاں سڑک پر فلاں محلہ میں اور فلاں قصبہ میں رہتی ہے عاشق ہے اور اس کا علاج وصال محبوبہ ہے۔ پس ایک ساعت سعید میں جس کا انتخاب بھی شیخ ہی نے کیا تھا۔ محبوبہ سے اس نوجوان کی شادی کرا دی گئی۔ اور بوعلی سینا کا علاج کامیاب ہوا۔[۹۲]

حکایت کی تصدیق

مذکورۂ بالا حکایت کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس بہترین سند موجود ہے۔ اور وہ قانون میں شیخ بوعلی سینا کا اپنا بیان ہے۔ جہاں وہ دماغی یا ذہنی امراض کے سلسلے میں سبات نسیان۔ مانیا۔ داء الکلب۔ مالیخولیا وغیرہ کے ساتھ عشق کو بھی بیان کرتا ہے[۱]۔

---

[۱] ملاحظہ ہو قانون شیخ جو روما میں ۱۵۹۳ء میں طبع ہوا صفحہ ۱۰۔ اسکے متعلق ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا میں (جلد دوم صفحہ ۱۸ پر) جالینوس اور حکیم رشید الدین ابو حلیقہ کے متعلق بھی اسی طرح کی حکایتیں بیان کی ہیں۔ جو اس حکایت سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ (مؤلف)

[۹۱] صفحہ ۳۲۲ پر۔ (مترجم) [۹۲] صفحہ ۳۲۳ پر۔ (مترجم)

یہ مضمون عشق قانون کے لاطینی ترجمہ میں بشکل پہچانا جاسکتا ہے - جہاں لفظ عشق کی شکل بگاڑ کر عنوان ڈی الالکسی (De Ilixi) قائم کیا گیا ہے اور حاشیہ پر اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو الہسک (Alhasch) لکھا گیا ہے[1]
عشق کی علامات اور خصوصاً اس عدم انتظام کا ذکر کرتے کے بعد جو مریض کی نبض میں پیدا ہو جاتا ہے - شیخ قانون میں لکھتا ہے -

" اگر مریض عشق محبوبہ کا نام ونشان نہ بتائے تو ایک ایسا طریقہ ممکن ہے جس سے محبوبہ کا پتہ معلوم کر کے مریض کا علاج کیا جاسکتا ہے - اور وہ اس طرح کہ طبیب مریض کی نبض پر انگلی رکھ کر بہت سے نام لینے شروع کرے اور جب دیکھے کہ کسی ایک نام پر پہنچ کر نبض مختلف ہو گئی ہے اور پھر تقریباً منقطع ہو گئی ہے تو سمجھ لے کہ یہ مریض عشق ہے - - جو فلاں معشوقہ کے عشق میں مبتلا ہے - میں نے بارہا یہ طریقہ خود آزمایا ہے - اور اس طریق سے محبوبہ کا نام معلوم کر لیا ہے -

اس کے بعد طبیب کو چاہیئے کہ اس مریض کی نبض پر انگشت رکھ کر معشوقہ کے نام کے ساتھ بہت سی سڑکوں، مکانوں، صنعتوں - حرفتوں، خاندانوں اور شہروں کے نام بیان کرے اور جس جس نام پر کئی بار غور کرنے کے بعد نبض میں تغیر محسوس ہو، اس کو معشوقہ کے نام اور اس کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھے - ہم نے خود یہ عمل کیا ہے اور اس طرح بہت سی بیش قیمت معلومات حاصل کی ہیں -

طبیب کو چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے - کہ اگر جانبین کے وصال کے علاوہ اور کوئی علاج کی صورت نہیں تو شادی کرادے - بشرطیکہ قانون اور مذہب اجازت دے - ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے مرضاء جو بے حد ضعیف ولاغر تھے - اور سخت قسم کی مزمن بیماریوں میں مبتلا تھے - اور فرط عشق کی وجہ سے کمزور ہو جانے کے باعث ان کی تپ طول پکڑ چکی تھی - جب ان کے لئے وصل محبوب کی منتقل صورت بہم پہنچا دی گئی - تو تھوڑے سے ہی عرصہ

---

[1] ملاحظہ ہو قانون کا لاطینی ترجمہ جو وینس میں ۱۵۴۴ء میں چھپا - (مؤلف)

میں اُن کی صحت اور قوتِ رفتہ مکمل طور پر واپس آگئی۔ اور وہ دوبارہ تنومند و توانا ہو گئے یہ تماشا دیکھ کر ہم حیران رہ گئے۔ اور بالآخر سمجھ میں آیا کہ طبیعت انسانی ذہنی تصورات اور تخیلات واحساسات کی کس قدر محکوم ہے"۔[۹۳]

شیخ کے اس طریق علاج کا حوالہ ذخیرۂ خوارزم شاہی میں بھی موجود ہے۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی ایک میڈیکل انسائیکلو پیڈیا (طبی دائرۃ المعارف) ہے۔ جو ۱۱۱۱ء اور ۱۱۳۶ء کے درمیان تالیف کیا گیا اور یہ وہ تالیف ہے جس کے متعلق یہ کہنا چاہیئے کہ یہ وہ عظیم الشان التزام طب ہے۔ جو پہلی مرتبہ عربی زبان کی جگہ فارسی زبان میں مرتب کیا گیا)

سید اسمٰعیل جرجانی مؤلف ذخیرۂ خوارزم شاہی مرض عشق کے متعلق شیخ بوعلی سینا کی مذکورۂ بالا طبی ہدایات ومعلومات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے۔ کہ شیخ بوعلی سینا رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس طریق علاج کو آزمایا ہے۔ اور یہاں تک معلوم کر لیا ہے کہ مریض عشق کا معشوق کون ہے" اور اس کے بعد سید اسمٰعیل جرجانی شیخ کی اصل عبارت کا نہایت موزوں ترجمہ درج کرتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مریض عشق کی آرزو پوری ہو جائے تو وہ بہت جلد صحت یاب ہو جاتا ہے۔

اس سے ایک صدی بعد تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں جلیل القدر اور عارف باللہ شاعر جلال الدین رومی نے جن کو ڈینٹے آف پرشیا (ایران کا ڈینٹے) کہا جاتا ہے اس مضمون کو اپنی ایک تمثیلی حکایت کا موضوع بنایا ہے۔ جو آپ کی مشہور مثنوی کی ابتداء میں درج ہے۔

مرشد رومی کی حکایت

اس حکایت میں مولانا رومی نے بیان کیا ہے کہ ایک بادشاہ نے اثنائے شکار میں ایک نہایت حسین اور خوبصورت لڑکی کو دیکھا اور مبتلائے عشق ہو کر اس سے شادی کر لی شادی ہونے ہی کچھ عرصہ کے بعد بدقسمتی سے یہ لڑکی بیمار ہو گئی اور اطبا جو علاج کے لئے بلائے گئے تھے بیماری دور کرنے سے عاجز رہے (انہوں نے جب بادشاہ کو یہ یقین دلایا کہ ہم اس لڑکی کو صحت یاب اور تندرست کر سکتے ہیں تو کلمۂ استثناء یعنی انشاء اللہ تعالےٰ کہنا بھول گئے تھے)۔

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان طبیبوں کی تمام دواؤں نے ان کی مرضی کے برعکس اپنے مفروضہ

---

۹۳ صفحہ ۳۲۴ پر۔ (مترجم)

افعال و منافع کے خلاف متضاد اثرات ظاہر کئے چنانچہ سکنجبین سے صفرا گھٹنے کی بجائے بڑھنے لگا۔ اور ہلیلہ سے دست آنے کی بجائے قبض کی شکایت پیدا ہو گئی۔

بالآخر بادشاہ نے ہر طرف سے مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں ایک طبیب الٰہی بادشاہ کی مدد کے لئے پہنچا۔ اس نے پہلے تو اچھی طرح مریضہ کا معاینہ کیا اور اس کے بعد اعلان کیا کہ مریضہ کا جس طریق سے علاج کیا گیا۔ وہ یکسر غلط۔ اور غلط تشخیص پر مبنی تھا۔

طبیب الٰہی نے بادشاہ سے لڑکی کے ساتھ خلوت میں کچھ گفتگو کرنے کی اجازت حاصل کی اور لڑکی سے ان شہروں کے متعلق دریافت کیا۔ جہاں وہ پہلے رہ چکی تھی اور مصلحت یہ بیان کی کہ ہر شخص کے مستقل اور عارضی وطن کے مطابق اس کا علاج مختلف ہوتا ہے یعنی ہر جگہ کے رہنے والوں کا علاج جداگانہ ہے۔ اس کے بعد طبیب نے لڑکی سے اس کی زندگی کے گزشتہ حالات اور تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی انگشت نبض پر رکھی لیکن کسی خاص احساس اور جذبہ کی کوئی نشانی نہ دیکھی تاآنکہ اس نے سمرقند کا نام لیا۔ اور سمرقند کی ایک سڑک پر اور ایک محلہ غاتفر کا ذکر کیا۔ تو نبض میں تغیر پیدا ہو گیا۔

بالآخر طبیب نے طریق مذکور سے جس کو بوعلی سینا نے بیان کیا ہے یہ معلوم کر لیا۔ کہ یہ لڑکی ایک سنار کے عشق میں مبتلا ہے۔ جو سمرقند کے ایک محلہ میں رہتا ہے۔

طبیب نے اب لڑکی کو اطمینان دلایا اور صحت یابی کا وعدہ کیا اور اس کے بعد بادشاہ سے کہا کہ وہ قاصدوں کو سمرقند روانہ کرے جو اس سنار کو دربار شاہی میں لائیں۔ اور جب وہ یہاں پہنچ جائے تو اس کو معقول معاوضہ دیا جائے۔ چنانچہ جب قاصد سنار کے پاس پہنچے تو وہ اپنے دل میں کسی قسم کا شبہ کئے بغیر بادشاہ کے بھیجے ہوئے الفاظ تحائف اور دولت کے نقوش و مواعید سے فریب خوشامد میں اسیر ہو کر بخوشی دربار میں آ پہنچا۔ اور جب وہ آ گیا تو طبیب الٰہی کی ہدایت کے مطابق اس کی شادی لڑکی سے کر دی گئی۔

شادی کے چھ مہینے بعد لڑکی بالکل تندرست ہو گئی۔ اور اب طبیب الٰہی نے ایک آہستہ آہستہ اثر کرنے والا زہر اس سنار کو پلانا شروع کیا۔ جس سے وہ بدصورت۔ قابل نفرت۔ نحیف و

لاغر اور زرد رو بن گیا اس لئے لڑکی نے سنار کے مرنے سے پہلے ہی جو اب قریب المرگ کے قریب تھا۔ اس سے نفرت اور علیحدگی اختیار کر لی۔ اور بادشاہ کی درخواست کے مطابق اس سے دوبارہ شادی کر لی۔

میرے پاس وقت نہیں کہ اس حکایت[۹۴] کے اخلاقی پہلو پر گفتگو کروں لیکن اس اخلاقی سرمایہ کا جو غالباً بلا واسطہ بوعلی سینا سے لیا گیا ہے۔ خالص ادبی استعمال خاصی دلچسپی کا حامل ہے

حکایت مریض مالیخولیا

اب میں چہار مقالہ سے چوتھی حکایت اور بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو بوعلی سینا ہی کے متعلق ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ خاندان بویہ کا ایک شہزادہ مالیخولیا میں مبتلا ہوا اور اس کے دماغ میں یہ وہم سا سما گیا کہ میں گائے ہوں۔

مؤلف چہار مقالہ لکھتا ہے کہ وہ ہر ایک کے سامنے گائے کی طرح "امبیں امبیں" کرتا تھا۔ اور ہر ایک سے کہتا تھا کہ مجھ کو ذبح کر کے میرے گوشت سے مزہ دار قیمہ پکاؤ۔ اور یہ وہم اس کو اس حد تک بڑھ گیا۔ کہ اس نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا۔ اطباء حیران تھے کہ اس کا کیا علاج کریں۔

پایان کار بوعلی سینا سے جو اس وقت علاء الدولہ بن کاکویہ کا وزیر اعظم تھا۔ درخواست کی گئی کہ بیمار کا علاج کرے۔ اور بوعلی سینا نے ہجوم خلائق، ذاتی مشاغل اور اپنی سیاسی علمی اور ادبی مصروفیتوں کے باوجود یہ درخواست منظور کر لی۔

بوعلی سینا نے یہ کیا۔ کہ پہلے تو مریض کو یہ پیغام بھجوایا کہ تو خوش ہو کہ قصاب تجھ کو ذبح کرنے کے لئے آرہا ہے۔ اور حقیقتاً اس مژدہ کو سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد بوعلی سینا ایک نیز چھرا لئے کر مریض کے کمرے میں داخل ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ کہ وہ گائے کہاں ہے؟ میں اس کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر مریض نے یہ بتانے کے لئے کہ وہ کہاں موجود ہے۔ گائے کی طرح ڈکارنا اور بولنا شروع کر دیا۔ بوعلی سینا نے مریض کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر لٹا دیا۔ اور جسم کو اچھی طرح ٹٹول کر کہا۔ کہ گائے دبلی پتلی ہے ابھی ذبح ہونے کے قابل نہیں ہے۔ ذبح کرنے سے پہلے

---

[۹۴] صفحہ ۳۲۳ پر۔ (مترجم) مرزا محمد خان قزوینی نے چہار مقالہ کے حواشی میں تصریح کی ہے کہ بوعلی سینا شمس الدولہ کا وزیر تھا اور علاء الدولہ کا وزیر نہ تھا بلکہ مقرب خاص اور ندیم تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ چہار مقالہ صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ لیدن (مترجم)

اس کو کھلا پلا کر موٹا کرنا چاہیے۔

بو علی سینا یہ کہہ کر چلا گیا اور مریض کے رشتہ داروں نے اس کو بہترین اور مناسب غذائیں کھلانی شروع کیں اور وہ نہایت جلد فربہ ہو کر ذبح ہونے کے خیال میں بہت شوق سے کھانے لگا۔ لیکن ان اچھی غذاؤں کا اثر یہ ہوا۔ کہ ان کے استعمال سے مریض میں آہستہ آہستہ قوت پیدا ہوگئی۔ اس کا وہم دور ہو گیا۔ اور کامل صحت حاصل ہوگئی۔

مؤلف چہار مقالہ لکھتا ہے۔ کہ تمام اہل عقل بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ علاج کے ان طریقوں سے صرف وہی شخص مریض کا کامیاب معالجہ کر سکتا ہے۔ جس کو غیر معمولی عقل و دانش مکمل علم اور ذہانت کی دولت اور برکت حاصل ہو۔

مولانا جامی کی سند

اس حکایت کو مولانا جامی رحمۃ نے بھی اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں (جو آپ نے ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء میں چہار مقالہ کی تالیف سے تین سو بتیس سال بعد تالیف کی ہے) نظم کا لباس پہنایا ہے۔ لیکن مجھ کو قانون بو علی سینا میں ما خولیا کے زیر عنوان اس قسم کے کسی طریق علاج کا حوالہ نہیں ملتا[۵۹]

دو طبیبوں کا مجادلہ

حکایات کے اس موضوع پر سلسلہ کلام ختم کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ نظامی گنجوی کی کتاب مخزن الاسرار کی وہ حکایت بھی بیان کردوں جس میں خیال اور تدبیر نفسانی سے صحت اور شفا پہنچانے کی بجگہ ہلاک کرنے کا کام لیا گیا ہے۔

اس حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بادشاہ کے دو طبیب تھے جو آپس میں لڑتے رہا کرتے تھے۔ ایک بار ان دونوں میں سخت مجادلہ ہوا۔ اور لڑتے لڑتے آخر میں یہ قرار پایا کہ اپنا اپنا تیار کردہ زہر کے ذریعہ مقابلہ کیا جائے چنانچہ دونوں اس پر رضامند ہو گئے کہ ہر ایک باری باری اپنے حریف کے ہاتھ سے زہر کا پیالہ پیئے۔ اور پھر اس کے مہلک اثرات زائل کرنے کے لئے مناسب تریاق استعمال کرے۔

چنانچہ اس قرارداد کے مطابق پہلے طبیب نے ایک ایسا خطرناک زہر تیار کر کے اپنے مقابل کو دیا۔ جو سنگ سیاہ کو بھی پگھلا سکتا تھا لیکن دوسرے نے زہر کے پیالہ کو ایک ہی گھونٹ میں

---

[۵۹] صفحہ ۳۳۰ پر مترجم

ننٹ غٹ پی گیا اور بعد میں اس نے ایک ایسا تریاق استعمال کر لیا جس سے اسے زہر کا ذرا بھی گزند نہ پہنچا۔

اس کے بعد زہر پینے والے طبیب کی باری آئی۔ اس نے صرف یہ کیا کہ باغ سے گلاب کا صرف ایک پھول توڑا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اور اپنے زہر پلانے والے حریف سے کہا کہ تو اس کو ذرا سونگھ لے۔ چنانچہ اس نے پھول کو سونگھا ہی تھا کہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ یہ موت صرف خوف کی وجہ سے واقع ہوئی۔ زہر سے یا گلاب کے پھول میں کسی جادو کی تاثیر کی وجہ سے نہیں چنانچہ نظامی گنجوی رح خود واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ؎

دشمن از آں گل کہ فسوں خواں بداد | ترس بروچیرہ شد و جاں بداد
آں بعلاج از تن خود زہر برد | ویں بیکے گل ز توہم بمرد

ترجمہ :۔ اس پھول کی وجہ سے جس کو فسوں خواں نے دم کرکے دیا۔ دشمن پر خوف غالب آیا اور مر گیا۔ ایک حریف نے علاج کرکے اپنے جسم سے زہر کو باہر نکال دیا۔ اور یہ دشمن ایک گلاب کے پھول سے وہم کے باعث مر گیا[۹۶]۔"

عربی طب اور علاج بالتخیل

مجھے اس امر میں بہت کم شبہ ہے کہ تخیل نے عربی طب میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور اگر عربی و فارسی کی کتابوں کا وسیع مطالعہ کیا جائے تو ان میں تخیل اور علاج بالتخیل یعنی نفسیاتی علاج کے میدان میں مفید معلومات کا ایک بہت بڑا انبار نظر آئے گا۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ عربی اور فارسی کتابیں بالعموم آپ کو غیر مسلسل اور غیر مرتب و غیر منظم معلومات سے لبریز ملیں گی اور بلا شبہ ان میں آپ کو فہرست بانے مضامین ہرگز نہ ملیں گی

اہل مشرق کی اعجوبہ پسندی

حقیقت یہ ہے کہ اہل مشرق اعجوبہ پسند ہیں۔ اور وہ نوادر اور عجائبات کے لئے بچوں کے سے احساسات رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے سلاطین لا متناہی عظمت اور ثروت کے مالک ہوں، ان کے سلاطین کی بیگمیں اور شہزادیاں بے مثال

---

۹۶ صفحہ ۲۱۱ پر مترجم

حسن وجمال کی دولت سے بہرہ ور ہوں ان کے وزرائے سلطنت غیر متمدنی اور غیر معمولی طور پر ذہین اور مفکر ہوں اور ان کے اطباء فطرتِ انسانی سے بالاتر ذہانت کے وارث اور سرمایہ داران علم وحکمت ہوں گی۔[۹۷]

مشرقیوں کے حسن اعتقاد کا اثر ڈاکٹروں پر

یہ غیر محدود اور لامتناہی اعتقاد در حقیقت ان موثر اور پرجوش انگیز حکایات و روایات کی وجہ سے قائم اور پھیلا ہوا ہے۔ جن کو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں بیان کیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ مشرقیوں کا یہ حسن اعتقاد ان ڈاکٹروں کے لئے بے حد پریشان کن ہے جو مشرق میں پریکٹس کرتے ہیں۔ چنانچہ مشرق میں جب آپ ایک ڈاکٹر کی حیثیت میں ان سے ملیں گے تو وہ آپ سے کہیں گے۔ کہ دیکھئے رازی نے یہ کام کیا اور بوعلی سینا نے وہ کام کیا۔ اور بقراط وجالینوس کے زمانے تو علیحدہ رہے تمہارے عہد سے تو ان عربی طبیبوں کا دور زیادہ کامیاب تھا۔

رازی کی کتاب الحاوی کی عظمت کا اعتراف

ہاں اس سلسلے میں مجھے اعتراف ہے کہ رازی کی کتاب حاوی کی وہ جلد جس میں اس نے اپنے زیر علاج مرضاء کے حالات اور علاج کے طریقے بتائے ہیں اور جس کا نام امثلہ میں قصص المرضٰی وحکایات لنا خاطر نوادر ہے۔ اور جس کا ایک قلمی نسخہ خوش قسمتی سے بوڈلین لائبریری میں محفوظ ہے۔ (جیسا کہ میں نے اپنے دوسرے لیکچر میں بیان کیا ہے) عربی سرمایہ علم میں اپنی شان کی تنہا کتاب ہے جو عدیم النظیر خصوصیات کی مالک ہے۔

طبیب اعظم رازی کو یہ خاص شہرت اور عظمت حاصل ہے کہ اس نے ان بیماریوں کے مفصّل حالات اور علاج قلمبند کئے ہیں۔ جن کی تشخیص اور علاج میں وہ ابتداءً حیران اور پریشان رہ کر آخر میں کامیاب ہوا یا ناکام رہا۔

عربی علم و حکمت کا دورِ زرین

میں پہلے لیکچر کے آغاز میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ اسلام یا عربی علم وحکمت کا دورِ زرین بغداد کی عباسی خلافت کی پہلی ایک یا دو صدیوں کا زمانہ تھا۔ جو ۷۵۰ء سے شروع ہوا اس زمانہ میں عربی ثقافت کا ایک نہایت بلند معیار قائم رہا۔ تا آنکہ تیرھویں صدی عیسوی میں

---

[۹۷] صفحہ ۳۳۴ پر۔ (مترجم)

مغلوں یا تاتاریوں کے حملہ کی مصیبت عظمیٰ نے اس پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی۔ جس سے وہ پھر کبھی بحال نہ ہو سکی خلافت تباہ ہو گئی اور دار الخلافہ ۱۲۵۸ء میں لٹ کر ویرانہ بن گیا۔

دورِ زرّیں کے بعد کی تالیفات

اس کے بعد اگرچہ بعد کی نسل کے باقیماندہ نوجوان فضلاء اور مصنفین نے کچھ عرصہ تک تصنیف و تالیف اور تحقیقات و اکتشافات کی صحیح روایات کو باقی رکھا لیکن بحیثیت مجموعی وسیع معنی میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ تمام اسلامی دنیا میں تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے اور بعد ادبیات اور علوم و فنون کی جو کتابیں مرتب ہوئیں ان کے درمیان نہ صرف درجہ کے اعتبار سے بلکہ نوعیت کے لحاظ سے بھی ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

طب اور تاریخ کا تحفظ

اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ اس وقت دیگر علوم و فنون کے مقابلے میں طب اور تاریخ یہ دونوں چیزیں نسبتاً محفوظ رہ گئیں۔ کیونکہ وحشی فاتح صحت اور شہرت کے طالب تھے۔ اور میں اپنے آیندہ لیکچروں میں آگے چل کر کم از کم ایک ایسے طبی مصنف کا ذکر کروں گا۔ جس نے چودھویں صدی عیسوی میں بھی فن میں خاص ترقی کی ہے[۹۸]

طب کا فارسی سرمایۂ تالیفات

بلاشبہ اُس وقت سے لے کر آج تک ایک خاص قسم کے طبی لٹریچر کے پیدا ہونے میں کمی نہیں ہوئی اور اس ضمن میں صرف فارسی زبان میں طب کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی تعداد کا ہم کچھ اندازہ آڈلف فونان کی کتاب "فارسی طب میں سرمایۂ تالیفات" سیلوہ کوپلن کندہ ڈیمہ پرزشن میڈیسین۔ سے کر سکتے ہیں۔ جو ۱۹۱۰ء میں لیپزگ میں چھپی ہے۔

اس بہترین اور سخت محنت کے ساتھ مرتب کی ہوئی کتاب میں اس کا مؤلف دو صد[۲۰۰] سے اوپر ان فارسی کتابوں کے نام گناتا ہے جو کلاً یا جزواً مباحثِ طب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان میں سے صرف چند ہی شائع ہوئی ہیں۔

اس کے مؤلف نے ان کتابوں کے متعلق نہایت مفید معلومات مہیا کی ہیں[۱] اور ان پچیس[۲۵] مشہور ایرانی النسل اطبا اور طبی مصنفین کے مختصر حالات لکھے ہیں[۲]۔ چودھویں صدی

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب (Zur Quellenkunde der Persischen Medizin) ص ۱۳۵ و ص ۱۴۰

[۲] ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحہ ۱۲۹ و ۱۴۴۔ (مؤلف)

[۹۸] صفحہ ۳۳۴ بمبرد مترجم۔

عیسوی کے اواخر سے اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل تک گزرے ہیں۔ لیکن اس نے رازی۔ علی بن عباس مجوسی اور بوعلی سینا جیسے اطباء کے حالات کو شامل نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اطباء اگرچہ ایرانی النسل ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتابیں عربی زبان میں لکھی ہیں۔

فارسی طبی لٹریچر کی نقد و تحقیق

ایران کے اس فارسی طبی لٹریچر کی نقد و تحقیق کی منزل طے کرنا ابھی تقریباً باقی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دشوار گزار منزل اصولاً اس وقت تک طے نہیں کی جا سکتی اور اس وقت تک کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ قدیم عربی لٹریچر کا زیادہ سے زیادہ وسیع مطالعہ کر کے اس کو محک امتحان پر پرکھا نہ جائے۔ لہٰذا اس سلسلے میں حاوی (مغربی نام کانٹی نینس) کتاب الملکی (مغربی نام لبر ریجی اس) اور قانون شیخ (مغربی نام کینن) کا ایک وسیع مطالعہ ضروری ہے۔ تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ آیا ایران کے فارسی زبان کے طبی مصنفین نے عربی طب میں کوئی خاص اضافہ کیا ہے۔ یا کوئی اہم ترمیم و اصلاح کی ہے؟

ذخیرۂ خوارزم شاہی کے مخطوطات

بارہویں صدی عیسوی میں فارسی زبان میں طب پر ایک بہت ضخیم اور بلند پایہ کتاب لکھی گئی ہے۔ جس کا نام ذخیرۂ خوارزم شاہی ہے۔ اور خوش قسمتی سے میں اس کے کئی مخطوطات دیکھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

فارسی زبان میں طب کی دو اہم کتابیں

جہاں تک مجھے علم ہے اس وقت تک یورپ میں فارسی زبان کی صرف دو طبی کتابوں کی جانب بہت زیادہ توجہ مبذول ہوئی ہے۔ اوّل ابو منصور ہراتی کی کتاب الابنیہ ہے جو تقریباً ٩٥٠ء میں مرتب ہوئی ہے اور دوسری کتاب منصور بن محمد کی کتاب التشریح ہے یہ کتاب بالتصویر ہے اور ١٣٩٦ء میں لکھی گئی ہے۔

ابو منصور ہراتی کی کتاب الابنیہ

اوّل الذکر یعنی کتاب الابنیہ کا فارسی قلمی نسخہ[1] اپنی جدت مضامین کے اعتبار سے لاثانی چیز ہے اور ڈاکٹر ایف آر زیلگمن نے اس کو ١٨٥٩ء میں نہایت اہتمام سے بہترین شکل میں طبع کرایا ہے۔ اور اس کی تہذیب و اشاعت کے متعلق عبدالخالق اخوندی۔ ڈاکٹر پال ہورن اور پروفیسر جولی نے بہت اچھا کام کیا ہے۔[99]

---

[99] صفحہ ۲۳۴ پر۔ (مترجم)   [1] اس کو ۱۰۵۵ء میں مشہور شاعر اسدی نے لکھا ہے۔ مؤلف۔

منصور بن محمد کی مصور کتاب التشریح

ثانی اللہ کی کتاب یعنی کتاب التشریح میں جو تشریحی نقشے اور خاکے دیئے گئے ہیں انہوں نے ڈاکٹر کارل زیوڈہوف کو بہت متاثر کیا ہے۔ جس نے اس کے ایک قلمی نسخہ سے جو انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے۔ ان تشریحی تصویروں کو اپنی کتاب سٹوڈین سیور گشنتے ڈیر میڈیسین میں شائع کیا ہے[1]۔ اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ تشریحی تصویریں عہد گزشتہ کی ان تشریحی ترقیات کی نمائندہ ہیں۔ جن کا سلسلہ "مدرسہ اسکندریہ" کی فنی مساعی سے بھی ملتا ہے۔

حال میں مجھے اس کتاب التشریح کے دو قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن میں چند تصاویر باہم دگر متفاوت ہیں اور یہ تفاوت موجب دلچسپی ہو سکتا ہے۔

مشرق میں مغربی طب کا تعارف

اس لیکچر کو ختم کرنے سے پہلے میں چند الفاظ مشرق کے اسلامی ممالک میں موجودہ مغربی طب کے تعارف پر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں طب قدیم جس کو ہم عربی طب یا مسلمانوں کی یونانی طب کہتے ہیں۔ اب تک موجود تو ہے لیکن بتدریج مغربی طب کے لئے میدان خالی کر رہی ہے۔ بالخصوص ایران اور ہندوستان میں۔

ایران کی مجلس صحت

میں ۱۸۸۸ء میں طہران میں مقیم تھا۔ تو اس وقت مجھ کو ایران کے پایہ تخت میں ڈاکٹر تولوزان طبیب خاص اعلیٰ حضرت ناصر الدین قاچار سابق شاہ ایران کے توسل سے ایران کی مجلس صحت (سرکاری انجمن حفظان صحت) کے جلسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اور وہاں میں نے دیکھا۔ کہ اطباء کی اکثریت کا علم طب صرف بوعلی سینا کی طب تک محدود تھا۔ اور اس کے علاوہ اور وہ کچھ نہ جانتے تھے۔

ایران میں مغربی طب کا نزول

اس کے بعد بہت سے ایرانی نوجوان طبی تعلیم کی غرض سے یورپ آئے اور اگرچہ ان کی تعداد بہت کم رہی۔ لیکن اس سلسلے میں انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں آسٹریا کے ڈاکٹر پولک اور ہالینڈ کے ڈاکٹر شلمر جیسے اشخاص نے بہت بڑا کام کیا جو ایران میں جدید صنعتی اور فوجی تنظیم کے لئے گئے تھے۔

ڈاکٹر شلمر کی کتاب "ادویہ کے افعال و خواص اور فرانسیسی اور فارسی مصطلحات"

---

[1] یہ کتاب Studien Zur Geschichte der Medizin ۱۹۰۸ء میں لیپزگ میں چھپی ہے۔ مؤلف

"ٹرمینولوژی میڈیکو فارمیسوٹیک اے اینتھروپولوژیک فرانسیس پرسان"[1] جو طہران میں ۱۸۷۴ء میں لیتھو میں چھپی ہے - درحقیقت مشرقی طب کے طلباء کیلئے نہایت بیش قیمت چیز ہے جس میں بیماریوں اور دواؤں اور پودوں کے فارسی ناموں کے مترادفات اور ان کے متعلق طبی معلومات کو نہایت احتیاط اور محنت کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

ایران میں طب پر پہلی کتاب

ایران میں سب سے پہلے جو کتابیں ٹائپ میں طبع ہوئیں ان میں ایک رسالہ چیچک کے ٹیکہ پر بھی تھا - جو ۱۸۲۵ء میں تبریز میں شائع ہوا[2] - لیکن وہ میری نظر سے نہیں گذرا[1]۔

تقریباً اسی سال مصر کلوت بے اور دیگر فرانسیسی سائنس دانوں کے ذریعہ جن کو سابق خدیو مصر محمد علی نے مصر میں بلایا تھا - موجودہ علم طب سے متعارف ہوا - اسی سال ہلیوپوس کے نزدیک ابو زابال میں وہ ہسپتال قائم ہوا - جو ایک سال بعد قصر العینی میں منتقل کر دیا گیا - جہاں وہ اب تک موجود ہے -

مصر میں مغربی طب کا نزول

مصری طلباء پہلی مرتبہ فوجی و بحری تعلیم اور جہاز سازی طباعت اور انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے اٹالیہ ۱۸۱۳ء اور ۱۸۱۶ء میں اور انگلستان میں ۱۸۱۸ء میں بھیجے گئے لیکن طبی تعلیم کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے - کہ مصری طلباء بلا شبہ ۱۸۲۶ء میں پہلی بار کلوت بے کی تحریک سے پیرس روانہ کئے گئے

مشرکی نہضت علمیہ

علوم و فنون کی اس حیات تازہ کو جدید عربی میں النہضۃ الاخیرۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - اور اس کے متعلق ایک مفصل بیان جرجی زیدان آنجہانی نے جو حال ہی میں مصر میں ایک شامی النسل اور مسیحی المذہب نہ تھکنے والا سرگرم مصنف گذرا ہے اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں درج کیا ہے[3] - جو ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۴ء میں قاہرہ میں چھپی ہے[101] -

---

[1] Terminolgie Médico-Pharmaceuti que et Anthropologig - Française Persane,

[2] ملاحظہ ہو ای - جی براؤن پریس اینڈ پوئٹری آف ماڈرن پرشیا جو ۱۹۱۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس میں طبع ہوئی صفحہ (مؤلف)

[3] ملاحظہ ہو تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد چہارم صفحہ ۴۲ - (مؤلف)

[100] صفحہ ۳۳۴ پر - (مترجم) [101] صفحہ ۳۳۵ پر - (مترجم)

اہم تاریخی تشبیہیں

اگر میں نہضت اخیرہ پر مفصل گفتگو کروں تو میں اپنے موضوع بحث سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ لیکن یہ عرض کردوں کہ اس سلسلہ میں دو چیزیں جو اس نہضت اخیرہ کی تاریخ سے متعلق ہیں آٹھویں صدی عیسوی میں مشرق میں یونانی علوم کی نہضت علمیہ کے ساتھ جس پر میں گزشتہ سال اپنے پہلے لیکچر میں تفصیلاً بحث کر چکا ہوں۔ باہم گہری مشابہت اور قریبی علاقہ رکھتی ہیں۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ عرب مسلمان اپنے دور حکومت میں لاشوں کے ڈیسکشن کے مخالف تھے۔ اور یہ مخالفت اس وقت کی طرح اب بھی موجود تھی چنانچہ اب بھی جب کلوت بے نے مصر میں ڈیسکشن کی حمایت میں جدوجہد کی تو لوگوں نے اس کے قتل تک کی سازش[1] کی لیکن وہ بال بال بچ گیا۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی میں خلفائے بغداد کے لئے بعض یونانی زبان کی کتابیں براہ راست عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ لیکن اکثر کتابیں پہلے یونانی سے سریانی میں اور اس کے بعد سریانی سے عربی میں منتقل کی گئیں۔ اور یہی صورت حال اب پھر ایک ہزار سال کے بعد قاہرہ میں اس دور نہضت علمیہ میں رونما ہوئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں[2] کہ اس دور کا ایک ماہر مترجم عنحوری یا یوحنا عنحوری (جس کو ہم صحیح معنی میں حنین بن اسحق ثانی کے لقب سے یاد کر سکتے ہیں) فرانسیسی زبان میں کمزور تھا لیکن اطالوی زبان میں جس سے وہ عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ پوری مہارت رکھتا تھا۔

پس جب کوئی کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ تو وہ اس کے لئے اطالوی زبان میں ترجمہ کردی جاتی تھی۔ اور وہ اس کو اطالوی سے عربی زبان میں ترجمہ کر دیتا تھا۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی تھی۔ کہ جب کوئی کتاب کسی مغربی زبان سے خواہ براہ راست خواہ بالواسطہ عربی زبان میں ترجمہ کی جاتی — تو وہ پریس میں بھیجنے سے پہلے عام طور پر ایک مدیر یا مصحح کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی۔ جو عربی زبان کا جید عالم اور علوم وفنون

---

[1] ملاحظہ ہو کلوت بے کی کتاب جو مصر کے متعلق عام طور پر (Apercu general sur l'Egypte,) کے نام سے مشہور ہے۔ پیرس ایڈیشن صفحہ ۲۱۵۔ مؤلف [2] ملاحظہ ہو تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ صفحہ ۱۰۔ مؤلف

کی بعض عام مصطلحات و معلومات سے واقف تھا۔ لیکن وہ کوئی مغربی زبان نہ جانتا تھا۔ اور اس کا کام بالعموم یہ تھا۔ کہ ترجمہ کو عربی زبان کے خالص ادبی لباس میں ملبوس کر دیتا تھا یہی حالت ڈاکٹر لیوسلین نکلارک کی تصریح کے مطابق قرون وسطیٰ میں یورپ میں پیش آئی کہ وہاں بھی کسی مغربی زبان میں عربی زبان کی علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمہ کے لئے لاطینی زبان بطور واسطہ رہی۔

ابو العلاء المعری کی تشبیہ

ابو العلاء المعری کا وہ شعر کس قدر صحیح اور دلکش ہے جس میں اس نے زمانہ کو ایک ایسی طویل نظم سے تشبیہ دی ہے جس کے اشعار میں قافیہ یکانی اور بحر اوزان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں ایک ہی قافیہ دوبارہ ہرگز نہیں آتا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے ؎

وکانما هذا الزمان قصیدة ما اضطر شاعرها الی الایطاء[۱]

گویا یہ زمانہ ایک قصیدہ ہے جس کا لکھنے والا ایک قافیہ دوبارہ نہ لانے پر مجبور ہے۔ اسی طرح مشہور مورخ ابن خلدون کا یہ قول بھی کیا خوب ہے کہ:۔

الماضی اشبه بالآتی کالماء بالماء

ترجمہ:۔ جیسے ایک پانی کو دوسرے پانی سے باہم مشابہت ہے اس سے زیادہ ماضی کو مستقبل کے ساتھ مشابہت ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو ستوار ولاقیمیسو ازریب Histoire de la Medecine Arabe جلد دوم صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵۔ ۲۔ جوالہ ... پر شعر ذکر کیا کی کتاب کلوار کشمیٹے دلیس اور بزمش کی جلد دوم میں صفحہ ... میں مسطور ہے اور ڈاکٹر آر۔ اے نکلسن نے Culturgeschichte des Orients, اپنی کتاب سٹڈیز ان اسلامک پوئٹری میں جو سال ۱۹۲۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس میں چھپی ہے صفحہ ۵۹ پر انگریزی زبان میں اس شعر کے مفہوم کو اس طرح نظم کیا ہے ؎

"And the Maker infinite,	(ترجمہ) اور صانع حقیقی جس کی ذات لامتناہی ہے
Whose poem is Time,	اور جس کی نظم یہ زمانہ ہے
He need not weave in it	اس نے اس نظم میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا
A forced stale rhyme."	کوئی استعمال شدہ فرسودہ قافیہ

(مؤلف)

چوتھا لیکچر

تمہید

عربی طب کی ترقی اور تاریخ کے میدان کی مختصر پیمائش جو میں نے گزشتہ تین لیکچروں میں کی ہے اور جس کو آج ضرور ختم کرنا چاہتا ہوں ۔ ضروری طور پر زبردستی کے ساتھ ایک معینہ وقت کے لئے محدود تھی اور اس لئے میں نے زیادہ تر عباسی خلفاء کی سلطنتوں اور ان کے زمانہ کے ذکر پر قناعت کی ہے اور یہ زمانہ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی تک ہے ۔ اور عراق عرب اور فارس کے ممالک سے اس کا تعلق ہے ۔

مغربی اطبا کے چند درخشاں نام

مجھے اس امر کا افسوس ہے کہ میں نے مجبوراً اس تاریخی پیمائش سے اندلس اور یورپ کی اس درخشاں تہذیب کو نظرانداز کر دیا ۔ جس نے عربی حکومت کے زیرسایہ ترقی کی لیکن اس خیال سے کہ آپ اس کو بھول نہ جائیں ۔ یا یہ سوچ کر کہ کہیں آپ یہ خیال نہ کریں ۔ کہ میں اس عہد بہار کو بھول گیا ۔ میں یہاں ان چند بہت زیادہ درخشاں ناموں کی جانب کم از کم اشارہ ضرور کئے دیتا ہوں ۔ جن کا تعلق مُوروں کی طب سے ہے ۔

ابوالقاسم الزہراوی

دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ نے عربی نسل سے ایک سب سے بڑا جراح (سرجن) پیدا کیا جس کا نام ابوالقاسم الزہراوی ہے ۔ اور جو قرون وسطیٰ میں یورپ میں ابوالکاسس Abulcasis البوکاسس Albucasis اور الزہراویس Alsaharavjus کے ناموں سے مشہور تھا ۔[102]

---

[102] صفحہ ۳۴۳ پر ۔ (مترجم)

ابن جلجل — مشہور درباری طبیب ابن جلجل ابوالقاسم الزہراوی کا ہمعصر تھا۔ اور ابن جلجل نے اطبا اور فلاسفہ کے حالات زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی۔ جو افسوس ہے کہ ضائع ہوگئی ہے[۱۰۳]۔

ابن وافد — ابوالقاسم الزہراوی اور ابن جلجل سے کچھ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اگلی نسل میں طلیطلہ میں ابن وافد پیدا ہوا۔ جس کو اہل مغرب ابن غوفط Abenguefit کے نام سے یاد کرتے ہیں[۱۰۴]۔

ابن الجزار — اور ٹیونس کے شہر قیروان میں ابن الجزار پیدا ہوا جس نے اپنے پیشہ کی زحمت سے بچنے کے لئے بڑے بڑے سمندروں میں بحری قزاقی اختیار کر لی تھی[۱۰۵]۔

ابن رشد — اس کے بعد بارھویں صدی عیسوی نے دنیائے علم وحکمت کی مشہور ترین عظمت قرطبہ کے ابن رشد کو پیدا کیا۔ جس کو اہل مغرب اے وے روس Averroes کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی فلسفیانہ شان اس کی طبی حیثیت کے مقابلے میں زیادہ بلند ہے[۱۰۶]۔

ابن زہر — علاوہ ازیں اس بارھویں صدی عیسوی میں اشبیلیہ کا ابن زہر پیدا ہوا۔ جس کو اہل مغرب اے وین زوار Avenzoar کہتے ہیں[۱۰۷]۔

موسیٰ بن میمون — اور خاک پاک قرطبہ ہی سے مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون پیدا ہوا۔ جس کو اہل یورپ میمونائیڈس (Maimonides) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جو آخر میں مصر میں صلاح الدین (صلاڈین Saladdin) کا طبیب خاص مقرر ہوگیا تھا[۱۰۸]۔

ابن البیطار — تیرھویں صدی عیسوی کا ایک اور نام ہے جسے کسی طرح نہیں بھلایا جا سکتا۔ اور یہ نام علم نباتات کے سب سے بڑے ماہر ابن البیطار مالقی کا ہے۔ جو صحیح معنی میں یونانی حکیم دیسقوریدوس کا جانشین تھا۔ ابن البیطار نے نباتات کی تحقیق کے سلسلے میں یونان۔ ایشیائے کوچک اور مصر کی پوری سیاحت کی ہے۔ اور یورپ میں علم الادویہ پر اس کی کتابوں کو سن تھی مر Sontheimer اور لکلارک Leclerc کے ذریعہ شہرت حاصل ہوئی ہے[۱۰۹]۔

---

۱۰۳ صفحہ ۳۶۳ پر مترجم ؛ ۱۰۴ صفحہ ۳۶۳ پر مترجم ؛

۱۰۵ صفحہ ۳۶۴ پر مترجم ؛ ۱۰۶ صفحہ ۳۶۵ پر۔ مترجم ؛

۱۰۷ صفحہ ۳۶۶ پر مترجم ؛ ۱۰۸ صفحہ ۳۶۷ پر۔ مترجم ؛

۱۰۹ صفحہ ۳۶۸ پر۔ " ؛

یورپ میں عربی طب کی تبلیغ کیونکر ہوئی

عربی نظام طب کو یورپ میں پہنچانے میں ہسپانیہ اور شمالی افریقہ نے جیسا کہ آپ جانتے ہیں، نمایاں حصّہ اور سب سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ طلیطلہ کا حصّہ بہت زیادہ ہے۔ جہاں جیرارڈ آف کریمونا اور مائیکل سکاٹ[1] جیسے لوگوں نے تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد وہ یہاں سے یورپ کو عربی طب[10] لے گئے۔

ایران اور بارھویں صدی

میں اب ایران کی جانب توجہ کرتا ہوں۔ یہاں بارہویں صدی عیسوی فارسی طب اور فارسی علمی لٹریچر کے ارتقاء کے لئے قابل ذکر اور یادگار ہے۔ جس کے آثار اس سے پہلے کے ادوار میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ عربی زبان دراصل آج تک تمام ممالک اسلامی میں مذہبی اور فلسفیانہ خیالات کی تعلیم کا بہترین ذریعہ ہے۔ بعینہٖ جس طرح یورپ میں قرون وسطیٰ میں لاطینی زبان بہترین ذریعہ تعلیم تھی۔ یہاں اب تک تقریباً وسعت کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایران کے جلیل القدر اطباء میں سے رازی علی بن عباس مجوسی اور بوعلی سینا نے جن کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں عام طور پر عربی میں کتابیں لکھیں۔

زین الدین اسمٰعیل جرجانی کا کارنامہ

لیکن بارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصّہ میں جرجان کا ایک طبیب زین الدین اسمٰعیل خوارزم یا خیوا کے شاہی دربار میں آیا۔ اور اس نے فارسی زبان میں طب پر متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں سب سے زیادہ اہم اور ضخیم کتاب ذخیرۂ خوارزم شاہی ہے۔ جس کا عربی نام "تحفۂ سارمی" ہے۔ اور جو طبیب موصوف نے شاہ خوارزم کے نام[11] پر معنون کی تھی۔

ذخیرۂ خوارزم شاہی

یہ ذخیرۂ خوارزم شاہی۔ اگرچہ مضامین اور ضخامت کے اعتبار سے قانون شیخ سے زیادہ نہیں تو برابر ضرور ہے لیکن اب تک یہ کتاب کہیں نہیں چھپی۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں اس کا ایک اردو ترجمہ لکھنؤ میں چھپا ہے۔ اور اب تک رائج ہے۔ میرے پاس

---

[1] جیرارڈ آف کریمونا ۱۱۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۱۸۷ء میں فوت ہوا لیکن وہ طلیطلہ کب گیا؟ اس کا صحیح زمانہ معلوم نہ ہو سکا۔ ہاں مائیکل سکاٹ ۱۲۱۷ء میں طلیطلہ میں موجود تھا۔ (مؤلف)

[10] صفحہ ۳۷۵ پر۔ (مترجم)

[11] صفحہ ۳۸۶ پر (مترجم)

اس کتاب کی علیحدہ علیحدہ متعدد نامکمل جلدیں موجود ہیں۔ جن میں سے بعض تیرھویں[13] اور چودھویں[14] صدی عیسوی میں نقل کی گئی ہیں۔ اور ان کے علاوہ میرے پاس اس تالیف گرامی کا جو علم طب میں ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک مکمل قلمی نسخہ بھی ہے۔ جو ۱۴۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۸x۱۲ ہے۔ اور ہر صفحہ میں ۲۷ سطریں ہیں۔

اس کتاب میں غالباً چار لاکھ پچاس ہزار[45] سے زیادہ الفاظ نہ ہوں گے۔ اور چونکہ اس کا خط صاف نہیں ہے۔ مسودہ کی کتابت صحت سے بڑی دور ہے۔ اور بلاشبہ اس میں نہ عنوانات ہیں اور نہ فہرست ہائے مضامین۔ اس وجہ سے اس کا مطالعہ ذرا محنت طلب ہے۔

بہرحال اس کتاب کے مباحث کی تقسیم نفتسیم محنت اور توجہ کے ساتھ کی گئی ہے اولاً یہ کتاب نو[9] جلدوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ دسویں[10] جلد علم الادویہ پر ایک ضمیمہ کی حیثیت سے پیش کی گئی ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس کی تقسیم بہت سی گفتاروں اور اجزاء اور ابواب میں کی گئی ہے۔ میں نے اس کی ایک مکمل فہرست اس کتاب کے ایک دوسرے تقریباً مکمل نسخہ سے جو کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہے۔ مرتب کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی چھٹی جلد کا مسودہ جو بارہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا اس کالج کی لائبریری میں موجود[1] ہے۔ ایک نہایت پرانی اور نفیس چیز ہے۔ اس میں مقامی امراض کا بیان ہے اور اس کی آٹھویں گفتار کے چھ[6] ابواب میں دل کی عام بیماریوں پر بحث کی گئی ہے اور تیرھویں گفتار کا ایک حصہ استسقاء کے ذکر پر مشتمل ہے۔

سید اسمٰعیل جرجانی کی دیگر کتابیں

ذخیرۂ خوارزم شاہی کے علاوہ اسی مصنّف نے دیگر مقابلۃً مختصر طبی کتابیں بھی تالیف کی ہیں جو تمام فارسی زبان میں ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام اغراض الطب ہے۔ اور دوسری[2] کا نام یادگار ہے۔ جو علم ادویہ اور علم دواسازی پر ہے[112]۔ اور تیسری[3] کا نام خفی علائی ہے۔ یہ کتاب دو[2] طویل جلدوں میں لکھی گئی ہے تاکہ ایک مسافر ان میں سے ہر ایک جلد کو اپنے ایک ایک سواری کے جوتے (خف) میں رکھ کر سفر میں ساتھ لے جا سکے۔ خفّ سواری

---

[1] اس کا لائبریری نمبر ۲۷ ہے۔ (مؤلف)

[112] صفحہ ۳۸۶ پر۔ مترجم

کے جوڑنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام خفی علائی رکھا گیا۔ (اور علائی میں علاء الدولہ کے نام کی جانب نسبت ہے۔ مترجم)

نوازن نے اپنی ایک کتاب "فارسی طب میں سرمایۂ تالیفات" سیتورکوئین کنڈ ٹے ڈیر پیرنشن میڈیزین" میں ان کتابوں کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور چہار مقالہ میں جو نظامی عروضی نے زین الدین اسمٰعیل کی وفات سے بیس سال بعد لکھا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے۔

تھی سارس یعنی ذخیرۂ خوارزم شاہی کے متعلق ابھی میں کچھ اور کہوں گا۔ لیکن پہلے میں مغل عہد تک اپنی علمی پیمائش کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس سے آگے نہیں جاؤں گا۔

تیرھویں صدی کی تاریخی کتب — تیرھویں صدی عیسوی عربی زبان کی ان بہترین تاریخی کتب کے لئے مشہور ہے۔ جو اس صدی نے پیدا کیں۔

عیون الانباء فی طبقات الاطباء — ان کتب میں سے ایک کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء ہے (جس کے معنی ہوئے طبیبوں کے درجات کے متعلق خبروں کے چشمے) اس کتاب میں صرف اطباء کے سوانح حیات درج ہیں۔ اور یہ کتاب ابن ابی اصیبعہ[1] نے ۱۲۴۵ء میں دمشق میں لکھی تھی اور اب ۱۸۸۲ء میں قاہرہ میں دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

تاریخ الحکماء — دوسری کتاب تاریخ الحکماء ہے جو حکماء اور اطباء کے حالات پر ایک تاریخی قاموس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کو قفطی نے تالیف کیا ہے۔ جو شمالی افریقہ کا باشندہ تھا۔ یہ قفطی کتابوں کا بہت بڑا عاشق اور کتابیں جمع کرنے کا بہت بڑا شائق تھا۔ قدامت پسند متحمل اور رسا انسان تھا۔ اور دیگر علماء و فضلاء کی مدد کرنے کے سلسلہ میں سخی اور فیاض واقع ہوا تھا۔ اس نے چھہتر سال کی عمر میں ۱۲۴۸ء میں وفات پائی۔ اور اب اس کی یہ گراں قدر کتاب ڈاکٹر جولیس لیپرٹ کی ادارت و نگرانی میں ۱۹۰۳ء میں لیپزک میں شائع ہوئی ہے۔

Zur Quellenkunde der Persischen - Medizin, ۱۸۹۳ صفحہ ۳۸۷ ـــ(ماخذ۔ مترجم)

[1] ابن ابی اصیبعہ کا پورا نام موفق الدین ابی العباس احمد بن القاسم بن خلیفہ بن یونس السعدی الخزرجی المعروف با بن ابی اصیبعہ ہے۔ مترجم

نزہتہ الارواح — تیسری اسی طرح کی ایک اور کتاب ہے لیکن وہ اس تاریخ الحکماء سے ذرا پہلے لکھی گئی ہے اس کو شہرزوری نے تالیف کیا ہے۔ اور یہ تالیف دو شکلوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک عربی دوسری فارسی۔ لیکن یہ کتاب کمیاب ہے۔ اور تا حال شائع نہیں ہوئی۔[114] — وروضۃ الافراح

وفیات الاعیان — چوتھی کتاب ایک بہت بڑی تاریخی قاموس ہے۔ جس کو ابن خلکان نے تالیف کیا ہے۔ یہ کتاب ابن خلکان نے قاہرہ میں سنہ ۱۲۵۶ء میں لکھنی شروع کی تھی۔ اور اسی شہر میں سنہ ۱۲۷۴ء میں ختم کی۔ انگریزی جاننے والوں کو اس کا ترجمہ عام طور پر مل سکتا ہے۔ جو بیرن میگوکین ڈیسلان نے انگریزی زبان میں کیا ہے۔ اگرچہ اس کے تاریخی مضامین کی نوعیت عام ہے۔ تاہم اس میں متعدد مشاہیر اطباء کے سوانح حیات ملتے ہیں۔[115]

معجم الادباء — پانچویں کتاب ایک اور تاریخی قاموس ہے۔ جو اسی عہد کے مشہور جغرافیہ داں یاقوت حموی نے لکھی ہے۔ اس کی پانچ جلدوں کو پروفیسر مارگولیتھ نے اپنی ادارت و نگرانی میں شائع کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب زیادہ تر ارباب علم و ادب کے سوانح حیات سے تعلق رکھتی ہے۔[116]

مختصر الدول — اس سلسلہ میں آخر میں ابو الفرج گریگوریس کے نام نامی کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے جو ایک مسیحی المذہب طبیب فلسفی۔ مذہبی عالم اور مؤرخ تھا۔ اور ابو الفرج گریگوریس کی جگہ بار ہیبریوس۔ Bar Hebraeus کے نام سے مشہور تھا۔

ابو الفرج گریگوریس نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ڈاکٹر رائٹ کی رائے ہے۔[1] کہ ملک شام نے اس سے بڑا متبحر عالم اور ہر علم میں ماہر اور کامل انسان پیدا نہیں کیا۔ اس نے زیادہ تر سریانی زبان میں کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اپنی آخری عمر میں اپنے بعض مسلمان دوستوں کی درخواست پر شمالی مغربی ایران کے شہر مراغہ میں اپنی بڑی کتاب تاریخ (یونیورسل ہسٹری) کا

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب سیری ایک لٹریچر Syriac Literature جو لندن میں طبع ہوئی صفحہ ۲۶۵۔ اور اگر آپ اس ابو الفرج گریگوریس کی کتابوں کی مفصل فہرست دیکھنا چاہیں تو ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۲۵۲۔ (مؤلف)

[114] صفحہ ۳۸۷ پر (مترجم)

[115] صفحہ ۳۸۷ پر (مترجم)

[116] صفحہ ۳۸۸ پر (مترجم)

سیاسی یا پہلا حصہ عربی زبان میں مرتب کر کے پیش کیا۔ جس میں اس نے مسلمان مصنفین اور اسلامی سرمایہ علم و ادب کے بہت سے بیش قیمت حوالے درج کئے ہیں۔ جو اصل سریانی تاریخ کے اس حصہ میں موجود نہیں۔

ابو الفرج گریگوریس چونکہ خود ایک ممتاز طبیب تھا۔ اور ایران کے مغل بادشاہوں کے طبی اعتماد اور ان کی عنایات بے غایات کی بدولت عیش اور فراغت کی زندگی بسر کرتا تھا اس لئے اس نے اپنی اس تاریخ میں قدرتی طور پر طبی امور کی جانب خصوصیت کے ساتھ زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔

پہلی مرتبہ یہ کتاب ڈاکٹر پوکاک نے ۱۶۶۳ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ کر کے مع اصل عربی متن کے شائع کی تھی۔ اور اس کے بعد اس کا ایک اور خوبصورت ایڈیشن ۱۸۹۰ء میں بیروت کے کیتھولک پریس میں چھپا۔ جس میں مکمل فہرست ہائے مضامین شامل ہیں۔[۱]

قرونِ وسطیٰ کے اسلامی ہسپتال

قرونِ وسطیٰ میں اسلامی ممالک میں اعمالِ طب کی مشق کی ایک صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس ان ہسپتالوں کے باضابطہ نظم و نسق کے متعلق جو زیادہ تر اہم شہروں میں مقتدر اور ایثار پیشہ خیرات اور رفاہ عامہ کے کام کرنے والوں کی جانب سے بڑی تعداد میں قائم کئے گئے ہیں۔ بالعموم کم سرمایہ معلومات موجود ہے۔

ہاں ان ہسپتالوں کی اصلی عمارات کے متعلق چودھویں صدی عیسوی کے جہاں پیما ابن بطوطہ جیسے سیاحوں کی حکایات۔ اور پندرھویں صدی عیسوی کے مشہور مؤرخ مقریزی جیسے مقامات کے حالات لکھنے والے لوگوں کے بیانات سے صحیح حالات کا پتہ چلتا ہے

قاہرہ کے پانچ ہسپتال

مقریزی اس سلسلہ میں ہم کو قاہرہ کے پانچ ہسپتالوں کے متعلق ان کی ہیئت و شکل۔ محلِ وقوع اور تاریخ کے باب میں علیحدہ علیحدہ تمام خاص خاص چیزیں بتلاتا ہے[۱]

ان پانچوں ہسپتالوں میں سب سے پہلا ہسپتال وہ تھا۔ جس کو احمد بن طولون نے

---

[۱] [illegible] خطط مقریزی جو ۱۸۵۳ء میں مطبع بولاق میں چھپی۔ جلد دوم صفحہ ۴۰۵ سے ۴۰۸ تک۔ نیز ملاحظہ کیجئے ای۔ ڈبلیو۔ لین کی کتاب کیرو ففٹی ایرز اگو جو لندن میں ۱۸۹۶ء میں چھپی صفحہ ۹۲ سے ۹۵ تک۔ (مؤلف) ... صفحہ ۳۱۸ پر۔ (مترجم)

تقریباً ۱۱۷۳ء میں قائم کیا۔ اور سب سے شاندار اور اہم ہسپتال وہ تھا جو ملک المنصور کے ذریعہ تقریباً ۱۲۸۴ء میں قائم ہوا۔ اور بیمارستان الکبیر المنصوری اس کا نام رکھا گیا۔

قاہرہ کے بیمارستان کبیر کے قیام کا عہد

بیمارستان کبیر کے قیام کی ضرورت یہ ہوئی۔ کہ اس کے قائم کرنے سے چند سال پہلے ایک مرتبہ قلاؤن الملک المنصور دمشق میں قولنج کے سخت حملوں میں مبتلا ہو کر دمشق کے اس بیمارستان کبیر کے اطباء کے علاج سے شفایاب ہوا۔ جس کی بنیاد اس سلطان نور الدین نے رکھی تھی جس کے ماتحت ایک زمانہ میں ملک الناصر صلاح الدین اعظم رہ چکا تھا اور اثنائے مرض میں ملک المنصور نے نذر مانی تھی۔ کہ صحت یابی پر ایک شاندار ہسپتال قائم کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنا عہد پورا کیا۔ اور اس طرح قاہرہ میں یہ بیمارستان الکبیر المنصوری قائم ہوا۔

قاہرہ کے بیمارستان کبیر کی عظمت شان

اس ہسپتال کے لئے تقریباً دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) درہم سالانہ کے اوقاف مقرر تھے۔ اور تمام مریضوں۔ امیروں۔ غریبوں۔ عورتوں اور مردوں کے لئے بلاتخصیص عام تھا۔ اور اس میں عورتوں کے لئے بھی علیحدہ ایسے ہی مریضوں کے رکھنے کے کمرے (وارڈز Wards) بنائے گئے تھے۔ جیسے مردوں کے لئے۔ اور تیمارداری کے لئے عورتیں (نرسیں) بھی مقرر کی گئی تھیں۔ جس طرح مرد تیماردار اور خدام مقرر تھے۔

اس ہسپتال میں ایک علیحدہ بڑا وارڈ بخاروں کے مریضوں کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ایک وارڈ آنکھوں کے مریضوں کے لئے بنایا گیا تھا۔ ایک وارڈ جراحی سے تعلق رکھنے والے مریضوں (سرجیکل کیسز) کے لئے مقرر تھا۔ اور ایک وارڈ پیچش اور اس نوع کے دیگر امراض کے لئے مخصوص تھا۔

اس کے علاوہ اس ہسپتال میں باورچی خانے بھی تھے۔ درس و تدریس کے کمرے (لیکچر روم) بھی تھے۔ طبی آلات اور دواؤں کے اسٹاک جمع رکھنے کے کمرے (سٹورز رومز) بھی تھے۔ ایک دواخانہ (ڈسپنسری) بھی تھا۔ اور طبی افسروں (میڈیکل آفیسرز) کے رہنے

کے مکانات بھی بنائے گئے تھے۔

لفظ مارستان کی حقیقت — یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظ مارستان جو عام طور سے تمام طبی کتابوں میں ہسپتال کے مفہوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فارسی لفظ بیمارستان کی بگڑی ہوئی صورت ہے جس کے معنیٰ فارسی زبان میں ہیں "بیمار کے لئے جگہ"۔ اب مصر میں اس لفظ کی جگہ ایک خاص عربی لفظ "مستشفیٰ" مستعمل ہے۔ جس کے معنی ہیں "شفا حاصل کرنے کی جگہ" اور مارستان اب وہاں دارالمجانین (پاگل خانہ) کے مفہوم کے لئے مستعمل ہے۔

قدیم ہسپتالوں میں مجنونوں کیلئے انتظامات — ان ہسپتالوں میں ابتدا ہی سے چند حجرے یا کمرے مجنونوں کے لئے علیحدہ مخصوص رہے ہیں اور مقریزی ہم کو بتاتا ہے کہ کس طرح احمد بن طولون جس نے قاہرہ میں سب سے پہلے ہسپتال قائم کیا تھا آپ اپنے ہسپتال کا معائنہ روزانہ کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن جب وہ اپنے ہسپتال میں مجنونوں کے کمرے کی طرف آیا۔ تو ایک پاگل نے اس سے انار طلب کیا۔ اور اس کو لیکر بجائے کھانے کے اس کی جانب اس زور سے پھینکا کہ انار پھٹ گیا۔ اور احمد بن طولون کے کپڑے خراب ہو گئے اس کے بعد احمد بن طولون اس ہسپتال کے معائنہ کے لئے پھر کبھی نہیں گیا۔[119]

لین کا بیان — لین نے اپنی کتاب کیرو ففٹی ایرز اگو Cairo Fifty Years Ago میں ان مجنونوں کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا ہے۔ جن کو اس نے بیمارستان قلاؤن میں اس کے معاینہ کے وقت دیکھا تھا۔ اور ایک ایسی ہی غمناک تصویر کلوت بے نے اپنی کتاب اپرسیو جنرال اژدراژیپت[1] میں انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں قاہرہ میں طب کی حالت کے متعلق پیش کی ہے۔[120]

ایک ثانی تاریخی کتاب — فارسی زبان کے ایک قلمی نسخہ میں جو میں نے حال ہی میں سر البرٹ ہوتم شنڈلر آنجہانی کے کتب خانہ سے حاصل کیا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور میں طب کی

Apercu general Zur Egypte. [1]

۱۱۸ صفحہ ۳۸۸ پیرہ۔ مترجم ۱۱۹ صفحہ ۳۸۸ پیرہ۔ مترجم)

۱۲۰ صفحہ ۳۸۸ پیرہ۔ مترجم

حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ ہربرٹ وہ شخص ہے جو ایران میں مدت دراز تک مقیم رہا اور اس سے زیادہ اس ملک کے حالات کا علم آج کسی کو حاصل نہیں ۔

حکیم رشید الدین فضل اللہ

اس قلمی نسخہ میں حکیم رشید الدین فضل اللہ طبیب کے خطوط درج ہیں ۔ اور حکیم رشید الدین فضل اللہ طبیب اس زمانہ کے ارباب تحقیق ۔ مؤلفین اور جلیل القدر علماء و فضلا میں ایک بہت بلند پایہ عالم تھا ۔ جو ۱۲۴۷ء میں ہمدان میں پیدا ہوا ۔ جہاں بو علی سینا مدفون ہے ۔

رشید کا عہدۂ وزارت

رشید الدین فضل اللہ طبیب ابتدائً مغل بادشاہ اباقا کا درباری طبیب مقرر ہوا اور اس کے بعد اس کے جانشین غازان نے جو مشرف باسلام ہو گیا تھا ۔ اس کو ۱۲۹۵ء میں اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا ۔

یہ عہدۂ وزارت بہت خوفناک تھا ۔ کیونکہ اس عہد میں مغل سلطنت کے کسی وزیر کا بغیر قتل ہوئے طبعی موت مرنا ایک عجیب کارنامہ تھا ۔ لیکن رشید الدین فضل اللہ بائیس سال تک اس بلند اور خوفناک عہدہ پر فائز رہا ۔ اور اس نے اپنے اس عہدۂ وزارت میں بے شمار دولت اور طاقت حاصل کی ۔ جس کو بہت مفید طریق سے کتب خانوں، ہسپتالوں اور کالجوں کی تاسیس تعلیمی وظائف اور اوقاف اور طلباء و علماء کی حوصلہ افزائی و ترقی پر صرف کیا ۔

ربع رشیدی

رشید الدین فضل اللہ نے تبریز میں ایک خوبصورت محلہ تعمیر کرایا تھا ۔ جس کا نام اس نے ربع رشیدی رکھا تھا ۔ اور اس محلہ کی عمارات کی تعمیر پر اس نے بیحد توجہ کی تھی ۔ اور یہ توجہ اس نے زیادہ تر صرف ان متبرک عمارات کی زیب و زینت ہی پر صرف نہیں کی تھی ۔ جو مقدس اور علمی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی تھیں ۔ بلکہ بڑی توجہ اپنی جود و سخا کے ذریعہ دنیا کے تمام حصوں سے اس عہد کے بہت بڑے بڑے ماہر صناعوں جلیل القدر مشاہیر اطباء اور بلند پایہ اکابر علماء و فضلاء کو اس محلۂ ربع رشیدی کی طرف جذب کرنے پر صرف کی تھی ۔

ربع رشیدی کی تباہی

رشید الدین فضل اللہ نے ہر قسم کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تدابیر ان علوم و فنون کی نشر و ترویج اور دوام و بقاء کے لئے صرف کر دیں ۔ جو اس کے ربع رشیدی کے بے نظیر کتب خانوں میں جمع اور محفوظ تھے ۔ اور کاترمیر (Quatremere) نے اپنی کتاب تاریخ مغول (ہستوار دے منگلس) Hitoire des Mongols کے

دیباچہ میں ان احتیاطوں اور تدبیروں کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے۔

لیکن آہ یہ تمام احتیاطیں اور تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ جولائی ۱۳۱۸ء میں رشید الدین حاسدوں رقیبوں اور دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ اور وہ خوبصورت محلہ ربع رشیدی جس پر اس نے اپنی تمام دولت تمام توجہ اور خیال کو اس قدر بے دریغ صرف کیا تھا تباہ کر دیا گیا اور لوٹ لیا گیا۔

رشید الدین اس قدر نیک طینت اور منکسر المزاج تھا کہ طاقت و قوت کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر بھی بڑے بڑے شاندار لفظوں والے بلند خطابات و القاب سے خوش ہونے کی بجائے اپنے آپ کو صرف رشید طبیب کہلانا پسند کرتا تھا۔

رشید کے پچاس خطوط

میں نے سر البرٹ کے کتب خانہ کے جس قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں رشید الدین فضل اللہ کے پچاس خطوط شامل ہیں۔ جو اس نے مختلف امور پر بہت سے مختلف اشخاص کے نام تحریر کئے ہیں اور جن کو اس کے سکرٹری محمد ابرقوہی نے جمع اور مرتب کیا ہے۔

مولوی محمد شفیع صاحب لاہوری کی خدمات

میرے دوست محمد شفیع نے جو اب اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر ہیں ازراہ مہربانی اس بیش قیمت قلمی نسخہ کا ایک خلاصہ تیار کیا ہے۔ اور اس میں آپ نے فرامین و نصائح اور دور ازکار اور زائد چیزوں کو جن سے اکثر خطوط مملو ہیں حذف یا مختصر کر دیا ہے لیکن جو امور دلچسپ ہیں ان کی جانب آپ نے اپنی توجہ خصوصی مبذول کی ہے اور اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ آپ نے طب یا دوا سازی کی دلچسپی سے متعلق خطوط پر توجہ فرمائی ہے۔

ذیل میں اس قلمی نسخہ کی ترتیب کے مطابق وہ دس خطوط درج کرتا ہوں جن پر یہاں اختصار کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔

اٹھارہواں خط

اٹھارہواں خط یہ خط خواجہ علاء الدین ہندی کے نام لکھا گیا ہے جس میں تبریز کے ربع رشیدی کے شفاخانے کے لئے مختلف انواع و اقسام کے روغن طلب کئے گئے ہیں۔ جو اس شفاخانہ کے افسر اعلیٰ (فزیشن انچارج) محمد بن کیلی کی رپورٹ کے مطابق (جس کو رشید اپنے اس خط میں اپنے عہد کا جالینوس بیان کرتا ہے) ضروری اور فوری طور پر منگاتے گئے ہیں۔

ہر ایک روغن کی مقدار جس کی ضرورت تھی ایک من سے لے کر تین سو من تک تحریر کی

گئی ہے اور اس جگہ کا پتہ جہاں سے روغن حاصل کیا جاسکتا تھا۔ نہایت صحت اور احتیاط سے بتایا گیا ہے کہ شیراز سے چھ۔ بصرہ سے سات، ایشیائے کوچک سے چھ۔ بغداد سے نو۔ شام سے تین اور حلہ سے تین۔ مختلف اقسام کے روغن مہیا کیے جائیں۔ ان میں سے اکثر روغن خوشبودار تھے۔ جو مختلف انواع و اقسام کے عطر بیز پھولوں۔ مثلاً گل بنفشہ۔ یاسمن۔ نرگس مختلف اقسام کے گلاب نسگرفہ ہائے نارنج وغیرہ سے طلب کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ افسنتین مصطگی۔ بابونہ۔ روغن بید انجیر اور روغن عقرب بھی طلب کیا گیا تھا۔

اس خط کو ختم کرنے کے بعد رشید حاشیہ پر ان احکام کی تعمیل کے لئے عجلت کی تاکید کرتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ تاخیر سے بچنے کے لئے چھ متذکرہ مقامات میں سے ہر ایک مقام پر جدا جدا ایک ایک ہرکارہ بھیجا جائے۔

انیسواں خط [19]

انیسواں خط۔ یہ خط رشید کی جانب سے اس کے فرزند امیر علی حاکم بغداد کو لکھا گیا ہے۔ اور اس میں رشید نے اپنے فرزند کو ہدایت کی ہے کہ جیحون سے جمنا تک اور مغرب میں ایشیائے کوچک اور مصری سرحدوں تک تمام سلطنت فارس کے علماء و فضلاء کو ذیل کے تحائف دیئے جائیں تحائف میں سے ہر شخص کے لئے روپیہ کی ایک رقم اور اونی جبہ۔ ایک جانماز سمور۔ اور ایک سواری کا جانور مقرر کیا تھا۔ اور انعام اور وظیفہ پانے والے انچاس [49] اشخاص میں سے جن کے نام تحریر کئے گئے تھے۔ طبیب صرف ایک تھا جس کا نام محمود بن الیاس تھا۔ اور جس کے لئے ایک ہزار دینار نقد۔ بھورے رنگ کی سنجاب کا ایک جبہ اور مع سامان کے ایک گھوڑے یا خچر کے لئے حکم نافذ کیا گیا تھا۔

اکیسواں خط

اکیسواں خط۔ یہ خط رشید طبیب کی جانب سے اس کے فرزند جلال الدین حاکم ایشیائے کوچک کے نام لکھا گیا ہے۔ اس میں رشید نے اپنے فرزند سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ وہ ہر سال تبریز کے [illegible] کے لئے انیسون۔ اگر۔ مصطگی۔ سنبل رومی۔ افتیمون اور افسنتین چھ دواؤں [illegible] اور ہر دوا پچاس [50] من سے ..۱ من تک بھیجا کرے۔

انتیسواں خط

انتیسواں خط۔ یہ خط سندھ میں ملتان سے مولانا قطب الدین شیرازی کو لکھا گیا ہے۔ اس میں رشید اس امر کی شکایت کرتا ہے۔ کہ مجھ کو مجبوراً تو کمار غونوں کے خیال سے خوشگوار اور پر لطف

زندگی کو چھوڑ کر ہندوستان کا تکلیف دہ اور پُرصعوبت سفر اختیار کرنا پڑا۔ کیونکہ میرا آقا ارغون چاہتا تھا۔ کہ میں ہندوستان پہنچ کر ہندوستانی راجاؤں اور شہزادوں پر اپنے آقا کی عظمت اور قوت کا اثر ڈالوں۔ اور ساتھ ہی ہندوستان سے چند ایسی مفید ادویہ فراہم کروں جو فارس میں نہیں پائی جاتیں۔

اس خط میں رشید اپنے مقصد میں کامیابی پر اطمینان کا اظہار کرتا۔ اور عنقریب گھر لوٹنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اتفاقاً یہ بیان کرتا ہے۔ کہ کس طرح اس نے سلطان علاؤ الدین سے (جس نے اس کو فرطِ شوق سے میگساری کے متعلق نہایش کے باب میں اختیار دے دیا تھا) ناراض کئے بغیر شراب چھڑا دی۔

یہ فہمائش جو بیان کی گئی ہے ایک دلچسپ حکایت اور چند نظموں پر مشتمل اس قدر لذیذ ہے کہ اس کے بعد سلطان کے شاہی مہمان (رشید) کو تنگ کئے جانے کی جگہ اس کے بیٹے کے لئے ایک بیش قرار وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔

چھتیسواں خط

چھتیسواں خط یہ ایک طویل خط ہے جو اس وقت لکھا گیا ہے۔ جبکہ رشید ایک بیماری میں مبتلا تھا۔ اور اس نے اس کو مرض الموت خیال کیا تھا۔ یہ خط ان اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔ جو رشید نے اپنی جائداد اور املاک کے انتقال اور اپنے آثار و مبانی کے بقاء و استحکام کے متعلق درج کی ہیں۔ اور اس سلسلے میں رشید کتب خانہ کی بعض ان کتابوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو اس نے بطور وصیت ربع رشیدی کو عطا کی تھیں۔ ان میں قرآن شریف کی ایک ہزار جلدیں بھی شامل ہیں۔ جن میں سے اکثر بہت مشہور خطاطوں اور خوشنویسوں نے لکھی تھیں اور سائنس اور علم ادب سے متعلق ساٹھ ہزار قلمی کتابیں ہیں۔ جن میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو ہندوستان اور چین سے لائی گئی تھیں۔

رشید اس خط میں شربت کی ان ایک ہزار صراحیوں کی جانب بھی خاص اشارہ کرتا ہے جو پوری صنعت گری سے بنائی گئی تھیں۔ اور ان میں ہر صراحی پر اس شربت کا نام ثبت تھا جس کے لئے وہ بنائی گئی تھی۔ پھر وہ ان چینی ڈبوں کو بھی ذکر کرتا ہے۔ جو معجونوں اور لعوقوں کے لئے مستعمل تھے۔

چالیسواں خط - اگرچہ یہ خط علم طب کے ساتھ متعلق نہیں - مگر اس حیثیت سے دلچسپ ہے - کہ یہ خط ہم کو اسلامی دنیا کے اتفاق و اتحاد اور اس حیرت انگیز سرعت و عجلت کی شان دکھلاتا ہے جس کے ساتھ اسلامی افکار و علوم تمام دنیائے اسلام حتیٰ کہ بعید ترین مقامات میں بھی پہنچ گئے نیز یہ خط ہم کو بتاتا ہے - کہ علوم و فنون کی لامحدود تحریک ایک مخلص اور فیاض علمی سرپرست کے ذریعہ ان ممالک میں بھی جو سیاسی طور پر اس کے ساتھ متعلق نہیں ہیں پھیل سکتی ہے

چالیسواں خط

اس خط میں رشید کی وہ ہدایات بھی درج ہیں جو اس نے ایشیائے کوچک کے عمال حکومت میں سے اپنے ایک عامل کو مغرب یا مغربی اسلامی ممالک کے ان علماء کو روپیہ یا تحائف کی شکل میں مناسب اجرت عطا کرنے کے متعلق دی ہیں - جنھوں نے اس کے اعزاز میں اپنی کتابیں لکھیں - اور ان دس علماء میں سے جن کے متعلق خط میں اجرت یا انعام کا حکم صادر کیا گیا - چھ قرطبہ - اشبیلیہ اور دیگر حصص اندلس اور چار طلیونس - طرابلس اور قیروان کے باشندے تھے -

ہم خبر رسانی کی ان سہولتوں کی بہت تعریف کرتے ہیں - جو آج ہمارے دور میں پائی جاتی ہیں - لیکن یہ ایک قابل سوال امر ہے کہ آیا ایک رائے ایک کتاب یا ایک فلسفیانہ حکمت اس قدر جلد آج طلیونس سے تبریز اور اشبیلیہ سے سمرقند تک سفر کر سکتی ہے - جس قدر عجلت اور سرعت کے ساتھ وہ چودھویں صدی عیسوی میں قطع سفر کرتی تھی ؟

(اللہ اکبر) اسلام اور اس کے عالمگیر واسطہ نشر و تبلیغ یعنی عربی زبان کا بے پایاں اور شاندار اثر کس قدر چھایا ہوا تھا ؟

اکتالیسواں خط - یہ خط شیراز کے ایک اس ہسپتال کی از سر نو تعمیر اور اس کے نظم و نسق اور امداد کے تقرر سے متعلق ہے - جس کی بنیاد ایک صدی پہلے اصل میں فارس کے اتابکوں نے رکھی تھی اور اب کچھ مدت سے خستہ و خراب حالت میں پڑا تھا -

اکتالیسواں

رشید اس ہسپتال کے لئے ایک نیا طبیب مقرر کرتا ہے - جس کا نام محمود بن الیاس[1] ہے - کیونکہ رشید کو یہ دوستانہ اطلاع پہنچی ہے کہ محمود نے اس کے اعزاز میں ایک طبی کتاب

---

[1] ملاحظہ ہو انیسواں خط - (مؤلف)

لکھی ہے۔ جس کا نام لطائف رشیدیہ رکھا ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ کتاب اب دنیا میں کہیں موجود ہے یا نہیں؟ لیکن فوزآن ہم کو محمود بن الیاس کی ایک اور کتاب سے مطلع کرتا ہے جس کا نام تحفۃ الحکماء ہے۔[1] اور جس کا ایک قلمی نسخہ قسطنطنیہ کی نورعثمانیہ لائبریری میں موجود ہے۔

ضمناً اس خط میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ اس طبیب کی سالانہ تنخواہ اور خواجہ صورت تحائف شاہی سرکاری محاصل سے واجب الادا ہیں۔ اور اس طبیب کو اس ہسپتال اور اس کے تمام اوقاف کی آمدنی پر پورا تسلط حاصل ہے۔

بیاسواں خط — بیاسویں خط میں [illegible] رشید کے وطن الوف (؟) کے ہسپتال سے متعلق ہے۔ یہ ہسپتال [illegible] اور خورد برد کی وجہ سے ناقابل اطمینان حالت میں پڑا تھا۔ [illegible] اس ہسپتال کے لئے ایک نیا طبیب ابن مہدی مقرر کیا۔ تاکہ وہ [illegible] مریضوں کی حفاظت و آسائش کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ توجہ اور نگرانی کے ذریعہ ہسپتال کو دوبارہ منظم کرے اور تمام ضروری ادویہ مفردہ و مرکبہ بہم پہنچائے۔ اس میں ان دواؤں کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا گیا ہے جن کا مہیا کرنا آسان نہیں تھا۔ مثلاً بلین مختوم۔ دہن بلسان۔ ساذج ہندی اور تریاق فاروق۔

اس خط میں حسابات کو باقاعدہ رکھنے اور طبیب کے متعلق ہدایات و تجاویز بھی بتلائی گئی ہیں۔ اور ابن مہدی کو ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ ان امور سے فارغ ہو کر اور ہسپتال کے لئے ایک دواساز ایک جابر (مرہم پٹی کرنے والا) ایک باورچی اور چند دیگر طبی افسر مقرر کر کے تبریز واپس آئے۔ جہاں اس کے لئے دیگر شاہانہ عنایات انتظار کر رہی ہیں۔

یہ خط رشید کے [illegible] سے ہے جن پر تاریخ تحریر درج ہے اور یہ خط قیصریہ سے [illegible] المطابق [illegible] میں لکھا گیا ہے۔

پینتالیسواں خط — پینتالیسواں خط خود ہندوستان سے سلطان علاء الدین خلجی کی جانب سے رشید کے نام لکھا گیا

---

[1] ملاحظہ ہو سیورکولطی کنڈے ڈیر پرزشن میڈیسن Zur Quellenkunde d. Pers. Medizin صفحہ ۱۲۴۔ مؤلف۔

ہے - جس میں سلطان موصوف رشید کے جذبۂ محبت خلق اور بنی نوع انسان کی خدمات کی تحسین آمیز الفاظ میں تعریف کرتا ہے - اور ان تحائف کی ایک طویل فہرست درج کرتا ہے - جو اس نے رشید کے لئے بصرہ کی بندرگاہ کے راستے روانہ کئے -

یہ تحائف بارہ اجناس میں منقسم ہیں یعنی (۱) خلاعت فاخرہ (۲) قیمتی جواہرات (۳) عطریات (۴) نادر حیوانات (۵) مربیات (۶) ادویۂ مفردہ و مرکبہ (۷) ایک غسول جو چہرے کے داغوں (کلف و نمش وغیرہ) کو دور کرنے کے لئے بے نظیر تھا (۸) مفروشات و دیگر سامان آرائش (۹) ادہان عطرہ (۱۰) چاندی سونے کے ظروف (۱۱) گرم مصالح اور خشک میوے (۱۲) قیمتی لکڑیاں (صندل وغیرہ) اور ہاتھی دانت۔

ادویہ کی فہرست بہت طویل ہے اور بائیس[۲۲] دواؤں پر مشتمل ہے جن میں دارچینی - جوز - قرنفل - قاقلہ - کباب چینی - خیار شنبر - شاہترہ اور فوفل شامل ہیں۔

اکیا ونواں خط

اکیاونواں خط - یہ خط رشید کی جانب سے اس کے بیٹے سعد الدین کے نام ہے - جو قنسرین اور ایشیائے کوچک کے عواصم کا حاکم تھا - اس میں رشید بیان کرتا ہے - کہ علماء اور طلباء کی جماعت تبریز کی جانب کشاں کشاں متوجہ ہوتی ہے - اور یہ سب کچھ اس کی شہرت اور ضیاعِ ربع رشیدی کی رونق کی وجہ سے ہے - جس پر اس نے اپنی توجہ اور اپنے سرمایہ کو بہت زیادہ اور بے دریغ صرف کیا ہے -

ربع رشیدی کی تمدنی علمی اور طبّی شان

اس خط میں بتایا گیا ہے - کہ باغوں حماموں کانوں - پن چکیوں - کپڑا بننے اور رنگنے کے کارخانوں - کاغذ سازی کے معامل اور ایک ٹکسال کے علاوہ ربع رشیدی میں چوبیس[۲۴] کارواں سرائیں پندرہ سو کارخانے اور تیس ہزار خوبصورت مکانات تھے -

ربع رشیدی میں سکونت کے لئے مختلف شہروں اور ملکوں سے نہایت احتیاط کے ساتھ لوگ منتخب کئے گئے تھے - چنانچہ اس میں دو سو حافظ اور قاری تھے - جن کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر تھیں - اور جن کا کام یہ تھا - کہ ایک مقررہ مسجد میں روزانہ قرآن حکیم کی تلاوت کیا کرتے تھے - اور چالیس مع ... طلباء کو کتاب الٰہی حفظ کراتے - اور قرأت کی تعلیم دیتے تھے -

ربع رشیدی میں ایک کوچہ تھا جس کو کوچۂ علماء کہا جاتا تھا۔ اور اس میں چار سو علماء فقہا اور محدثین رہتے تھے۔ جن کے لئے حسب مدارج تنخواہوں اور وظائف کا تعین کیا گیا تھا۔ اس کوچہ سے ملحق طلباء کے کمرے تھے۔ جن میں مختلف اسلامی ممالک کے ایک ہزار طلباء اقامت گزین تھے۔ ان طلباء کے مصارف کی پوری طرح کفالت کی جاتی تھی اور ان کو ان کے رجحانات طبع کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔

پھر یہاں ربع رشیدی میں ہندوستان - چین - جاپان - مصر - شام وغیرہ ممالک سے پچاس حاذق اطباء آکر اقامت فرما ہوئے تھے۔ جن میں سے ہر ایک دس دس سرگرم شوق طلباء کی تعلیم کا ذمہ دار تھا۔ اور ہسپتال میں اپنے معیّنہ فرائض بھی انجام دیتا تھا۔

اس ہسپتال میں اطبا کے علاوہ جرّاح، سرجن، آنکھوں کے معالج اور ہڈیاں جوڑنے والے بھی مقرر تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک پانچ طلباء کی عملی تعلیم کا ذمہ دار تھا یہ تمام لوگ ایک کوچہ میں رہتے تھے جس کا نام کوچۂ معالجاں تھا۔ اور ہسپتال کے عقب میں رشید آباد کے باغوں کے قریب واقع تھا۔

تین قدیم طبی کتابیں

طب عربی کی تاریخ اور ادب کے متعلق جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا۔ وہ میں نے ان مقررہ حدود کے اندر رہ کر جو وقت اور جگہ کا لحاظ رکھ کر میرے لئے معیّن کی گئی تھیں مکمل طور پر عرض کر دیا۔ اور اب میں چند الفاظ علی بن عباس مجوسی کی کامل الصناعۃ (لبر ریجی اس) بو علی سینا کے قانون اور خصوصیت کے ساتھ فارسی کتاب ذخیرۂ خوارزم شاہی (رضی سارس) کے خاص حوالوں سے نفس نظام طب کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

کامل الصناعۃ

یہ تینوں باقاعدہ مرتب کتابیں ہیں۔ جن میں قرون وسطیٰ میں اسلامی دنیا کی طب کے علم و ہنر کا تمام مکمل نظام موجود ہے۔ ان میں سے کامل الصناعۃ اپنی ترتیب میں سادہ ترین کتاب ہے۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک جلد میں دس مقالات ہیں اور ان میں پہلے دس مقالات علم طب سے متعلق ہیں اور دوسرے دس عمل طب سے اس کا ترجمہ لاطینی میں ۱۵۲۳ء میں لائینس میں چھپا ہے۔ اور یہ ان لاطینی ترجموں میں سے ایک بہترین اور صحیح ترین ترجمہ ہے جو اب تک میں نے دیکھے ہیں۔

قانون و ذخیرہ

دوسری دو کتابیں (یعنی قانون اور ذخیرۂ خوارزم شاہی) بہت زیادہ حد سے زیادہ اور غیر ضروری تقسیم در تقسیم ابواب و فصول کے عام مشرقی رواج پر مشتمل ہیں[1]۔

ذخیرۂ خوارزم شاہی کی فہرست مضامین

ان امور سے قطع نظر ذخیرۂ خوارزم شاہی کی دس کتابوں[1] (یعنی نو کتابوں اور ایک ضمیمہ) کی فہرست مضامین مختصراً درج ذیل ہے۔

کتاب اوّل (چھ مقالات اور ستر ابواب پر مشتمل ہے) اس میں علم طب کی تعریف اور غرض و غایت ذکر کی گئی ہے اور کیفیات۔ عناصر۔ امزجہ۔ اخلاط۔ تشریح اعضائے عمومی و خصوصی اور جسم کے افعال و قویٰ کی تین طبعی حیوانی اور نفسانی قسموں کو بیان کیا گیا ہے۔

کتاب دوم (نو مقالات اور ایک سو اکیاون ابواب پر مشتمل ہے) اس میں صحت و مرض اور عام علم امراض کا بیان ہے۔ نیز علامات و دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان میں خصوصیت کے ساتھ نبض اور فضلات کے مباحث پر توجہ کی گئی ہے۔ اور علم اسباب امراض کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ علم الجنین فن قابلہ اور بچے کے نشوونما اور تربیت و نگرانی کو بتایا گیا ہے۔ اور جذبات اور زندگی اور موت کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب سوم (چودہ مقالات اور دو سو چار ابواب پر مشتمل ہے) اس میں علم حفظِ صحت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور ملک۔ موسم۔ ہوا۔ پانی۔ غذا اور تمام قسم کے مشروبات بالخصوص شراب کی تاثیرات کا ذکر ہے۔ اور خواب و بیداری۔ حرکت و سکون۔ لباس و عطریات۔ جریان الدم۔ اسہال و قے۔ سوء مزاج نفسانی و دماغی حالات اور جسم پر ان کے اثرات علامات منذرہ مرض اور بچوں بوڑھوں اور مسافروں کے تحفظ کا بیان ہے۔

کتاب چہارم (چار مقالات اور پچیس ابواب پر مشتمل ہے) اس میں تشخیص کی اہمیت اور اس کے اصول کا بیان ہے۔ اور وظیفۂ ازدواج۔ بحران اور تقدمۃ المعرفۃ کو ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب پنجم (چھ مقالات اور اٹھانوے ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں بخار کی اقسام اور

---

[1] اصل فارسی کتاب ذخیرۂ خوارزم شاہی اب تک کہیں نہیں چھپی اور صرف قلمی مسودہ کی صورت میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔ (مؤلف) (نوٹ) اس ذخیرۂ خوارزم شاہی کا اردو ترجمہ مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپ چکا ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے (مترجم)

[1] صفحہ ۴۰۳ جلد۔ (مترجم) [2] صفحہ ۴۰۴ پر۔

اس کے علم و اسباب و علامات اور طریق علاج کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے چار مقالات خصوصیت کے ساتھ حمیات آجامیہ (ملیریل فیور) کے لئے وقف کئے گئے ہیں۔ پانچواں چیچک اور خسرہ کے لئے مخصوص ہے اور چھٹے مقالہ میں نکس و اعادۂ مرض تقدم بالحفظ غذا اور ناقہین کے علاج کا بیان ہے۔

کتاب ششم (اکیس مقالات اور چار سو چونتیس ابواب پر مشتمل ہے) اس میں عضوی اور مقامی امراض کا بیان ہے۔ جن میں دماغی امراض صرع۔ سکتہ۔ کزاز اور استسقاء علم امراض نسواں۔ فن قابلہ۔ نقرس وجع المفاصل۔ عرق النساء اور داء الفیل (یا بجبال مصنف جذام۔ مترجم) بھی شامل ہیں۔

کتاب ہفتم۔ (سات مقالات اور پچپن ابواب پر مشتمل ہے) اس میں ان حالات مرض کا بیان ہے۔ جو کسی ایک عضو پر اثر انداز ہو سکتے ہیں (یعنی اس میں امراض عامہ کا ذکر ہے جو کسی عضو کے ساتھ مخصوص نہیں) ان میں سلعات۔ قروحات۔ سرطانات۔ جراحات کسور عظام۔ دخلع عظام شامل ہیں اور ایک مقالہ جو بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کی (داغ دینے) کے صحیح استعمال کے بیان کے لئے وقف کیا گیا ہے۔

کتاب ہشتم۔ (تین مقالات اور بیالیس ابواب پر مشتمل ہے) اس میں شخصی اور انفرادی صفائی اور بال۔ ناخن اور چہرے کے رنگ کی حفاظت کا بیان ہے۔

کتاب نہم (پانچ مقالات اور پچاس ابواب پر مشتمل ہے) اس میں زہروں کی اقسام حیوانی و نباتی و معدنی کا بیان ہے۔ اور وحشی جانوروں۔ سانپوں اور زہریلے کیڑوں کے کاٹنے اور ڈنک مارنے پر لکھا گیا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ عظیم الشان کارنامہ جو نو کتابوں چھہتر مقالات اور ایک ہزار ایک سو سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

"یہاں کتاب السموم ختم ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ یہ کتاب مسمیٰ بہ کتاب الذخیرہ بھی خدا کی قوت اور مدد سے اختتام پذیر ہوتی ہے"۔

لیکن اس کے بعد آخری تین فصلیں اور ہیں۔ پہلی فصل میں اس کتاب کی تکمیل میں تاخیر کیلئے

اور دوسری میں اس کی خامیوں اور عیوب کے لئے معذرت کی گئی ہے۔ اور تیسری فصل ان اطبا کے لئے ہے۔ جو خود ان امراض میں شکار ہو جاتے ہیں جن کا وہ علاج کرتے ہیں ۔ آخر میں مؤلف ذخیرۂ خوارزم شاہی ایک تتمہ یا کتاب دہم کا اضافہ کرتا ہے۔ جو علم الادویہ سے متعلق اور تین حصص میں منقسم ہے پہلے حصہ میں حیوانی ادویہ کا ذکر ہے ۔ دوسرا حصہ نباتی ادویۂ مفردہ سے متعلق ہے اور تیسرے حصہ میں ادویہ مرکبہ کا بیان ہے ۔

دو اہم سوال

اس مقام پر دو اہم سوالوں پر غور کرنے کے لئے ہم توقف کر سکتے ہیں۔ جو ان لیکچروں کی تیاری کے دوران میں میرے دماغ میں برابر موجود رہے۔ پہلا سوال یہ ہے ۔کہ عربی طب کے پورے اور کامل مطالعہ کو کس حد تک قابل توجہ قرار دیا جائے ۔کہ وہ اس مشقت کا معاوضہ ادا کر سکے جو اس کو احاطہ کئے ہوئے ہے ؟ دوسرا سوال یہ ہے ۔کہ اگر اس طب کو کامل مطالعہ کے قابل قرار دیا جائے ۔ تو آئندہ اس کا مطالعہ کس طرح کیا جائے اور اس کے کون کون سے حصص سب سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں ۔

نظام طب قدیم پر اعتراض

منفعت اور رفاہ عام کے دقیق ترین نقطۂ نظر سے یہ امر ممکن نہیں ہے۔کہ طب کا کامل اور عمیق مطالعہ بھی کوئی اہم اور عملی نتیجہ پیدا کر سکے ۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ۔کہ سارے نظام طب کی بنیاد ایک اساسی اور ابتدائی حالت کے علم تشریح ایک کہنہ اور فرسودہ علم منافع الاعضاء اور ایک خیالی و تصوری علم ماہیت امراض پر رکھی ہوئی ہے ۔

عربی علم الادویہ و اصول غذا، و علم حفظ صحت سے بعض اشارات کا انتخاب ممکن ہے لیکن میں اندیشہ اور خیال کرتا ہوں ۔کہ ہم اس امر کا ضرور اقرار کریں گے ۔کہ اس استثناء کے علاوہ ہم اس نظام طب کے دیگر شعبوں سے عملی مفاد کی توقع تقریباً نہیں کر سکتے ۔

تاہم تعلیم یافتہ اشخاص میں شاید کوئی اور ممتاز حضرات مجلس میں ہیں جن کی خدمت میں اس لیکچر کے ذریعہ شرف خطابت حاصل کر رہا ہوں) یقیناً ایک بھی اس تنگ نظرانہ مگر خلوص آمیز نا فہم خلاق رائے و نظر کو قبول نہ کریگا اور حقیقت یہ ہے کہ ان (فٹز پیٹرک لیکچرز) کا وجود ہی اس کے عدم قبول کا واضح ثبوت ہے[۱۲۳] ۔

---

[۱] ملاحظہ ہو قلمی نسخہ ذخیرۂ خوارزم شاہی کے متن کی عربی عبارات ۔ (مؤلف)

[۱۲۳] صفحہ ۲۰۷ ہم جنہ ۔ (مترجم)

اب اگر آپ اس لاطینی عبارت کا صفحہ ۲۰۲ پر اس عربی قانون کی مطابق عبارت کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھیں جو روما میں ۱۵۹۳ء میں چھپا ہے تو لاطینی عبارت میں ذکر کئے گئے اس لعید الفہم نام مرض (کرابیٹو) کو آپ قرانیطس کی شکل میں لکھا پائیں گے[125]۔

لیکن اس کا صحیح تلفظ قانون کے ایک نفیس قدیم قلمی نسخہ میں جو کچھ حوالہ ہی میں دستیاب ہوا ہے فرانیطس ہے اور درحقیقت یہ لفظ فرانیطس ہی ہے جسے یونانی زبان میں ΦPevltls لکھتے ہیں۔ اور جس کے لغوی معنی انگریزی میں فرنیسی (Frensy) [illegible]

یہ ہے وہ تخریبی صنعت جو عربی زبان میں نقطوں اور نشانات کے ہیر پھیر اور بے موقع رکھ دینے سے صورت پذیر ہوتی ہے[126]۔

اندریں حالات یونانی زبان کے ذخیرہ الفاظ کی صورت میں قدیم عربی کتب کے ناقل یا کاتب کے لئے کوئی چیز رہنمائی کے لئے موجود نہیں۔ اگر لفظ خود واضح صورت میں لکھا گیا ہو۔ اس کی دو شکلوں میں سے ایک شکل واضح نظر آئے یا دوسری شکل ایسی غیر واضح اور ملتبس نظر آئے جیسی دوسری۔ لہٰذا طبی عربی مؤلفات کے ایک طالب علم کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ عربی طبی کتابوں کا مطالعہ یا ترجمہ شروع کرنے سے پہلے مطبوعہ کتابوں کے متون کی بھی تصحیح کرے اور ان کو دوبارہ مرتب کرے۔

پھر بلاشبہ بہت سی اہم طبی کتابوں کا مطالعہ جو صرف قلمی نسخوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں عربی کے طالب علم کے لئے اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ کیونکہ مثلاً اس کو یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ رازی کی کتاب حاوی (کانٹی نینس) کے کون کون سے حصے آج باقی ہیں جو عربی طب پر ایک بہت اہم اور ضخیم تالیف ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس کو برٹش عجائب خانہ (برٹش میوزیم) اور بوڈلین لائبریریوں ہی کی سیر نہیں کرنی پڑے گی۔ بلکہ اس کو [illegible] اور ایسکوریل کا بھی سفر کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس عظیم ضخیم کتاب کا نصف حصہ بھی نہ دیکھ سکے گا۔

علاوہ ازیں اس امر کی بھی کچھ زیادہ توقع نہیں کہ کبھی ناقدانہ نقطۂ نظر سے ان اہم کتابوں کے ایڈیشن شائع ہوسکیں گے۔

---

[125] صفحہ ۱۴۳ پر۔ (مترجم)

[126] صفحہ ۱۴۳ پر (مترجم)

مصری اور ہندوستانی نوجوان تشنگانِ طب سے توقع

ہاں ان قلمی کتابوں کی ناقدانہ اشاعت کا مرحلہ اس صورت میں طے ہو سکتا ہے۔ کہ مصری طبی طلباء یا نوجوان ہندوستانی تشنگانِ علم جن کو تحقیق کا ذوق اور اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کے لیئے اپنی خدمات وقف کرنے کا شوق ہو مادی اور اخلاقی امداد کی تحریک سے اس محنت طلب اور معاوضہ نہ دینے والے لیکن اہم کام کو ہاتھ میں لے لیں۔

کتبخانہ بانکی پور سے استفادہ کا مشورہ

ایسے ارباب علم و تحقیق کے ذریعہ کیا کچھ کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لیئے میں مثال کے طور پر آپ کی توجہ مولوی عظیم الدین صاحب کی بانکی پور (کلکتہ) کی اورینٹل پبلک لائبریری کی عربی طبی کتب کی بدیع و نفیس فہرست کی جانب منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

یہ فہرست درحقیقت ایک خوبصورت اور علمی کتاب ہے۔ جو سر ای ڈینی سن راس کی تحریک سے انہی کی نگرانی میں مرتب ہوئی ہے سر موصوف اس وقت مدرسۂ محمدیہ کلکتہ کے مہتمم تھے۔ اور اب مدرسۂ علوم مشرقیہ لندن (لنڈن سکول آف اورینٹل سٹڈیز) کے ناظم ہیں[۱۲۷]۔

دعوت دقتِ نظر

اصل یونانی اولیات علم کا انکشاف بیشتر اس طرح ہو سکتا ہے کہ عربی طب کا مطالعہ زیادہ دقت نظر اور توجہ کے ساتھ کیا جائے۔ پس مبادیٔ فن کی جدید تالیفات سے قطع نظر یہ امر عملی طور پر یقینی ہے کہ گیلن اناٹومی یعنی علم تشریح پر جالینوس کی سات کتابیں ہی (جو اصل یونانی میں تو ضائع ہو چکی ہیں لیکن عربی ترجمہ موجود ہے۔ جس کو ڈاکٹر میکس سائمن نے ۱۹۰۶ء میں جرمن ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے) صرف وہ قدیم طبی کتابیں نہیں ہیں جو اصل شکل میں نہ سہی لیکن سرمایۂ معلومات اور نفس مضامین کے اعتبار سے اس صورت میں عربی زبان میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

علوم کی منازل اولین کی سیر کا مشورہ

پھر آگے چل کر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی مترجمین جو آج سے تقریباً بارہ سو سال پہلے ترجمہ کے کام میں مصروف تھے ایک زندہ تقلیدی تعلیم کے ساتھ وابستہ تھے جس کا سلسلہ پیچھے کی جانب بغداد سے جندی شاپور، جندی شاپور سے رہا (ایڈیسہ)، رہا سے نصابیہ اور انطاکیہ سے اسکندریہ تک پہنچتا ہے۔ اور یہ تقلیدی تعلیم (جو آج عربوں کی کتابوں میں موجود ہے) ان اصل یونانی زبان کی کتابوں کے بہت سے مبہم اور عسیر الفہم مقامات کی شرح و توضیح کی بہترین خدمت انجام دے سکتی ہے۔ جو آج ہمارے پاس موجود ہیں۔

طبی ہیکلیات کے مطالعہ کا مشورہ

علاوہ ازیں آخری تجربہ ہے کہ معائنہ امراض در بستر مرض پر پڑے مریضوں کے مشاہدہ سے متعلق

۱۲۷؎ تصحیح [illegible] (مترجم)

ان طبی حالات و حکایات کا مطالعہ جو خصوصیت کے ساتھ رازی کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ بذاتِ خود حقیقی قدر و قیمت کا مستحق ہے۔ جو بلاشبہ تحقیق و تفحص کا معاوضہ دے گا۔

حاصل کلام

پس نظر بجمیع اسباب و حالات بالا اگر ہم افکار و نظریات میں جدّت و ابتداع کے اعتبار سے عربی طب کی کم سے کم قیمت بھی متعین کریں۔ تب بھی میں یہ خیال کرنے کی جرأت کروں گا کہ یہ طب زیادہ توجہ اور باقاعدہ مطالعہ کی مستحق ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے علم کی دو خصوصیتیں

قرونِ وسطیٰ کے علم اور سائنس پر بحیثیت مجموعی توجہ کرتے ہوئے ہم اس کی دو خصوصیتوں سے واقف ہونے میں ناکام نہیں رہ سکتے جن کو وہ پیش کرتا ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس سائنس کی تمام شاخیں باہمدگر متعلق و مربوط و مستحکم ہیں۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس کے بنیادی مظنونات و آرا میں چند خاص ہندسوں کو خاص اہمیت اور غلبہ حاصل ہے۔

قدما اور وسعت و شوقِ علم و نظر

اس عہد میں علم کی مقدار و کمیّت اس قدر زیادہ نہ تھی۔ کہ ایک شخص اس کا احاطہ نہ کر سکتا ہو لہٰذا یہ امر شاذ و نادر ہے۔ کہ ہم قرونِ وسطیٰ کے کسی ایسے طبیب کو پائیں جو بحیثیت مجموعی اپنی توجہ کو صرف علم طب میں محصور رکھنے پر صابر و قانع رہا ہو۔ یا وہ اپنے درس و مطالعہ میں طب کے ساتھ علم ہیئت۔ علمِ نجوم۔ علم موسیقی۔ علمِ ریاضی۔ علم الاخلاق۔ علم مابعد الطبیعات اور علم سیاسیات کو شامل کرنے کا متمنی نہ رہا ہو۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔ کہ:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (الآیۃ)

ترجمہ:۔ "ہم ان کو دنیا میں اور ان کے اپنے نفوس میں عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائیں گے"۔

اور یہ وہ ارشاد ہے۔ جس نے مسلمانوں میں بہت سے علمائے تصوف و روحانیت کو نہ صرف ستاروں، درختوں، اجسام وغیرہ کے درمیانی تعلقات کی تحقیق و جستجو پر آمادہ کیا۔ بلکہ مادی دنیا اور روحانی دنیا کے درمیان باہمی تعلق معلوم کرنے کے لئے بھی عزم و ہمت کی دولت عطا کی۔

فرقہ باطنیہ کے خاص عقائد کی اہمیت

اسمٰعیلیوں کے عجیب و غریب فرقہ یا فرقۂ باطنیہ نے جن میں سے مشہور پُراسرار طور پر مخالفین کو قتل کرنے والوں نے خاص ترقی حاصل کی۔ اپنے مبلغوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی جماعت میں ایک منئے داخل ہو سکنے والے کے شوق کو اس قسم کے سوالات سے بھڑکائیں کہ آدمی کے فقرات عنق

(سروائیکل ورٹیبری) سات اور فقرات ظہر (ڈارسل ورٹیبری) بارہ ۱۲ کڑیوں میں۔ اور ہر ایک انگلی میں تین جوڑ کیوں ہیں۔ جب کہ انگوٹھے میں صرف دو ۲ جوڑ ہیں؟ وغیر ذالک۔

پھر یہ چیز اسمٰعیلیوں کے لئے ایک لا متناہی اہمیت سے معمور حقیقت تھی۔ کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے جوڑوں کی تعداد اسنانِ دائمہ (پرمانینٹ ٹیتھ) قمری مہینے کے ایام اور عربی حروفِ تہجی کی تعداد کے مساوی ہے۔

علیٰ ہذا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اسمٰعیلیوں کے نظریۂ تخلیقِ عالم میں چار۔ سات اور بارہ ۱۲ کے ہندسوں کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ طبائع یعنی کیفیات (نیچرل پراپرٹیز) چار ہیں یعنی حرارت (ہیٹ) برودت (کولڈ) یبوست (ڈرائی نیس) اور رطوبت (مائیسچر) عناصر (ایلیمینٹس) چار ہیں۔ فصول (سیزنز) چار ہیں۔ اخلاط (ہیومرز) چار ہیں۔ اور ہوائیں (ونڈز) چار ہیں وغیر ذالک۔

اسی طرح سیارے (پلانٹس) سات ہیں۔ اقالیم (کلائمز) سات ہیں۔ ہفتہ کے ایام سات ہیں۔ اور سمندر سات ہیں۔ پھر منطقۃ البروج کے اعلام بارہ ۱۲ ہیں اور سال کے مہینے بارہ ۱۲ ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔

عناصر اربعہ

قدیم تر ین عرب اطبا کی رائے کے مطابق ان کے مقابلہ میں جن کو عام طور پر عناصر اربعہ کہا جاتا ہے۔ درحقیقت عنصری چیزیں تو طبائع۔ یعنی کیفیات اربعہ ہیں۔ جیسا کہ علی بن ربن الطبری نے اپنی کتاب فردوس الحکمۃ کے تیسرے باب میں نہایت سادہ اور واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

طبائع بسیط جن کو عنصری کہا جاتا ہے چار ہیں۔ دو ۲ فاعلہ یعنی حرارت و برودت اور دو ۲ منفعلہ یعنی رطوبت و یبوست۔ طبائع مرکبہ بھی چار ہیں۔ اور یہ حقیقت کہ ان کو مرکب کہا جاتا ہے اس امر کو واضح کرتی ہے۔ کہ طبائع بسیط ان سے پہلے اور مقدم ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ مرکب شے بسیط سے ظاہر اور پیدا ہوتی ہے۔

ان طبائع مرکبہ میں سے پہلی چیز نار یعنی آگ ہے۔ جو گرم و خشک ہے۔ ہلکی اور خفیف ہے اور اس کی حرکت مرکز سے باہر کی جانب ہوتی ہے۔ دوسری چیز ہوا ہے۔ جو گرم و تر ہے۔ ہلکی ہے اور ہر سمت میں متحرک ہوتی اور پھیلتی ہے۔ تیسری چیز ماء (یعنی پانی ہے) جو سرد و تر ہے۔ بھاری

ہے۔ جس نے دسویں صدی عیسوی کے وسط میں تالیف و تصنیف کی خدمات انجام دیں۔

اس نقشہ میں حرارت ضد برودت اور یبوست ضد رطوبت چار اساسی شکلیں بناتی ہیں۔ چنانچہ مظاہر کی مختلف شکلوں اور احکام کی بنا پر چار عناصر میں سے آگ، چار فصول میں سے موسم گرما۔ چار جوانب میں سے جنوب۔ انسان کے چار اسنان میں سے شباب اور چار اخلاط میں سے صفرا (یبلو بائیل) حرارت و رطوبت کے مرکبات ہیں۔

علیٰ ہذا خاک۔ فصل خزاں۔ جانب غرب۔ سن بلوغ اور سودا (بلیک بائیل) یبوست و برودت کے مرکبات۔ پانی۔ موسم سرما۔ جانب شمال عمر شیخوخت اور بلغم (فلیم) برودت و رطوبت کے مرکبات اور ہوا۔ موسم ربیع۔ سمت مشرق۔ سن طفولیت اور خون حرارت و رطوبت کے مرکبات ہیں۔

علم ارض و سماء

اس رائے کے مطابق یہ دنیا یا کائنات جو زمین یا سطح ارضی پر مشتمل ہے۔ بارہ متحد المرکز اور ملتف کرّوں سے گھری ہوئی اور محصور ہے۔ جو ہیں سے تین آبی ہوائی اور ناری کرتے ہیں۔ سات سیاری کرتے ہیں۔ جو قمر سے شروع ہو کر زحل پر ختم ہوتے ہیں۔ ایک کرۂ مختص بہ بروج یا کرۂ ثوابت ہے۔ اور ان سب سے باہر اور خارج کی جانب فلک الافلاک یا فلک اطلس (آسمان سادہ یا آسمان بے ستارہ) ہے۔ جو درحقیقت بطلیموس کا سماء تسعہ اور سماء السموات ہے اور جس سے ماوراء اور آگے عام رائے کے مطابق خلا ہے۔ یا لا خلاء ولا ملاء یعنی نہ خلا نہ ملاء۔

موجودات ارضی کی پیدائش

موجودات ارضی کی پیدائش کے متعلق یہ رائے قائم کی گئی ہے۔ کہ وہ سات سیاروں یا سات آسمانی آباء اور چار ارضی امہات کے تعامل و تواصل کی وجہ سے عالم ظہور و تکمیل میں آئی۔ جس سے موالید ثلثہ یا عالم معدنی۔ عالم نباتی اور عالم حیوانی پیدا ہوئے۔ اور ان میں سے پہلا عالم ارضی اور مائی اور دوسرا مائی اور ہوائی اور تیسرا ہوائی اور ناری کرّوں کے درمیان تکوین پذیر ہوا۔

نظریۂ ارتقاء

قدیم عربی علوم میں معدنیات سے نباتات کی جانب اور نباتات سے حیوانات کی جانب عمل ارتقاء Evolution کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ دیٹریسی (Dieterici)

نے اس موضوع پر اس عربی فلسفہ کی شرح و تفسیر میں جس کی تعلیم نویں اور دسویں صدی عیسوی میں بغداد کے حلقین نے دی اپنی نویں کتاب میں بعنوان ڈیر ڈاروِنِس مس ام سین ٹن انڈ نائن سین ٹن یارہنڈرٹ[1]

Der Darwinismusim Zehnten.

Und neunzehnten Jahr hundert. پوری بحث کی ہے۔

بارہویں صدی عیسوی کی فارسی کتاب چہار مقالہ میں جس کا میں قبل ازیں ایک مرتبہ ذکر کر چکا ہوں مسئلۂ ارتقاء کی نامعلوم اور گم شدہ کڑیوں کی تحقیق و تعیین کے لئے بھی مساعی کی گئی ہیں چنانچہ چہار مقالہ میں بتایا گیا ہے۔ کہ مرجان عالم معدنیات اور نباتات کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انگور کی بیل (جو ایک قسم کی نبات مسلفہ موسومہ بہ عشقہ کی خطرناک اور مہلک ہم آغوشی سے پناہ ڈھونڈتی اور بچتی ہے۔ (عالم نباتات اور عالم حیوانات کے مابین وسط کی شان رکھتی ہے اور نسناس (جو ایک قسم کا بندر یا جنگلی آدمی ہے)۔ نوع انسان اور حیوانات کے درمیان متوسط کا درجہ رکھتا ہے[125]۔

عام اصول طب — عام اصول طب جن سے عربی طب کی بنیاد تعمیر ہوئی ہے۔ ان نظریات و آراء کا نتیجہ ہیں جو عام طور پر طب کی ہر ایک بڑی اور باقاعدہ تالیف کے ابتدائی ابواب میں مزاج۔ جمع امزجہ۔ (ٹیمپرے مینٹس یا کمپلیکشنز) طبائع (نیچرل پراپرٹیز) اور اخلاط (ہیومرز) کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

مزاج — مزاج جو اب تک عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں صحت کے مفہوم کے لئے مستعمل ہے۔ ایک اصل لفظ (مزج) سے مشتق ہے جس کے معنے ملنے کے ہیں۔ اور یہ لفظ چہار طبائع یا چہار اخلاط کے درمیان ایک تناسب اور توازن کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ پس اگر یہ توازن چہار طبائع یا اخلاط میں سے کسی کی زیادتی کی وجہ سے درہم برہم ہو جائے۔ تو ایک خلل پیدا ہو جاتا ہے جس کو انحراف مزاج کہتے ہیں۔ لیکن ایک معتدل اور صحیح مزاج بھی فی الحقیقت ایک غیر متغیر و مستحکم مقدار و کمیت کا نام نہیں۔ چنانچہ ہر ملک۔ موسم۔ سن۔ فرد اور عضو اپنا ایک خاص اور مناسب طرز کا

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور مطبوعہ لیپزک صفحہ ۱۸۷۸ ۔ مؤلف

[125] صفحہ ۲۴۴ ۲۴۷ پر ۔ (مترجم)

مزاج رکھتا ہے۔

مزاج کی نو صورتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ ایک معتدل مزاج جو حقیقتاً (خارج میں) غیر موجود ہے، چار مفرد امزجہ گرم، سرد، خشک اور تر۔ اور چار مرکب امزجہ یعنی گرم و خشک، گرم و تر، سرد و خشک، سرد و تر۔ اور ایک کامل معتدل المزاج وجود کی ندرت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہر شخص یا صفراوی المزاج (بلیئس کمپلیکشن) کا ہوگا جو گرم و خشک ہے، یا سوداوی المزاج (ایٹرابلیئس یا میلن کولک) ہوگا جو سرد و خشک ہے یا بلغمی المزاج (فلیگ مے ٹک) ہوگا۔ جو سرد و تر ہے اور یا دموی المزاج (سینگوئن) ہوگا جو گرم و تر ہے۔ اور گرم سرد و خشک یا تر مرض میں مخالف یا متضاد صفت کی غذا یا دوا، کے ساتھ معالجہ کرنے کی صورت میں امزجہ کا ضرور خیال رکھا جائے۔

غذا یا دوا کے چار درجات

طبیعت یا کیفیت جو ایک دوا یا غذا میں ودیعت کی گئی ہے۔ چار درجات میں سے کسی ایک درجہ میں پائی جاتی ہے۔ پس مثال کے طور پر اگر کوئی چیز درجۂ اول میں گرم ہے تو وہ غذا ہے اگر درجۂ دوم میں گرم ہے تو وہ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ اگر درجۂ سوم میں گرم ہے تو وہ دوا ہے غذا نہیں اور اگر درجۂ چہارم میں گرم ہے تو وہ زہر ہے۔

ان اشیاء کی تقسیم جو انسان کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ چار درجات میں ایک اور طرح بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ بعض چیزیں وہ ہیں۔ جو انسانی جسم پر داخلی اور خارجی دونوں صورتوں میں نفع بخش عمل کرتی ہیں۔ مثلاً گندم کو لیجئے کہ وہ معدہ میں ایک غذا ہے اور خارجی طور پر جروح و قروح کو پکانے کے لئے ایک لبخہ (پلٹس) ہے۔ دوسری چیزیں وہ ہیں جو داخلی طور پر مفید ہیں اور خارجی طور پر مضر۔ مثلاً لہسن کو دیکھئے کہ وہ داخلی طور پر استعمال کیا جائے یعنی کھایا جائے تو حرارت طبعی کو بڑھاتا ہے۔ لیکن اگر خارجی طور پر جسم پر (بصورت ضماد وغیرہ) لگایا جائے تو وہ ایک سم اور زہر کا کام کرتا ہے۔ تیسری چیزیں وہ ہیں جو داخلی طور پر سموم ہیں لیکن خارجی طور پر تریاقات ہیں۔ مثلاً مردار سنگ یا زنگار۔ اور چوتھی چیزیں وہ ہیں۔ جو داخلی اور خارجی دونوں طرح سموم کا عمل کرتی ہیں۔ مثلاً بلبش اور قرون السنبل وغیرہ۔

اخلاط

ذخیرۂ خوارزم شاہی (رخنی سارس) کی پہلی کتاب کی تیسری گفتار اخلاط کی بحث کیلئے وقف ہے۔ یہ گفتار چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ چار میں بالترتیب علیحدہ علیحدہ ہر ایک خلط کا بیان ہے

ایک (یعنی پہلا باب) اخلاط کی ماہیت سے متعلق اور ایک (یعنی چھٹا باب) ان کی پیدائش اور ان کے باہمی امتیازات کے ذکر پر مشتمل ہے۔

پہلا باب اس قدر مختصر ہے کہ اس کو یہاں بتمام وکمال ترجمہ کر کے درج کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ذخیرۂ خوارزم شاہی کا مؤلف کہتا ہے۔

"خلط ایک رطب جسم ہے جو انسانی جسم میں دورہ کرتی ہے اور طبعی طور پر وریدوں اور جوف دار اعضاء مثلاً معدہ (شکم)، جگر (لیور)، طحال (سپلین) اور مرارہ (گال بلیڈر) میں متمکن ہے۔ اور غذا سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض اخلاط محمود ہیں اور بعض ردی۔ محمود وہ ہیں جو انسان کے جسم کی غذا بنتی ہیں۔ اور بدل ما یتحلل شدہ رطوبات کی جگہ لیتی ہیں اور ردی وہ اخلاط ہیں جو اس مقصد میں بے کار ہیں اور یہ وہ اخلاط ہیں جن سے جسم کا ادویہ کے ذریعہ پاک و صاف کرنا ضروری ہے۔ اخلاط چار ہیں۔ خون (بلڈ)، بلغم (فلیم)، صفرا (یلو بائل) اور سودا (بلیک بائل)"

مجوسی کی کتاب الملکی یعنی کامل الصناعۃ کے مطابق اخلاط ابتدائی یا اولین اور عام ارکان خاک ہوا آگ اور پانی کے برعکس اور بالمقابل تمام گرم خون والے حیوانات کے اجسام کے اقرب یا ثانوی اور خاص عناصر و ارکان (اسطقسات (στοιχεῖα) ہیں لیکن یہ خاص ارکان یعنی اخلاط عام ارکان کے ساتھ مناسبت و تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور اسی لئے اخلاط کو بنات الارکان (ڈاٹرز آف ایلیمنٹس) کہا جاتا ہے۔

ان چار اخلاط کی پیدائش اور تقسیم کا نظریہ جو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے حسب ذیل ہے:-

غذا پہلے معدہ میں ہضم اول کی متحمل ہوتی ہے جس سے اس کا زیادہ غذا بننے والا حصہ کائل ( ) میں جس کو اہل عرب کیلوس کہتے ہیں منتقل ہو جاتا ہے لیکن یہاں اس میں سے غیر غذائی (غذا نہ بننے والے) باقی ماندہ حصہ کے علاوہ جو برطرف کر دیا جاتا ہے۔ ایک حصہ بلغم (فلیم) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو دیگر تین اخلاط سے اس امر میں مختلف ہے کہ اس کے لئے کوئی مخزن اور مقام نہیں جیسا کہ خون کے لئے جگر، صفرا کے لئے مرارہ اور سودا کے لئے طحال ہے۔

اب یہ کیلوس باب الکبد (پورٹل وین) کے ذریعہ جس سے اوردۂ معدہ و ماساریقا متعلق

ہیں۔ جگر میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور وہاں یہ ہضم یا طبخ ثانی کا متحمل ہوتا ہے۔ جو اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ان میں ایک حصہ رغوہ اور پھین ہوتا ہے جو صفراء (بیلو بائل) ہے۔ دوسرا رسوب اور تلچھٹ ہوتا ہے جو سودا (بلیک بائل) ہے۔ اور تیسرا حصہ خون ہے۔ جو اس کے منتخب ترین اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

یہ خون اپنے زیادہ آبی حصہ کو اخراج کے لئے گردوں کی جانب رخصت کر کے اجوف اعلیٰ (سوپیریر وینا کیوا) کے راہ دل میں پہنچتا ہے اور وہاں سے شرائین (آرٹریز) کے ذریعہ مختلف اعضاء میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جن میں وہ ایک چوتھا اور آخری طبخ یا ہضم حاصل کرتا ہے۔ اور تیسرا ہضم عروق دمویہ (بلڈ ویسلز) میں واقع ہو چکتا ہے۔

ایک معتدل انسان میں اخلاط مخلوط حالت میں موجود رہتی ہیں۔ البتہ مرارہ میں صفراء کا ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ اور طحال میں سودا کا لیکن جسم سے کسی خلط کا انفصال وابعاد مناسب طبی عوامل ادویہ یا بالعکس ذرائع سے انجام پذیر ہو سکتا ہے۔

اخلاط کی اقسام

ہر ایک خلط طبعی اور معتدل ہے یا غیر طبعی اور غیر معتدل۔ معتدل خون کی ۲ قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے۔ جو سیاہی مائل سُرخ اور گاڑھا ہے۔ اور جگر اور وریدہ (وینز) میں پایا جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو زیادہ رطب زیادہ حار نہ زیادہ سیال اور نہ زیادہ شوخ سُرخ ہے اور دل (ہارٹ) اور شرائین (آرٹریز) میں پایا جاتا ہے۔ خون اس طرح معتدل ہو سکتا ہے کہ اس میں صرف گرمی یا سردی کی زیادتی ہو جائے یا وہ نا آئندہ صفراوی، سوداوی یا بلغمی مادہ کے ساتھ مخلوط ہو جائے۔

بلغم غیر معتدل کے متعلق چار صنفیں اور صورتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ بلغم مائی (ایکوی اس) بلغم مخاطی (میوکو اس) بلغم زجاجی (وٹری اس) اور بلغم جصی (کیلکیری اس) اور صفرائے غیر معتدل کے لئے بھی چار ہی قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

اعضاء

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قانون اور ذخیرۂ خوارزم شاہی دونوں میں بعض حصص تشریح عمومی و خصوصی کے ساتھ یکساں متعلق ہیں اور علم وفن کے ایک عام مطالعہ کرنے والے کے لئے اس موضوع پر اصل سرمایہ معلومات ڈاکٹر پی ڈی گیننگ کی بہترین تالیف تمر دا تمرے دنا لومی ایسلس

(Trois traités d'Anatomie Arabes.) میں بکثرت ملتا ہے

افعال و قویٰ

ہمیں ڈاکٹر پی - ڈی کینگ اور میکس سائمن کا شکر گزار ہونا چاہئے جن کی توجہات کی بدولت طب عربی کی یہ شاخ اس کی دیگر شاخوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ وضاحت و تشریح و تکمیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے - اور اس لئے میں سب سے پہلے افعال طبعی اور قوائے طبعی کے حصص کو آپ کی خدمت میں عرض کر سکتا ہوں جو فن کے اس حصہ کو مکمل کرتے ہیں جس کو عرب اطبا کا علم وظائف اعضاء عمومی (جنرل فزیالوجی) کہا جا سکتا ہے -

یہ افعال (فنکشنز) یا قویٰ (فیکلٹیز) ابتداءً تین اقسام میں تقسیم کئے گئے ہیں ان میں ایک قسم طبعی (نیچرل) ہے - جو عالم حیوانی و نباتی دونوں کو عام ہے - دوسری حیوانی (اینیمل) ہے - جو عالم حیوانی کے لئے مخصوص ہے - اور تیسری نفسانی (سائیکل) ہے اور اس کی بعض قسمیں انسان اور اعلیٰ درجہ کے حیوان کے لئے عام ہیں اور بعض انسان کے لئے خاص ہیں -

قوائے طبیعیہ

قوائے طبیعیہ میں قوت غاذیہ (نیوٹریٹیو) اور قوت مولدہ (ریپروڈکٹیو) ہیں - اور پہلی قوت جاذبہ (ایٹریکٹیو) قوت ماسکہ (ریٹینٹیو) قوت ہاضمہ (ڈائجیسٹیو) قوت دافعہ (ایکسپلسیو) پر مشتمل ہے

قویٰ حیوانیہ

قویٰ یا افعال حیوانیہ دو قسموں پر ہیں ایک قوت فاعلہ (ایکٹیو) ہیں جو نفس اور دوران خون کے مظاہر کے ساتھ متعلق ہیں - دوسرے منفعلہ (پاسیو) ہیں - جو خوف - غضب - نفرت وغیرہ کے سادہ جذبات و احساسات کے ساتھ وابستہ ہیں - اور یہ افعال و قویٰ بنی نوع انسان اور حیوانات کے لئے عام ہیں -

قویٰ نفسانیہ

قویٰ یا افعال نفسانیہ محرکہ (موٹر) یا مدرکہ (سینسری) ہیں - جو تمام حیوانات کے لئے عام ہیں - اور اعلیٰ دماغی قوتیں قوت متفکرہ (تھاٹ) قوت حافظہ (میموری) قوت خیال (ایمیجینیشن) وغیرہ انسان کے لئے خاص ہیں - پانچ حواس ظاہرہ (ایکسٹرنل سینسز) ذائقہ (ٹیسٹ) لامسہ (ٹچ) سامعہ (ہیئرنگ) شامہ (سمیلنگ) باصرہ (سی انگ) کے مطابق پانچ حواس باطنہ (انٹرنل سینسز) ہیں - جن میں سے پہلی اور دوسری قوتیں بالترتیب - حس مشترکہ (سینسس کیمونس)

Sensus Communis. اور خیال (ایمیجینیشن) ہیں - جن کا مقام دماغ کا بطن مقدم (اینٹیریر وینٹریکل) ہے - تیسری اور چوتھی قوتیں قوت وہم (کوآرڈینیٹنگ)

اور قوت متصرفہ (ایموشنل) ہیں۔ جن کا مقام وسط دماغ (مڈبرین) ہے۔ اور پانچویں قوت حافظہ "(میموری)" ہے۔ جس کا مقام موخر دماغ (پاسٹ برین)[1] ہے۔

یہاں پہنچ کر ان کے تسمیہ کے متعلق اطبا اور علمائے علم طبیعیات کے بین اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کے باب میں بوعلی سینا اطبا کو جن سے قانون میں اس نے خطاب کیا ہے خصوصیت کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔ کہ اطبا کا تعلق ان امور کے مقابلہ میں جو حقیقی عمل کے میدان میں واقع ہیں۔ ذہنی فلسفیانہ نقطہ ہائے نظر کے ساتھ کم ہے۔

انبساط و انقباض

یہاں میں آپ کی توجہ ابن علی بن العباس المجوسی کی کتاب الملکی (لیبر ریجیس) کی ایک زیادہ قابل غور عبارت کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جس نے ۹۸۲ء میں وفات پائی جبکہ تقریباً بوعلی سینا پیدا ہوا۔

یہ عبارت قوائے حیوانی یا فعال قوت طبیعی کے متعلق ایک باب میں درج ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ دو متضاد حرکتوں انبساط (ایکس پینشن) اور انقباض (کن ٹریکشن) کو واضح کرتی ہے اور یہ حرکتیں دل اور شرائین میں تمدد القلب والشرائین (ڈائیسٹول) اور تقلص القلب والشرائین (سسٹول) کی صورت میں اعضائے تنفس میں شہیق (انسپائریشن) اور زفیر (ایکس پائریشن) کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔

ان حرکتوں کو منفاخ (دھونکنی) کی حرکتوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ فرق اتنا ہے۔ کہ نبض و شرائین اور آلات تنفس کی حرکتیں بیرونی نہیں۔ بلکہ اندرونی قوت کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں۔

عمل تنفس اور روح

بلاشبہ مؤلف (علی بن عباس مجوسی) نے یہ رائے بھی قائم کی ہے۔ کہ دل پھیپھڑوں سے ہوا کھینچتا ہے تاکہ اس کو خون میں ملا کر روح حیات کو پیدا کرے۔ چنانچہ پھیپھڑے ہوا کو باہر سے کھینچتے ہیں۔ اور فضول دخانیہ (دی پوائنٹرڈ سپرفلیٹیز یا دی ایڈیا) بذریعہ عمل یعنی زفیر کے ذریعے خارج ہوجاتے ہیں۔

نظریۂ دوران خون

عمل تنفس کے متعلق اپنے بیانات کو مکمل کر کے مؤلف یعنی علی بن عباس مجوسی سلسلۂ کلام کو اس طرح جاری رکھتا ہے:-

"اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ عروق ضاربہ (یعنی شرائین) جو دل کے نزدیک ہیں انبساط (ڈائسٹول) کے دوران میں بضرورت خلا دل سے ہوا اور جوہر خون کو اپنے اندر

---

[1] ملاحظہ کیجئے میری کتاب "اے ائیر امنگسٹ دی پرشینز" — Year amongst The Persians. صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵ - مؤلف۔

کھینچتی ہیں کیونکہ انقباض (سسٹول) کے دوران میں وہ خون اور ہوا سے خالی ہو جاتی ہیں لیکن انبساط کے وقت خون اور ہوا ان میں واپس آتے ہیں۔ اور پھر ان کو بھر دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ شرائین جو دل اور جلد کے درمیان محلِ وقوع کے اعتبار سے متوسط کی حیثیت رکھتی ہیں یہ خاصیت رکھتی ہیں کہ وہ عروق غیر ضاربہ یعنی اوردہ سے نفیس ترین اور رقیق ترین خون کو جذب کر لیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عروقِ غیر ضاربہ (یعنی اوردہ) اور عروق ضاربہ (یعنی شرائین) کے درمیان مسامات اور منافذ موجود ہیں۔ جو باہم گرہ دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ جب کوئی شریان کٹ جاتی ہے۔ تو وہ تمام خون بھی جو اوردہ میں موجود ہوتا ہے خارج ہو جاتا ہے"۔

نظریۂ دورانِ خون کی قدامت کا اعتراف

یہاں جیسا کہ مجھ کو صاف نظر آتا ہے۔ ہم عروق شعریہ کے نظام (کیپیلری سسٹم) پر (عربی طب میں) واضح صورت میں ایک ابتدائی اور اساسی فکر ورائے رکھتے ہیں۔[۱۲۹]

ارواح

قوٰی کی اقسام سہ گانہ کے مطابق ارواح کی بھی تین قسمیں ہیں۔ اوّل روح طبعی (نیچرل سپرٹ) دوم روح حیوانی (اینی مل سپرٹ) اور سوم روح نفسانی (سائکک ال سپرٹ) پہلی روح جگر میں تکمیل پذیر ہوتی ہے اور وہاں سے وریدوں کے ذریعہ دل میں جاتی ہے۔ دوسری روح دل میں تکمیل حاصل کرتی ہے۔ اور وہاں ساتی (شریانوں) (کیرا ٹڈ آرٹرینہ) کے ذریعہ دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور تیسری روح دماغ میں مکمل ہوتی ہے اور وہاں سے اعصاب کے ذریعہ جسم کے تمام حصص میں پہنچتی ہے۔

ان ارواح پر اور ان کے باہمی تعلق پر اور ان کی اس نسبت پر جو ان کو اس روح غیر فانی (امارٹل سپرٹ) یا عقل (انٹیلی جینس) کے ساتھ ہے جس کے وجود کو عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بوعلی سینا اور ان دیگر طبی مصنفین نے اختصار کے ساتھ بحث کی ہے۔ جن کا میں عام طور پر ذکر کر چکا ہوں۔

---

[۱۲۹] صفحہ ۲۴۴ پر۔ (مترجم)

مقالۃ فی خلق الانسان

ان مسائل پر جن کا تعلق طب کے مقابلہ میں فلسفہ اور علم النفس سے زیادہ ہے، میں نے ایک نہایت مفصل بحث انسانی تخلیق اور نشو و نما پر ایک نہایت نادر کتاب میں مطالعہ کی ہے۔ جس کو خلیفہ مقتدی کے درباری طبیب ابو الحسن سعید بن ہبۃ اللہ نے تالیف کیا ہے۔ جو گیارھویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں گزرا[1] ہے۔

یہ کتاب جس کا نام مقالۃ فی خلق الانسان ہے۔ زیادہ تر تناسل، استقرار حمل، ولادت نمو اور انحلال کے اعمال سے متعلق ہے۔ لیکن پچاس ابواب میں سے جن میں یہ کتاب منقسم ہے۔ آخری دس ابواب علم النفس (سائیکالوجی) کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں موت کے بعد روح کی بقاء کے حق اور تناسخ کی تردید میں بھی دلائل پیش کئے گئے ہیں

نتھنوں سے روح کی پرواز

اس کے مصنف ابو الحسن سعید بن ہبۃ اللہ کی رائے کے مطابق جسم کی زندگی روح حیوانی (اینی مل سپرٹ) پر منحصر ہے۔ اور جب یہ حیوانی روح ان راستوں سے جن سے ہوا دل میں پہنچتی ہے (یعنی منہ اور نتھنوں کے راستہ سے) باہر نکلتی ہے۔ تو اس وقت انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے

یہ مفہوم ایک عام عربی عبارت میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ کہ ماتَ حتفَ انفِہ اس کے لفظی معنے ہوئے۔ وہ ناک کی موت مرا۔ اور اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ طبعی موت مرا۔ اور اس کی روح حیوانی ناک کے راستے جسم سے رخصت ہوئی نہ کہ زخم کے راستے۔

اسی طرح ہم۔ ایک عام فارسی محاورہ بھی دیکھتے ہیں کہ

"جان بہ لب آمدہ"

اس سے مراد وہ شخص ہے۔ جس کی روح اس کے لبوں پر پہنچ چکی ہو۔ اور اب وہ موت کے کنارے پر ہو۔[130]

---

[1] اس طبیب کے سوانح حیات ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطبا (مطبوعہ قاہرہ) کی جلد اول میں صفحہ ۲۵۴ و ۲۵۵ پر درج ہیں۔ (مؤلف) [130] صفحہ ۴۴۸ پر۔ (مترجم)

خاتمہ

میرا مقررہ وقت اب ختم ہو رہا ہے۔ اس لیئے میں اب طب عربی کے اس نہایت نامکمل بیان کو جس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا میرا امتیازی حق اور میرے لئے موجب مسرت تھا ختم کرتا ہوں کہ اگر آپ اس میں زیادہ مفید تعلیمات نہ ملاحظہ فرمائیں گے تو کم از کم اس کو کچھ دلچسپ ضرور پائیں گے۔

ناکامی کے بڑے شک و شبہ کے ساتھ اور با دلِ ناخواستہ میں نے اس کام کا بیڑا اپنے استاد اور دوست سر نارمن مور کی تحریک و تحریض پر اٹھایا تھا جو اس کالج کے صدر ہیں۔ اور جن کی الہام نما تعلیم و تلقین کا میں اپنے بارتھولومیوز ہاسپٹل کے عہد طالب علمی سے لے کر آج تک بہت زیادہ رہین منت ہوں۔

مجھے اس کام کا بہت سا معاوضہ مل چکا ہے اور اب یہ میرا قصور نہ ہو گا اگر اس کو ایک طرف طاق نسیاں پر رکھ دیا جائے کہ اس کا مستعجل اور بلا واسطہ مقصد (یعنی مقصد ترتیب و بیان مضامین) حاصل ہو چکا ہے۔

کسی دوسرے برابر کی اہمیت رکھنے والے علم و فن کے مقابلے میں علوم عربیہ کی اس شاخ میں ابھی بہت سی چیزیں تکمیل کے لئے باقی ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ ہم ان انتہائی نتائج تک پہنچنے کی امید کریں۔ جو تمام ادوار میں علمی و عقلی فکر و رائے کی تاریخ کے لئے بہت اہم ہیں اس سلسلہ میں طلیعۃ الجیش کی طرح بہت سا مستکشفانہ کام ضروری ہو گا۔

پھر ان سب سے بالاتر چیز یہ ہے۔ کہ جب میں ان قدیم عربی اور پارسی اطبا کے افکار و آراء سے ملاقات کر رہا تھا۔ تو اس وقت نسل، مکان یا زمان کی تمام حدود سے وراء الوراء انسانی عقل و ذہانت کی یکجہتی اور اس عظیم الشان فن کی حقیقی شرافت کا ادراک جس کی نیابت اس کالج نے کی ہے میرے دل و دماغ میں نمو اور بالیدگی حاصل کر رہا تھا۔

٭

تشریحات و تنقیدات

انشا

نیّر واسطی

تشریحات وتنقیدات

مترجم کی رائے میں اریبین میڈیسن (طب العرب) میں اکثر مقالات تشریح و توضیح اور نقد و تنقیح کے مستحق ہیں۔ اور اس ضمن میں آپ کو کتاب کے ذیلی حصوں میں مترجم کی جانب سے جابجا صفحات کے حوالے ملیں گے۔ ان تشریح طلب مقامات کی شرح و تنقید حوالوں کے مطابق اب ترتیب وار اور نمبر وار اسی عنوان کے ماتحت عرض خدمت کی جاتی ہے ——— نیر واسطی

۱؎ ان سطور میں پروفیسر براؤن نے جس رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ تاریخ طب کی روشنی میں یکسر غیر صحیح ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ عربی طب یونانی طب کا نام نہیں۔ بلکہ یہ صحیح معنوں میں عربی طب ہے جو عربوں نے فارس۔ ہند۔ روم۔ یونان اور کلدان کی قدیم طبوں کے امتزاج اور ترجمہ و شرح۔ کامل نقد و نظر۔ اجتہادات و تجربات۔ اضافات اور تنقیح و تہذیب کے بعد مدون کی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہمیں ان امور پر غور کرنا چاہیئے۔ جن کو ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کرتے ہیں :-

ترجمہ و شرح { عربوں نے یونانیوں۔ ہندیوں اور ایرانیوں کی قدیم طبی کتب کو لے کر اپنی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کی شرح کی۔ اُن پر حواشی لکھے۔ ان کے خلاصے بنائے۔ اور ان کی تفصیل۔ تبویب اور تنقیح کی اور اس سلسلے میں آل حنین آل بختیشوع۔ آل ثابت اور آل ماسرجویہ۔ چار خاندانوں نے نہایت شاندار خدمات انجام دیں۔ نیز قسطا بن لوقا ۔

۱؎ ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد ثالث صفحہ ۱۴۰ ؛

حجاج بن مطر - ابن البطریق - عیسیٰ بن یحییٰ - احمد بن ابی الاشعث - ابن جلجل - یوحنا بن ماسویہ وغیرہ - علمائے فن نے اس ضمن میں بہت بڑا کام کیا جن کے ذکر جمیل سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں -

نقد و جرح } عرب اطباء نے یونانی طب سے استفادہ کیا - لیکن انہوں نے اس سلسلے میں کورانہ تقلید نہیں کی - بلکہ مسائل و نظریاتِ فن میں مجتہدانہ شان اختیار کی - چنانچہ ابوسہل مسیحی نے قدماء کے مسلمات پر بیشتر رد و قدح[1] کی - اور شیخ نے بقراط و جالینوس کے معتقدات پر جا بجا گرفت[2] کی - پھر مسلمات قدماء اور فن میں اپنی ذاتی آراء کے اختلاف[3] کے ضمن میں علاء الدین نفیس نے ابن ابی صادق کی آراء پر دعوت فکر و نظر دی[4] اور قرشی نے شیخ پر[4] - اور علی بن رضوان نے ذکریا رازی پر جا بجا اعتراضات[5] کئے -

اجتہادات و تجربات } عربوں نے اپنی فکری اور اجتہادی قوتوں سے طریقہائے علاج اور اعمال ید میں بھی بیشمار اجتہادات کئے ہیں - چنانچہ اس سلسلے میں ابن وافد نے علاج بالغذا پر زور دیا[6] - حکیم رضی الدین نے کثرت استعمال غذا کو مفید طریق کار قرار دیا[7] - اوحد الزمان ابو البرکات نے ایک خاص وبائی مرض میں قطع انامل کا علاج اختراع کیا[8] - اور ابو المنصور صاعد بن بشر بن عبدوس نے تمام حکمائے یونان کے قدیم طریق علاج کے خلاف اکثر امراض مثلاً فالج لقوہ اور استسقاء کے لئے نظام طب عربی میں ادویہ باردہ اور منع غذا کا علاج رائج کیا[9] - جس پر شاندار کامیابی ہوئی -

---

[1] ملاحظہ ہو - مائۃ مسیحی از کتبخانہ حکیم اجمل خاں مرحوم ۔ [2] ملاحظہ ہو کتاب القانون جلد ثالث صفحہ ۲۱

[3] ملاحظہ ہو نفیسی مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ [4] شرح القانون از علامہ ابو الحسن قرشی -

[5] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۰۱ ۔

[6] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء - جلد دوم صفحہ ۴۹ - مطبوعہ مصر ۔

[7] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۹۴ ۔ [8] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۷۹

[9] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۳۲ ۔

اضافات } عربوں نے قدیم طب میں بے شمار اضافات کئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے علم حفظِ صحت مرتب کیا۔ امراضِ چشم کے متعلق ریسرچ کی۔ فنِ جراحت کو ترقی دے کر رفعت وعظمت کے آسمان پر پہنچایا۔[۱] شکر بنائی۔ شکر کے معامل بنائے[۲]۔ اور مرکبات میں شہد کی جگہ شکر کے استعمال کو رواج دیا۔

اس سلسلے میں جرجی زیدان نے "ما احدثوا المسلمون فی الطب" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے[۳]۔ جس میں آپ لکھتے ہیں :-

"عربوں نے پہلی مرتبہ علاج بالجراحت میں کاویات کا استعمال شروع کیا۔ مسلولین کے ناخنوں کی کیفیت کو بیان کیا۔ یرقان اور ہوائے اصفر کا علاج ذکر کیا۔ جنون کے لئے افیون کو بمقدارِ کثیر استعمال کرایا۔ نزف الدم کے لئے سرد پانی ڈالنا تجویز کیا۔ خلعِ کتف اور نزول الماء کے اپریشن کا طریق کار بتایا۔ اور تفتیتِ حصاۃ کا طریق ذکر کیا۔ نیز انہوں نے ان بعض فروعِ طب میں کتابیں لکھیں جن کا ذکر کتب متقدمین میں نہ تھا۔ مثلاً یوحنا بن ماسویہ نے جذام پر اور رازی نے چیچک اور خسرہ پر پہلی مرتبہ کتابیں لکھیں[۴]"

علاوہ ازیں عربوں نے علم الادویہ کے سلسلے میں فن کی نہایت شاندار خدمات انجام دیں چنانچہ انہوں نے بیخ ریوند۔ کافور اور سنار کے افعال وخواص معلوم کئے۔ طب میں بنج کا استعمال شروع کیا[۵]۔ اور ابن البیطار اور ابن جلجل نے بیشمار نئی دوائیں دریافت کیں۔ جن سے اطبائے یونان یکسر ناواقف تھے[۶]۔ دیسقوریدوس کی کتاب الادویہ کو ترجمہ کر کے مکمل کیا[۷]۔ اور علم الادویہ کی بہت سی کتابیں سنسکرت وغیرہ زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرائیں[۸]

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن از ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۸۹ مطبوعہ لندن [۲] ملاحظہ ہو برٹش انسائیکلوپیڈیا آربیکل شوگر [۳] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد ثالث صفحہ ۱۸۳ [۴] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد ثالث صفحہ ۱۸۴، [۵] ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۱۲ ۔ [۶] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۳۔ [۷] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۳۳ ؛
[۸] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست از ابن الندیم صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ لیپسک ؛

اور علم قرابادین کو اس اعلیٰ شکل میں مرتب کیا جس میں آج ہم اس کو دیکھ رہے ہیں[1]۔

پھر طب بر علم کیمیا کی تو گویا بنیاد ہی عربوں نے رکھی ہے۔ چنانچہ انہوں نے علم کیمیا میں ترشیح۔ تصعید۔ تقطیر۔ تبلور اور تذویب کے طریقے پہلی مرتبہ بیان کئے اور بے شمار کیمیاوی چیزیں مثلاً نائٹرک ایسڈ۔ سلفیورک ایسڈ۔ نائیٹرو ہائیڈرو کلورک ایسڈ۔ لائیکر امونیا۔ مرکری کلورائیڈ۔ مرکری اوکسائیڈ۔ پوٹاشیم نائیٹرٹ۔ فراتی سلفاس وغیرہ اشیاء بنائیں[2]۔ جن پر آج طب جدید کا مدار کار ہے علاوہ ازیں بہت سی قسم کے کھار اور تیزابات بنائے۔ اور الکحل بنائی[3]۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے۔ کہ عربوں نے علم کیمیائے جدید کی تاسیس ہی نہیں کی۔ بلکہ قدیم علم کیمیا کے خلاف انہوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ اور اس سلسلے کی ابتداء یعقوب بن اسحق کندی نے کی[4]۔

دستور فن میں عربوں نے جو اضافات کئے ہیں۔ ان کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ ورنہ اگر تمام امور کو ذکر کیا جائے۔ تو فی الحقیقت اس بحث کیلئے ایک مفید دفتر درکار ہے۔

طب ایرانی و ہندی کا امتزاج } عرب ابتداءً اپنی قدیم طب کے مالک تھے۔ جو ان میں عہد قدیم سے علاج بالعقاقیر کی شکل میں رائج چلی آتی تھی[5]۔ عہد نہضت اسلامیہ میں جہاں انہوں نے اپنی قدیم طب میں یونانی طب کی معلومات کا اضافہ کیا۔ وہاں انہوں نے دنیا کی دوسری طبوں سے بھی استفادہ کیا۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی مستقل اور مکمل طب کا قصر تعمیر کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی طب میں

---

[1] ملاحظہ ہو برٹش انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل میڈیسن۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مطبع الہلال مصر۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۴۔

[4] ملاحظہ ہو کشف الظنون از کاتب چلپی جلد دوم صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ آستانہ۔

[5] ملاحظہ ہو تاریخ تمدن اسلامی جلد اول صفحہ ۱۹۔

فارسی طب کا بھی اضافہ کیا۔ اور اس سلسلے میں یوحنا بن ماسویہ نے ان مسائل پر جن میں اطبائے روم اور اطبائے فارس متفق تھے۔ ایک کتاب جامع الطب کے نام سے[۱] لکھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے قدیم مصری طب سے بھی استفادہ کیا[۲]۔ اسی طرح انہوں نے طب ہندی کی جانب توجہ کی اور سنسکرت کی بے شمار کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں۔ چنانچہ کنکہ۔ منجہل۔ باکمر۔ صالح بن بہلہ۔ اور شاناق ہندی کی بہت سی کتابیں مثلاً کتاب اسرار المو الید۔ کتاب الادوائ کتاب شرک الہندی۔ کتاب السموم وغیرہ ترجمہ ہوئیں[۳]۔ اور کتاب سسر دفی الطب۔ اسماء عقاقیر الہند۔ استانکر الجامع مختصر الہند فی العقاقیر۔ علاجات الحبالی للہند۔ التوہم فی الامراض والعلل۔ رائی الہند فی الحیات وسموہا۔ وغیرہ لکھی گئیں[۴]۔

طب عربی میں نظر ثانی اور نقد وجرح کے بعد ان طبوں کی بے شمار معلومات کو شامل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ الحاوی میں[۵] اور غنی آمنی میں[۶] جا بجا اطبائے ہند کے نسخوں اور طریقہائے علاج کا ذکر آتا ہے۔ اور قانون میں اکثر مقامات پر طب ہندی کی معلومات ملتی ہیں[۷]۔ علاوہ ازیں طب فارس اور طب ہند کی بے شمار دواؤں کے نام اپنے اصل ہندی اور فارسی ناموں کی شکل میں کتب طبیہ عربیہ میں جا بجا ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ نام اسی شکل میں عربی سے مغربی طب میں منتقل ہو گئے ہیں[۸]۔

تکمیلِ طب غرض یہ ہے کہ عربوں نے یونانی طب کی از سر نو تہذیب کر کے اور اس میں تمام دنیا کی طبوں کی مفید معلومات کا اضافہ کر کے ایک نئی طب کی بنیاد رکھی

---

[۱] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۸۳ [۲] ملاحظہ ہو کتاب الذخیرہ صفحہ ۹ مطبوعہ مصر۔
[۳] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء از ابن ابی اصیبعہ جلد دوم صفحہ ۳۲ [۴] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست
از ابن الندیم صفحہ ۳۰۳۔ [۵] ملاحظہ ہو کتاب الحاوی از کتب خانہ حکیم اجمل خاں مرحوم
[۶] ملاحظہ ہو کتاب غنی منی مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ۔
[۷] ملاحظہ ہو کتاب القانون جلد اوّل صفحہ ۴۸ مطبوعہ رومیہ۔
[۸] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۴۔

اور اس طرح انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اپنے عہد کی ایک جامع اور مکمل طب بنائی۔

پس طبِ عربی طب یونانی نہیں۔ بلکہ وہ صحیح معنی میں عربی طب ہے جو عربوں نے اپنی دماغی کاوشوں نقد و جرح، تجربات و اجتہادات، نظر ثانی و اضافات اور دیگر طبوں کے امتزاج سے مکمل کی ہے۔ چنانچہ جرجی زیدان لکھتے ہیں:۔

ان المسلمین نقلوا الی لسانھم معظم ما انتجتہ عقول البشر من اول عھد المدنیۃ الی ایامھم فی العقلیات والنقلیات فورثوا علم الکلدانیین والمصریین و الفرس والیونان والھنود۔[1]	مسلمانوں نے ابتدائے عہد تمدن سے لے کر اپنے دور عقل و نقل تک وہ تمام علوم زیادہ سے زیادہ اپنی زبان میں منتقل کر لیے جن کو عقل انسانی انتخاب کر سکتی تھی اور اس طرح وہ کلدانیوں، مصریوں، پارسیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے تمام علوم کے وارث ہو گئے۔

پھر ایک جگہ آپ قانون کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جب آپ کتاب القانون کی ورق گردانی کریں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ کتاب طب اور علم الصیدلہ کی ایک قاموس ہے اور اس میں امراض، معالجات اور عقاقیر کے متعلق یونان، کلدان، ہند، فارس اور عرب کی تمام معلومات جمع ہیں اور یہ صرف یونان کی طب نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے"۔[2]

العود الی المقصود۔ ظاہر ہے کہ ان حقائق کی روشنی میں پروفیسر براؤن کا یہ کہنا یکسر غیر صحیح ہے کہ طبِ عربی سے مراد طب یونانی ہے۔ اور طب میں عربوں کا کارنامہ صرف یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دور میں اس یونانی فن کی حفاظت کی ہے۔

۲۔ بلاشبہ عباسیوں نے علوم حکمیہ اور فنون طبیہ کے ترجمہ و تالیف کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ کے صفحات پر آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں لیکن اس دور کے بعد

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی از جرجی زیدان جلد سوم صفحہ ۳۰ مطبوعہ مطبع الھلال مصر۔
[2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۰۔

جہاں تک لوگوں میں علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کے سلسلے میں شوق و انہماک کے فقدان یا نقصان کا تعلق ہے اس سے ہمیں قطعاً اختلاف ہے اور اس پر ان اکابر علم و فضل کی شاندار زندگیاں شاہد عدل ہیں جو بعد کے ادوار میں اس خطۂ ارضی پر جلوہ گر ہوئیں ان اکابر میں آیتہ من آیات اللہ شیخ الرئیس بو علی بن سینا۔ علی بن ربن الطبری۔ علی بن عباس مجوسی۔ محمد بن زکریا الرازی۔ ابو القاسم الزہراوی۔ اسمٰعیل جرجانی اور بعد میں اکبر ارزانی کے نام سب سے زیادہ روشن اور درخشاں ہیں۔

مسلمانوں میں طب فلسفہ اور دیگر علوم حکمیہ میں تالیف تصنیف اور ترجمہ کی تحریک عہد بنی امیہ میں ہی شروع ہو چکی تھی[1] اور اس ضمن میں تیاذوق عیسیٰ بن الحکم اور جابر بن حیان مؤلفین کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ لیکن چمنستان علم و حکمت میں عید بہاراں دن آئی جب حکمت کا علم عباسیوں کے ہاتھوں میں پہنچا اور مامون الرشید نے اپنے عہد ہمایوں میں بغداد میں بیت الحکمۃ قائم کیا۔

یہ بیت الحکمۃ بغداد میں تقریباً ۲۱۳ھ میں قائم ہوا۔ اور اس کے لئے یوحنا بن ماسویہ حنین بن اسحٰق اور دیگر جلیل القدر علمائے فن کی خدمات حاصل کی گئیں۔

عباسیوں نے اس بیت الحکمۃ کے قیام اور ترقی کے سلسلے میں علم و حکمت کی جو خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ جرجی زیدان لکھتا ہے۔ کہ انہوں نے بغداد میں جو بیت الحکمۃ قائم کیا اس کے لئے بہت سی کتابیں جمع کر کے انہیں عربی میں ترجمہ کرایا گیا اور جب مامون الرشید تخت سلطنت پر جلوہ آراء ہوا تو اس نے مجالس تالیف قائم کیں اور بیت الحکمۃ میں عربی۔ فارسی۔ یونانی۔ سریانی۔ قبطی اور ہندی کتب کا ایک عظیم الشان خزانہ جمع کر دیا[2]۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو فتح کیا سب سے پہلے وہاں انہوں نے

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۲۹۔ مطبوعہ مصر۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۶۔ مطبوعہ مصر۔

کتابوں کی تلاش شروع کی اور اس سلسلے میں وہاں جس قدر کتابیں دستیاب ہوئیں انہوں نے ان کو اپنے عاصمہ (دارالخلافہ) میں بھجوا کر ان کی حفاظت اور ترجمہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ جب مامون الرشید نے روم کے شہروں انقرہ (انگورہ) اور عموریہ وغیرہ کو فتح کیا تو وہاں علوم قدیمہ کی جو کتابیں ملیں اس نے انہیں بغداد پہنچانے اور یوحنا بن ماسویہ سے ان کا ترجمہ کرانے کا حکم دیا[1]۔ اور ابوالفرج الملطی کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں جو اس وقت روم سے بغداد لائی گئیں تمام کی تمام طب کی کتابیں تھیں[2]۔

ابن الندیم ان کتابوں کی نسبت جو روم سے بغداد کے بیت الحکمۃ میں پہنچیں یہ روایت بیان کرتا ہے۔ کہ ایک شب مامون نے ارسطاطالیس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے اپنی تالیفات کے ترجمہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مامون نے اس کے بعد ملک روم کو ایک مکتوب لکھا کہ وہ بلد روم کی کتب مذخرہ کو بغداد روانہ کرے۔ شاہ روم نے پہلے تو منع کیا لیکن بالآخر رضامند ہو گیا۔ اس پر مامون نے اہل علم وفن کی ایک جماعت کو جو حجاج بن مطر اور ابن البطریق وغیرہ علمائے فن پر مشتمل تھی روم بھیجا جو وہاں سے اس علمی ذخیرہ کو بغداد لائی اور یہاں اس کے ترجمہ کا حکم دیا گیا[3]۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیت الحکمۃ صرف شاہی کتب خانہ ہی نہ تھا بلکہ صحیح معنی میں بیت الحکمۃ اور اس وقت کا عظیم الشان دارالعلوم بھی تھا۔ جرجی زیدان اس حقیقت کی نقاب کشائی یوں کرتا ہے۔ کہ

وکان بیت الحکمۃ عبارۃ عن مجلس الترجمہ او النسخ او الدرس او التالیف فیجلس النساخ فی اماکن	بیت الحکمۃ سے مراد وہ مجلس ترجمہ مجلس نسخ یا مجلس درس تھی جہاں نساخ مخصوص جگہوں پر اپنے لیے یا مجتبہ اجرتوں پر کتابیں لکھتے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۷۵۔ مطبوعہ قاہرہ۔

[2] ملاحظہ ہو۔ مختصر الدول صفحہ ۲۲۷۔ مطبوعہ لیپسک۔

[3] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۳۔ مطبوعہ لیپسک۔

خاصة بهم يستخون لانفسهم ادباجوا   تھے۔ اور یہی صورت مترجموں۔ مؤلفوں اور
محبنة وكذالك المترجمون والمؤلفون   مطالعہ کرنے والوں کی تھی۔
والمطالعون[۱]

مامون الرشید اس بیت الحکمۃ میں کتابوں کی تالیف اور ترجمہ کے سلسلے میں خود جس قدر دلچسپی لیتا تھا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ابوالفرج اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہے۔ کہ

"مامون نے مؤلفین اور مترجمین کے لئے بیش قرار وظائف اور تنخواہیں مقرر کی تھیں حتیٰ کہ وہ ان ترجموں کو جو اس کے لئے کئے جاتے تھے سونے سے وزن کرکے لیتا تھا اور اس ضمن میں اس کی عنایت و توجہ کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر اس کتاب پر جو اس کے لئے ترجمہ کی جاتی اپنی خاص مہر لگاتا اور لوگوں کو اس کے مطالعہ و درس کی ترغیب دیتا تھا[۲]"

مامون کے بعد اس سلسلے میں اس کا اقتداء تقریباً تمام سلاطین اسلام اور ارباب علم و دولت نے کیا۔ چنانچہ اس کے بعد بغداد اور دیگر ممالک اسلامی میں بہت سے کتب خانے قائم ہوئے جن کے لئے عراق و شام و فارس وغیرہ سے مسیحی۔ یہودی۔ صابی۔ مجوسی اور ہندی تقریباً تمام مذاہب کے علماء بلوائے گئے اور ان سے یونانی۔ سریانی۔ فارسی۔ سنسکرت وغیرہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا گیا[۳]

بیت الحکمۃ کے قیام کے بعد اس دور میں جب کتب خانوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا تو سنہ ۳۸۱ ہجری میں ایک دارالکتب کرخ کے محلہ بین السورین میں سابور بن اردشیر وزیر بہاءالدولہ کی جانب سے قائم ہوا اور ایک کتب خانہ ناصر بن مستضی (المتوفی ۶۲۲ھ) نے بنایا

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۷۔
[۲] ملاحظہ ہو مختصر الدول صفحہ ۲۳۶۔ مطبوعہ بیروت۔
[۳] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۶۲۔
[۴] ملاحظہ ہو۔ ابن خلدون جلد چہارم صفحہ ۱۴۶۔

مامون کے بعد اندلس کے خاندان بنی امیہ میں الحکم بن الناصر (المتوفی ۳۹۶ھ) کتابوں کے جمع کرنے کا بہت بڑا شائق تھا۔ اس نے تقریباً تمام اطراف عالم میں کتابیں خریدنے کے لئے زر کثیر دے کر آدمی روانہ کئے۔ اور اسی سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی سے ایک ہزار دینار میں کتاب الاغانی خریدی گئی۔ اس نے جو عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا اس میں علیحدہ علیحدہ ہر فن کی کتابوں کی فہرستیں موجود تھیں۔ اور اس کی عمارت میں متعدد کمرے بنوائے گئے تھے۔ جن میں علیحدہ علیحدہ منشی اور خدام متعین تھے۔ اس کے بعد اس کتب خانہ کا اکثر حصہ بربر میں فروخت ہوا اور رہا سہا بعد اس پر فرنگ نے قبضہ کر لیا[1]

بغداد و اندلس کے خلفاء کی تقلید اس باب میں بعد میں مصر کے فاطمی سلاطین نے بھی کی چنانچہ عزیز باللہ ثانی (زمانہ حکومت ۳۶۵ھ) نے ایک کتب خانہ بنام خزانۃ الکتب قائم کیا۔ اور اپنے وزیر یعقوب بن کلس کو حکم دے کر اس پر اس نے شاہی خزانہ کو بے دریغ صرف کیا۔ اس میں ترجمہ و تالیف کے لئے اس نے بے شمار علماء بلوائے اور لاکھوں کتابیں جمع کیں جس میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں نسخے موجود تھے۔ چنانچہ اس میں صرف خلیل کی کتاب کے تیس سے زائد نسخے موجود تھے۔ اور تاریخ طبری کے بیس نسخے موجود تھے[2]۔

اسی طرح حاکم بامراللہ بن عبدالعزیز نے ۳۹۵ھ میں قاہرہ میں قصر غربی کے قریب ایک کتب خانہ قائم کیا جس کا نام اس نے دارالحکمۃ۔ دارالعلم اور خزائن القصور رکھا اور اس کے اخراجات کے لئے ایک رقم خطیر مقرر کی اس کتب خانہ کا جو فرش بنایا گیا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس کو جواہرات سے مزین کیا گیا تھا اور اس کے دروازوں پر پردے لٹکائے گئے تھے۔ اور ان دروازوں پر پہرے دار اور خدام مقرر تھے۔ لیکن یہ دروازے بلاتخصیص ہر ایک کے لئے کھلے تھے۔ اور اس کے قیام سے بھی غرض وہی تھی جو بیت الحکمۃ کے قیام سے تھی یعنی لوگ آئیں اور درس و مطالعہ و تالیف کی برکات سے متمتع ہوں[3]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۸ ؛

[2] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ ؛

[3] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۱۰ ؛

عہد دولت فاطمیہ میں طرابلس الشام میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ جس میں تیس لاکھ کتابیں تھیں جن کو بعد میں انگریزوں نے جلا دیا[۱] لیکن اس کے بعد جب نور الدین شام کا والی مقرر ہوا۔ تو اس نے وہاں ایک کتب خانہ خزائن النوریہ کے نام سے قائم کیا[۲]۔

خراسان کے کتب خانوں کے متعلق یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتا ہے کہ وہاں ۶۱۷ھ میں تقریباً دس بے نظیر کتب خانے تھے جن میں سے صرف ایک کتب خانے میں بارہ ہزار کتابیں موجود تھیں[۳]۔

خراسان کے ان کتب خانوں میں نوح بن منصور کا کتب خانہ ایک بہت بڑا دار الکتب تھا۔ جس سے بو علی بن سینا نے بھی استفادہ کیا اور اسی طرح ایک بہت بڑا کتب خانہ مراغہ میں تھا جسے نصیر الدین طوسی نے قائم کیا تھا[۴]۔

جرجی زیدان نے اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں مکتبۂ سابور میں کتابوں کی تعداد دس ہزار۔ قرطبہ کے مکتبۃ الحکم میں چار لاکھ۔ قاہرہ کے خزائن القصور میں دس لاکھ۔ دار الحکمۃ میں ایک لاکھ مکتبۂ طرابلس میں تیس لاکھ اور مکتبۂ مراغہ میں چار لاکھ تھی[۵]۔

اس دور میں بڑے بڑے کتب خانوں کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے کتب خانے بھی موجود تھے جن کو علماء اور حکماء اپنے لئے بناتے تھے۔ صاحب بن عباد کی کتابیں چار سو اونٹوں پر لدا کرتی تھیں۔ خلف افرائیم الطبیب مصری کے پاس بیس ہزار کتابیں تھیں۔ موفق الدین بن مطران کے کتب خانے سے اس کی وفات کے بعد دس ہزار کتابیں نکلیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب زمن ایمپائر۔ جلد دوم صفحہ ۵۰۵۔ مؤلفہ گبن۔

[۲] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۱۰۔

[۳] ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد چہارم صفحہ ۵۰۹۔

[۴] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۱۱۔

[۵] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۱۲۔

کہتے ہیں کہ اس کی زندگی میں اس کے پاس نساخ موجود تھے جو اس کی کتابوں کی کتابت کیا کرتے تھے[1]

فخر الدین ماردینی طبیب کا کتب خانہ بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ جسے اس نے اپنی وفات سے قبل حسام الدین بن ارتق کے کتب خانہ میں شامل کر کے وقف کر دیا تھا[2]۔ اور ابن الدولہ بن التلمیذ طبیب کے پاس اس سے بھی زیادہ شاندار کتب خانہ تھا۔ اس کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جب مجد بن صاحب وزیر نے اس کی وفات کے بعد اس کا کتب خانہ منگوایا۔ تو اس کی کتابیں بارہ[12] اونٹوں پر لد کر آئی تھیں[3]۔

سک ۔ پروفیسر براؤن نے اسلامی ثقافت کی تباہی کا تذکرہ جس پیرایہ میں کیا ہے اس سے ہمیں کلیتہً اختلاف ہے ۔ اسلام نے اپنی سیزدہ صد سالہ تاریخ میں اقوام ملل اور ممالک کے ہزاروں انقلابوں کو دیکھا ۔ وہ ہزاروں تغیروں اور انقلابوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور وہ اس چرخ نیلی رواق کے نیچے ایک عالمگیر مذہب ہے جو شرق سے غرب تک دنیا کے تمام ملکوں میں پہنچا ہوا ہے ۔ جہاں کی ریتیں اور رسمیں مختلف ہیں ۔ بلکہ جہاں کے لیل و نہار مختلف ہیں ۔ با ایں ہمہ جہاں تک قدیم حجازی تہذیب و معاشرت کا تعلق ہے اس کے آثار دنیا کے مختلف حصّوں بالخصوص عراق ۔ نجد ۔ حجاز اور یمن کے باشندوں کی زندگی میں آج بھی نظر آتے ہیں ۔ اور جہاں تک مسلمانوں میں اسلام اور اسلام کی تعلیمات سے شغف و انہماک کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ مغربی تمدن کے سیلاب کے ہمہ گیر اثرات کے باوجود دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کا ایک حصّہ آج بھی تہذیب حجازی کا دلدادہ ہے ۔ مسلمانوں کا مذہب سے شغف رکھنے والا طبقہ آج بھی تشبّہ بالکفر اور تشبہ بالکفار کو حرام سمجھتا ہے ۔ وہ ہر چیز کو قرن اوّل کے مسلمانوں کی زندگی کے سانچے

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۱۱ ؛

[2] ملاحظہ ہو ۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۰۰ ۔ مطبوعہ قاہرہ ؛

[3] ملاحظہ ہو ۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ قاہرہ ؛

یں ڈھلا ہوا دیکھنے کا متمنی ہے اور قرن اوّل کو خیر القرون سمجھتا ہے۔

باقی رہا جہاں تک ۱۲۵۸ء میں بغداد کے عباسیوں کی خلافت کے سقوط کا تعلق ہے۔ تو دنیا میں آئین جہانبانی کبھی ایک نہج پر نہیں رہا۔ اللہ کے بنائے ہوئے دن ہمیشہ ایک سے دوسرے کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔ اور سلطنت ہمیشہ ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں بنی رہی ہے۔

ع عروج پھر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

دنیا کی دوسری متمدن حکومتوں کی طرح سلطنت بغداد کی محفل جمی اور ختم ہو گئی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے بعد خاکم بدہن تہذیب و ثقافت اسلامی ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ سقوط بغداد کے بعد دنیا کے نقشے پر بہت سی اسلامی سلطنتیں ابھریں اور ابھرتی رہیں۔ اور اسلامی تہذیب و مدنیت کے ساغر رنگین کا دور ہر جگہ اور بار بار چلتا رہا۔

بلاشبہ تاتاریوں اور چنگیزیوں کے وحشیانہ حملوں سے اکثر اسلامی ممالک کے آثار و نقوش کو ابتداءً نقصان ضرور پہنچا۔ اور اس کے بعد بھی اسلامی سلطنتوں میں انقلابات آئے اور آتے رہے اور حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ لیکن کفر کی ستیزہ کاری کے باوجود اسلام کی ثقافت اور ملی تہذیب ہمیشہ زندہ رہی اور آج بھی زندہ ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

آج بھی حوادث کے تند و تیز جھونکوں کے باوجود عرب کا سلطان عرب کے صحرا میں پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کا چراغ جلا رہا ہے۔ کجکلاہ ایران آج بھی سرزمین رستم و اسفندیار میں اسلام کی تہذیب و مدنیت کا علم ہاتھوں میں لئے کھڑا ہے۔ اور ترکی کا تاجدار آج بھی یورپ کے سینے میں بیٹھ کر خدا اور اس کے نبی کی عظمت کا نام اچھال رہا ہے اور یہی حال مصر شام۔ عراق۔ یمن۔ افغانستان۔ آذربیجان۔ طیونس۔ کردستان اور طرابلس الغرب وغیرہ ممالک کا ہے جہاں آج بھی پانچوں وقت باآواز بلند خدائے قدوس اور اس کے رسول کے نام کی منادی

کی جاتی ہے۔

تمام عالم میں آج بھی جابجا اسلام کے مشہور تعلیمی۔ تہذیبی اور ثقافتی ادارے موجود ہیں ــ بالخصوص ہندوستان میں جہاں اس گئے گزرے زمانے میں بھی دہلی۔ دیوبند لکھنؤ اور اجمیر وغیرہ میں اسلام کے وہ ثقافتی ادارے آباد ہیں جو تمام دنیا میں مراکز تعلیمات اسلامیہ کی حیثیت سے معروف ہیں۔

ممالک اسلامیہ میں آج ایک نئی اسلامی سلطنت کا ظہور ہوا ہے جو دنیا کے نقشے میں پانچویں بڑی سلطنت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ سلطنت اگرچہ نوزائیدہ ہے بایں ہمہ اس کے عام باشندوں میں جس ملی بیداری اور قومی شعور کے احساسات پیدا ہو رہے ہیں وہ اسلامی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے باب میں یقیناً ایک درخشاں مستقبل کا پیغام دے رہے ہیں۔

اس مملکت اسلامیہ خداداد کا نام پاکستان ہے۔ اس کی خاک پاک پر بسنے والے اس ملک میں باقاعدہ اسلامی قانون کے نفاذ کے متمنی ہیں ــ اور اس مقصد کے لئے یہاں کی مجلس دستور ساز میں ایک قرارداد مقاصد منظور کی جا چکی ہے۔ یہاں تعلیمات اسلامیہ کے مراکز کو ترقی دی جا رہی ہے اور نئے نئے تعلیمی اور ثقافتی مراکز حکومت کی نگرانی میں قائم کئے جا رہے ہیں اور ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۵۔ یہ صحیح ہے کہ عربی طب کی تدوین میں خالص عربوں نے نسبتاً کم کام کیا ہے لیکن تاریخ طب میں ہم کو بہت سے عربی النسل جلیل القدر اطباء کے نام ملتے ہیں۔ اور ان میں حارث بن کلدہ۔ نضر بن الحارث۔ ابوالحکم اور ابوالعرب یوسف بن محمد کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آخر میں خاندان عرب سے ایک ایسا فرد کامل اٹھا۔ جس کی تصانیف کی عظمت نے طب عربی کو چار چاند لگا دیئے اور عربی طبی تصانیف میں پچھلی کمی کی پوری تلافی کر دی۔ اس کا نام نامی۔ علاءالدین ابوالحسن علی بن حازم المتلقب بقرشی ہے۔ جس کو طبی دنیا جالینوس ثانی کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

علامہ علاءالدین ابوالحسن علی بن حازم قرشی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً میں پیدا ہوئے

اور بعد میں آپ نے دمشق میں سکونت اختیار کرلی۔ اور ۶۸۷ھ میں وفات پائی۔ آپ نے فن میں تالیف و تصنیف کی نہایت جلیل القدر خدمت کی ہے۔ چنانچہ آپ نے فصول بقراط کی دو شرحیں لکھیں۔ قانون کا خلاصہ قانونچہ لکھا۔ اور قانون شیخ کی وہ مدلل بلسوط اور ضخیم شرح لکھی جس کا جواب نہیں (ملاحظہ ہو تاریخ الاطباء صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ لاہور)

سے گفتگو طب عربی کی تدوین کے متعلق تھی لیکن پروفیسر براؤن نے یہاں ایک ایسی بحث شروع کردی۔ جو تاریخ طب سے نہیں۔ بلکہ اسلامی تمدن اور نظام حکومت سے متعلق ہے۔ اور یہاں اس کا کوئی محل نہیں۔

پروفیسر موصوف نے ابن خلدون کے جو چار اقوال نقل کئے ہیں۔ وہ آپ نے فرانسیسی ترجمہ مقدمہ ابن خلدون سے لئے ہیں۔ لہٰذا ابن خلدون کے یہ اقوال پہلے عربی سے فرانسیسی زبان میں آئے۔ پھر پروفیسر ممدوح نے ان کو فرانسیسی زبان سے انگریزی میں منتقل کیا۔ اور اب میں نے ان کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ان تین زبانوں میں منتقل ہو جانے کے بعد ابن خلدون کے اصل الفاظ کا سراغ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے

اصل عربی مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ بولاق اس وقت میرے پیش نظر ہے اور پورے تجسس کے باوجود مجھے بمشکل ایک یا دو ایسے فقرے مل سکے ہیں جو صحیح طور پر ان مضامین کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے۔ کہ ابن خلدون جہاں عربوں کے متعلق مصرحہ فوق آراء کا اظہار کرتا ہے۔ وہاں وہ ان کے متعلق یوں بھی لکھتا ہے کہ:-

واخذوا من الحضارة با لحظ الذی لم یکن لغیرھم من الامم و تفننوا فی الصنائع والعلوم[1]۔

(ترجمہ) عربوں نے تمدن میں وہ حصہ لیا۔ کہ ان کے علاوہ کسی قوم نے اس قدر

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۸۳ مطبوعہ بولاق

زیادہ حصہ نہیں لیا اور انہوں نے صنعت اور علوم میں ذوق اور دلچسپی لی'۔

پھر ایک دوسری جگہ آگے چل کر لکھتا ہے:-

وحذقوا فی فنونہا وانتہت الی الغایۃ انظارھم[1]۔

(ترجمہ) عرب اپنے فنون میں ماہر ہوئے۔ اور انتہا تک ان کی نگاہیں پہنچ گئیں۔

باایں ہمہ مجھے تسلیم ہے کہ ابن خلدون نے جہاں اکثر مقامات پہ عربوں کے متعلق ان کی مدح وستائش کی ہے۔ وہاں اس نے بعض جگہ ان کے کارناموں کے متعلق ضرورت سے زیادہ مبالغہ آمیز نکتہ چینی بھی کی ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ ابن خلدون نے ایسے دور میں ایک ایسے دور میں آنکھیں کھولیں۔ جبکہ عرب حکومتیں کلیتہً تباہ ہو چکی تھیں[2]۔ ملک فتنہ وفساد سے بھر چکا تھا۔ اور بہت سے آثار ومبانی برباد کئے جا چکے تھے۔ اس لئے اس کے دماغ پر عربوں کی تازہ اور ہولناک تباہی کی تصویر منقش تھی۔ جس کی نمائش اس نے لفظوں میں کر دی۔

علاوہ ازیں ابن خلدون کے عہد میں ذرائع خبر رسانی بہت محدود تھے۔ اس لئے بہت سے ممالک مصر۔ شام۔ عراق۔ فارس۔ اندلس۔ اور ہند وغیرہ کے متعلق اس کو اس دور فتن میں بہت سی صحیح معلومات میسر نہیں ہو سکیں۔ پھر ابن خلدون کی وفات کے بعد جب مصر میں سلاطین ممالیک کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے شاندار نظامات اور آثار ومبانی کی اطلاع قدرتاً ابن خلدون کو نہیں پہنچ سکی۔ اور اس لئے وہ عربی نظم سلطنت کے متعلق بحیثیت مجموعی کوئی زیادہ بہتر رائے قائم نہیں کر سکا۔

بہر حال مصرحہ فوق اقوال تاریخ کی روشنی میں یکسر غلط ہیں۔ اور جرجی زیدان وغیرہ اکثر علمائے تاریخ نے غیر مبہم الفاظ میں ان کی تردید کی ہے[3]۔

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ بولاق۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۹۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۹۲۔

پروفیسر براؤن نے ابن خلدون کے چار قابلِ اعتراض اقوال درج کئے ہیں اور ذیل میں ہم ان چاروں کا جواب اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں۔

مفتوحاتِ عرب کی تباہی ۱ پہلا قابلِ اعتراض قول یہ ہے کہ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا وہ جلد تباہ ہو گیا۔ اگر جلد تباہ ہو جانے سے یہ مراد ہے۔ کہ عربوں کا نظامِ حکومت ہر جگہ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا۔ تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے۔ کہ انسان کی عمر کی طرح حکومت کے بھی چار دَور ہوتے ہیں۔ اور عربی حکومتوں پر بھی وہ چاروں دَور آئے۔ جرجی زیدان اس حقیقت کی تصریح اس طرح کرتے ہیں:۔

لکل دولة ادوار شبیھة بادوار الحیوٰة من الطفولة الی الشیخوخة فالدولة العباسیة بلغت شبابھا فی ایام الرشید والمامون وھو العصر العباسی الزاھی ثم اخذت بعدھما الی الانحدار نحو الکھولة ثم فالشیخوخة کما بلغت دولة الاموية فی الشام شبابھا فی ایام عبدالملک بن مروان وابنه الولید والدولة الامویة بالاندلس بلغت شبابھا فی ایام الخلیفة الناصر وابنه الحکم والدولة العثمانیة بلغت ذالک الدور فی ایام السلیمان وقس علیه[1]۔

(ترجمہ) انسان کی عمر کی طرح بچپن سے لے کر بوڑھاپے تک ہر ایک سلطنت کے بھی چند دَور ہیں پس سلطنتِ عباسی ہارون الرشید اور مامون الرشید کے عہد میں جس کو تاریخ میں عصرِ الزاہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اپنے شباب کو پہنچی۔ پھر وہ زوال پذیر ہونے لگی۔ اور اس پر کہولت اور پھر شیخوخت کا دَور آگیا۔ یہی حال دوسری سلطنتوں کا ہوا۔ چنانچہ شام کی سلطنتِ اَمویہ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور اس کے فرزند ولید۔ اندلس کی حکومتِ اَمویہ خلیفہ ناصر اور اس کے فرزند حَکم اور دولتِ عثمانیہ سلطان سلیمان کے زمانے میں اپنے شباب پر پہنچی"۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد دوم صفحہ ۱۰۶ ؎

خود ابن خلدون کی تصریح کے مطابق ایّامِ دولت ظفر۔ استبداد۔ فراغ و راحت قناعت اور اسراف و تبذیر کے پانچ ادوار میں منقسم ہیں[1]۔ پس اس میں قابلِ اعتراض چیز کون سی ہے۔ عربوں پر بھی یہ دور آئے جس طرح تمام حکومتوں پر آتے رہے اور ہمیشہ آتے رہیں گے؛

عام مورخین نے سلطنت ہائے اسلامی بالخصوص سلطنتِ عبّاسی کے زوال کے اسباب ترکی اثرات امین و مامون کی جنگ۔ ظلم عمّال۔ خیانتِ ملازمین زیادۃ رواتبِ ملازمین اور کثرت ابواب نفقہ وغیرہ بیان کئے ہیں لیکن میری رائے میں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عربی حکومتوں کی زندگی ایک سریع السیر مگر کامیاب زندگی تھی۔ اور اس مختصر زندگی میں انہوں نے عروج و ارتقاء کے وہ تمام مراحل طے کر لیئے جو دوسری طویل العمر اور سست رفتار حکومتیں ہزاروں صدیوں میں طے نہیں کر سکیں۔ اور چونکہ وہ طویل العمر حکومتیں جوشِ ارتقاء اور ہنگامۂ انقلاب ذہنی و فکری سے یکسر تہی دامن تھیں اس لئے وہ صدیوں تک خاموشی اور ناکامی کی زندگی بسر کرتی رہیں لیکن عرب کا چند روزہ عہد جوشِ بہار آیا اور دنیا کو عیدِ بہار کا نظارہ دکھا کر رخصت ہو گیا۔

پھر اگر اس قول سے یہ مراد ہے کہ عربوں نے ممالک کو فتح کر کے تباہ کر دیا۔ تو یہ ایک صریح غلط بیانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا۔ وہاں انہوں نے تمدّن کی وہ بنیادیں مستحکم کیں۔ جن پر آج جدید تمدّن کے نظامات کی عمارات قائم ہیں۔ اور انہوں نے وہاں اپنے وہ آثار و مبانی چھوڑے جن سے آج تمام عرب و عجم کی بستیاں آباد ہیں۔ پس عربوں نے جس ملک کو فتح کیا۔ وہ تباہ نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے آباد ہو گیا۔

نظمِ حکومت کی عدمِ صلاحیت } رہا یہ دوسرا قول کہ عرب باقاعدہ نظامِ حکومت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور تیسرا قول کہ عرب تمام

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مقدمۂ ابن خلدون جلد اوّل صفحہ ۱۶۷ +

اہلِ عالم کے مقابلے میں نظامِ حکومت کی صلاحیت کم رکھتے ہیں۔ تو یہ دونوں قول بھی تاریخ کی روشنی میں یکسر غیر صحیح ہیں۔ اس سلسلے میں عربوں کے نظاماتِ حکومت کا ایک مختصر سا تذکرۂ جمیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے جس کو میں جسٹس امیر علی کی کتاب شارٹ ہسٹری آف سیراسین کے چودھویں باب سے مختلف مقامات سے مقتبس کر کے درج کرتا ہوں:۔

"عربی دورِ حکومت میں حکمران بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر کرتا تھا۔ جب نامزدگی ہو چکتی۔ تو تمام افسرانِ حکومت حلفِ اطاعت اٹھاتے تھے۔ یہ حلفِ اطاعت کی رسم ایک نہایت شاندار اور مقدس رسم تھی۔

بادشاہ کو امورِ سلطنت سے متعلق مختلف محکمہ جات کے وزراء اور خاندان شاہی کے سربرآوردہ افراد آزادانہ مشورہ دینے کے عملاً مجاز تھے۔ مامون کے عہد میں شخصی حکومت نے پارلیمنٹری حکومت کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور خلیفہ کے زیرِ نگیں جملہ اقوام کے قائم مقاموں کی کونسل بنائی گئی۔ کونسل میں قائم مقاموں کو پوری آزادی کے ساتھ رائے دینے کا اختیار تھا۔ اور آزادانہ بحث میں کوئی روک نہ پیدا کی جاتی تھی۔

حکومت میں مختلف صوبوں میں گورنر مقرر تھے۔ یہ گورنر مفوضہ صوبوں کے فوجی و ملکی نظام کے ذمہ دار تھے۔ اور جوڈیشل فرائض قضاۃ کے سپرد تھے۔ جن کے ماتحت باقاعدہ عملہ رہتا تھا۔ ہر ایک بڑے شہر میں قاضی اور جگہ جگہ ان کے نائب مقرر تھے۔ غیر مسلموں کے دیوانی مقدمات ان ہی کے مذہبی پیشواؤں کے سپرد کئے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کے مقدمے قاضیوں کے حوالے کئے جاتے تھے۔ فوجداری مقدمات مجسٹریٹوں کے سپرد تھے۔ مجسٹریٹوں کو صاحب المظالم کہتے تھے۔ اور سب سے بڑا دار العدل دیوان المظالم تھا۔ جس کا پریذیڈنٹ خود بادشاہ ہوتا تھا۔ وزراء اور اعیانِ سلطنت اس کے ممبر تھے۔ اور مفتیوں کو یہاں جیوری کی حیثیت سے طلب کیا جاتا تھا۔ اور دار العدل میں گواہی دینے کے لئے نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا ضروری تھا۔

عہدِ عباسیہ میں وزارت دو قسم کی تھی۔ وزارت التفویض اور وزارت التنفیذ وزارت التفویض میں وزیر کے اختیارات نسبتاً زیادہ تھے۔ اور سلطنت میں مختلف محکموں کے لئے چھوٹے چھوٹے وزیر رکھے گئے تھے۔ وزارت کے منصب کے لئے مذہب

ملت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ بنی بویہ کے بادشاہ عضد الدولہ کا وزیر ایک مسیحی المذہب نصر بن ہارون تھا۔ اسی طرح مصر کے خلفائے فاطمیہ کے وزراء اکثر مسیحی اور یہودی تھے بعض محکموں کے اعلیٰ افسر بھی وزیر کہلاتے تھے۔ لیکن وہ سب وزیر اعظم کے ماتحت تھے۔

خلفائے عباسیہ کے دربار کو دیوان العزیز کہا جاتا تھا۔ اور وزیر اعظم کو الوزیر الدیوان العزیز۔ اسی طرح وزیر دیوان حکومت کو کاتب الدرج۔ محکمۂ توقیع کے افسروں کو کتاب الانشاء۔ خزانچی کو خازندار۔ انسپکٹر کو شید۔ افسر اسلحہ کو سلحدار۔ وزیر محکمہ کو صاحب۔ گورنر کو نائب۔ وائسرائے کو نائب الحضرۃ۔ سلطنت کے صدر اعظم کو کافل الممالک۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے محکمہ کے سیکرٹری کو کاتب السر۔ انسپکٹر جنرل کو ناظر النظر اء اور فوجی رسالہ کے جرنیل کو صاحب الخیل کہا جاتا تھا۔

پھر سلطنت میں تمام چھوٹے بڑے محکمے اور صیغے قائم تھے۔ جن میں سے محکمۂ مال کو دیوان الخراج محکمۂ املاک شاہی کو دیوان الضیاع۔ محکمۂ حساب کو دیوان الزمام۔ محلسرائے شاہی کے مصارف کے محکمہ کو دیوان الزمام والنفقات۔ محکمۂ سپاہ کو دیوان الجند۔ ڈاک کے محکمہ کو دیوان البرید محکمۂ تنخواہ ملازمین کو دیوان العطاء پولیس کے محکمہ کو دیوان الاحداث الشرطہ۔ محکمۂ انشاء کو دیوان التوقیع۔ سرکاری امداد کے محکمہ کو دیوان المقاطعات۔ شاہی فرامین اور عہد ناموں کے محکمہ کو دیوان الرسائل۔ محکمۂ انہار کو دیوان الاقرحہ۔ پنشن کے محکمہ کو صندوق النفقات اور محکمۂ تقسیم تنخواہات کو دیوان الرواتب کہا جاتا تھا۔

ہر ایک شہر میں خاص پولیس ہوتی تھی۔ جس کو شرطہ اور پولیس افسر کو صاحب الشرطہ کہتے تھے شہر کی محافظ میونسپل پولیس علیحدہ تھی۔ میونسپل پولیس ایک افسر کے ماتحت ہوتی تھی۔ جس کو محتسب کہتے تھے۔ پھر ہر ایک صوبہ کے صدر مقام میں جاسوس رکھے گئے تھے۔ جو صوبہ کے واقعات سے خلیفہ کو باخبر رکھتے تھے۔ یہ گویا خفیہ پولیس تھی۔ خلفاء نے ممالک غیر میں بھی جاسوس مقرر کئے تھے۔ ان جاسوسوں میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے۔

ہر ایک ضروری مقام پر فوجوں کی چھاؤنیاں مقرر تھیں۔ اور سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ بھتہ اور راشن بھی دیا جاتا تھا۔ جا بجا مدرسوں اور سکولوں کا انتظام تھا۔ اور جگہ جگہ ہسپتال

بنائے گئے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں شہریوں کی کونسلیں تھیں۔ اس کونسل کو دیوان الشوریٰ کہتے تھے۔ اور پریذیڈنٹ کو صدر۔ تجارتی ترقی کے لئے بھی مجالس بنائی گئی تھیں اور مجلس تجارت کے صدر کو رئیس التجار کہا جاتا تھا۔ ملک میں خوبصورت سڑکیں بنائی گئی تھیں اور جگہ جگہ چاہات اور سرائوں کا انتظام تھا۔ ہر ایک قریہ اور قصبہ کا انتظام اس کے باشندوں کے سپرد تھا۔ کاشتکاروں سے لگان اور بٹائی کے اصول رائج تھے اور خاص حالات میں زرِ مالگذاری معاف کر دیا جایا کرتا تھا۔ الخ[1]

یہ جو کچھ عرض کیا گیا فی الحقیقت مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ان مختصر حالات پر غور کیجئے۔ اور بتائیے کہ وہ کونسا آئینِ جہانبانی ہے جو عربوں نے اختیار نہیں کیا۔ اور جو عربوں سے پہلے موجود تھا۔ مگر عرب اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ یا جس پر آج تمام متمدن حکومتیں عامل نہیں۔

ذوقِ صنعت کی کمی } چوتھا اعتراض یہ ہے کہ عرب صنعت اور آرٹ کے لئے بہت کم ذوق رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا اعتراض ہے جس کا ابنِ خلدون نے جابجا تکرار کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:۔

ان الصنائع والمبانی فی ملة الاسلامیة قلیلة بالنسبة الی قدرتها و بالقیاس الی من کان من الدول قبلها[1]۔

(ترجمہ) اس قدر استطاعت کے اعتبار سے جو مسلمانوں کو حاصل تھی۔ اور ان حکومتوں کی صنعتی اور عمارتی ترقیات کے لحاظ سے جو مسلمانوں سے پہلے گذریں۔ ملتِ اسلامیہ میں صنائع اور مبانی کم ہیں"۔

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ان الصنائع من منتحل الحضر والعرب ابعد الناس عنها[2]

(ترجمہ) صنعت عجمیوں اور اہلِ فارس کی چیز ہے۔ اور اہلِ عرب تو اس سے بہت دور ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۹۲ بحوالہ ابن خلدون۔

[2] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۹۰ مطبوعہ بولاق

مگر تاریخ کی روشنی میں یہ رائے بھی یکسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب صنعت و حرفت کے ساتھ خاص ذوق رکھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے بیشمار صنعتی چیزیں ایجاد کی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کاغذ سازی کی صنعت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا[1]۔ بارود[2] بنائی۔ شکر کی تجارت کی۔ اس کے معامل بنائے۔ اور اس کی بہت سی قسمیں بنائیں[3]

عربوں نے آلات جبر و ثقل بنائے۔ اور ان کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں[4]۔ نیز انہوں نے سرجری کے بیشمار آلات طیار کیے۔ جن کی تصویریں ابو القاسم الزہراوی کی کتاب التصریف لمن عجز عن التألیف میں جابجا منقوش ہیں[5]۔ علاوہ ازیں انہوں نے بلور سازی کی صنعت کو شروع کیا۔ اور کاغذ بنانے کے کارخانے بنائے[6]۔ اور سب سے پہلے گھڑی بنائی۔ چنانچہ جامع دمشق کی گھڑی تمام دنیا میں مشہور ہے جس کا ذکر ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے[7]۔

علاوہ ازیں عربوں نے بہت سے آلات حرب بنائے۔ اور بہت سے آلات مائیہ وغیر مائیہ۔ آلات رافعہ و ناقلہ و متحرکہ و مستویہ و روحانیہ بنائے[8]۔ اور انہوں نے عباسیوں کے عہد میں بہت سی آرائش کی چیزیں ایجاد کیں۔ چنانچہ انہوں نے چاندی آبنوس اور صندل کی بہت سی چیزیں بنائیں۔ اور کپڑوں پر سونے اور چاندی کے کام بنائے۔ اور حریر احمر و اخضر و ازرق و اصفر کی بہت سی قسمیں بنائیں[9]۔

جسٹس امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں عربوں کی صنعتی اور تجارتی ترقی کے ذکر کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۲۰۰ ۔ [2] ملاحظہ ہو۔ الہلال مصر جلد دوم صفحہ ۸۷ ۔ [3] ملاحظہ ہو برٹش انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل شوگر۔

[4] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۴۷ ۔ [5] ملاحظہ ہو کتاب الزہراوی مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ ۔ [6] ملاحظہ ہو نفح الطیب المقری۔ جلد دوم صفحہ ۸۷۳ مطبوعہ بولاق ۔

[7] ملاحظہ ہو رحلۃ ابن جبیر صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ لیدن۔

[8] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۴۴ ۔ [9] ملاحظہ ہو مروج الذہب از مسعودی جلد اول صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ مصر ۔

سلسلے میں لکھتے ہیں۔ کہ عربی دورِ حکومت میں خراسان کی لوہے کی کانوں اور کرمان کی سیسہ اور چاندی کی کانوں میں قابل انجنیئر کام کرتے تھے۔ تبریز میں چینی اور سنگ مرمر۔ شمالی ایران میں نمک اور گندھک۔ اور عراق جیا میں مٹی کے تیل کی کانیں معلوم کر کے کام شروع کیا گیا بصرہ کے صابون اور بلور کے کارخانے سب جگہ مشہور تھے اور کاغذ کے کارخانے بھی بہت مشہور تھے۔ کوفہ ریشمی اور نیم ریشمی پٹکوں کے لئے مشہور تھا۔ یہ پٹکے آج تک مغربی ایشیا میں ملتے ہیں۔ اور ان کو کوفیہ کہتے ہیں۔ خوزستان اپنی باریک کاریگری کے لئے شہرۂ آفاق تھا۔ تستر کی زربفت۔ قرقوب کے قیمتی غالیچے۔ اور سوس کی کمخواب دنیا بھر میں مشہور تھی۔ خراسان میں کمخواب کے اونی پردے اور چادریں تیار ہوتی تھیں۔ اور شام بلور کے کارخانوں کے لئے مشہور تھا۔ یہاں بلوریں برتنوں میں سنہرے اور دوسرے رنگ ایسی اُستادی سے ملائے جاتے تھے۔ کہ ان کی تعریف میں قدیم مؤرخ رطب اللسان ہیں۔ پھر گندم۔ خرما۔ کھجور۔ جو۔ چاول۔ کپاس اور مختلف اقسام کے پھل سلطنت میں بکثرت تھے۔ جن کی ملک میں بڑی کھپت تھی۔ جابجا کھانڈ بنانے کے کارخانے تھے جن سے یورپ کو مال جاتا تھا۔ علاوہ ازیں بلوریں برتن۔ مٹی کے برتن۔ ریشمی اور اونی کپڑے تیل اور عطریات وغیرہ دیگر ممالک کو جاتے تھے[۱] الخ

المختصر یہ کہ عربوں نے صنعت و حرفت اور تجارت میں نہایت شاندار ترقی کی۔ اور اس چیز میں وہ تمام اقوام پر سبقت لے گئے۔ چنانچہ جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

[اما الصناعة فقد اخذوا منها بنصيب كثير لانهم كما برعوا بالاتجار برعوا ايضاً باصطناعها وارتقت الصناعة عندهم۔ حتى فاقوا فى بعضها البلاد الاخرى وامتازوا بالصناعات خاصة بهم[۲]

(ترجمہ) عربوں نے صنعت میں بڑا حصہ لیا۔ کیونکہ وہ جس طرح تجارت میں بڑھ گئے اسی طرح

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ شارٹ ہسٹری آف سیراسین باب چہاردہم ؛

[۲] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۴۲ ؛

وہ صنعت میں بھی بڑھ گئے ۔ حتیٰ کہ وہ بعض صنعتوں میں دوسرے ملکوں سے بازی لے گئے اور ان صنعتوں میں ممتاز ہو گئے ۔ جو اُن کی خاص صنعتیں تھیں "۔

یہ تھی صنائع کی حالت اب مبانی کا حال سنیئے ۔ کہ عربوں نے اپنے عہد میں نہایت شاندار شہر بسائے ہیں ۔ چنانچہ بصرہ ۔ کوفہ اور فسطاط کی بنیادیں ہی عربوں نے رکھی ہیں[۱] ۔ ان میں سے بصرہ کی شان و شوکت اور اس کے محلوں کی رونق کا یہ عالم تھا ۔ کہ ابن اثیر، اصطخری اور ابن حوقل اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ۔ اور کوفہ کی شان و تجمل اور تجارت کا یہ حال تھا ۔ کہ تمام دنیا میں اس کی شہرت تھی ۔ اور تمام دنیا میں یہاں سے مال جاتا تھا۔ درحقیقت کوفہ ایک طرح کا ماڈل ٹاؤن تھا ۔ جو عربی تہذیب کے مطابق ایک طرزِ خاص پر بسایا گیا تھا ۔ اور دورِ حاضرہ کے نوآباد شہروں کی طرح اس کے لئے یہ حکم تھا ۔ کہ اس کی عمارات تین منزلوں سے زیادہ بلند نہ کی جائیں[۲]۔

علیٰ ہذا فسطاط بھی عربوں کی ایک بہترین اور شاندار نوآباد بستی تھی ۔ اور قاہرہ بھی عربوں ہی نے بسایا تھا ۔ جس میں دولت فاطمیین نے شاندار عمارات قائم کیں[۳] ۔ اور بغداد کو بھی عربوں ہی نے از سر نو آباد کر کے اپنے جلال و جبروت کا مرکز بنایا تھا ۔ یہ شہر عباسیوں کی شان و شوکت کا گہوارہ تھا ۔ جو دجلہ کے قریب غربی جانب بسایا گیا تھا ۔ اس کی مدنی حالت کا یہ عالم تھا ۔ کہ اس میں بہت بڑے چالیس محلے تھے جو بجائے خود چالیس[۴] قصبے تھے ۔ اور عمارات کی کثرت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس میں ساٹھ ہزار تو صرف حمام[۵] تھے

ان شہروں کے علاوہ مسلمانوں نے مصر و شام اور فارس میں بہت سے شہروں کی بنیادیں رکھیں ۔ اور بلاد مغرب میں قیروان اور عراق میں واسط کی بنا رکھی ۔ پھر وہ بہت سے شہروں میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے ان کی مدنیت کو چار چاند لگا دیئے اور ان کی عمارتی شان و شوکت کو ہزار چند بنا دیا ۔ ان شہروں میں دمشق ۔ غرناطہ ۔ قرطبہ

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد دوم صفحہ ۱۸۷ [۲] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد دوم صفحہ ۱۰۸ [۳] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۹ [۴][۵] سیر الملوک صفحہ ۵۵

طلیطلہ اور اسکندریہ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[1]۔ اس سلسلے میں قرطبہ کی نسبت جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

فتح المسلمون الاندلس فنزلوا طلیطلۃ ثم جعلوا مقرالامارۃ فی قرطبۃ وزاد الامویون عمارتھا وانشاؤ لاجیھا من القصور و المساجد والجسور وغیرھا فاتسعت مساحتھا[2]

(ترجمہ) مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا۔ پھر وہ طلیطلہ میں آئے اور پھر انہوں نے قرطبہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ خلفائے بنی امیہ نے اس کی عمارات میں اضافہ کیا۔ اور اس میں محلات اور مسجدیں اور پل بنائے۔ جن سے قرطبہ کا طول و عرض بڑھ گیا۔

پھر شہروں کے علاوہ عربوں نے اپنے عہد میں نہایت نادر روزگار عمارات کی بنیادیں رکھیں چنانچہ شام میں خلفائے بنی امیہ میں سے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ایک نہایت شاندار مسجد جامع دمشق بنائی[3] اور حجاج بن یوسف نے واسط میں قبۃ الاسلام بنایا[4]۔

اسی طرح عباسیوں نے بہترین قصور۔ جوامع اور حصون بنائے۔ جن میں سے قصر الخلافۃ اور قصر باب الذہب بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ معتضد نے بغداد میں قصر التاج اور قصر الثریا بنوائے[5] اور مقتدر نے دار الشجرہ تعمیر کرایا[6]۔ یہ عمارات دنیا کی عجیب ترین اور بہترین عمارات تھیں۔

علیٰ ہذا اندلس کے خلفاء نے دنیا کی عجیب ترین اور بہترین عمارات تعمیر کرائیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن الناصر نے قرطبہ میں قصر کبیر تعمیر کرایا۔ اور قرطبہ کی مسجد بنائی جو دنیا کی عظیم ترین مسجد تھی۔ اور اب گرجا بن چکی ہے۔ خلیفہ ناصر منصور بن ابی عامر نے زاہرہ

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد دوم صفحہ ۱۹۰ ؛ [2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۱۰ ؛ [3] ملاحظہ ہو رحلۃ ابن جبیر صفحہ ۲۶۳ مطبوعہ لیدن ۔ [4] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۹۳ ؛ [5] ملاحظہ ہو معجم البلدان از یاقوت حموی جلد اوّل صفحہ ۸۰۶ و ۲۴۲ مطبوعہ لیپک

[6] ملاحظہ ہو معجم البلدان از یاقوت حموی جلد سوم صفحہ ۵۲۰ ؛

کے نام سے ایک شاندار دار الاقامہ بنایا - اور ابن احمر نے قرن ثامن میں غرناطہ کا اہتمام بالشان قصر الحمرا تعمیر کرایا - جس کا رنگ سرخ تھا - اور جس میں شاندار محلات تھے اور جس میں حوض کے کنارے سیاہ تماثیل تھیں - جن کے منہ سے فوارے کی شکل سے پانی نکلتا تھا[1]

پھر مصر میں ابن طولون نے ایک بیت الذہب بنوایا - جس پر خالص سونے کا پانی پھیرا گیا - اور قاہرہ میں فاطمیوں نے جامع ازہر بنائی جو آج تک موجود ہے - اور مصر میں ایوبیوں اور سلاطین ممالیک نے قلعۂ قاہرہ - جامع السلطان اور جامع المؤید وغیرہ کی عمارات بنوائیں[2]

ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہے - کہ عربوں کے نظام حکومت اور تمدن کے متعلق پروفیسر براؤن کا طرز استدلال و تنقید یکسر غیر صحیح ہے -

یہ صحیح ہے کہ علوم و فنون کی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں خالص عربوں کا حصہ نسبتاً کم ہے - چنانچہ ابن خلدون نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے اور اس نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں اس موضوع پر ایک باب حملۃ العلم اکثرہم العجم کے نام سے باندھا ہے[3] علی ہذا جرجی زیدان نے اس امر کی توضیح کی ہے اور اس نے بھی اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں اسی عنوان سے ایک باب باندھا ہے[4] -

یہ بھی صحیح ہے کہ نہ صرف علوم دخیلہ مثلاً منطق - فلسفہ - طب وغیرہ اور علوم لغت و صرف و نحو وغیرہ میں ہی غیر عربوں کی تصانیف زیادہ نظر آتی ہیں - بلکہ مذہبی علوم میں بھی ہم علمائے حدیث و فقہ میں وہب بن منبہ حسن بن ابی الحسن - عطا بن ابی رباح طاؤس یمنی - مکحول شامی وغیرہ غیر عربوں کے اسمائے گرامی پیش پیش دیکھتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۹۷ و ۹۸ -

[2] ملاحظہ ہو - تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۱۰۰ -

[3] ملاحظہ ہو - مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۵۹۰ مطبوعہ بولاق -

[4] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۴۸ -

کہ خالدانِ عرب کے اصل باشندے تصنیف وتالیف کا کوئی ذوق نہ رکھتے تھے۔ یا وہ اس چیز کے قدردان نہ تھے۔ بلکہ اس کے حقیقی اسباب کچھ اور ہیں اور اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) اہلِ عرب ابتداءً اہل بادیہ تھے۔ پھر جب وہ اسلام کی دولت سے متمتع ہوئے تو انہوں نے تبلیغ ودعوتِ قرآن حکیم شروع کی اور اس کے معاً بعد انہوں نے۔ شام عراق۔ مصر۔ افریقہ اور فارس وغیرہ ممالک فتح کئے۔ اور خطۂ عرب کی یہ ایک قلیل ترین جماعت تھی جو دنیا کے تمام حصوں میں پھیل گئی۔ پس اگر کثیر التعداد اقوام عالم کے مقابلے میں عرب کی اس قلیل جماعت کی تصانیف کی تعداد کم ہے۔ تو اس میں تعجب یا شکایت کا کوئی مقام نہیں۔

(۲) عربی زبان کی صرف ونحو ولغت وغیرہ کے سلسلے میں اہلِ عرب خود ان علوم کی تحصیل کے چنداں ضرورت مند نہ تھے۔ اور ان علوم کی اگر زیادہ ضرورت تھی تو غیر عربوں کو۔ لہٰذا غیر عرب مثلاً حماد الروایہ۔ خلیل۔ سیبویہ۔ اخفش۔ زجاج وغیرہم نے بیشتر اس سلسلے کی کتابیں لکھیں۔ تاہم عربی حکومتوں نے اس کام میں ان کی مدد کی۔ تاکہ علوم کی تدوین سے علوم اسلامیہ کی اصل زبان کا تحفظ ہوسکے۔ اور اس زبان کی ترویج ملک میں زیادہ سے زیادہ ہو۔

(۳) علوم طب وفلسفہ وغیرہ کے سلسلے میں ابتداءً ان علوم کی نقل وترجمہ وشرح وغیرہ کے لئے غیر زبانوں کا علم ضروری تھا۔ اور ظاہر ہے کہ عرب ابتداءً ان زبانوں سے بالعموم ناآشنا تھے۔ لہٰذا انہوں نے یونان۔ فارس۔ ہند۔ وغیرہ کی فنی کتابوں کے نقل وترجمہ وتہذیب کے لئے یونانی۔ سریانی۔ فارسی اور ہندی زبانوں کے علماء کو اس خدمت پر متعین کیا۔ جو اکثر غیر عرب تھے۔

(۴) خلافت عباسیہ میں بہت سے عربوں نے تمام علوم وفنون پر بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ان کو عرب شمار نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس دور میں عربوں اور غیر عربوں کے باہمد گر اختلاط وتعلقاتِ مناکحت کی وجہ سے اکثر عربی خاندان خالص عربی نہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ اکثر خلفاء کی مائیں غیر عرب تھیں۔

(۵) ممالک مفتوحہ میں عربوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور ممالکِ محروسہ کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اس لئے عربوں کی توجہ زیادہ تر تبلیغ و دعوت۔ قوانین جہانبانی کی تاسیس اور انصرامِ مہماتِ سلطنت کی مشکلات کے حل کرنے پر مرکوز رہی۔ لہٰذا تصنیف و تالیف کا کام انہوں نے زیادہ تر ان قوموں اور جماعتوں کے حوالہ کر دیا۔ جو اس کام کے لئے زیادہ مناسب اور موزوں تھیں۔ اور خود علوم و فنون اور مؤلفین و مصنفین کی اس طرح اعانت اور سرپرستی کی۔ کہ جا بجا دار المصنفین بنوائے کتب خانے قائم کرائے۔ مدارس و بیمارستانات تعمیر کرائے اور علما۔ اور مصنفین کیلئے بیش قرار وظائف مقرر کئے۔

نظر بحالاتِ بالا اگر ہم دورِ اوّل میں خالص عربوں کی تصانیف اور تالیفات کی تعداد غیر عربوں کے مقابلے میں نسبتاً کم دیکھتے ہیں تو اس سے عربی دماغ کی علم پرور عظمت کا اور زیادہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ عربوں نے کس حسن اسلوب کے ساتھ تقسیم عمل کرتے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل اور سرپرستی کی۔ ان کی اپنے سایہ میں پرورش کی اور تمام دنیا میں ان کی نشر و اشاعت کی۔

؎ جاحظ کی جس کتاب البخلاء کا حوالہ پروفیسر براؤن نے ان سطور میں دیا ہے۔ وہ ۱۳۲۴ھ میں مصر میں طبع ہوئی ہے۔ جاحظ عربی دور کے بہترین ظرفا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس لئے اس کی یہ تالیف ظرافت کا ایک بہترین گنجینہ ہے۔ لیکن اس نوع کی تالیفات جو محض از راہِ ظرافت لکھی جایا کرتی ہیں عموماً مبالغہ سے پُر ہُوا کرتی ہیں۔ اور اس لئے علمی دنیا میں اس قسم کی کتب کی ظریفانہ حکایات کو تاریخی حقائق کا درجہ کسی طرح نہیں دیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے۔ کہ جاحظ طبعاً طب نظام طب اور فلسفہ کی مخالفت میں بذلہ سنج رہنے کا عادی تھا۔ چنانچہ اس نے طب اور فلسفہ کی تنقیص پر کتابیں لکھیں۔ جن کے جواب میں رازی جیسے طبیب کو کتاب فی الرد علی الجاحظ فی نقض صناعۃ الطب اور کتاب فی تناقض قول الجاحظ کتابیں لکھنی پڑیں[1]۔

پھر اگر ایک جاحظ کی روایت کو معتبر قرار دے کر اس سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اسد بن جانی ایک ناکام مسلمان عربی طبیب تھا۔ تو اس سے یہ کس طرح لازم آتا ہے۔ کہ عربی دورِ علم و حکمت میں تمام

[1] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء از ابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۳۱۶

مسلمان اور عربی اطباء ناکام اور باعتبار علم و عمل تہی دامن تھے؟ درانحالیکہ عربی اطباء میں حارث بن کلدہ ابوالحکم ابوالعرب یوسف بن محمد اور علاء الدین ابوالحسن علی بن حازم مکی - المقلب بقرشی جیسے مسلم و غیر مسلم شخصیتیں موجود ہیں - اور غیر عربی اور مسلم اطباء میں ابن البیطار - ابن الجزار ابن وافد - ابونصر فارابی - ابن باجہ - ابن رشد - ایلاقی - بوعلی سینا اور ذکریا رازی جیسی عظمتیں رونق آرائے محفل طب ہیں -

یہ حقیقت ہے - کہ عربی دورِ حکومت میں نہایت بلند پایہ عربی اور غیر عربی مسلم اطباء گزرے ہیں - جن کی جلالتِ علم اور قدر و منزلت کا سکہ تمام ملک میں رواں تھا - اور یہ عربی عہد حکومت کی انتہائی فیاضی تھی - کہ اطباء کی تکریم کے سلسلے میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی -

اسلامی دور میں اطباء کی یہ حالت ہرگز نہ تھی - جس کا ذکر جاحظ کی حکایت میں کیا گیا ہے اور جس کا تذکرہ پروفیسر براؤن نے اپنی عبارت میں آگے چل کر یوحنا بن ماسویہ کی وفات کے سلسلہ میں کیا ہے - بلکہ اس عہد میں اطباء کی نہایت قدر و تکریم کی جاتی تھی - چنانچہ منصور کے عہد میں[1] جورجیس - ہارون الرشید کے زمانے میں[2] - جبریل بن بختیشوع معتصم باللہ کے دور میں[3] سلمویہ بن بنان - معتضد کے وقت میں[4] ثابت بن قرہ - متوکل کے عصر میں[5] حنین بن اسحق - اور عزیز باللہ فاطمی کے ایام دولت و اقبال میں[6] منصور بن مقشر کی عزت و تکریم کے افسانوں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں -

سلاطین اسلام کے دور میں اطباء کی اس قدر تعظیم کی جاتی تھی - کہ بادشاہوں کے درباروں میں اطباء ان کے ساتھ ایک جگہ تخت پر بیٹھتے تھے[7] - اطباء کے مراکب و زمام

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۲۴ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۳۰

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۶۵ [4] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۱۶ -

[5] ملاحظہ ہو مختصر الدول از ابوالفرج الملطی صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ بیروت ؛

[6] ملاحظہ ہو مختصر الدول از ابوالفرج الملطی صفحہ ۳۱۶ ؛

[7] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۴۹ ؛

اور امرائے سلطنت کے مواکب کے ساتھ چلتے تھے[1]۔ اور سلاطین اور اطباء کے ساتھ دوستانہ طور پر بے تکلفی کی باتیں ہوا کرتی تھیں[2]۔ یہی حال رعایا اور پبلک کا تھا۔ جو اطباء کی دل و جان سے قدر کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ ان کے غم و الم میں برابر کی شریک ہوتی تھی۔ چنانچہ جب جبرئیل کا انتقال ہوا۔ تو تمام ملک میں کہرام مچ گیا[3] اور شعراء نے اس کے غم میں مرثیے لکھے۔

قصہ مختصر یہ کہ اسلامی عہد دولت و اقبال میں اطباء کی تعظیم و تکریم کا افسانہ ایک دلچسپ اور طویل داستان ہے۔ سردست میں اس داستان کا ایک پارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ اس عہد میں سرسری طور پر اطباء کی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکیں ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

مصر میں حکومت فاطمیہ کے خلیفہ عزیز باللہ کے عہد میں بے شمار اطباء سلطنت کی جانب سے فنی خدمات پر مامور تھے۔ جن پر خلیفہ کی طرف سے عنایات پیغامات کا سلسلہ جاری تھا۔ ان اطباء میں ایک طبیب منصور بن مقشر تھا۔ جو خلیفہ عزیز باللہ فاطمی کا طبیب خاص تھا۔ اور جس کا خلیفہ وقت بہت زیادہ احترام کرتا تھا[4]۔

ایک مرتبہ جب یہ طبیب منصور بن مقشر بیمار ہو گیا۔ بعد ازاں اس کی بیماری میں افاقہ ہوا۔ اور بالآخر صحت یاب ہو گیا۔ تو اس تمام عرصہ میں وہ حاضر دربار نہ ہو سکا۔ اب خلیفہ عزیز باللہ کو اس کی جدائی بہت شاق محسوس ہوئی۔ تو اس نے طبیب موصوف کو ایک محبت نامہ ارسال کیا۔ جس میں اس نے منصور بن مقشر کو اس کی صحت یابی پر بشارت دی اور اس سے اپنی قلبی محبت کے عمیق احساس کا اظہار فرمایا۔ یہ مکتوب محبت ابو الفرج الملطی کی کتاب مختصر الدول میں درج ہے[5]۔ اور میں اس کو ذیل میں بجنسہٖ نقل کرتا ہوں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۶۴ — [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۴۸ ۔ [3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۳۵ ۔

[4] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۸۹ مطبوعہ قاہرہ ۔

[5] ملاحظہ ہو مختصر الدول از ابو الفرج الملطی صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ بیروت ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ علیٰ طبیبنا سلّمہٗ اللہُ سلامَ اللہَ الطیّب واتمّ النعمۃ علیہ ۔ وصلت البشارۃ بما وھبہ اللہ من عافیۃ الطبیب وبرئہ وَاللہ العظیم لقد عدل عند نا ما نزلنا نحن من الصحۃ فی جسمنا اقالك اللہ العثرۃ وعادك الی افضل ما عودك من صحۃ الجسم وطیبۃ النفس وخلص العیش بحولہ وقوتہ ÷

ترجمہ ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے ۔ ہمارے طبیب پہ (اللہ اس کو سلامت رکھے) اللہ کی پاک سلامتی پہنچے ۔ اور اللہ اس پر اپنی نعمت تمام کرے ۔ مجھ کو خوش خبری پہنچی ہے ۔ کہ اللہ نے ہمارے طبیب کو صحت بخشی ہے ۔ خدا کی قسم خدا نے ہمارے ساتھ بڑا انصاف کیا ہے ۔ کہ ہمارے طبیب کو ہمیں عطا کیا ۔ اب ہم تندرست ہیں ۔ خدا تجھ کو آرام و آسایش دے اور اپنی قوت اور عنایت سے تجھ کو اس سے زیادہ جسمانی صحت، روحانی خوشی اور عشرت دے ۔ جو آج اس نے تجھ کو عطا کی ہے ۔"

ظاہر ہے کہ ان حقائق کی روشنی میں جاحظ کی روایت سے پروفیسر براؤن کا استنتاج یکسر غیر صحیح ہے ۔

۹ ان دونوں نظموں کو ہجویہ نظمیں قرار دینا صحیح نہیں ۔

۱۰ افلاطون کے فلسفۂ جدید کو جرجی زیدان نے فلسفۂ افلاطونیہ جدیدہ کے نام سے ذکر کیا ہے ۔ اور جرجی زیدان کا گمان ہے ۔ کہ یہ وہ فلسفہ ہے جو بعد میں صوفیہ کی تعلیمات کی اساس بنا ۔ ملاحظہ ہو ۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۳۱ ۔ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا میں اس فلسفہ اور اس کے علماء کے حالات پر تفصیل سے بحث کی ہے (ملاحظہ ہو ۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا صفحہ ۱۶۷)

۱۱ قرآن شریف میں علم طب اور حفظ صحت کے متعلق بے شمار احکام ملتے ہیں ۔ جو زیادہ تر مذہبی احکام کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں ۔ مثلاً ۔ قرآن نے شراب دم میتہ

اور لحم خنزیر کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن نے وضو کا حکم دیا ہے۔ اور مریض کے لئے تیمم کی اجازت بخشی ہے۔ قرآن نے روزہ فرض کیا ہے۔ جو صحت انسانی کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن مریض اور مسافر کو قضا کی اجازت عطا کی ہے اور شیخ فانی کو معذور قرار دیا ہے۔ پھر کلوا من الطیبات کہہ کر اچھی غذاؤں کے استعمال کا حکم دیا ہے۔ اور کلوا واشربوا ولا تسرفوا فرما کر اعتدال استعمال کی جانب متوجہ کرایا ہے۔ اسی طرح کے صدہا احکام قرآن کریم میں ملتے ہیں۔ جو طب کی جان ہیں و للہ در ما قال۔

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصر عنہ افہام الرجال

علیٰ ہذا اگر کتب واسفار احادیث کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔ اور بخاری۔ نسائی۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ کتب احادیث کو جمع کر کے طب سے تعلق رکھنے والے احکام اور مسائل کا مطالعہ کیا جائے تو طب کا ایک نہایت شاندار اور گرانقدر ذخیرہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اور پھر اگر قرآن اور حدیث کے طب سے تعلق رکھنے والے احکام و مسائل کو یکجا جمع کیا جائے تو جدید و قدیم سائنس کے اصول کے عین مطابق ایک نہایت مدلل مفید، اہم سائینٹیفک اور بلند پایہ کتاب طب مرتب کی جا سکتی ہے۔

افسوس ہے۔ کہ اس مقصد کے لئے اب تک کوئی کامیاب کوشش نہیں کی گئی۔ اور مجھے توقع ہے کہ اگر مصروفیتوں نے اجازت دی تو قرآن و حدیث کی معلومات کی روشنی میں ایک صحیح تر اسلامی طب پیش کر سکوں گا۔ اور اس وقت پروفیسر براؤن کے ہم خیال اصحاب پر واضح کر سکوں گا کہ قرآن اور حدیث نے نوع انسانی کے لئے کس قدر شاندار طب کو دنیا میں پیش کیا ہے۔

سطر ۱۲ یہ اطلاع غلط ہے۔ طب نبوی کے نام سے ہندوستان میں ایک ۵۶ صفحہ کا مختصر سا رسالہ ضرور موجود ہے۔ جو اس وقت میرے پیش نظر ہے اس کو حافظ اکرام الدین صاحب واعظ نے تالیف کیا۔ اور مطبع نولکشور لکھنؤ نے طبع کیا ہے۔ لیکن یہ کسی مستند طبی درسگاہ میں یہاں نہیں پڑھایا جاتا۔ اور نہ یہاں مستند اور ممتاز علماء اور اطباء نے اس کو کوئی خاص اہمیت دی ہے

سطر ۱۳ ان سطور میں پروفیسر براؤن نے ابن خلدون کی جس عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔

وہ مقدمہ ابن خلدون مطبوعۂ بولاق میں صفحہ ۵۵ پر مسطور ہے۔

۱۴۷ پروفیسر براؤن نے ان سطور میں تین چیزیں ذکر کی ہیں۔ پہلی استعمال کافور بجائے نمک۔ دوسری مبادلۂ نقرہ بطلاء اور تیسری بیع جوہر بثمن قلیل۔ لیکن پروفیسر موصوف نے ان کے ثبوت میں کوئی سند پیش نہیں کی۔ تاہم مجھے تسلیم ہے کہ بعض کتب تاریخ میں اس نوع کی حکایات ملتی ہیں۔ لیکن ان کو ابتدائی عہد اسلامی کے عربوں کی جہالت نماسادگی کے ثبوت میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

پہلی چیز کے متعلق یہ عرض ہے۔ کہ دیگچی میں نمک کی جگہ کافور کا استعمال ایک بھول تھی۔ جو اسلامی فوج کے بعض غیر شہری افراد سے ہو گئی تھی۔ اور عام انسانی زندگی میں اس طرح کے واقعات ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر اگر ایک یا دو تین بدوی افراد سے اس نوع کے کسی واقعہ کا ثبوت ملتا ہے۔ تو اس کی بنا پر تمام عرب قوم کی بے خبری پر کس طرح حجت قائم کی جا سکتی ہے۔؟

دوسری چیز یعنی مبادلۂ نقرہ بطلاء کی نسبت یہ عرض ہے کہ پروفیسر ای۔ جی براؤن کے سامنے اس دور کے عربوں کی صحیح مذہبی ذہنیت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ عرب سونے[1] چاندی کی قیمتوں میں فرق ضرور جانتے تھے۔ لیکن وہ مذہب میں اس قدر انہماک اور دنیا کی متاع سے اس قدر نفرت رکھتے تھے کہ ان کی آنکھوں میں سونا اور خزف برابر تھے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں عربوں میں اسلامی تجارت خاص طور پر فروغ پا چکی تھی۔ اور سونا چاندی اور اجناس وغیرہ اشیاء پر زکوٰۃ کے احکام نافذ تھے اور بعد ازاں خالد بن ولیدؓ۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان عبد الملک بن مروان وغیرہم کے دور میں سونے اور چاندی کے سکے ملک میں جا بجا رائج تھے۔ جن کی تصویریں جرجی زیدان نے اپنی تاریخ التمدن الاسلامی میں شائع کی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ دنیا کے بازاروں میں عرب سونے کی قیمت سے بخوبی واقف تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد اوّل صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ مطبع الھلال مصر۔

پھر وہ کیا چیز تھی۔ جس نے سونے کے بدلے میں چاندی قبول کرنے پر آمادہ کیا؟ آہ!
یہ چیز سرمایہ پرست مغرب کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یقیناً یہ وہی جذبۂ نفرت متاع دنیا تھا۔ جس کو قرآن نے متاع الغرور کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ جذبہ قرن اوّل کے مسلمانوں کی زندگی میں بدرجۂ اتم تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے مدائن کو فتح کیا۔ تو ان کے ہاتھ نہایت بیش قیمت جواہرات۔ سونے چاندی کے برتن اور حریر و دیبا کے گرانقدر ملبوسات آئے۔ اور کسریٰ کا تاج بھی ان کے قدموں میں آیا اور جب یہ مال غنیمت تقسیم کرنے کی غرض سے عراق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اونٹوں پر لد کر مدینہ میں آیا تو فاروق اعظم یہ نقش دیکھ کر یہ سوچ کر آبدیدہ ہو گئے۔ کہ کہیں یہ کثرتِ مال و منال مسلمانوں کو حب دنیا میں مبتلا کر کے دین سے غافل اور سقوط و انحطاط کی جانب مائل نہ کر دے[1]۔ علاوہ ازیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حریر و دیبا کے کپڑوں کو ناپسند فرمایا تھا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس حریر اور سونے کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا[2] ہے

حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں جہاں نہ ہی خدا اور نہ ہی مقصد حیات ہے۔ یہ چیز کسی طرح نہیں سمجھی جا سکتی کہ مسلمانوں نے سونے کو کس قدر ذلیل اور حقیر سمجھا ہے۔ اور نہ اس کو اس نوع کے دقیق مسائل کے سمجھنے کی زحمت گوارا کرنی چاہیئے۔
رہی تیسری چیز یعنی بیع جوہر بثمن قلیل تو اس کی حقیقت بقول علامہ فخری صرف اس قدر ہے۔ کہ ایک بدوی نے ایک نہایت بیش قیمت جوہر کو سستے داموں یعنی ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک ہزار سے زیادہ گنتی نہ جانتا تھا[3]۔ چنانچہ جرجی زیدان اس واقعہ کو اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

ذکروا ان بدویا ظفر یوم المدائن بجوھر من الیاقوت کبیر یساوی مبلغاً عظیماً فلم یدر قیمتہ فاشتراہ منہ بعضھم بالف درھم

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۱۰۹ ـ
[2] ملاحظہ ہو کتاب الخراج از یوسف البلوی جلد اوّل صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ مصر ـ
[3] ملاحظہ ہو کتاب آداب السلطانیہ از فخری صفحہ ۷۴ ـ

ثم علم انه کان یساوی اضعاف ذالك المبلغ فلامه اصحابه
علی تفریطه به فقال لو عرفت عدداً اکثر من الالف لطلبته۔

ترجمہ:۔ کہتے ہیں کہ ایک بدوی نے فتح مدائن کے دن ایک بڑا اور بیش قیمت یاقوت بطور مال غنیمت حاصل کیا۔ وہ اس کی قیمت سے ناآشنا تھا۔ لہٰذا اس سے بعض اشخاص نے اس یاقوت کو ایک ہزار درہم میں خرید لیا۔ پھر جب معلوم ہوا کہ یہ یاقوت تو اس سے کئی گنا زیادہ قیمت کا تھا اور اس پر اس بدوی کے دوستوں نے اس کو ارزاں فروشی پر ملامت کی تو وہ کہنے لگا۔ کہ اگر میں ایک ہزار سے زیادہ گنتی جانتا۔ تو اس سے زیادہ قیمت طلب کر لیتا۔ مگر مجبوری تھی؛

اب ظاہر ہے کہ ایک صحرائی بدوی سے جسے دنیا کے تمدن اور آئین تجارت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اس قسم کا معاملہ سرزد ہو گیا۔ تو اس سے تمام عرب قوم کی لاعلمی اور بے خبری پر کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک بدوی اور فوجی بدوی سے یہ توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ پورا جوہر شناس یعنی جوہری ہو۔ اور علم الحساب میں پورا ماہر بھی ہو:

۱۵ یہ غلط ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جابر کی بہت سی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں اور اکثر مغربی مصنفین ان کو کسی غیر معروف شخص گیبر اور دیگر یورپین مصنفین کے ناموں کے ساتھ منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۶ جابر بن حیان بن عبداللہ کوفہ کا متوطن تھا اور ۶۸۵ء میں شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ کے زمانہ میں کوفہ میں موجود تھا۔ ابن الندیم بغدادی مؤلف کتاب الفہرست اسے حضرت جعفر صادقؓ کا رفیق بیان کرتا ہے[۲]۔
اہل مغرب جابر بن حیان کے نام کی بے تعظیم کرتے ہیں پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن موسیو

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد پنجم صفحہ ۱۰۸ –

[۲] ملاحظہ ہو۔ کتاب الفہرست صفحہ ۳۵۴ و ۳۵۵ مطبوعہ لیپسک +

لیبان - موسیو گستا ولیبان اور تمام مستشرقین و مورخین مغرب نے جابر کو تاریخ علم کیمیا کا ہیرو قرار دیا ہے۔ ہالمائرڈ اور سارٹن کی رائے ہے - کہ مشہور عربی کیمسٹ جابر ایک نہایت بلند مرتبہ کیمیا دان ہے - اور فرانس کے مشہور اور ممتاز ڈاکٹر جوزف ہیرڈ اپنی مشہور فرانسیسی کتاب تاریخ طب عربی میں عہد بنی امیہ میں دور اول کے عربی اطبا کی مساعی علمیہ کے ذکر کے ضمن میں امام جعفر صادق اور جابر بن حیان کے عام طبی اور علم کیمیا، کے تجربات و انکشافات کو نہایت تحسین آمیز الفاظ میں ذکر کرتے ہیں[1]

جابر بن حیان کو اہل مغرب گیبر (Geber) کہتے ہیں - اور جابر کی بہت سی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں بعض متعصب مغربی مصنفین ان کو کسی غیر معروف شخص گیبر کی جانب منسوب کرتے ہیں -

تمام منصف مزاج مغربی مؤرخین کو اعتراف ہے - کہ جابر بن حیان نے علم کیمیا کو سائینٹیفک طور پر مرتب کیا - جابر ہی نے کشتہ جات، تیزابات اور معدنی نمکیات بنائے اور تصعید، ترشیح تبخیر، تقطیر وغیرہ کے طریقے ایجاد کئے - شراب سے الکحل نکالنے کا طریقہ دریافت کیا - اور آرسنک (سنکھیا سیاہ) اور اینٹی مونی (ایک قسم کی دھات) وغیرہ کو ان کے مرکبات سے علیحدہ کرنے کے اصول معلوم کئے -

علم کیمیا پر جابر بن حیان کی تقریباً ایک ہزار کتابیں ذکر کی جاتی ہیں لیکن افسوس ہے - کہ پوری سعی و جستجو کے باوجود اس فن پر جابر کی صرف معدودے چند کتابیں ہمارے مطالعہ سے گذری ہیں -

جابر بن حیان کی تصانیف علم صنعت و کیمیا پر فن کا اصل سرمایہ ہیں - اور اعاظم اطبا اور اکابر حکماء نے ہمیشہ ان تصانیف کو نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا ہے -

مؤفق الدین ابن ابی اصیبعہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے - کہ محمد بن زکریا رازی کو جابر کی تالیفات اس قدر محبوب تھیں کہ رازی نے آپ کی ایک کتاب کو نظم کر لیا تھا - چنانچہ

---

[1] ملاحظہ ہو فرانسیسی زبان میں تاریخ طب عربی - مؤلفہ ڈاکٹر جوزف ہیرڈ صفحہ، مطبوعہ پیرس -

ابن ابی اصیبعہ رازی کی فہرست تصانیف کے ذکر کے سلسلے میں لکھتے ہیں -

و نقل کتاب الاس لجابر	رازی نے جابر بن حیان کی کتاب الاس
الی الشعر[1]	کو اشعار میں نظم کیا -

اہل مشرق کی طرح اہل مغرب نے بھی جابر بن حیان کی تالیفات کا مطالعہ نہایت وسعت عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے اور اس باب میں موفق الدین ابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں ایک نہایت دلچسپ حکایت نقل کرتے ہیں جس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے - وہ حکایت حسب ذیل ہے:

" موفق الدین بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد میں مغرب سے ایک طویل القامت صوفی مشرب مسیحی المذہب اور خوبصورت شخص وارد ہوا - یہ شخص بڑا عالم تھا - اور آثار سیاحت اس کے چہرہ سے آشکار تھے جب یہ شخص کچھ عرصہ کے لئے بغداد میں اقامت پذیر ہوا - تو تمام علماء اور اکابر بغداد اس سے ملاقات کے لئے اس کے پاس پہنچے جن میں حضرت رضی القزوینی اور شیخ الشیوخ ابن سکینہ بھی تھے -

میں نے اس سے مقدمہ حساب اور علم نحو میں "مقدمہ بابشاذ" پڑھا اس شخص کا طریق تعلیم نہایت عجیب تھا - اور جو شخص اس سے ملنے آتا تھا - وہ اس کے تبحر علم کا قائل ہو جاتا تھا - یوں تو یہ شخص تقریباً تمام علوم متعارفہ میں دستگاہ کامل رکھتا تھا - لیکن علم کیمیاء وغیرہ کا اس نے نہایت وسیع مطالعہ کیا تھا - اور اس نے اس فن پر جابر بن حیان اور ابن وحشیہ کی تمام کتابیں پڑھی تھیں - یہ شخص اپنی صورت اپنے اشارات اور طرز کلام سے دلوں کو لبھاتا تھا[2]

---

[1] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر -

[2] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ مصر -

غرض یہ کہ جابر بن حیان کی تالیفات ہر قوم ہر عہد اور ہر ملک میں فن کی نہایت بیش قیمت بضاعت قرار دی گئی ہیں۔ اور اہلِ مشرق کی طرح اہلِ مغرب نے بھی ان سے بیش از بیش استفادہ کیا ہے۔

جابر بن حیان کا کلام نہایت عالمانہ۔ حکیمانہ اور عارفانہ ہے اور بیشتر مقامات پر نہایت ادق عبارات اور مرموز و بلیغ اشارات پر مشتمل ہے اور اس کے غالباً تین اسباب ہیں

پہلا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جابر صحیح معنی میں ایک حکیم کامل ہونے کے علاوہ ایک نہایت بلند پایہ ادیب فاضل بھی ہے۔ اور اس کی مشکل پسند طبیعت اپنے بلیغ اور حکیمانہ و فلسفیانہ انداز کو چھوڑ کر سلاستِ بیان اور عام طرزِ کلام کو گوارا نہیں کرتی۔

دوسرا سبب غالباً یہ ہے۔ کہ جابر الفاظ کے پردے میں دراصل معانی کو قصداً چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس لئے جابجا وہ مغلق طرزِ کلام اختیار کرتا ہے۔ اور دماغوں کو فلسفیانہ مصطلحات و اشارات و مرموزات میں اُلجھا کر مدعا سے الگ کر دیتا ہے علم کیمیا میں عامیوں اور نااہلوں سے اخفاء کا دستور غالباً صورت سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ جابر کی تصریح کے مطابق جب ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے علم کیمیا پر بار بار مسلسل سوالات کئے۔ تو آپ نے چند معقول جوابات ارشاد فرما دینے کے بعد صاف فرما دیا۔ کہ اب اس سے زیادہ بتانے کا موقع و محل نہیں۔ جابر بھی غالباً اسی طریق کا رہرو ہے۔ اور اسی لئے وہ اپنے کلام کو مشکل پسندانہ انداز میں ادا کرتا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے۔ کہ فی الحقیقت بیانِ حقائقِ کائنات اور کشفِ اسرار و مکنونات الٰہیہ کے لئے انسانی علم لغات بہت حد تک قاصر اور محدود ہے اس لئے جابر جو معارفِ الٰہیہ کو بے نقاب کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی [illegible] اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہم اکثر مقامات پر اس کے بیانات کو مغلق عبارات [illegible] سے معمور پاتے ہیں۔

بہرکیف یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ جابر بن حیان ایک نہایت [illegible] فلسفی حکیم اور ماہر علم کیمیا ہے۔ جابر علم الٰہیات کا نہایت بلند پایہ عارف ہے۔ اور [illegible]

سماوی کے تمام اسرار اور کیمیائے ظاہری و باطنی کے تمام معارف اس کی آنکھوں کے سامنے بے حجاب ہیں۔

جابر حریم معرفت کا راز دار ہے۔ اور سرا پردۂ حقائق کائنات کے تمام اسرار اس کے دل پر کھلے ہوئے ہیں۔ اس کی تصانیف کا ہر صفحہ ایک بحرِ بیکراں ہے جس کے سینے میں علوم و معارف کی ہزاروں طوفان خیز موجیں متلاطم نظر آتی ہیں۔ اس کا دماغ تجلیات حقائق سے روشن ہے۔ اور اس کا نہاں خانۂ دل ازلی اور ابدی معارف سے معمور ہے اس کی زبان پاک اور اس کا کلام مقدس ہے۔

جابر علم تجزیۂ عناصر کائنات اور معرفتِ تحلیل و ترکیب نظامِ موجودات کا نہایت بلند پایہ عالم ہے اور اس نے علم کیمیا کے مخفی اسرار ہی کو بے نقاب نہیں کیا۔ بلکہ اس نے ضمیر کائنات کی کیمیاوی حیثیت کو بھی واضح کیا ہے۔

جابر نے علم الٰہیات کی روشنی میں وہ تمام اسرار بھی فاش کر دیئے ہیں جن کے علم سے فطرت انسانی کے دل و دماغ کو رشکِ شمس و قمر بنایا جا سکتا ہے۔ اور سیماب صفت خمیر خاک انسانی کو طلائے احمر سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اللہ ؎

سیماب اگر ہو خاک تو مس کو طلا کرے ۔۔۔ انسان خاک ہو تو خدا جانے کیا کرے

خلاصہ یہ ہے کہ جابر بن حیان صحیح معنی میں عارف باللہ صوفی متبحر عالم حکیم اور ماہر علم کیمیائے ظاہری و باطنی ہے اور اس کی تصانیف علم کیمیائے جدید کے مقابلے میں یقیناً علم کیمیا کا اصل سرمایہ ہیں۔

حال میں جابر بن حیان کی ایک کتاب منتخب جابری کے نام سے ہمارے مطالعہ سے گزری ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور جابر کی علم کیمیا پر بعض عربی تصانیف کا انتخاب معلوم ہوتی ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں سوال و جواب کی شکل میں حجر اعظم - روح نفس وغیرہ کی ماہیت کا بیان ہے۔ اور اس میں عالم صغیر - عالم اوسط - اور عالم اکبر سے متعارف کرایا گیا ہے اور باب دوم میں خلقت موالید ثلاثہ - کیفیت اجتماع عناصر اور

تربیت عناصر کا ذکر ہے۔ اور وجود حیوانی و نباتی کی اصل اور سبب اختلاف طبائع مخلوقات سے حکیمانہ بحث کی گئی ہے۔ و نیز ہرمس۔ اخنوخ۔ ہراکیس۔ لقمان۔ افلاطون۔ بلیناس وغیرہ کی آرا کے مطابق سبب اختلاف صور مخلوقات کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب سوم نتائج عالیات و سافلات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں روح و نفس کی حقیقت اور صفات تراب و خلقت بشریت اور آیہ

اِنّی اخلق بَشَرًا مِنَ الطِّیْنِ "میں بشر کو مٹی سے پیدا کرتا ہوں" کے حقیقی معنی سے مطلع کیا گیا ہے اور ارسطو کی رائے کے مطابق اسطقس شبیہہ بالجسد کی حقیقت اور تقلب ارواح و انفاس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی ضمن میں خصال نباتی سے بحث کرتے ہوئے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ المَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ بنایا ہے کی حکیمانہ تفسیر کی گئی ہے اور روح حیوانی۔ نفخ روح۔ خلق نفس اور مراتب نفوس سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف رجوع اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ کر تو ہم سے راضی ہم تجھ سے خوش۔ تو فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ میرے بندوں میں آمل اور میری جنت میں داخل ہو جا" کی عارفانہ تعلیم کے حقیقی معنی سے آشنا کیا گیا ہے۔

باب چہارم میں کیفیت و کمیت مزاج عالم اوسط و اصغر کا بیان ہے اور اسباب حیات و فنا و تنزل نفس و حشر اجسام وغیرہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں علم کیمیا پر بعض مرموز ابیات کی شرح ہے اور تجویہ وضعات تطہیر ارکان در تسقیہ وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

باب ششم میں طلائے حجر اعظم کے تشابہ و تماثل کا بیان ہے اور اجساد سبعہ یعنی فرزندان کبریت و زیبق کی تفصیلات سپرد قلم کی گئی ہیں۔ اور اس سلسلے میں شمس۔ مصباح زجاج۔ شجر مبارکہ۔ نمر وغیرہ کی حقیقت سے مطلع کیا گیا ہے۔ نیز کیفیت تکوین و تولید نحاس

حدید واضرب قلعی اور مسئلہ صباغ کو واضح کیا گیا ہے۔

باب ہفتم۔ اعمال صنعت واکسیر پر مشتمل ہے۔ اور اس کی بارہ فصول ہیں۔ جن میں تصعید زہرہ۔ حمرت زہرہ۔ تصعید زیبق۔ ذوبان حدید تکلیس شمس تکلیس قمر تکلیس قلعی تکلیس حدید اور تشویۂ زاج سے بحث کی گئی ہے عمل تصعید بعد التدبیر کو بیان کیا گیا ہے اور تصعید کبریت تحلیل کبریت تحلیل زرنیخ وغیرہ کو مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں ایک فصل میاہ الحارۃ المحللۃ المسمعۃ کے ذکر میں ہے جس میں اعمال تسعیق وتقطیر وتشویہ کے سلسلہ میں اعمال حمرت کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ نیز تکلیس طلق۔ عقد سیماب احمر۔ اور تکلیس نوشادر کو بیان کیا ہے۔ اور آخر کتاب میں ایک شمسی نسخہ تحریر فرمایا ہے جس کے بیشتر اجزاء مرموزات پر مشتمل ہیں۔

غرض یہ ہے کہ نخب جابری حقائق ومعارف کا ایک بحر اعظم ہے جس کی تہ میں اہل طلب کے لئے لآلی آبدار کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

نخب جابری کے علاوہ علم کیمیا پر جابر بن حیان کی دیگر متعدد تصانیف بھی میرے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ اور ان کتب میں "کتاب الاسطقس الاس الاول۔ کتاب الاسطقس الاس الثانی کتاب الاسطقس الاس الثالث۔ تفسیر کتاب الاسطقس۔ کتاب التجرید۔ کتاب الحجر۔ رسالۃ الایضاح۔ کتاب الرحمۃ۔ کتاب الملک۔ کتاب النور۔ اور کتاب البیان خصوصاً میرے پیش نظر رہی ہیں۔

ان گرانقدر تصنیفات کے علاوہ فوائد کے نام سے جابر بن حیان کے وہ بعض مرموز نسخہ جات بھی میرے زیر نظر ہیں۔ جن کو جلدکی نے اپنی کتاب البدر المنیر فیما یتعلق من الشمس والقمر من التدبیر کے آخر میں درج کیا ہے۔

جابر کی یہ تمام کتابیں جو علم کیمیا کے معارف وحقائق کا گرانبہا گنجینہ ہیں۔ فی الحقیقت نہایت ادق اور اہم نکات فن کی سرمایہ دار ہیں
اور مجھے ندامت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ کہ اپنی پوری سعی کے باوجود ابھی تک علم جابر کے بہت سے معارف میرے لئے عقدہائے لاینحل ہیں۔

بہرحال جابر بے شمار کتابوں کا مصنف ہے اور اس کی اکثر کتابیں مرزا محمد ملک الکتاب کے اہتمام سے بمبئی (ہندوستان) میں طبع ہو چکی ہیں۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ پوری سہولتوں کے میسّر آنے کے باوجود پروفیسر براؤن کی نظر سے جابر کی کتابیں نہیں گزریں۔

عربی طب[1] کے دور میں آج کل کے ماہرین خصوصی (اسپیشلسٹس) کی طرح خصوصی ماہرین فن موجود تھے۔ جو خاص خاص علوم طبیہ اور معالجات کے عالم اور ماہر تھے۔ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا میں ہمیں جا بجا ان ماہرین کے ناموں اور کاموں سے متعارف کرایا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند اکابر فن کے اسمائے گرامی عرض کرتے ہیں۔

زینب[2] امراض چشم کے علاج میں خاص شہرت رکھتی تھیں۔ اور بعد میں اس شعبۂ خاص میں ابن وصیف صابی[3]۔ جبرئیل کحال[4]۔ شرف الکحال[5]۔ علی بن عیسیٰ کحال[6] صاحب تذکرۃ الکحالین کو امتیازی شہرت حاصل ہوئی۔

صاعد بن بشر بن عبدوس[7] بہترین فصاد تھا۔ ابن عکاشۃ الجرائحی[8] امراض مثانہ کے علاج میں ماہر تھا۔ ہارون بن موسیٰ الاشبونی مشہور جراح تھا۔ اور الزہراوی کے مؤلف ابو القاسم الزہراوی کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

امراض نسواں کے علاج میں حفیدہ کی بہن اور بھانجی کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اور منصور کے حرم میں ان ہی کا علاج ہوا کرتا تھا۔

ابن البذوخ[9] دواسازی و عطرسازی میں ممتاز تھا اور تمیمی[10] اور احمد و عمر ابنائے یونس[11]

---

[1] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۲۳ منہ
[2] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۷۱ منہ
[3] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۴۷ منہ
[4] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۳۰۲ منہ
[5] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۳۰ منہ
[6] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۱۸۲ منہ
[7] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۳۲ منہ
[8] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۷۰ منہ
[9] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۱۵۵ منہ
[10] " " " ۸۷ منہ
[11] " " " " ۴۲ منہ

دواسازی اور ترکیب نسخہ جات میں خاص بصیرت اور تجربہ رکھتے تھے
ملا نفیس عوض کو فن کلیات پر عبور کامل تھا اور شمس الدین محمد الکلی[1] کو کلیات کے تمام مباحث
از بر تھے اور اسی لئے اُسے کلی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

نمرا ابادی ہے کے ماہرین کو نباتی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور اس فن میں غافقی[2]۔
ابن جلجل[3] اور رشید الدین الصوری خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور ابن البیطار[4] کو اس باب میں
امتیاز خصوصی حاصل تھا۔

المختصر یہ کہ ہمیں اپنے اسلاف میں فن کے تقریباً تمام شعبوں میں ہر شعبۂ فن کے ماہرین
نظر آتے ہیں اور اسفار تاریخ طب سے ان ماہرین کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔
جرجی زیدان اپنی کتاب، تاریخ التمدن الاسلامی میں ان اطبائے اختصاصیین کے باب میں
یوں رقمطراز ہے۔

وکان للاطباء طبقات واصناف
وفیہم الطبیب علی اجمالہ الجراح والفاصد
والکحال والاسنانی ومن یعالج النساء
فقط او یطبب المجانین فقط
علی نحو الاطباء الاختصاصیین فی
ھذہ الایام وکان الکحالون فی اکثرہم
وکانوا یعالجون الماء الازرق بقدح
العین علی نحو عملیۃ الکتر کتا الیوم[6]

عرب اطبا کے مختلف طبقات اور اصناف
تھیں۔ ان میں سے بعض طبیب جراح تھے۔
اور بعض فصاد۔ کحال اور اسنانی اور بعض
صرف عورتوں کا علاج کرتے تھے جیسا کہ
آج کل اطبائے اختصاصیین (سپیشلسٹ)
کرتے ہیں۔ ان میں وہاں کحال اکثر تھے جو
موتیا بند کا قدح عین کے ذریعہ اسی طرح علاج
کرتے تھے جس طرح آج کیا جاتا ہے۔

---

[1] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۳۰، ۱۳ منہ
[2] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۵۲ منہ
[3] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۴۶ "
[4] طبقات الاطبا " " ۲۱۷ "
[5] طبقات الاطبا جلد دوم " ۱۳۳ " "
[6] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی - جلد دوم صفحہ ۸۰ - مطبوعہ قاہرہ - منہ

۱۸ ابن عربی سن ڈایکلیشن (Diocletian) کو دقلطیانوس القبطی کہتے ہیں اور یحییٰ النحوی نے کتاب السماع الطبیعی کی تفسیر پہ یہ سن درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ الحکماء صفحہ ۲۳۳۔

۱۹ ابن ابی اصیبعہ نے جان فیلا پونس کا نام یحییٰ النحوی الاسکندرانی فیلاپونس لکھ دیا ہے ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۰۶ و جلد دوم صفحہ ۱۰۹ سطر ۱۰ مطبوعہ قاہرہ۔

۲۰ غالباً یہ وہی مشہور نقاش مانی ہے۔ جس کا ذکر ہند و پارس کے شعراء کے کلام کی زینت ہے۔

۲۱ ابن ابی اصیبعہ نے اس طبیب کا نام تیا دورس ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں جلد اوّل صفحہ ۳۰۸ پر اس کی نسبت اس طرح رقمطراز ہیں کہ :-

تیادورس کان نصرانیاً و له	تیادورس ایک مسیحی المذہب طبیب تھا
معرفة جیدة لصناعة الطب	اس کو علم و عمل طب میں پوری واقفیت اور
ومحاولة لاعمالها وبنیٰ له	اعلیٰ مہارت حاصل تھی۔ اور شاپور
سابور ذو الاکتاف البیع فی	ذوالاکتاف نے اس کے لئے اپنے
بلده	شہر میں ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔

اس سلسلے میں ایک قابل غور چیز یہ ہے۔ کہ پروفیسر براؤن نے اس مشہور اموی بادشاہ حجاج بن یوسف کے طبیب خاص تیاذوق کا اصل یونانی نام تھیوڈوسی اس یا تھیوڈورس تحریر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۱۶ سطر ۱۲) اور یہاں آپ شاپور ثانی کے اس طبیب خاص کا بھی یہی یونانی نام تھیوڈوسی اس یا تھیوڈورس لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۲۰ سطر ۲۹) حالانکہ یہ دونوں جداگانہ شخصیتیں ہیں۔ اور دونوں کے زمانہ حیات میں بہت فصل ہے۔ چنانچہ تیاذوق کا عہد حیات ساتویں صدی عیسوی کا تقریباً آخری حصہ ہے اور اس طبیب کا دور زندگی (جس کو ابن ابی اصیبعہ نے تیادورس کے نام سے یاد کیا ہے) چوتھی صدی کا درمیانی عہد ہے۔ علم رجال فن کی روشنی میں پروفیسر براؤن کا یہ بیان

مبہم اور مبنی پر اشتباہات ہے ۔ اس سلسلہ میں ہمارا غالب قیاس یہ ہے ۔ کہ تھیوڈوسی اس تیاذدق کا اور تھیوڈوزیس تیادورس کا یونانی نام ہے ۔ جیسا کہ ان دونوں ناموں کی تعریب ہیئت سے واضح ہے ۔

۲۲ ارامی زبان سے فلسطین کی وہ زبان مراد ہے ۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت رائج تھی ۔ اور یہ زبان بہت حد تک سریانی زبان ہی تھی ۔ چنانچہ کتب تاریخ وسیر سے واضح ہے ۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی زبان سریانی تھی ۔ اگرچہ آپ کے اکثر حواری اور تلامذہ یونانی زبان بولتے تھے ۔

۲۳ سٹی سی اس سے غالباً حکیم ساؤ تاس مراد ہے اور ساؤ تاس یونانی نام سٹی سی اس کا معرب نام معلوم ہوتا ہے ۔ ابن ابی اصیبعہ نے ساؤ تاس کا ذکر اپنی مشہور کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں جلد اول صفحہ ۳۰ سطر ۱ پر کیا ہے ۔

۲۴ پروفیسر براؤن نے پہلی جگہ جورجیس کے باپ کا نام بختیشوع تحریر کیا ہے (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۲۴ سطر ۷ یا دیکھو اسی مضمون میں جورجیس کا بیان) اور یہاں دوسری جگہ آپ اس کے باپ کا نام جبرائیل لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۲۴ سطر اول ۔ یا دیکھو اسی مضمون میں خاندان بختیشوع کا عنوان) یہ اختلاف بیان علم رجال فن کی روشنی میں کیسر نادرست ہے اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ جورجیس کے باپ کا نام بختیشوع نہ تھا ۔ بلکہ جبرائیل تھا ۔ جیسا کہ علامہ براؤن نے دوسری جگہ جبرائیل بن عبید اللہ کا سلسلہ نسب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ۔ ہماری رائے کے ثبوت کے لئے ملاحظہ کیجئے ۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۲۳ ۔

اس سلسلے میں ایک اور حیرت انگیز چیز یہ ہے ۔ کہ پروفیسر براؤن نے اس آخری جبرائیل کی شہرت اور عظمت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مورث اعلیٰ پہلے جبرائیل کی بڑی شہرت اور مقبولیت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے ۔ حالانکہ ابن ابی اصیبعہ نے اس خاندان کے طبی حالات و سوانح کی ابتداء جورجیس سے کی ہے ۔ (ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ قاہرہ) اور جو ایک مزید حیرت انگیز امر یہ ہے ۔ کہ پروفیسر براؤن نے اس آخری جبرائیل کو اس خاندان کا آخری طبیب قرار دیا ہے ۔ حالانکہ ابن ابی اصیبعہ

وغیرہ مورخین طب کی تحریرات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اس خاندان کا آخری طبیب یہ جبرئیل نہ تھا۔ بلکہ اس کا فرزند عبیداللہ بن جبرئیل تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے جورجس سے لے کر درجہ بدرجہ اس خاندان کے افراد کے حالات بیان کرتے ہوئے سب سے آخر میں عبیداللہ بن جبرئیل کے حالات ذکر کئے ہیں۔ اور اس کے متعلق اس نے یہ بتایا ہے کہ یہ ابوسعید عبیداللہ بن جبرئیل بن بختیشوع بن جبرئیل بن بختیشوع بن جورجس بن جبرئیل علم و عمل طب میں ایک فاضل اور ممتاز طبیب تھا۔ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول ۱۴۸

پس اس تقریر سے واضح ہوا۔ کہ اس باب میں پروفیسر براؤن کے متذکرۂ فوق بیانات تاریخ طب کی روشنی میں مستحق نقد و نظر ہیں۔

۲۵ یہاں خلیفہ سے مراد خلیفہ المتوکل باللہ ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر الدول صفحہ ۲۵۱

۲۶ الف لیلہ کا جو نسخہ مطبوعہ لکھنؤ اس وقت میرے پیش نظر ہے اس میں صفحہ ۴۵ پر یہ حکایت درج ہے۔

۲۷ جرجی زیدان نے نقلۃ العلم فی العصر العباسی کے عنوان کے ماتحت ایک باب باندھا ہے جس میں اس نے دولت عباسیہ میں طب میں عربی زبان کے بعض مترجمین کے نام گنائے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ خلافت عباسیہ میں کتب قدیمہ کی نقل کا کام منصور کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اطبا کے چار خاندان (آل بختیشوع۔ آل حنین۔ آل ماسرجویہ اور آل ثابت) طب میں مستقلاً نقل و ترجمہ کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

حبیش۔ عیسیٰ بن یحییٰ۔ حنین بن اسحٰق۔ احمد بن موسیٰ وغیرہم نے بقراط کی کتابوں میں سے کتاب الفصول۔ کتاب الکسر۔ کتاب تقدمۃ المعرفۃ۔ کتاب الامراض الحادہ کتاب ابیذیمیا۔ کتاب الاخلاط۔ کتاب قاطیطریون۔ کتاب طبیعۃ الانسان اور کتاب الماء والہواء کا ترجمہ کیا اور جالینوس کی تقریباً پچپن[۵۵] کتابیں حبیش۔ حنین بن اسحٰق ابن البطریق۔ عیسیٰ بن یحییٰ۔ ابن الصلت وغیرہ نے زیور ترجمہ سے آراستہ کیں۔

اسی طرح روفس۔ اوریباسیوس۔ اسکندروس۔ دیسقوریدوس کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے اور اس کام میں متذکرۂ صدر اکابر فن کے علاوہ قسطا بن لوقا اور حجاج بن مطر وغیرہما نے بھی بیش از بیش حصہ لیا[۱]

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد سوم صفحات ۱۳۹۔ ۱۴۷۔ ۱۵۳ و ۱۵۵۔ منہ

عہد اوّل کے ان مترجمین و مؤلفین کے ذکر سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں یہاں ہم آپ کو اس ضمن میں صرف حنین بن اسحٰق سے متعارف کرانا چاہتے ہیں جس کا ذکر پروفیسر براؤن نے یہاں خصوصیت سے کیا ہے۔

حنین بن اسحٰق خاندان بنی عباد کا چشم و چراغ اور سرزمین عراق کے شہر حیرہ کا باشندہ تھا۔ مذہباً مسیحی تھا۔ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوا اور ستر سال کی عمر میں خلیفہ متوکل باللہ کے عہد میں ۲۶۴ھ میں فوت ہوا۔ صرف و نحو اور ادب کی ابتدائی تعلیم اس نے بصرہ میں سیبویہ کے ساتھ خلیل بن احمد سے حاصل کی۔ اس کے بعد بصرہ سے بغداد روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے یوحنا بن ماسویہ سے طب کی تحصیل کی۔

حنین بن اسحٰق۔ فارسی۔ عربی۔ یونانی اور سریانی تمام زبانوں کا جیّد عالم تھا اور اُسے تالیف و ترجمہ کے کام میں اپنے اقران و امثال کے مقابلے میں ایک امتیازی درایت و بصیرت حاصل تھی۔

حنین بن اسحٰق کے دل میں علم و حکمت کا ایک والہانہ شوق اور عشق تھا۔ چنانچہ اس نے حکمائے قدیم کی کتب تالیفات کی جستجو میں بہت سے شہروں کا سفر اختیار کیا اور اقصائے روم تک پہنچا۔

حنین بن اسحٰق تحصیل علم کے بعد خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں بغداد پہنچا۔ اور وہاں دار الترجمہ کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ مامون الرشید اس کے تراجم و تالیفات کی جو قدر کرتا تھا اس کی نسبت ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے۔ کہ

ان المامون کان یعطیہ	مامون الرشید حنین بن اسحٰق کو اجرت
من الذھب زنۃ مـا	کے طور پر اس کی ہر تالیف کے
ینقلہ من الکتب مثلاً بمثلٍ	ہموزن سونا تول کر دیا کرتا تھا۔

ابن ابی اصیبعہ نے حنین بن اسحٰق کی کثیر التعداد تالیفات و تراجم کا ذکر کیا ہے جن میں سے نوّے نہایت ممتاز ہیں اور ان میں کتاب المسائل۔ کتاب عشر مقالات۔ کتاب النبض۔ کتاب البول۔ کتاب الحمیات۔ کتاب الیبس۔ کتاب افعال الشمس والقمر۔ کتاب تاریخ العالم

اور کتاب المدخل کے نام خصوصاً جاذب نظر ہیں[1]۔

۲۸۔ غالباً ایفاء مرنہ سے مراد بقراط کی کتاب الفصول اور پراگناسٹکس سے مراد بقراط کی کتاب تقدمۃ المعرفۃ ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کے عربی ترجمے بیروت میں چھپ چکے ہیں۔

فصول بقراط کے متعلق یہ کہنا کافی ہوگا۔ کہ یہ تالیف گرامی قصر طب کی خشت اولین کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی دنیا میں سب سے پہلا قانون طب ہے جو پہلی بار آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل بنی نوع انسان کو امراض سے نجات دلانے کے لئے دنیا میں مرتب کیا گیا۔ پس یہ دنیائے طب یونانی کی سب سے پہلی کتاب ہے اور اس کے بعد جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب گویا کتاب دل کی تفسیریں ہیں۔

بقراط کے بعد یہ کتاب اپنی قدامت اسلوب بیان کی اہمیت اور دستوری جامعیت کے اعتبار سے ہمیشہ بڑے قدر و احترام سے مطالعہ کی گئی ہے۔ اور بوعلی سینا یا ذکریا رازی اور تمام اکابر اطباء و مؤلفین نے جابجا اپنی کتابوں میں اس سے استناد کیا ہے۔

ابن ابی اصیبعہ اس کی مدح میں رطب اللسان[2] ہے۔ اور مشہور مصری طبیب کرنیلیوس فان دیک کتاب الجدری والحصبہ کے حاشیہ پر اس کا تعارف یوں کراتا ہے۔

کتاب الفصول لهبقراط شرحه جالینوس وترجمه الی السریانی حنین بن اسحق وترجمه من السریانی الی العربی قسطا بن لوقا۔ من بعلبک[3]۔

کتاب الفصول بقراط کی تالیف ہے۔ جالینوس نے اس کی شرح کی اور حنین بن اسحق نے اس کا سریانی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور قسطا بن لوقا نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

کتاب الفصول مع کتاب العلامات حال میں مطبعۃ مقتطف مصر میں چھپی ہے اور اس قت د

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اول از صفحہ ۱۸۴ تا صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ قاہرہ

[2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۔ مطبوعہ مصر۔

[3] کتاب الجدری والحصبہ صفحہ ۱۳۔ مطبوعہ بیروت۔

میرے پیشِ نظر ہے۔ ذیل میں اس کے ابتدائی صفحات سے چند اقتباسات بلا انتخاب درج کرتا ہوں

(۱) عمر قلیل ہے۔ صنعت طب طویل ہے۔ وقت تنگ ہے۔ تجربہ خطرناک ہے اور قضا سر پہ کھڑی ہے پس اے عزیز تکمیل فن میں تعجیل کر۔

(۲) امراض مزمنہ میں زیادہ عرصہ تک غذا کا روک دینا خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے مریض کمزور رہ جاتا ہے اور اس میں مقابلۂ مرض کی استعداد نہیں رہتی۔ البتہ امراض مزمنہ میں منتہائے مرض میں لطافت غذا کا خیال رکھیں :

(۳) قابل استفراغ مواد کو ان ہی مواضع سے خارج کرو۔ جن سے وہ خود خروج کے لئے آمادہ ہوں۔

(۴) اگر کسی مرض میں نیند سے بدن میں درد پیدا ہو تو یہ علامت ہلاکت ہے اور اگر راحت محسوس ہو تو صحت کی نشانی ہے۔

(۵) اگر بلا وجہ بدن میں تکان اور ماندگی محسوس ہو تو یہ کسی پیدا ہونے والے مرض کی علامت ہے

(۶) دستوں کی صورت میں ان کے رنگ کا اختلاف نیک علامت ہے بشرطیکہ رنگ ردی نہ ہو۔

(۷) جو چیز بدن میں بسرعت غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں جسم سے بسرعت خارج ہونے کی استعداد بھی موجود ہے :

(۸) جس شخص کو جوانی میں براز رقیق خارج ہوتا ہے۔ اسے بالعموم پیری میں براز یابس آئے گا۔ اور جسے جوانی میں براز یابس آتا ہے۔ اسے بڑھاپے میں براز رقیق خارج ہوا کرے گا۔

(۹) اگر مریض حلق کی تکلیف کی شکایت کرے اور اس کے بدن میں پھنسیاں نمودار ہوں تو اس کے پاخانہ کا امتحان کرو۔ پس اگر اس میں صفراء کا غلبہ ہو تو صفراء کی حدت و کثرت کا علاج کرو :

(۱۰) بھوک کی شدت کی حالت میں حرکات متعبہ نہ کریں :

(۱۱) اگر تشنج کے بعد بخار ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ بخار کے بعد تشنج ہو :

(۱۲) بوڑھوں کو وہ بیماریاں کم ہوتی ہیں جو عموماً جوانوں کو لاحق ہوا کرتی ہیں لیکن بوڑھوں کی بیماریاں بالعموم مزمن ہوتی ہیں اور وہ ان سے اکثر مر جاتے ہیں۔

(۱۳) جو لوگ بہت تکان محسوس کیا کرتے ہیں۔ اور یہ تکان ان کو بغیر کسی سبب ظاہر کے محسوس ہوا کرتی ہے۔ ایسے لوگ غفلت کی حالت میں فوراً مر جایا کرتے ہیں۔

(۱۴) جب دو درد بدن کے دو مختلف حصوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تو درد قوی درد ضعیف کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اور اس وقت درد ضعیف محسوس نہیں ہوتا۔

(۱۵) باعتبار صحت قامت کی بلندی جوانی میں نہایت عظیم المرتبت چیز ہے لیکن عالم پیری میں بار زندگی اور وبال جان ہے۔

(۱۶) بعض طبائع کو موسم گرما موافق آتا ہے اور موسم سرما مضر پڑتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس بعض طبیعتوں کو موسم سرما موافق رہتا ہے اور موسم گرما مضر۔

(۱۷) فصل خریف مرضائے سل کے لئے بہت ردی ہے۔

(۱۸) اگر کسی شخص نے دوائے مسہل پی اور اسے پیاس نہ لگی تو بالعموم اسے اس وقت تک اسہال آتے رہیں گے۔ جب تک تشنگی محسوس نہ ہو گی۔

(۱۹) سیاہ رنگ کا پاخانہ جو خون کے مشابہ ہو اور خود بخود آئے خواہ بخار ہو یا نہ ہو۔ ہر حالت میں ردی علامت ہے۔

(۲۰) اگر کوئی شخص مرض کے حملے سے پہلے کسی عضو میں تعب محسوس کرے تو یاد رکھیے کہ عارض ہونے والا مرض اسی عضو میں متمکن ہو گا۔

(۲۱) حالت مرض میں جس حصۂ بدن سے پسینہ آئے تو سمجھ لیجیے کہ مرض اسی حصہ میں مقیم ہے۔

(۲۲) اگر کسی شخص کو بخار ہو اور اس کی گردن میں اعوجاج پیدا ہو جائے اور اس کے لئے نگلنا مشکل ہو لیکن گردن میں انتفاخ نہ ہو تو یہ علامت ہلاکت ہے۔

(۲۳) بدن کا جو حصہ بہ نسبت دیگر اعضاء کے گرم یا سرد ہو تو سمجھیے کہ مرض اسی میں مکین ہے۔

(۲۴) جب جسم سے پسینہ بہت زیادہ مقدار میں مسلسل جاری رہے تو سرد پسینہ مرض کی عظمت

کی شہادت ہے اور گرم پسینہ مرض کی خفت کی ؛

(۲۵) جب بخار طول پکڑ جاتا ہے ۔ تو بدن میں اورام پیدا ہو جاتے ہیں یا جوڑوں میں درد لاحق ہو جاتا ہے ؛

(۲۶) جب لازمی بخار میں عسر نفس اور اختلاطِ عقل پیدا ہو جائے تو یہ علامتِ موت ہے

(۲۷) اگر کسی شخص کو تشنج یا تمدد کا دورہ ہو اور پھر بخار ہو جائے تو یہ دورہ بالعموم بخار سے رفع ہو جاتا ہے

(۲۸) اگر کسی شخص کو بخار کی حالت میں ہذیان عارض ہو جائے پھر اس کی ناک سے خون خارج ہونے لگے یا اسے دست آجائیں تو مرض رفع ہو جائے گا ؛

(۲۹) یرقان قبل السابع نہایت خطرناک حالت ہے ؛

(۳۰) جس شخص کو بخار کی حالت میں جانوروں کی طرح کا پیشاب آئے تو درد سر عارض ہو جائے گا ۔

(۳۱) جس شخص کے پیشاب میں خون یا پیپ آئے ۔ اس کے گردہ یا مثانہ میں قرحہ ہوگا ؛

(۳۲) جب دستوں کے بعد تشنج یا ہچکی شروع ہو جائے تو یہ ردی علامت ہے ؛

(۳۳) سل کی بیماری عموماً اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر ۳۵ سال کی عمر تک لاحق ہوا کرتی ہے ۔

(۳۴) اگر کسی شخص کو ذبحہ عارض ہو اور وہ جلد رفع ہو جائے تو یاد رکھیئے کہ مادۂ مرض اس کے پھیپھڑوں میں پہنچ گیا ہے اور وہ مریض سات یوم تک مر جائے گا ۔ اور اگر بچ گیا تو اسے سل (ہزال) کی بیماری ہو جائے گی ؛

(۳۵) اگر بدن کا کوئی حصہ بہت زیادہ سرد ہو جائے تو اسے گرم کریں ورنہ انفجار کا احتمال ہے ؛

(۳۶) اورام ۔ اوجاعِ مفاصل (جوڑوں کا درد) نقرس، درد سر وغیرہ میں برف کی ٹکور کرنے سے آرام ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ برف سے عضو بے حس ہو جاتا ہے ۔ اور درد میں آرام و سکون پیدا کرتا ہے ؛

(۳۷) اگر حاملہ عورت کے دونوں پستان سوکھ جائیں اور لاغر ہو جائیں۔ تو اسے اسقاط حمل ہو جائے گا اور اگر ایک پستان دبلا ہو جائے اور حمل توأم ہو تو ایک بچہ گر جائے گا۔ اور اس صورت میں اگر دبلا ہونے والا پستان داہاں ہو گا۔ تو لڑکا گرے گا ورنہ لڑکی ؛

۲۹ یورپ میں لاطینی زبان میں یونانیوں اور عربوں کی بے شمار کتابوں کے ترجمے کئے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جیرارڈ آف کریمونا۔ یونا کوسا۔ ڈینیل ڈی مارلے ڈراگن۔ مارکس وغیرہم نے نہایت شاندار اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

انفانسو نے ابن رشد کی کتاب الانفصال یونا کوسا نے ابن رشد کی کتاب الکلیات اور میکائیل سکاٹ نے جو ابن رشد کا یورپین شاگرد بتایا جاتا ہے۔ ابن رشد کی کئی کتابیں عربی سے لاطینی زبان میں زیور ترجمہ سے آراستہ کیں۔

اینڈرس ایلپےکس نے بھی پندرھویں صدی عیسوی میں ابن رشد اور ابن البیطار کی متعدد کتابیں ترجمہ کیں۔ اور شیخ بوعلی سینا کے قانون کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور ارمنگاڈ نے ۱۲۱۴ء میں ابن رشد۔ بوعلی سینا اور حنین بن اسحٰق کی متعدد تالیفات لاطینی زبان میں ترجمہ کیں۔

ڈیوڈ یہودی نے ۱۲۲۸ء اور ۱۲۹۲ء کے درمیان ذکریا رازی کی ایک کتاب کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ سٹیفن نے ۱۲۲۷ء میں علی بن عباس مجوسی کی کتاب الملکی کو ترجمہ کیا۔ جو ۱۴۹۵ء میں وینس میں طبع ہوئی۔ اور پیراوی شس نے جو ۱۲۸۰ء میں وینس کا ایک مشہور طبیب تھا۔ ابن زہر کی کتاب التیسیر کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔

ڈراگن نے یعقوب کندی کی ایک کتاب کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔ جو وینس میں ۱۵۰۷ء میں اور پیرس میں ۱۵۲۰ء میں طبع ہوئی۔ رابرٹ نے بھی جو انگلینڈ کا باشندہ تھا کندی کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ہس پےلین سس نے کندی۔ غزالی ثابت بن قرہ قسطا بن لوقا اور یحییٰ بن البطریک کی متعدد کتابیں ترجمہ کیں اور شیخ کی کتاب الشفاء کا ترجمہ کیا۔

علی ہذا ڈینیل ڈی مارلے نے جو ۱۱۹۰ء میں پیرس میں ایک انگریز طالب علم تھا۔ بہت سی عربی طبی کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ ابراہیم آف ٹارٹوسا نے ابو القاسم الزہراوی کی کتاب الزہراوی کو ترجمہ کیا۔ اور آرنلڈ نے قسطا بن لوقا ابو علی سینا اور حنین بن اسحٰق کی متعدد کتابیں ترجمہ کیں۔

جالینوس۔ بقراط اور ارسطو کی بہت سی کتابیں لاطینی میں ترجمہ کی گئیں لیکن یہ کتابیں زیادہ تر عربی اطباء مثلاً حنین بن اسحٰق اور حبیش بن الاعسم اور یعقوب کندی وغیرہ کے عربی ترجموں سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ چنانچہ قسطنطین افریقی نے حنین بن اسحٰق۔ اور حبیش بن الاعسم کے متعدد عربی ترجموں کو لاطینی میں ترجمہ کیا ہے ایلفریڈ نے حنین بن اسحٰق کے ارطاطالیس کی کتاب النباتات کے عربی ترجمہ کو ترجمہ کیا۔ اور مارکس نے حبیش کے جالینوس اور بقراط کی کتب کے بہت سے تراجم کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔

جیرارڈ آف کریمونا نے خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ عربی طبی کتابیں لاطینی میں ترجمہ کی ہیں۔ چنانچہ اس نے جالینوس ارسطو۔ بقراط وغیرہ اطبائے یونان کی کتابوں میں سے اسحٰق بن حنین۔ حنین بن اسحٰق۔ قسطا بن لوقا۔ یحییٰ بن البطریک۔ اور حبیش بن الاعسم وغیرہ کے عربی ترجموں کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور حکمائے اسلام کی کتابوں میں سے ابن وافد کی کتاب الوساد کو جو ۱۵۸۱ء میں وینس میں طبع ہوئی ترجمہ کیا۔ اور زہراوی کی مصور کتاب الزہراوی کو بھی ترجمہ کیا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ نے تقریباً بارہویں اور تیرھویں صدی کے درمیان اطبائے عرب کی اکثر کتابوں کو زیور ترجمہ سے آراستہ کر لیا تھا اور اس طرح تقریباً تمام سرمایۂ علم طب کو مغربی زبانوں میں منتقل کر لیا گیا تھا یہ ایک حقیقت ہے جس پر یورپ کے تقریباً تمام مقتدر مؤرخین اور مستشرقین شاہد ہیں ــــ چنانچہ ہسٹری آف میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر میکس نیوبرگر و مترجمہ ڈاکٹر پلے فیئر میں اس امر پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

علی ہذا ڈاکٹر گارسن نے اپنی کتاب ہسٹری آف میڈیسن ناسوفیکل اینڈ کریٹیکل میں

ڈاکٹر ایڈورڈ نے اپنی کتاب دی آریجن گروتھ آف ہیلنگ آرٹ میں اور ڈاکٹر آر سی۔ میکغی نے اپنی کتاب دی روڈمینس میڈیسن میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے جا بجا اپنی تالیفات میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے والوں کی خدمات کو نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے اریبین میڈیسن کے نام سے ۲ جلدوں میں ایک نہایت اہم اور مستند کتاب لکھی ہے۔ اور اس میں آپ نے خصوصیّت کے ساتھ ان لاطینی مترجمین کی خدمات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور مذکورہ معلومات میں نے بیشتر اسی کتاب سے اخذ کی ہیں۔

سنٹلے بقراط یونانی طب کی سب سے بڑی عظمت ہے جس نے سب سے پہلے قدماء کے اسرار علم و حکمت کو علم سینہ سے علم سفینہ میں تبدیل کر دیا۔ بعض عربی اہل قلم اس کو ببقراط بھی لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو حاشیہ کتاب الجدری والحصبہ از فاضل معرفان دیک مطبوعہ بیروت) اور یہی اس کا اصل یونانی نام ہے اور اسی لئے اہل مغرب اس کو ہپوکریٹ Hippocrate یا ہیپوکریٹس (Hippocrates) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بقراط کے بعد جالینوس دنیائے طب کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اہل مغرب اس کا نام گیلن Galen لکھتے ہیں۔ اور آج تک اسی کے نام پر کبھی کبھی برٹش فارماکوپیا کو گیلن فارماکوپیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

روفس کو پروفیسر براؤن نے روفس آف ایفیسس Rufus of Ephesus لکھا ہے۔ ایفیسس یونان کے اس شہر کا نام ہے جہاں روفس رہتا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس کو فسس تحریر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۳ مطبوعہ قاہرہ) روفس ایک بہت بلند پایہ یونانی طبی مصنف اور فاضل طبیب تھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس کو روفس الکبیر کے نام سے یاد کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب و جلد و صفحہ مذکورۂ بالا)۔

اوریباسیوس Oribasius یونان کا ایک جلیل القدر طبیب تھا جس نے علم طب پر ایک بے نظیر اور مشہور کتاب لکھی تھی۔ (ملاحظہ ہو مقدمۂ فردوس الحکمۃ مؤلفۂ مولانا محمد زبیر الصدیقی مطبوعۂ برلن)

بولیس کو پروفیسر براؤن نے پال آف ایجینا Paul of Aegina یعنی یونان کے جزیرۂ ایجینا کا رہنے والا پال لکھا ہے اور تمام اہل مغرب اس کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں لیکن عرب مصنّفین کی زبان میں اس کا نام بولیس ہے۔ چنانچہ کتاب الزہراوی کے مقدمہ نگار نے اس کا نام بولیس تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمۂ الزہراوی صفحہ ۲ مطبوعۂ مطبع نامی لکھنؤ ...... بولیس یونان کا نہایت عظیم المرتبت طبیب تھا۔ اور علم جراحت میں خصوصاً نہایت ممتاز تھا۔ چنانچہ ابوالقاسم الزہراوی نے اپنی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف میں اکثر علم جراحی کے مباحث بولیس ہی کی کتاب اپی توم سے اخذ کئے ہیں۔ (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن مؤلفۂ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۷ مطبوعۂ لندن)

اسکندر افرودیسی بھی عہد عتیق کا ایک نہایت جلیل المنزلت طبیب تھا جس نے یونانی زبان میں طب پر نہایت بلند پایہ کتابیں لکھیں (ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۶۹) پروفیسر براؤن کی تحریر میں الیگزینڈر آف ٹریلیس Alexander of Tralles سے مراد غالباً یہ اسکندر افرودیسی ہے یا ممکن ہے کہ اسکندروس طرالینوس مراد ہو جس کو ابن ابی اصیبعہ نے زمانۂ قبل جالینوس کا ایک فاضل اور صاحب تصانیف طبیب بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۶۔

دیسقوریدوس Dioscorides بھی یونان کا ایک نہایت جلیل القدر طبیب تھا اور علم الادویہ پر اس کو خصوصاً عبور کامل حاصل تھا۔ ابن بیطار وغیرہ مؤلفین کتب علم الادویہ نے اکثر مباحث اسی کی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔

۳۱ غور کیجئے کہ اس شعر میں تراقی۔ لہاۃ۔ حرارت، برد، وغیرہ تمام طبی الفاظ موجود ہیں۔

۳۲ اس شعر میں نفس بسکون عین بمعنی ذات یا جان زیادہ صحیح اور قرین فصاحت ہے لیکن پروفیسر براؤن نے نفس کو یہاں بفتح عین سانس (Breath) کے معنیٰ میں پڑھا ہے۔ اور اس صورت میں آپ نے اس شعر کے پہلے مصرع کے معنی یہ کئے ہیں کہ

"میری جلد بہت تنگ ہے۔ جس میں میرا اور اس کا دونوں کا سانس مل کر نہیں سما سکتا" (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۱۰۳ سطر ۷) ظاہر ہے کہ یہ معنی لیست اور غیر صحیح ہیں۔

۳۳ پروفیسر براؤن نے اپنے پہلے لیکچر میں ایک جگہ دورِ زریں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ درحقیقت عربی دورِ علم و حکمت ایک صدی یعنی ۷۵۰ء اور ۸۵۰ء کے درمیان ختم ہوگیا (ملاحظہ ہو طب العرب پہلا لیکچر صفحہ ۱۶ یا ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۵) اور اب آپ اپنے اس لیکچر میں طب کے دورِ ثانی کے ان جلیل القدر مصنفین اور حکماء کے حالات بیان کریں گے جنہوں نے تقریباً نویں صدی عیسوی کے بعد طب عربی کے نجوم کو درخشاں اور جمع کر کے نیر اعظم بنا دیا ہے اور جن کے طبی کارناموں کی آج تمام مشرق و مغرب میں دھوم مچی ہوئی ہے ظاہر ہے کہ یہ اختلافِ بیان ایک حد تک مستحق نقد و نظر ہے؟

دوسرے لیکچر سے متعلق

۳۴ بعد کی کتب میں اس دردسر کا نام صداع بیضہ خوذہ ہے۔ چنانچہ شرح اسباب اور قانون میں یہ لفظ اسی نام سے موجود ہے۔ خوذہ کے معنیٰ خود کے ہیں۔ جس طرح خود سارے سر کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اسی طرح یہ درد بھی سارے سر میں ہوتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

جمہور اطبا۔ بیضہ اور خوذہ دونوں لفظوں کا اطلاق سارے دردسر کے لئے کرتے ہیں لیکن انطاکی ان میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیضہ وہ درد ہے جو وسطِ سر میں ہو۔ اور خوذہ اس درد کا نام ہے۔ جو دائرہ کی طرح سر کے گرداگرد ہو۔ (ملاحظہ ہو مخزن الجواہر صفحہ ۱۹۵)۔

۳۵ یہ رائے غیر صحیح ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ نظام فن میں قدیم کتب کے حواشی شروح اور تفاسیر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں نقد و تبصرہ اور شرح د

تنقیح کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو حق سے زیادہ نقد و جرح اور شرح و تفسیر کے مدارج طے کئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرشی۔ آملی۔ گیلانی۔ خجندی اور سمرقندی نے قانون شیخ کی نہایت مدلل اور مبسوط شرحیں لکھی ہیں۔ اور ملا نفیس اقسرائی۔ کرمانی اور تبریزی نے موجز القانون کی نہایت بسیط اور عالمانہ شروح تحریر کیں۔ اور ملا نفیس۔ کرمانی۔ اور سمرقندی نے کتاب الاسباب والعلامات کی نہایت بے نظیر اور ضخیم شرحیں سپرد قلم فرمائیں۔ اور پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ اس کے بعد ان شرحوں پر شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اور ان پر حواشی تحریر کئے گئے ہیں۔

اسلامی ممالک میں بارہویں صدی عیسوی کے بعد اصل کتب فن کی شرح و تفسیر کا کام خاص طور پر بہت زیادہ ہوا ہے۔ اور اس سلسلے میں وہاں بے شمار کتابوں کی شروح لکھی گئیں لیکن ان میں سے اکثر شروح یورپ میں نہیں پہنچیں۔ کیونکہ تاریخی حقائق سے یہ امر واضح ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں اندلس میں اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد جب سلرنو کے مدرسہ کو زوال آیا تو اس کے بعد جو تالیفات اسلامی ممالک میں مرتب ہوئیں۔ یورپ ان کے مطالعہ سے تقریباً محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر طبی کتب کی شروح غالباً پروفیسر براؤن کی نظر سے نہیں گزریں۔ اور اسی لئے ان کو عربی طبی کتب کے متن کے سمجھنے میں جا بجا مشکلات محسوس ہو رہی ہیں جس کا اظہار وہ کئی جگہ کر چکے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ قدیم متون طب کی بے شمار شروح۔ تفاسیر و حواشی موجود ہیں جن میں قدیم معلومات فنیہ پر پوری طرح نقد و جرح اور شرح و تفسیر کا حق ادا کیا گیا ہے۔

۳۶ جذام کو ہندی میں کوڑھ کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ جذم سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے اور قطع کرنے کے ہیں اور چونکہ اس بیماری میں مریض کے اعضاء جسم سے جدا گویا قطع ہو جاتے ہیں اس لئے عربوں نے اس کا نام جذام رکھا ہے

یہاں پروفیسر براؤن نے جذام سے داء الفیل یعنی ایلی فین ٹائی سس Elephantiasis مراد لیا ہے اور عربوں کی مشتقات کا ذکر کرتے ہوئے گویا یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عربوں نے جذام کو فعال کے وزن پر ایلی فین ٹائی سس

(داء الفیل) کے مفہوم کے لئے استعمال کیا ہے اور یہ رائے بکسر غیر صحیح ہے۔ کیونکہ لفظ جذام عربی طب میں ہمیشہ کوڑھ (لیپرسی Leprosy) کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ نہ کہ داء الفیل کے لئے (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو قانون شیخ۔ شرح اسباب طب اکبر وغیرہ)

یہ صحیح ہے کہ متقدمین اطبائے یونان غالباً داء الفیل کے مفہوم کو جذام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ جذام میں بھی مریض کی جلد ہاتھی کی جلد کی طرح ہو جاتی ہے۔ مگر اطبائے عرب نے اس لفظ کو ہمیشہ مرض فیل پا کے لئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اس میں مریض کا پاؤں ہاتھی کی طرح موٹا ہو جاتا ہے۔ پس اس اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے جدید اطبائے مصر نے دو جداگانہ لفظ وضع کئے ہیں۔ ایک داء الفیل عربی جو فیلپا پر بولا جاتا ہے۔ اور دوسرا داء الفیل یونانی جو جذام پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مخزن الجواہر صفحہ ۳۵۸)

نظر بتصریحات بالا اس جگہ جذام کے معنیٰ ایلی فین ٹائی سس یعنی داء الفیل کرنا یقیناً غیر صحیح ہے۔

۳۷ یہ غلط ہے کہ ابن ابی اصیبعہ کا بیان غیر واضح اور غیر مفصل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ نے اس داستان کو اپنی کتاب میں نہایت وضاحت و تفصیل سے لکھا ہے جس سے واضح لفظوں میں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یوحنا ابن ماسویہ نے بندروں کو ڈیسکٹ کیا۔ اور ویوسیکشن (لاشوں کی چیر پھاڑ) پر ایک کتاب لکھی جس کو اس کے مخالفوں نے بھی پسند کیا۔ اور پروفیسر براؤن کا یہ کہنا بھی غیر صحیح ہے۔ کہ یہ بندر خلیفہ معتصم نے منگوائے تھے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بندر شہریار نوبہ جبرئیل بن ذکریا نے رمضان المبارک ۲۲۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کو بطور ہدیہ پیش کئے تھے۔ (ملاحظہ ہو طبقات الاطبا، جلد اول صفحہ ۱۷۸ سطر ۲۰)

۳۸ یہ ایک عجیب طرز استدلال ہے۔ کہ چونکہ قفطی کی تاریخ الحکماء میں یہ قصہ مذکور نہیں۔ لہٰذا اس کو کوئی وقعت نہیں دی جاسکتی۔ اگر یہی اصل اصول ہے۔ تو پھر وہ تمام روایات ناقابلِ اعتبار قرار دے لینی چاہئیں۔ جو ابن ابی اصیبعہ نے ذکر کی ہیں اور قفطی نے ان کو بیان نہیں کیا۔

ہاں قفطی اگر ابن ابی اصیبعہ کی روایت کی تردید کرتا تو ایک علیحدہ بات تھی لیکن محض قفطی کے ذکر نہ کرنے سے ابن ابی اصیبعہ کی اس روایت کو کس طرح ناقابلِ اعتبار قرار دے لیا جا سکتا ہے؟ آخر عدم ذکر عدم وجود کو

تومستلزم نہیں ہے؟ اس سلسلے میں ممکن ہے۔ کہ قفطی کو یہ روایت نہ پہنچی ہو۔ یا اس نے اس کو قابل ذکر نہ سمجھا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ طبی دُنیا میں علم طب اور بالخصوص علم تشریح کی ابتداء اور ترقیات کے سلسلے میں عہد اوّل ہی سے تجربہ، مشاہدہ اور لاشوں کے ڈیسیکشن کا رواج قائم ہے۔ چنانچہ عہد اوّل کے اطباء تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ارباب احتیال۔ اہل تجربہ۔ اور اصحاب قیاس۔ ارباب احتیال یعنی جماعت محتالہ محض استفراغ و احتباس مواد سے معالجہ کرتی تھی۔ اہل تجربہ محض تجربہ اور مشاہدہ پر حصر و قناعت کرتے تھے۔[1] اور اصحاب قیاس تجربہ اور مشاہدہ سے دریافت شدہ امور پر دیگر امور کو قیاس کرتے تھے۔

پھر اس دور میں معائنہ اور مشاہدہ کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ معلوم ہوتا ہے ہم علم تشریح کی بنیاد ہی محض مشاہدہ اور لاشوں کے ڈیسیکشن (چیرپھاڑ) پر رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق جالینوس کی کتاب التشریح (گیلن اناٹومی) کے عربی ترجمہ کے جرمن ترجمہ سے ہر ہر سطر پر ہوتی ہے۔ جو لیپزگ میں ۱۹۰۶ء میں دو[2] جلدوں میں طبع ہوا ہے۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے۔ کہ جالینوس کی تشریحی معلومات ہر دور میں بہت حد تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گریز اناٹومی اور کوئین اناٹومی کے تمام قدیم ایڈیشنوں میں اب تک بہت سی تشریحی مصطلحات اور اعضاء کے ناموں کو جالینوس کے تشریحی اکتشافات کی بناء پر اس کے نام نامی کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ چنانچہ ان رگوں میں سے ایک رگ کو جو دل کے دائیں بطن کی اگلی سطح سے خون جمع کرتی ہے۔ گریز اناٹومی میں ورید جالینوسی۔ وین آف گیلن (Vein of Galen) لکھا گیا ہے۔ دماغ کے بطون کی پیچیدہ اور باریک وریدوں کو اوردہ جالینوسیہ وینی گیلی نائی (Venae Galeni) یا وینز آف گیلن (Veins of Galen) تحریر کیا گیا ہے۔ اور شرائین کی تشریحی معلومات کے سلسلے میں واضح لفظوں میں جالینوس کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔[3]

حال میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب (ایم۔ بی سی۔ ایچ۔ بی ایڈنبرا) پروفیسر علم منافع الاعضاء میڈیکل کالج حیدرآباد دکن نے اپنے ایک تاریخی اور علمی مقالہ میں جو دوران خون

---

[1] ملاحظہ ہو شرح اسباب ترجمہ جلد دوم صفحہ ۴ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ [2] ملاحظہ ہو۔ گریز اناٹومی طبع سیزدہم صفحہ ۵۱۹
[3] ملاحظہ ہو گریز اناٹومی طبع سیزدہم صفحہ ۵۱۹۔

کے مباحث سے متعلق ہے تاریخ۔ لغت اور علمی شہادتوں سے نہایت واضح الفاظ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ نظامِ دوران خون (سرکولیشن آف بلڈ) جس کے انکشاف کا سہرا ولیم ہاروے کے سر باندھا جاتا ہے اس کا پہلا محقق درحقیقت جالینوس ہی ہے جس نے ابتدائے تشریحی طور پر اس مسئلہ کی معلومات بیان کیں۔

جالینوس کے علاوہ طبی دنیا میں بولیس (پالوس) کی تشریحی خدمات کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ اور بعض تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ارسطاطالیس نے بھی علم تشریح کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ حتیٰ کہ اس نے بھی انسانی لاشوں کا ڈیسیکشن کیا ہے۔ چنانچہ علامہ علی حسین گیلانی اپنی کتاب شرح القانون میں قحعت کی درونہ کے بیان میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وقد صادف ارسطاطالیس	ارسطاطالیس نے لاش چیرتے ہوئے ایک
فی تشریحہ راس انسان کان من	ایسی کھوپری پائی۔ جس میں محض ایک ہڈی تھی
عظم واحد لیس فیہ درز اصلا	اور کوئی درز نہ تھی۔ اور ایسا شاذ و نادر ہوا
وھذا من النوادر[1]۔	کرتا ہے۔

علم تشریح کی قدیم ترقیات کی تاریخ اور اس سلسلے میں انسانی لاشوں کے ڈیسیکشن کے متعلق بیروت کے مشہور فاضل علم تشریح و وظائف اعضاء ڈاکٹر یوحنا ورتبات (جان ورٹے بٹ) نے اپنی کتاب التوضیح فی اصول التشریح کے دیباچہ میں نہایت بسط و شرح کے ساتھ اس امر کی وضاحت کی ہے۔ کہ اطبائے قدیم نے علم تشریح کی کس قدر شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اور انہوں نے انسانی لاشوں کے ڈیسیکشن میں کس قدر سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:۔

وکانت صناعۃ التشریح معدومۃ	ازمنہ قدیمہ میں علم تشریح معدوم تھا۔ ہاں
فی الازمنۃ القدیمۃ الی ان قامت	سنہ عیسوی سے تین سو سال پہلے بطلیموس اول
مدرسۃ الاسکندریۃ المشہورۃ	نے جو کہ سکندر اعظم کے بعد مصر کا حاکم بنا اسکندریہ

---

[1] ملاحظہ ہو۔ شرح القانون از علامہ گیلانی بحث عظام قحف صفحہ ۲۰۱۔

التی انشاها بطلیموس الاول الذی تولی مصر بعد الاسکندر الکبیر وذالك قبل التاریخ المسیحی بنحو ثلاث مائة سنة ۔

میں ایک مدرسہ قائم کیا - جو بہت مشہور ہے -

وکان هذه المدرسة اول مدارس العالم فی ذالك الوقت وبقیت هکذا زمناً طویلا فجمعت فیها مکتبة عظیمة وادوات التعلیم فی الهندسة والهیئة والطب ودعی الیه المعلمون وامرت الحکومة بدفع جثة المقتولین بسبب جرائمهم الی المدرسة الطبیة لاجل التشریح ۔

اس وقت یہ تمام دنیا کے مدارس میں پہلا مدرسہ تھا - جو مدت دراز تک اسی شان کے ساتھ قائم رہا - اس مدرسہ میں بہت بڑا کتب خانہ فراہم کیا گیا - اور اس میں علم ہندسہ، علم ہیئت اور علم طب کی تعلیم کے لئے آلات جمع کئے گئے - اور اس کے لئے مختلف مقامات سے اساتذہ فن بلوائے گئے اور حکومت نے حکم دیدیا تھا کہ مجرم مقتولوں کی نعشیں اس مدرسہ میں ڈیسکشن کے لئے بھجوا دی جایا کریں ؛

واشتهر حینئذ بین معلمی هذا الفن ایراسیستراتوس وهیروفیلوس فاظهرا اشیاء کثیرة من مکنوناته ووضعا کثیراً من اصوله الاولیة فمن الجملة استقصیا الاعصاب الی الدماغ الا انهما لم یمیزاها عن الاوتار ووصف هیروفیلوس الدماغ وصفاً دقیقاً لم یسبقه الیه

اس فن کے اساتذہ میں ایراسیستراتوس اور ہیروفیلوس اس وقت بہت مشہور تھے - چنانچہ ان دونوں نے بہت سے تشریحی اسرار واضح کئے اور اس فن کے بہت سے ابتدائی اصول وضع کئے - از انجملہ انہوں نے یہ معلوم کیا - کہ اعصاب کا مرکز دماغ ہے - لیکن وہ اعصاب اور اوتار میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے - ہیروفیلوس نے دماغ کی ایسی تشریح

احرو البر الغشاء العنکبوتی والبطینات الدماغیة والی الآن یعرف عند المشرحین مجتمع الجیوب التی تنصب الیها اوردة الدماغ بمجتمع هیروفیلوس واکتشف الاوعیة اللبنیة ولکن لم یعرف فائدتها واثبت ان القسم الاول من القناة المعویة لایتجاوز طوله اثنی عشر اصبعاً ولذالک سمی بالاثنی عشری - قیل انه شرح سبعمائة جثة بشریة وکتب کتباً کثیرة ففقدت جمیعها الا بقایا منها مذکورة فی مصنفات سلسوس الرومانی

وهکذا ابقی الاسم الاول لهذه المدرسة الی بعد التاریخ بثلث مائة سنة ویظهر ان جمیع معارف الرومانیین بالتشریح کانت منقولة عنها[1]

بیان کی - کہ وہ سب پر سبقت لے گیا - اس نے غشائے عنکبوتی (ارکنائڈ ممبرین) اور بطونِ دماغ (وینٹریکلز) کو ظاہر کیا - اور اب تک لاشیں چیرنے والے اس مقام کو جس میں دماغی وریدیں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں - مجمع ہیروفیلوس (ٹارکیولر ہیروفیلائی) کے نام سے یاد کرتے ہیں - عروق لبنیہ (لیکٹیلز) کو بھی اسی نے معلوم کیا لیکن وہ ان کا فائدہ نہ معلوم کر سکا اور اسی نے یہ ثابت کیا - کہ پہلی آنت بارہ انگل سے متجاوز نہیں اور اسی لئے اس کا نام اثنا عشری (ڈیوڈینم) رکھا گیا - کہا جاتا ہے کہ ہیروفیلوس نے سات سو انسانی لاشیں چیری ہیں اور بہت سی کتابیں لکھی ہیں - لیکن سب ضائع ہو گئیں - ہاں چند کتابیں باقی ہیں جن کا ذکر سلسوس رومانی کی تصنیفات میں آتا ہے -

اس مدرسہ کا نام سنہ ۳۰۰ تک اسی نشان کے ساتھ باقی رہا - اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے - کہ رومانیوں (روما والوں) کی تمام تشریحی معلومات اسی مدرسہ کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں -

المختصر یہ کہ تاریخ علم تشریح کی ہر سطر اس امر کی واضح شہادت ہے کہ اطبائے قدیم نے علم تشریح کی ترقیات کے سلسلے میں مشاہدہ اور انسانی لاشوں کی چیر پھاڑ میں پوری طرح حصہ

---

[1] ملاحظہ ہو - مقدمہ کتاب التوضیح فی اصول التشریح مطبوعہ بیروت +

لیا ہے اور ان میں ہم کو وہ چابکدست جراح اور مشرحین بھی نظر آتے ہیں ۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں سات سات سو لاشیں چیری ہیں ۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں علم تشریح کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی اور بیمارستانوں میں ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے آپریشن ہوتے تھے اور تحقیقات و اکتشافات فن کے سلسلہ میں بندروں کا ڈیسکشن تو اس روایت ہی سے ثابت ہے عملی تعلیم جراحت کے ضمن میں انسانی لاشوں کا بھی ڈیسیکشن ہوتا تھا اور ابن ابی اصیبعہ اور قفطی کی تحریرات سے واضح ہے ۔ کہ اس دور میں دیگر علوم و فنون کی طرح مسلمانوں کا علم جراحت بھی اوجِ کمال پر تھا ۔ اور علم جراحت کی ترقیات کے سلسلہ میں بغداد غرناطہ ۔ اشبیلیہ وغیرہ کے مشہور طبی مدارس میں طلباء کو باقاعدہ سرجری کی علمی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی ۔

اس ضمن میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ حال ہی میں ڈاکٹر محمود صدقی بے نے جو قاہرہ کے بلند پایہ میڈیکل آفیسر ہیں ۔ ابن بطلان کی کتاب دعوت الاطباء کے فرانسیسی ترجمہ میں مشہور عربی سرجن ابو القاسم الزہراوی کی وہ تصویر شائع کی ہے ۔ جس میں عرب کا یہ جلیل القدر سرجن اپنے جراحی کے ہسپتال میں تمام فرما نظر آتا ہے ۔ اور بادش بخیر یہ وہ ابو القاسم الزہراوی ہے جس کے علم جراحت نے درحقیقت یورپ کو سرجری سکھلائی ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اپنی کتاب اریبین میڈیسن میں اس کی نسبت اس طرح رقمطراز ہیں :۔

"ابو القاسم الزہراوی کی کتاب الزہراوی یورپ میں کئی صدیوں تک داخل نصاب رہی ہے اور ابو القاسم الزہراوی کے واضح اور دلآویز طرز بیان کا اثر فن طب پر یہ ہوا کہ آپ کے اصول اور آپ کے نام کی معرفت نے عربی لٹریچر کے متعلق مغرب کے شیدایان علم میں حسن ظن کے احساسات کو پیدا کر دیا حتیٰ کہ آپ کے اصولِ فن نے پانچسو سال تک مغربی طب پر ایک حاکمانہ حیثیت قائم رکھی ۔

ابو القاسم الزہراوی نے مسیحی ممالک میں علم جراحت کی معیاری عظمت کو بلند کر دیا آپ

کا علم جراحت ۱۳۶۸ء میں یورپ میں اچھی طرح جڑ پکڑ چکا تھا۔ آپ کا بیانِ علمِ جراحت بہت واضح ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس لئے بہت گرانقدر ہے۔ کہ اس میں آپ نے ان آلات کو جو ازمنۂ وسطیٰ میں استعمال ہوتے رہے ہیں تصاویر کے ذریعہ خوب واضح کیا ہے اور بعد کے ادوار میں اکثر تصویریں آپ ہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں[1]۔

پس یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ کے بیشمار سرجنوں نے ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب جراحت سے بیش از بیش استفادہ کیا ہے[2]۔ نیز یہ تالیف قرنوں تک مغرب کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہی ہے۔ اور اٹلی میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تدریس پر توجہ کی گئی ہے[3]۔

باس اور فرینڈ کی تحریرات سے واضح ہے کہ راجر بیکن نے سرجری ابوالقاسم الزہراوی کی تالیف ہی سے حاصل کی ہے[4]۔ اور ڈانلڈ کیمبل لکھتے ہیں کہ راجر بیکن اور گوئے ڈی شولیک نے ابن رشد اور زہراوی ہی سے کسب فیض علم طب و جراحت کیا ہے[5]۔

راجر بیکن اور گوئے ڈی شولیک کے علاوہ یورپ کے عہد اول کے بے شمار نامور اور مشہور سرجنوں نے ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب جراحت سے استفادہ کیا ہے۔ اور جان جیننگ، راجر بیکن اور لیوسیلین کلارک وغیرہ مغربی مؤلفین نے تو اسی تالیف جراحت کی معلومات پر اپنی فنی ترقیات کا سنگِ بنیاد رکھا ہے[6]۔ اور عرصہ تک اہل مغرب اس کتاب کی معلومات کو بطور اسناد شائع کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ادسلر لکھتا ہے۔ کہ ڈی مونڈویل اور گوئے ڈی شولیک کی مشہور کتابوں میں ابوالقاسم الزہراوی کا نام ہر ہر صفحہ پر ملتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ لندن۔
[2] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ جلد اوّل صفحہ ۸۵ [3] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۱۳۱ [4] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۱۳۱ [5] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۴۴ [6] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۴۳ ؛

اور ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل تصریح کرتے ہیں۔ کہ کامپیرو لفنگ اور جالس وغیرہ کی تالیفات میں جا بجا زہراوی کی کتاب کے حوالے ملتے ہیں[1]۔

الزہراوی کا یہ حصّہ جراحت اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ جس میں بے شمار آلاتِ جراحت مثلاً مماس۔ ملقاط۔ محراف۔ مبضع۔ مبزع۔ مفصد۔ مبرد۔ منفخہ۔ کلّوب۔ ابر عقفا۔ سکّین۔ منشار۔ مقراض۔ قاثاطیر۔ مقلاع الاسنان۔ مسلط وغیرہ کی نہایت خوبصورت تصویریں موجود ہیں۔ جو حسبِ موقع نقش کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں الزہراوی میں جا بجا۔ قبض۔ بسط۔ ربط۔ شد۔ مد۔ جدع۔ بط۔ قطع۔ قلع۔ جرح۔ قدح۔ جث۔ تعف۔ غمز۔ جبر۔ کسر وغیرہ کے تمام مناسب طریقے ذکر کیئے گئے ہیں۔ اور مختلف اعمالِ جراحیہ۔ قطع ورم لہاۃ۔ کی الاجفان۔ تشمیر العین۔ جمد الاسنان۔ قلع الاسنان۔ تشبیک اضراس متحرکہ۔ شق خنازیر۔ شق ورم شریانی و وریدی۔ بزل استسقاء۔ تطہیر صبیان۔ اخراج حصاۃ۔ بط خراج الرحم۔ اخراج جنین میّت۔ خرم بواسیر۔ جراحت بطن۔ خیاطت امعاء۔ قطع اطراف۔ نشر عظام۔ سل العرق المدنی۔ جبر الترقوہ۔ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ اور ہر طریقِ عمل بالید کی بحث میں جا بجا نہایت بیش قیمت تجارب اور معمولات ذکر کئے گئے ہیں۔

اب ظاہر ہے۔ کہ عربی علم جراحت کا یہ ارتقاء جو اپنی مقبولیّت اور عظمت کی بناء پر تمام یورپ پر چھا گیا۔ اور جدید علم جراحت کی دنیا میں اب تک قدم قدم پر اس کے آثار ملتے ہیں۔ کامل تحقیق و اکتشاف میش عمل بالید۔ اور لاشوں کے ڈیسیکشن کے بغیر کس طرح اس معراج پر پہنچ سکتا تھا۔ یقیناً اس دور میں علم جراحت کے اعمال اور اکتشافات کے سلسلے میں قدیم علم تشریح کی پوری طرح چھان بین کی گئی ہے۔ اور مشاہدہ معائنہ اور لاشوں کے ڈیسیکشن سے کام لیا گیا ہے۔

پھر اس سلسلے میں ایک قابلِ غور امر یہ ہے۔ کہ عربی نظامِ طب میں علم تشریح و جراحت

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن اینڈ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۹۰۔

پر مستند اور بلند پایہ کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اور مبسوطات فن مثلاً الزاہروی الحاوی۔ الملکی۔ القانون وغیرہ کی تشریح اور علم جراحت سے متعلق حصص میں ان علوم پر ایک نہایت وقیع اور بسیط لٹریچر پایا جاتا ہے۔ جو جدید علم تشریح کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ اور اس قدر صحیح ہے۔ کہ اگر اس کو سامنے رکھ کر آج لاشوں کو ڈیسیکٹ کیا جائے تو تقریباً تمام اعضائے جسم انسانی کی شکل۔ وضع۔ ہیئت۔ شرکت وغیرہ۔ کے متعلق اس لٹریچر کی تقریباً تمام معلومات حرف بحرف صحیح نظر آئیں گی۔ اب ظاہر ہے۔ کہ قدیم علم تشریح کی اس قدر صحیح معلومات جو جدید سرمایۂ تشریح سے اس قدر مطابقت رکھتی ہیں۔ مشاہدہ اور لاشوں کے ڈیسیکشن کے بغیر کس طرح مہیا ہو گئیں۔

اسی ضمن میں حکیم کبیر الدین صاحب سابق پروفیسر تشریح طبیہ کالج دہلی نے اپنے ایک علمی مقالہ میں چشم۔ راس۔ قلب وغیرہ اعضائے انسانی کی قدیم تشریحی معلومات و مصطلحات کو سامنے رکھ کر یہ امر واضح کیا ہے۔ کہ علم تشریح کی جدید معلومات قدیم علم تشریح کے ساتھ لفظاً و معناً ہر حیثیت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہیں۔ اور جدید علم تشریح نے قدیم سرمایۂ تشریح کو پوری طرح اخذ کر لیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صورت اس لئے پیش آئی کہ قدیم علم تشریح کی معلومات مشاہدہ، معائنہ اور ڈیسیکشن کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور قابل غور امر یہ ہے۔ کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اطباء کی کتب میں ہم کو جا بجا ان کے وہ اقوال ملتے ہیں۔ جن میں سے واضح لفظوں میں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے علم تشریح میں تحقیق و اکتشاف کے سلسلے میں مشاہدہ اور ڈیسیکشن سے پوری طرح فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ علامہ گیلانی اپنی کتاب شرح القانون میں ایک جگہ درز سفودی کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:۔

وهذا الدرز قد يمتد حتى ينصف الجبهة المقدم و ينتهي الى ما بين الحاجبين وهذا شيء شاهدناه مراراً[1]	یہ درز سفودی کبھی آگے بڑھ کر سر کی اگلی ہڈی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور ہر دو ابرو کے درمیان پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور ایسا کئی مرتبہ مشاہدہ کیا گیا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ شرح القانون از علامہ علی گیلانی بحث عظام قحف۔

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ اطبائے عرب نے علم تشریح میں قیاس آرائیوں اور خیال پیمائیوں[1] کی سختی کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ اور اس علم میں صرف مشاہدہ اور معائنہ ہی کو قابل اعتماد چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نفیس دماغی تشریح کے متعلق قرشی کی ایک قیاسی غلطی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولیس للقیاس ولا للتخمین دخل فی امثال ھٰذہ المسائل بل التعویل فیھا علی الترصد والتشریح[1]

"اس قسم کے مسائل میں قیاس اور اندازہ کو دخل نہیں۔ بلکہ ان تشریحی مسائل میں مشاہدہ اور تشریح (لاش چیرنے) پر اعتماد کرنا چاہیئے"

پھر ایک جگہ شیخ بو علی سینا اپنی کتاب القانون میں مشاہدہ اور لاشوں کے ڈیسیکشن کے متعلق اس طرح حکم نافذ فرماتے ہیں:-

واما الاعضاء ومنافعھا فیجب ان یصادفھا بالحس والتشریح[2] -

"طبیب کے لئے واجب ہے کہ وہ اعضاء اور ان کے منافع کو حس اور تشریح (لاش چیرنے) سے معلوم کرے"

پھر اسفار تاریخ اور کتب فن کے علاوہ عربوں کے اس دور حکومت کے سفرناموں سے بھی یہ امر واضح ہے کہ اطبائے قدیم مسائل فن اور بالخصوص علم تشریح کے سلسلے میں مشاہدہ کو بے حد اہم سمجھتے تھے اور اس ضمن میں انھوں نے مختلف مقامات پر پہنچ کر انسانی ڈھانچوں کا مشاہدہ کر کے علم تشریح میں بے شمار اضافات کئے ہیں چنانچہ حال ہی میں اس سلسلے میں قاضی عبداللطیف بغدادی کا ایک سفرنامہ ہمارے مطالعہ سے گزرا ہے جس کو جوزف وائٹ نے بوڈلین لائبریری کے ایک قلمی نسخہ سے ایڈٹ کیا ہے اور عبداللطیف ہسٹ کے نام سے اپنی اصل عربی زبان میں جرمنی میں شائع ہوا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو شرح الاسباب جلد اوّل صفحہ ۶۹ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ۔

[2] ملاحظہ ہو قانون شیخ جلد اوّل۔ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ صفحہ ۱۳۔

اس سفر نامہ پر اس کا اصل عربی نام ثبت نہیں۔ لیکن اس کا پورا نام الافادۃ و الاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر ہے اور ابن ابی اصیبعہ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[1]

قاضی عبداللطیف بغدادی نے یہ سفر نامہ قاہرہ میں چھٹی صدی ہجری میں مرتب کیا ہے اور اس میں آپ نے اس دور میں مصر کے طول و عرض۔ نباتات۔ حیوانات۔ آثار قدیمہ مکانات غرائب اطعمہ بحر نیل اور اس کے عجائبات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ۵۹۶ھ کے ان حوادث کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ بحر نیل کی طغیانی کی وجہ سے اس قدر ہولناک قحط پڑا کہ آدمی نے آدمی کو پکا کر کھانا شروع کر دیا تھا۔

یہ تمام سفر نامہ اس وقت کے نہایت عجیب و غریب حالات پر مشتمل ہے اور اس کے وہ حصص جو طبی امور سے متعلق ہیں۔ ہمارے لئے خاص طور پر دلچسپ اور مفید ہیں۔ عبداللطیف بغدادی چونکہ ایک نہایت بلند پایہ محقق فن طبیب تھے اس لئے انہوں نے اپنے مصر کے سفر میں اس عہد کے اکابر حکماء و اطباء سے ملاقاتیں کیں اور وہ یٰسین السیمیائی ابوالقاسم الشارعی اور موسیٰ بن میمون طبیب سے ملے[2]

اس کتاب میں جا بجا نہایت مفید طبی معلومات درج ہیں۔ مثلاً اس کے مقالہ اول کی دوسری فصل میں بعض نہایت مفید جڑی بوٹیوں کا بیان ہے۔ اور چھٹی فصل میں جو اطعمہ لذیذہ کے ذکر کے لئے وقف کی گئی ہے۔ مرضاء اور ناقہین کے لئے بعض نہایت مفید اور لذیذ غذائیں تجویز کی گئی ہیں[3]

لیکن یہاں میں جس چیز کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس کتاب کے مقالہ دوم کی تیسری فصل کا وہ حصہ ہے۔ جس میں قاضی عبداللطیف بغدادی نے علم تشریح کی ترمیمات کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۰۷۔ مطبوعہ قاہرہ

[2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء۔ جلد دوم۔ صفحہ ۲۰۵۔

[3] ملاحظہ ہو۔ کتاب الافادۃ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر صفحہ ۹۹ مطبوعہ جرمنی

سلسلے میں انسانی لاشوں کے معائنہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان لوگوں کی مخالفت کی ہے جو اس نوع کی معلومات میں قیاس وتخمین کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

ومن عجیب ما شاهدنا ان جماعة ممن یتعانی فی الطب وصلوا الی کتاب التشریح فکان یعسر فهمها علیهم وفهمهم لقصور القول عن العیان فاخبرنا ان بالمقس[1] تلا علیه رمم کثیرة فخرجنا الیه فراینا تلا من رمم له مسافة طویلة یکاد یکون ترابه اقل من الموتی به نحدس ما یظهر منهم للعیان بعشرین الفا فصاعدا وهم علی طبقات فی قرب العهد وبعده فشاهدنا من شکل العظام ومفاصلها وکیفیة اتصالها وتناسبها واوضاعها ما افادنا علما لا نستفیده من الکتاب[2]۔

ایک عجیب چیز ہے کہ ہم نے اطباء کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو طب کی مدعی ہو کر مجھ سے بحث ومباحثہ کرتی تھی لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ وہ جالینوس کی کتاب التشریح کو بدقت تمام بھی سمجھ اور سمجھا نہیں سکتی تھی (کیونکہ اس نے مشاہدہ نہیں کیا اور یہ قول اور مشاہدہ میں بڑا فرق ہے)۔ ایک مرتبہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مقس میں ایک ٹیلہ ہے جس پر انسانی ڈھانچے بکثرت موجود ہیں چنانچہ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دور تک انسانی ڈھانچوں کا ایک ٹیلہ ہے جس پر مٹی سے زیادہ مردوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ بظاہر مشاہدہ سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ ان ڈھانچوں کی تعداد بیس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ ہو گی۔ ان ڈھانچوں میں مختلف اقسام کے تھے۔ چنانچہ بعض ان میں سے زیادہ زمانہ قریب کے تھے اور بعض پرانے ہو چکے تھے پس ہم نے ہڈیوں اور جوڑوں کی شکل، کیفیت اتصال، تناسب اور اوضاع کا مشاہدہ کر کے وہ علم حاصل کیا جو ہم کتابوں سے

---

[1] اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت مئی ۳۳ء میں صفحہ ۲۹ پر مقس کو کس لکھا گیا ہے اور یہ غلط ہے

[2] ملاحظہ ہو۔ الافادۃ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر۔ صفحہ ۱۵۱۔

حاصل نہیں کر سکتے ۔

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں : ۔

والحس اقوی دلیلا من السمع فان جالینوس وان کان فی الدرجة العلیا من التحری والتحفظ فیما یباشرہ ویحکیہ فان الحس اصدق منہ ثم بعد ذالک یتخیل لقولہ مخرج ان امکن ۔

اور مشاہدہ سنی سنائی باتوں کے مقابلے میں زیادہ قوی دلیل ہے ۔ پس اگرچہ جالینوس اپنے معمولات اور نقل و حکایت فن میں علمی قابلیت اور حافظے کے اعتبار سے بلند ترین مقام رکھتا ہے لیکن اس کے قول کے مقابلے میں مشاہدہ زیادہ صحیح شے ہے (تاہم) مشاہدہ کے بعد اگر ممکن ہو تو اس کے قول کا مخرج خیال کیا جائے ۔

قاضی عبداللطیف بغدادی نے انسانی ڈھانچوں کے اس معائنہ اور تشریح (ڈیسیکشن) کے سلسلے میں بعض غریب و نادر چیزیں بھی دیکھیں ۔ چنانچہ آپ نے دو مختلف ڈھانچوں میں دو عظم العجز ملاحظہ کیں ۔ جو صرف ایک ایک ہڈی سے بنی ہوئی تھیں ۔ ان کے متعلق آپ لکھتے ہیں : ۔

واما العجز مع العجب ذکر جالینوس انہ مؤلف من ستة اعظم ووجدتہ انا عظماً واحداً واعتبرتہ بکل وجہ من الاعتبار فوجدتہ عظما واحدا ثم انی اعتبرتہ فی جثة اخری فوجدتہ ستة اعظم کما قال جالینوس وکذالک وجدتہ فی سائرة الجثث علی ما قال الا فی جثتین فقط[1]

عظم العجز کے متعلق عجیب بات یہ ہے کہ جالینوس نے اس کو چھ ہڈیوں سے مرکب بیان کیا ہے لیکن میں نے (دو ڈھانچوں میں) اس کو ایک ہڈی پایا ۔ چنانچہ میں نے ہر طرح اس پر غور کیا ۔ اور اس کو ایک ہی ہڈی پایا پھر میں نے ایک دوسرے ڈھانچے کو دیکھا (تو جیسا کہ ہونا ہے) اور جالینوس نے بیان کیا ہے عظم العجز چھ ہڈیوں سے مرکب تھی اور یہی حال تمام ڈھانچوں کا تھا ۔ (کہ ان کی عظام العجز چھ ہڈیوں سے مرکب تھیں) لیکن

[1] ملاحظہ ہو کتاب الافادة والاعتبار فی الامور المشاہدہ والحوادث المعائنة بارض مصر ۔ صفحہ ۱۵۳ ۔

یہ ڈھانچے ایسے پائے کہ فقط ایک ہی ہڈی کے تھے۔

قاضی عبداللطیف بغدادی نے انسانی لاشوں کے معائنہ کے لئے بے شمار مقامات کا سفر کیا۔ چنانچہ آپ مقس تشریف لے گئے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔ اسکریتہ فرعون پہنچے جو اُس وقت انسانی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ اور بوصیر کے گورستانوں میں گئے۔ جہاں اہرام موجود ہیں[۲]۔ اور جو اس وقت بے شمار مدافن کا مسکن تھا[۳]۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

ثم انی اعتبرت هذا العظم ایضا بمدافن بوصیر القدیمة المقدم ذکرها فوجدته علی ما حکیت[۴]۔

پھر میں نے اس ہڈی (عظم فک اسفل) کو قدیم بوصیر کے مدافن میں جن کا ذکر پہلے کیا گیا دیکھا۔ اور غور کیا۔ تو اس ہڈی کو میں نے ایسا ہی پایا جیسا کہ میں نے اس کو ذکر کیا ہے

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ عربی عہد حکومت میں علم تشریح و وظائف اعضاء پر ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں اعضائے انسانی کی صحیح تشریحی تصویریں منقوش تھیں منجملہ ان کے منصور بن محمد کی ایک کتاب التشریح ہے۔ جو ۱۳۹۶ء میں لکھی گئی اس میں نہایت خوبصورت اور صحیح تشریحی نقشے اور خاکے دئے گئے۔ اور اس کا ایک مصور قلمی نسخہ آج بھی انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے۔ جیسا کہ پروفیسر براؤن نے اریبین میڈیسین میں (صفحہ ۹۳ پر) خود بیان کیا ہے۔ پس واضح ہے۔ کہ اگر عربی دور حکومت میں علم تشریح میں مشاہدہ کا رواج نہ تھا تو اس وقت یہ صحیح تشریحی تصویریں مشاہدہ اور ڈیسیکشن کے بغیر کس طرح صفحۂ قرطاس پر نقش کر دی گئیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان تصریحات کی بنا پر عربی دور تشریح پر علامہ براؤن کا طرز استدلال و تنقید غیر صحیح ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ کتاب الافادۃ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعائنۃ بارض مصر صفحہ ۱۵۴

[۲] ملاحظہ ہو۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۵۰

[۳] ملاحظہ ہو 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۸۳ و ۸۶

[۴] ملاحظہ ہو 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۱۵۲ –

۳۹ ان دو قلمی نسخوں کے علاوہ فردوس الحکمت کے دو قلمی نسخے اور بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ گوتھا کی لائبریری میں ہے۔ اور دوسرا نسخہ حکیم خواجہ کمال الدین صاحب لکھنوی کے کتب خانہ میں۔ اور شاید ایک اور نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

۴۰ پروفیسر براؤن نے اس جگہ اپنے ارادہ کا اظہار اس وقت کیا ہے۔ جبکہ آپ نے ۱۹۱۹ء میں یہ مقالہ سپرد قلم فرمایا۔ لیکن اس کے بعد تقریباً ۱۹۲۸ء میں فردوس الحکمت طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۹۲۲ء میں جب جناب ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی ایچ۔ اے (پنجاب) ایم۔ اے۔ بی۔ ایل (پٹنہ) پی۔ ایچ۔ ڈی کیمبرج مدیر شعبۂ عربیہ لکھنؤ یونیورسٹی کیمبرج میں حصول تعلیم کی غرض سے تشریف لے گئے۔ تو پروفیسر براؤن نے اس تالیف عزیز کی تہذیب و ترتیب کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اس مقصد کے لئے پروفیسر ممدوح نے آپ کو فردوس الحکمۃ کا وہ مسودہ دے دیا۔ جو آپ نے برٹش میوزیم کے نسخہ کا عکس لے کر حاصل کیا تھا۔ پروفیسر ممدوح کے ارشاد کی تعمیل میں جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے اس نسخہ کو ایڈٹ کرنا شروع کر دیا۔ اور اس سلسلے میں آپ نے ہر ممکن سعی صرف فرمائی حتیٰ کہ آپ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے برلن اور گوتھا کا سفر اختیار فرما کر کتب خانہ گوتھا اور کتب خانہ برلن کے دو نسخوں سے اس مسودے کا مقابلہ کیا۔ پھر آپ ہندوستان تشریف لائے اور فردوس الحکمۃ کے قلمی نسخوں کی جستجو کی۔ یہاں آپ کو لکھنؤ اور رامپور سے اس کے دو نسخے دستیاب ہوئے۔ اور آپ نے اصل مسودے کی تہذیب میں ان سے بھی مدد لی۔ ابھی آپ اس مسودہ کی تہذیب و ترتیب میں مصروف تھے کہ ای جے گب میموریل ٹرسٹ کے ارکان نے اس کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک سو پونڈ صرف کرنے کا وعدہ کیا بشرطیکہ مطبع کاویانی برلن اس کو منظور کرے۔ چنانچہ حسن اتفاق سے مطبع مذکور نے اس اہم خدمت کی سرانجام دہی کا ذمہ لے لیا۔ اور ۱۹۲۴ء میں اس کو طبع کرنا شروع کر دیا۔ اصل نسخہ کی طباعت کی تکمیل کے بعد ۱۹۲۸ء میں مطبع کاویانی نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ہندوستان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں ارسال کیا۔ تاکہ آپ فردوس الحکمۃ پر ایک علمی اور تاریخی مقدمہ سپرد قلم فرمائیں۔ جو اس کتاب کے ساتھ شامل کیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس پر ایک فاضلانہ مقالہ خصوصی تحریر فرما کر

مطبع مذکورہ کو بھیج دیا ____ جسے کارکنان مطبع نے اصل کتاب کے ساتھ شائع کیا ہے اور بالآخر اب یہ کتاب پوری آب و تاب کے ساتھ زیور تکمیل سے آراستہ ہو کر علمائے فن کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔

۴۷۱ پروفیسر براؤن کی اس تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ دنیائے طب میں امتحانات کا دستور مقتدر باللہ کے عہد میں تقریباً ۳۱۹ھ سے شروع ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر براؤن نے یہاں جس چیز کو امتحان الطبا کے نام سے ذکر کیا ہے۔ یہ امتحان نہ تھا بلکہ یہ عربی عہد حکومت میں اطباء کے رجسٹریشن کا نظام تھا۔ جو عربی حدود مملکت میں رائج کیا گیا۔ ورنہ فنی درس و تدریس کے سلسلہ میں تو ایسے ہی امتحانات کا رواج تو طب میں عہد قدیم سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں یونانیوں کے ہسپتالوں اور طبی کالجوں کا تفصیلی طور پر ذکر ملتا ہے۔ اسقلیبیوس نے روڈس۔ قنیدس اور قوس میں طبی مدارس بنائے تھے[1]۔ بطلیموس کے عہد میں اسکندریہ میں ایک مشہور مدرسہ طبیہ تھا۔ اور ہیروفیلوس اس کا معلم تشریح تھا۔ اور مدینۃ العلماء یعنی ایتھنز میں ایک مہتم بالشان طبیہ کالج تھا۔ ارسطاطالیس نے ابتدائی تعلیم یہیں پائی تھی۔ بعد ازاں اسکندر افرودیسی اس کالج کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ارسطاطالیس نے اپنا مدرسہ لوقیون میں کھولا تھا[2]۔

اس وقت کالجوں کی طرح مشہور ہسپتال بھی موجود تھے جن کو باقاعدہ شاہی سرپرستی حاصل تھی۔ رومۃ الکبریٰ اور رومن امپائر کے ہسپتال خصوصاً بہت مشہور تھے اور بقراط نے اپنا ہسپتال اپنے مکان کے باغ ہی میں بنایا تھا۔ جس کا نام اس نے اخسندکین رکھا تھا[3]۔

اس عہد میں علم طب ایک نہایت مقدس امانت سمجھا جاتا تھا۔ اور مدارس طبیہ میں اس کی

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲ مطبوعہ قاہرہ۔

[2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۵۴۔

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۷۔

تعلیم اور تکمیل میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بقراط نے ایک حلف نامہ تحریر کیا تھا۔ جس کے مطابق طلبائے طب اپالو۔ اسقلبیوس اور ہائیجیا کے نام پر تمام دیویوں اور دیوتاؤں کو گواہ کر کے اس امر کا حلف اٹھاتے تھے۔ کہ وہ اپنے اساتذہ کی پوری عزت کریں گے۔ طب کو بلا معاوضہ پڑھائیں گے۔ اور مریضوں کے علاج میں پوری احتیاط۔ توجہ۔ دیانت اور ہمدردی سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔ یہ حلف نامہ پوری تفصیل کے ساتھ طبقات الاطباء میں درج ہے[1]۔

عہد قدیم میں اسکندریہ کا مدرسہ خصوصاً بہت مشہور اور ممتاز تھا۔ جس کا نصاب تعلیم جالینوس کی متذکرہ کتابوں سے سات فاضل اطباء نے مل کر جن میں یحیی النحوی بھی شامل تھا۔ مرتب کیا تھا۔ اور ان کتابوں کے درس کی ایک خاص ترتیب مقرر کی تھی۔ چنانچہ اس مدرسہ میں سات جماعتیں بنائی گئی تھیں۔ جماعت اوّل کو کتاب الفرق۔ کتاب النبض الصغیر کتاب الصناعۃ الصغیرہ اور اغلوقن پڑھائی جاتی تھی۔ اور جماعت دوم کو کتاب الاسطقسات کتاب المزاج۔ کتاب القوی الطبیعیہ۔ اور کتاب التشریح کا درس دیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد درجہ بدرجہ ساتویں جماعت تک جالینوس کی کتابیں کتاب العلل والاعراض۔ کتاب النبض۔ کتاب ایام البحران۔ کتاب الحمیات۔ کتاب حیلۃ البرء۔ کتاب تدبیر الاصحاء وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں۔ اطبائے اسکندریہ نے یہ جماعت بندی بہترین اصول تعلیم کے مطابق کی تھی۔ اور اس سے طلباء کو نفع عظیم پہنچتا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس مدرسہ کی تعلیم۔ حسن نظام اور نصاب کی خوبیوں پر اپنی کتاب کے تقریباً چھ صفحات میں تبصرہ کیا ہے[2]۔

مدرسۂ اسکندریہ کے علاوہ ایڈیسہ یعنی رُہا کا مدرسہ بھی نہایت ممتاز تھا۔ جس کی شان و شوکت بازنطینی حکومت کے عہد تک قائم رہی اور علیٰ ہذا جندی شاپور کا مدرسۂ طبیہ[3] بھی ایک خاص شہرت و عظمت کا مالک تھا۔ جس کے ذریعے ہزاروں طلبائے طب نے فیض پایا۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۵۔

[2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۰۳۔

[3] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۲۱۔

اور جس کے توسل سے درحقیقت عرب میں طب کی روشنی پھیلی۔

اس کے بعد اسلامی عہد حکومت میں بے شمار مدارس اور بیمارستانات قائم ہوئے جن میں طلباء کو طب کی علمی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور جرجی زیدان نے ایک جگہ جسٹس امیر علی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے۔ کہ یہ بیمارستانات ہی درحقیقت طلبائے فن کے لئے بہترین مدارس طبیہ[1] تھے۔

عہد اسلامی میں خلفائے بنی امیہ میں سے سب سے پہلے خلیفہ عبدالملک نے ۸۸ھ میں دمشق میں مجذومین کے لئے ایک ہسپتال بنایا تھا۔ جس میں اس نے مرضاء کے معالجہ کے لئے اطباء کو مقرر کیا تھا۔ اور مریضوں کی خوراک کا انتظام ہسپتال کی طرف سے[2] تھا۔ اس کے بعد امویوں میں سے خلیفہ منصور نے اندھوں۔ یتامیٰ اور اپاہج عورتوں کے لئے ایک دارالاقامۃ[3] بنایا۔ جو ان کے لئے ایک طرح کا ہسپتال بھی تھا۔ اور اس کے علاوہ اس نے ایک دارالمجانین (پاگل خانہ)[4] بھی بنایا۔

بعد ازاں دولت عباسیہ میں ہارون الرشید نے بیمارستانات کی ابتدا کی۔ چنانچہ اس نے اپنے طبیب جبرئیل بن بختیشوع کو حکم دے کر بغداد میں ایک ہسپتال بنوایا[5]۔ اور ایک ہسپتال برامکہ نے بنوایا۔ جس میں انہوں نے ایک ہندی طبیب کو ملازم رکھا تھا[6]۔

اس کے بعد بغداد کے بیمارستان کی تقلید میں بہت سے بیمارستانات بنائے گئے۔ چنانچہ مصر میں فتح بن خاقان وزیر متوکل نے ایک بیمارستان معافر بنایا۔ اور پھر جب مصر کی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۱ :۔

[2] ملاحظہ ہو مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۰۵۔

[3] ملاحظہ ہو وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۴۹۵ مطبوعہ مصر۔

[4] ملاحظہ ہو کشکول از عاملی صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ مصر۔

[5] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۷ :۔

[6] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست از ابن الندیم صفحہ ۲۴۵ :

زمام حکومت ابن طولون کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس نے اپنے نام پر ۲۵۹ھ میں ایک بیمارستان بنایا اور اس کی تعمیر پر تقریباً ساٹھ ہزار دینار صرف کئے[1] اور ابھی قرن ثالث ختم بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ مکہ اور مدینہ میں بھی بیمارستانات بن گئے[2]۔

اس کے بعد تیسری صدی ہجری سے مقتدر باللہ نے بیمارستانات بنوانے شروع کئے ہیں۔ چنانچہ اس نے ۳۰۲ھ میں ایک بیمارستان بنوایا۔ اور بعد از اں ۳۰۶ھ میں بیمارستان السیدہ بنوایا۔ اور اس کے بعد بیمارستان المقتدری بنوایا[3]۔ حتیٰ کہ اس کے بعد سلطنت ہائے اسلامی میں بیشمار بیمارستانات بن گئے۔

اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ عرب میں بیمارستانات کی طرح مدارس کا سلسلہ بھی مقتدر باللہ کے عہد سے بہت پہلے ہی قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ برٹش انسائیکلوپیڈیا میں خراسان کے ایک مدرسہ کا ذکر موجود ہے۔ جس کی بنا مامون نے رکھی تھی[4]۔

یہ امر اگرچہ ایک حد تک صحیح ہے کہ اسلامی عہد حکومت میں شاندار مدارس کی ابتداء مدرسۂ نظامیہ ہی سے ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے قبل بھی نیشاپور میں متعدد مدارس بن چکے تھے[5]۔ اور اس کے بعد تو ممالک اسلامی مثلاً غرناطہ۔ طلیطلہ۔ اشبیلیہ۔ قرطبہ۔ بغداد۔ دمشق۔ حلب۔ بعلبک۔ حمص وغیرہ میں مدارس اسلامیہ کا ایک جال بچھ گیا[6]۔

اس ضمن میں ایک قابلِ ذکر امر یہ بھی ہے۔ کہ اس عہد میں طبی درسگاہوں میں طلباء کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مقریزی جلد ہفتم صفحہ ۵۔۴ ؂

[2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۷ ؂

[3] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ؂

[4] ملاحظہ ہو برٹش انسائیکلوپیڈیا۔ آرٹیکل المامون ؂

[5] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۱ ؂

[6] ۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۲۰۳ ؂

لئے نصاب تعلیم مقرر نہ تھا۔ اس سلسلے میں نظامی عروضی سمرقندی نے بھی چہار مقالہ میں ایک طبی کورس تحریر کیا ہے جس پر عبور حاصل کرنا ایک طبیب کے لئے لازمی ہے۔ اور جس میں ابتدائی کتب میں وہ فصول بقراط۔ مسائل حنین بن اسحٰق اور شرح نیلی وغیرہ کی تدریس ضروری قرار دیتا ہے۔ بعد ازاں ذخیرہ ثابت بن قرہ۔ منصوری۔ اور اغراض الطب وغیرہ اور اس کے بعد حاوی، کامل الصناعۃ۔ قانون اور ذخیرۂ خوارزم شاہی وغیرہ کا درس تجویز کرتا ہے[۱]۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ طب میں مدارس اور بیمارستانات کا سلسلہ مقتدر باللہ کے عہد سے صدہا سال پہلے سے قائم تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ان مدارس اور بیمارستانات میں طبی نصاب تعلیم کے مطابق طبی امتحانات کی مقدس رسم بھی عہد قدیم سے رائج تھی۔ پس مقتدر باللہ کے عہد میں سنان بن ثابت کے ذریعہ ملک کے غیر مشہور اطباء کی جو عام پڑتال کی گئی۔ وہ درحقیقت امتحان نہ تھا۔ بلکہ اطباء کے رجسٹریشن کا ایک نظام تھا۔ جو طب عربی کے وقار اور مریضوں کے مفاد کے لئے قائم کیا گیا۔

پس جس طرح دورِ حاضر میں مغربی ممالک میں کو میڈیکس ایکٹ یعنی عطائیوں کا قانون نافذ ہے۔ جس کی رُو سے صرف وہی اطباء مطب اور دوا فروشی کر سکتے ہیں۔ جو سند یافتہ اور ہر طرح ان امور کے اہل ہیں۔ اور ان کے نام ایک خاص رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں۔ جن کو قانونی طور پر مطب کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح عہد حکومتِ اسلامی میں بھی ملک کے مفاد اور طب عربی کے وقار کے پیش نظر اطباء کے رجسٹریشن کا قانون رائج کیا گیا تھا۔ جس کی رو سے کامل تحقیق کے بعد صرف قابل اور لائق اطباء کے نام سرکاری رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔ اور ان ہی کو طبابت کی اجازت تھی۔

اس سلسلے میں جرجی زیدان نے تصریح کی ہے۔ کہ دورِ حکومت اسلامی میں اطباء کا ایک مکمل

---

[۱] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ چہار مقالہ از علامہ ایڈورڈ جی براؤن صفحہ ۸۰، مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس

نظام موجود تھا۔ اور ان میں حکومت کی جانب سے ایک رئیس الاطباء مقرر ہوتا تھا۔ جو ان کا باقاعدہ امتحان لے کر ان کو باقاعدہ مطب کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ اور ممتحنین میں سے بغداد میں سنان بن ثابت اور مصر میں مہذب الدین الدخوار نہایت مشہور تھے۔[1]

اس ضمن میں جمال الدین بن القفطی کی روایت کو ابن ابی اصیبعہ بھی اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ مقتدر باللہ کے سمع اقدس تک یہ شکایت پہنچی کہ ایک مریض کسی طبیب کی غلطی سے ہلاک ہوگیا ہے۔ تو اس نے ابراہیم بن محمد بن بطحاء کو حکم دیا کہ وہ شاہی اطباء اور ان چند اطباء کے علاوہ جن کی قابلیت مسلم ہے۔ تمام طبیبوں کو مطب کرنے سے روک دے۔ تاوقتیکہ وہ سنان بن ثابت کو امتحان دے کر اس کے دستخط سے سند حاصل نہ کریں۔ چنانچہ سنان بن ثابت نے بغداد کے تمام غیر معروف اطبا کا امتحان لیا۔ اور جو طبیب جس مرض کے علاج میں ماہر ثابت ہوا۔ اس کو صرف اسی مرض کے علاج کی اجازت دی گئی۔ اور سند عطا کی گئی۔[2]

اس وقت بغداد میں تقریباً ایک ہزار غیر معروف اطبا تھے۔ جن میں سے تقریباً سات سو امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور باقی تمام ناکام رہے جو مطب کرنے سے روک دیئے گئے[3] مہذب الدین الدخوار اطبائے مصر اور اطبائے شام کا رئیس الاطبا اور ممتحن تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں اپنے باپ کے ساتھ ملک العادل فرمانروائے مصر کی خدمت میں موجود تھا۔ تو سلطان موصوف نے حکیم مہذب الدین الدخوار کو مصر کے کحالوں کا امتحان لینے کا حکم دیا۔ اور صرف ان ہی کو کام کرنے کے لئے اجازت نامہ دیا گیا جو امتحان میں کامیاب نکلے۔[3]

اس سلسلے میں امین الدولہ بن التلمیذ نے بقول[4] ابن ابی اصیبعہ خلیفہ مستضی بامر اللہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۱ :: [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۲۲ ÷ [3] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۱

[4] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۶۱ ::

سنان ابن ثابت خلیفہ مقتدر کے حکم سے اطباء کے امتحانات لئے اور صرف ان ہی اطبا کو معالجہ کی اجازت دی جن کو اس کا اہل سمجھا گیا۔

ابو سعید یمامی نے اطباء کے اس امتحان کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے اطباء کے علم، تجربہ اور لیاقت کے مطابق ان کے درجات مقرر کئے۔ اور ان کے امتحان کے لئے طریقے اور قواعد وضع کئے[1]۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں ایک نہایت مفید اور اہم کتاب ۵۶۰ھ سے قبل سید الوزراء صفی الدین عبد اللہ بن علی کے عہد میں عربی زبان میں سپرد قلم کی گئی۔ اس تالیف عزیز کا نام امتحان الالبا لکافۃ الاطباء ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے یہ کتاب اطباء کی قابلیت کے امتحان کے سلسلے میں مرتب کی گئی تھی۔ اس کا مؤلف عبد العزیز متطبب اس تالیف کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ کہ

واصل هذه الصناعة هي المقام	المختصر یہ کہ اس علم کی سزاوار وہ بارگاہ صاحبی
الصاحبي اسماه الله حمر صرا د	ہے (خدا اس کو بلند کرے) جس نے ضرر
الضرر بمن يتطاول اليها و	کے ان مواد کو دور کر دیا جو نااہل لوگوں اور
ليست عنده اهلية ولا له	فن کے ناواقف لوگوں کی وجہ سے تھے اور
من العلم مرتبة لانها مطلقة	یہ خرابی اس لئے تھی کہ اس علم کی باگ چھوٹی
الزمام مهملة المسالك مركوبة	ہوئی تھی حالانکہ اس کے راستے ہولناک اور
الاخطاء والمهالك فانجام المزين	خطرناک ہیں۔ پس نوبت یہ ہو گئی تھی کہ حجام
يداوي العين والجراح والكحال	آنکھوں کا علاج کرنے لگا تھا۔ اور جراح اور
يداوي امراض البدن لان الباب	کحال امراض بدن کا معالج بن گیا تھا اور دروازہ اس علم
مباح فرحم الله عبد العزيز	کا ایسا مباح ہو گیا تھا۔ کہ جو چاہتا علاج کرنے لگتا پس خدا
لقد حازني من تادلا جنته	رحم کرے عبد العزیز پر جس نے اپنے قلیل زمانہ

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء ——— جلد اول صفحہ ۲۳۹۔

القلیلۃ ثناءً جزیلا وذکراً جمیلا۔[1] حکومت میں نااہلوں پر اس کی پابندی عائد کرکے) نیکی حاصل کی۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے اور ان میں سے نبض۔ قارورہ۔ حمیات وبحارین۔ صحت ومرض کی علامات جیدہ ومخوفہ۔ علم ادویہ۔ علم مداوات اور مسائل اصول سے متعلق ہر باب میں بیس بیس سوالات کئے گئے ہیں اور خود ہی فاضل مصنف نے مستند حوالوں سے ان کے عالمانہ انداز میں نہایت جامع جوابات بھی دئے ہیں۔

تین ابواب جراحوں۔ کحالوں اور مجبروں سے متعلق ہیں اور ان میں ان سے بھی علیحدہ علیحدہ بیس بیس اہم سوالات کئے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں اطباء کی طرح ان کی قابلیت کے مسئلہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔

یہ تمام سوالات بے حد دلچسپ۔ مفید اور اہم ہیں۔ چنانچہ ان میں نبض کے متعلق پوچھا گیا ہے کہ اس سے معشوق کا نام کس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔ استسقائے مائی میں نبض صلب کیوں ہو جاتی ہے۔ لذت سے نبض میں کیا تغیر پیدا ہوتا ہے اور نبض میں کس قسم کی طبیعت موسیقاریہ پائی جاتی ہے۔

پھر قارورہ اور حمیات کے سوالات کے ضمن میں پوچھا گیا ہے کہ زرد اور رقیق پیشاب کس چیز کی علامت ہے اور پیشاب میں رائحۂ حامضہ کس امر کی دلیل ہے۔ تپ عفنی کی علامات مخصوصہ کیا ہیں اور بخار اور سعال یابس کی صورت میں جب بخار رفع ہو جاتا ہے اور سعال یابس باقی رہتی ہے تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ادویہ کے سلسلے میں جو سوالات کئے گئے ہیں وہ بھی اہم اور مفید ہیں۔ ایک جگہ مثانہ کی پتھری کا فائدہ دریافت کیا گیا ہے اور خود ہی بتایا گیا ہے۔ کہ اگر اس کو پیس کر آنکھوں میں لگایا گیا تو یہ بیاض العین کو مٹا دے گا۔

کحال سے پوچھا گیا ہے کہ ایک ایک کے دو دو کیوں نظر آتے ہیں۔ نظر کے لئے اور فائد

---

[1] ملاحظہ ہو۔ امتحان الالبا لکافۃ الاطباء صفحہ ۱۲۔

کون کون سے ہیں ۔ علاج امراضِ چشم میں قانونِ کلی کیا ہے ۔ اتساع و انتشار میں کیا فرق ہے شبکوری کے اسباب کیا ہیں ۔ نتوء عنبیہ اور بثرۂ قرنیہ میں کس طرح امتیاز کیا جا سکتا ہے اور ذرورات کا استعمال کب کیا جاتا ہے ۔

مجبر (شکستہ بند) سے دریافت کیا گیا ہے کہ سہل الانخلاع ۔ اور صعب الانخلاع اعضا کون کون سے ہیں خلع اور میل کی علامات کیا ہیں ۔ زوال مفصل کسے کہتے ہیں ۔ جبائر کے استعمال کا وقت کون سا ہے ۔ جبر کیا ہے اور کون کون سی ہڈیاں ہیں جن پر دشبد نہیں بندھتی ہے۔

اور پھر جراح سے سوال کیا گیا ہے کہ انسان کے بدن میں کتنی ہڈیاں ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں ۔ نیز اعصاب اور عضلات کتنے ہیں اور رگیں کتنی ہیں اور وہ کہاں کہاں ہیں ۔ قرحہ مع عظم مکسور کا علاج کیا ہے اور ہر عضو کے تفرق اتصال کا علیحدہ علیحدہ کیا نام ہے ۔

غرض ساری کتاب اسی طرح کے سوالات اور ان کے جوابات سے معمور ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی دورِ حکومت میں طبی مدارس اور تجربہ گاہوں میں اطباء ۔ جراحوں اور کحالوں کی قابلیت کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں کس قدر توجہ کی جاتی تھی ۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سلاطینِ مغلیہ نے بھی اس کی جانب خاص اعتنا کیا ہے ۔ چنانچہ ابتداءً اس کا اصل مسودہ شاہانِ مغلیہ کے کتب خانہ ہی کی زینت تھا ۔ جس پر شاہی کتب خانہ اور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ اور شہاب الدین محمد شاہجہاں کی مہریں ثبت تھیں بعد میں جب ۵۷ء کے ہنگامہ نے اس کتب خانہ کو زیر و زبر کیا تو یہ تالیف گرامی آخری تاجدارِ دہلی کے طبیب خاص احترام الدولہ معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں مرحوم دمبر در کے دار الکتب کی زینت بنی اور اس کے بعد اس کو اس کتب خانہ سے حاصل کر کے آپ کے تلمیذ رشید حکیم بدر الدین خاں مرحوم نے ماہ محرم ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں مصلح المطابع دہلی سے اصل مع اردو ترجمہ کے طبع کرا کے شائع کرایا ۔

حکیم بدر الدین خاں مرحوم نے ابتداء میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی موجود ہے اور جب آپ کو ترجمہ کے سلسلے میں اس کے اصل مسودہ کے لئے اس مخطوطہ سے اس کے چند ضائع شدہ اوراق کے حاصل کرنے

کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس سلسلے میں علامہ شبلی مرحوم کے توسط سے جرجی زیدان نے آپ کی اعانت کی۔

اس کا ترجمہ جیسا کہ ذکر کیا گیا حکیم بدر الدین خاں مرحوم دہلوی جیسے فاضل یگانہ طبیب نے کیا ہے اور ترجمہ کی تصحیح و نظر ثانی کے سلسلے میں حکیم محمد غیاث الدین خاں مرحوم۔ مولانا محمد عبد الحق صاحب خیر آبادی۔ اور مولانا محمد عبد الحق صاحب دہلوی مفسر تفسیر حقانی جیسے اکابر علم و فضل کی مساعی شریک مترجم رہی ہیں۔ اور جب یہ تالیف عزیز زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے تو غالب کے شہرۂ آفاق شاگرد میر مہدی مجروح جیسے بلند پایہ شاعر نے اس کا قطعہ تاریخ سپرد قلم فرمایا ہے۔

اسلامی عہد حکومت میں عام اطبا کی طرح شہری دواخانوں کی نگرانی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا اور جاہل دوا فروشوں کے انسپکشن کے لئے انسپکٹر مقرر تھے چنانچہ دولت عباسیہ کے نامور سپہ سالار افشین نے دوا فروشوں کے حالات کی تحقیقات کا اہم کام ذکریا ابن الطیفوری کے سپرد کیا تھا جس کی تحقیقات کے نتیجہ میں کثیر التعداد جاہل دوا فروشوں کو دوا فروشی کی ممانعت کر دی گئی تھی[1]۔

شاپور بن سہل نے قرابادین اعظم کے نام سے دوا سازی پر ایک مبسوط اور مفصل کتاب لکھی تھی۔ کہ اس کے مطابق نسخے طیار کیا کریں[2]۔

ص۴۲ پروفیسر براؤن نے اس جگہ جلاب کے معنی جیلیپ یعنی جلاپا کئے ہیں۔ درحقیقت جلاب معرب ہے گلاب کا۔ اصطلاح طب میں شکر یا شہد گلاب میں جوش دیا ہوا مراد ہے اور مجازاً یہ لفظ دواے منضج و مسہل پر بھی بولا جاتا ہے لیکن اس کے معنی جلاپا ہرگز نہیں۔

ص۴۳ پروفیسر براؤن نے قفطی کی تاریخ الحکماء سے اس روایت کو ذکر کرکے درحقیقت اس سے دو چیزیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اول یہ کہ اسلامی عہد حکومت میں اطباء کے امتحان میں بعض اوقات ذمہ داری کے ساتھ پوری سختی کا برتاؤ نہیں ہوتا تھا۔ اور دوم یہ کہ اس سلسلے میں اس وقت رشوت بھی چلتی تھی۔

اس روایت کو ابن ابی اصیبعہ نے بھی اپنی کتاب طبقات الاطبا میں باختلاف اسماء و زبان تقریباً اسی اسلوب و ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے[3]۔ لیکن اس نے کیسۂ زر کا قطعاً ذکر نہیں کیا

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۵۷ ، [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۶۱
[3] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۲۲ :

جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کیسۂ زر کا لفظ قفطی نے ازرہ ظرافت محض زیب داستان کے لئے بڑھا دیا ہے ورنہ ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء میں جو قفطی کی تاریخ الحکماء سے تقریباً پندرہ سال بعد لکھی گئی ہے۔ ترتیب بیان کی حیثیت سے جب سب کچھ وہی درج ہے۔ جو تاریخ الحکماء میں موجود ہے تو پھر یہ کیسۂ زر کا معاملہ کیوں مذکور نہیں؟ لہٰذا رشوت ستانی کا اعتراض تو ایک حد تک اسی سے اٹھ گیا۔

اب بفرض محال اگر اس روایت کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ممتحن نے امتحان دینے والے کی غربت۔ فلاکت عیال داری اور کہن سالی کو پیش نظر رکھ کر علاج و معالجہ کے سلسلے میں اس کو سکنجبین جلاب اور اسی قسم کی چند بے ضرر دواؤں کے استعمال کرانے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن اگر مزید غور اور تحقیق سے کام لیا جائے۔ تو علم جرح و تعدیل کی روشنی میں یہ ساری روایت ہی ایک بے سرو پا افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کو تاریخی حقیقت کا درجہ دے کر اس سے ہرگز استناد نہیں کیا جا سکتا۔

جب ہم اس روایت کا مختلف اسفار تاریخ اور علم روایت و درایت کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔ تو فی الحقیقت یہ روایت ہر پہلو سے ایک فرضی داستان معلوم ہوتی ہے۔ جو غالباً محض مجلسی دلچسپی کے لئے بشکل افسانہ وضع کی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں سب سے زیادہ قابل غور چیز یہ ہے۔ کہ قفطی نے اس روایت میں سنان بن ثابت کو بوڑھے کا ممتحن بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی اصیبعہ نے امین الدولہ بن التلمیذ کو۔ اب اگر سنان بن ثابت کو ممتحن تسلیم کیا جائے۔ تو پھر اس داستان کو تقریباً ۳۱۹ھ سے متعلق کیا جائے گا[۱]۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ ممتحن امین الدولہ بن التلمیذ تھا۔ تو اس صورت میں اس افسانہ کو پانچویں صدی ہجری کے بعد کا قصہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ امین الدولہ کا انتقال ۲۸ ربیع الاول ۵۶۰ھ کو ہوا ہے[۲]۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی سخت مبہم۔ مشتبہ اور ناقابل فہم ہے کہ یہ امتحان کس سلطان کے عہد

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱۔

[۲] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۶۴۔

ہیں اور کس کے حکم سے ہوا؟ اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ کا بیان یہ ہے۔ کہ یہ امتحان خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد میں ہوا[1]۔ اور ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء کا حاشیہ نگار لکھتا ہے۔ کہ یہ امر ناممکن ہے۔ کیونکہ امین الدولہ کا انتقال ۵۶۰ھ میں ہوا ہے اور یہ زمانہ مستکفی کا نہ تھا۔ بلکہ مستضئی کا تھا۔ جیسا کہ قفطی نے بیان کیا ہے[2]۔ مگر یہاں قفطی کا بیان یہ ہے۔ کہ یہ امتحان مقتدر باللہ کے دور میں ہوا[3]۔ غرض یہ ایک عجیب اور ہر حیثیت سے ایک مجروح اور مشکوک روایت ہے۔ جس کے زمانے میں ابن ابی اصیبعہ۔ ابن ابی اصیبعہ کی کتاب کا حاشیہ نگار اور قفطی تینوں اختلاف رکھتے ہیں۔ اور پھر یہ امر بھی سخت مشتبہ ہے۔ کہ اصل میں ممتحن کون تھا؟ سنان بن ثابت یا امین الدولہ بن التلمیذ؟ کیونکہ طب قدیم کے دونوں مورخ ابن ابی اصیبعہ اور قفطی اس باب میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

پھر ایک اور اشکال یہ ہے۔ کہ ہم ان دونوں یعنی سنان بن ثابت اور امین الدولہ میں سے کسی ایک کو بھی اس بوڑھے کا ممتحن تصور کریں تو اس صورت میں یہ دونوں طبیب علم الرجال کی روشنی میں نہایت ذمہ دار۔ متدین۔ فاضل یگانہ۔ نیک نفس۔ ایثار پیشہ۔ نہایت ہمدردِ فن اور عالی ضمیر بزرگ نظر آتے ہیں۔ اور ان کے حالات زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی جانب کسی طرح ایسی چیزیں منسوب نہیں کی جا سکتیں۔ جو اس حکایت میں مسطور ہیں۔ اس سلسلے میں سنان بن ثابت کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ یگانہ آفاق طبیب عہدِ خلافت عباسیہ میں ایک نہایت ذمہ دار۔ عالی منصب اور بلند پایہ طبی افسر تھا۔

چنانچہ بغداد کے سرکاری شفاخانوں کا مہتمم اعلیٰ تھا۔ اور سرکاری قیدخانوں میں قیدیوں کے علاج و معالجہ کے فرائض بھی یہی انجام دیتا تھا۔ علاوہ ازیں سفری شفاخانے جو بیرونجات اور دیہات میں روانہ کیے جاتے تھے۔ ان کا اہتمام بھی سنان بن ثابت ہی کے سپرد تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء ۔۔۔ جلد اول صفحہ ۲۶۱ ؛ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا کا حاشیہ جلد اول صفحہ ۲۶۱

[3] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء۔ صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱ ؛

قدیم شفا خانوں کی نگرانی کے علاوہ سنان بن ثابت نے خلیفہ کو مشورہ دے کر خود اپنے اہتمام سے کئی نئے شفا خانے بنوائے۔ چنانچہ اس نے ایک شفا خانہ بغداد کے مشہور بازار سوق یحییٰ میں بیمارستان السیدہ کے نام سے بنوایا۔ اور ایک شفا خانہ محلہ باب الشام میں بیمارستان مقتدری کے نام سے قائم کرایا۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ سنان بن ثابت ایک نہایت ذمہ دار میڈیکل آفیسر تھا۔ اور جیل خانوں افواج اور دیہات وقصبات میں بھی مہمات کے انصرام کے لئے سنان بن ثابت کی پوزیشن ہمارے زمانے کے وزیر طب جیسی تھی۔ اور وہ مقتدر باللہ۔ قاہر باللہ اور راضی باللہ کے زمانوں میں اسی منصب جلیلہ پر فائز رہا۔

پھر سنان بن ثابت ایک جلیل القدر طبی افسر ہونے کے علاوہ علم طب میں ایک بہت بڑا جید عالم بھی تھا۔ ثابت بن قرہ جیسے بلند پایہ طبیب کا فرزند تھا۔ اور ساتھ ہی اخلاقی حیثیت سے نہایت متدین۔ خدا پرست اور بلند مرتبہ انسان تھا۔ چنانچہ اس کی دیانت سچائی۔ تقویٰ اور خدا پرستی کا اندازہ ہم اس کی اس تقریر سے کر سکتے ہیں۔ جو اس نے شہر واسط کے امیر ابوالحسین کے سامنے کی جس میں وہ اس امیر سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ تو اللہ کی قدرت سے ڈر۔ کیونکہ تو اس کی رحمت کا محتاج ہے۔ اور ایک دن ایسا آئے گا۔ جبکہ تو اپنے نفع ونقصان کا مالک خود نہ ہوگا۔ اور سوائے خدا کے ہم میں سے کوئی تیری مدد نہ کر سکے گا۔ اور یاد رکھ کہ بشر غلطی اور خطا کرتا ہے اور تو بھی ایک بشر ہے۔ لہٰذا تجھ سے بھی غلطیاں اور خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔

سنان بن ثابت کے حالات پر یہ ایک مختصر سا تبصرہ[1] ہے۔ اب آپ غور کیجئے۔ کہ ایک ایسے ذمہ دار میڈیکل آفیسر۔ فاضل دہر۔ ہمدرد فن اور متقی ومتدین طبیب سے یہ کس طرح توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ اس نے ایک کیلنڈر لے کر ایک کم علم بوڑھے طبیب کو امتحان میں پاس کر دیا؟

پھر اگر اس کہن سال طبیب کا ممتحن بقول ابن ابی اصیبعہ امین الدولہ بن التلمیذ کو فرض کیا جائے۔ تو امین الدولہ بن التلمیذ کے حالات بھی یہ ہیں کہ یہ ایک نہایت متدین

---

[1] ملاحظہ ہو مقتبس از طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۲۳۔

شریف النفس اور نیک تھے اور نہایت جلیل القدر عالم طب اور معلم طب تھا۔ خلق خدا کا سچا خادم تھا۔ اور حسبتہً للہ خلائق کی خدمت کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی یہ حالت تھی کہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ اس کے مکان کی دیوار سے ملحق تھا۔ اس مدرسہ کا جو طالب علم یا مدرس بیمار ہوتا امین الدولہ اس کو اپنے گھر لاتا۔ توجہ سے علاج کرتا۔ اور جب صحت ہو جاتی تھی تو دو دینار اس کو نذرانہ کے مدرسہ واپس بھیج دیتا تھا

پھر امین الدولہ دنیا کی طمع سے اس قدر آزاد تھا کہ سوائے بادشاہ اور خلیفہ کے کسی سے تحفہ نہیں لیتا تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں۔

وکان امین الدولۃ لا یقبل عطیۃ الا من خلیفۃ او سلطان۔[1]	امین الدولہ سوائے خلیفہ اور سلطان کے کسی سے کوئی عطیہ قبول نہیں کرتا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ بہت سے امراء اور دولتمند امین الدولہ سے علاج کرانے آتے تھے۔ لیکن وہ کسی سے ایک حبہ بھی بطور نذرانہ یا معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی ملک کے فرمانروا کو جو بغداد سے بہت دور تھا۔ امین الدولہ کے علاج کے لئے آنا پڑا۔ امین الدولہ نے اس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اور اس کی سکونت کے لئے مکان اور ضیافت کے لئے تمام سامان مہیا کئے۔ جب یہ فرمانروا صحت یاب ہو کر اپنے وطن کو چلا گیا۔ تو وہاں پہنچ کر اس نے کسی تاجر کی معرفت امین الدولہ کے لئے چار ہزار دینار چار غلام اور بہت سی دیگر قیمتی اشیاء بھیجیں۔ لیکن امین الدولہ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے ۔ کہ میں کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔

اس پر اس تاجر نے کہا کہ اگر آپ نہ لیں گے تو میں ان چیزوں کو اپنے مصرف میں صرف کر لوں گا اور کسی کو یہ علم نہ ہو گا کہ آپ نے یہ چیزیں واپس کر دی ہیں۔

لیکن امین الدولہ نے جواب دیا۔ کہ مجھے اس امر سے کوئی سروکار نہیں۔ کہ لوگوں کو میرا امر

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۶۰

کا علم ہو یا نہ ہو۔ میں اپنے ضمیر اور دل کی مسرّت چاہتا ہوں۔ اس لئے میں یہ سامان سے کہ اپنے ضمیر کا خون نہیں کرنا چاہتا۔

ظاہر ہے کہ ان تاریخی[۱] حقائق کی روشنی میں ایک ایسے ایثار پیشہ اور کریم النفس انسان کے ساتھ یہ سوءِ ظن کس طرح روا رکھا جا سکتا ہے کہ اس نے رشوت لے کر ایک کم علم بوڑھے کو مطب کرنے کی اجازت دے دی؟

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر براؤن کے سامنے دنیا اور دنیا کی دولت کے متعلق عرب اطبا کی صحیح ذہنیت نہیں ہے۔ عرب اطبا کی زندگی نہایت بے لوث اور استغناء کی زندگی تھی۔ اور وہ اپنی آزادئ ضمیر اور فنی خدمت کے صلہ میں مال و دولت کی قطعاً پروا نہیں کرتے تھے جس کا دعوےٰ ہم سنان بن ثابت اور امین الدولہ کے حالات میں دکھلا چکے ہیں۔ اور یہی حالت ابن الجزار کی تھی۔ کہ وہ علاج و معالجہ کے سلسلے میں کسی مریض سے کچھ نہیں لیتا تھا[۲]۔ اور محض خدمتِ خلق کا شائق تھا۔

پھر اطبا کے استغناء کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک مرتبہ حکیم عمران اسرائیلی کو ملک الناصر داؤد بن ملک المعظم فرمانروائے کرک نے پندرہ سو درہم ناصری کے مشاہرہ پر ملازم رکھنا چاہا اور اٹھارہ ماہ کی تنخواہ بھی پیشگی دینی چاہی۔ لیکن اس نے اپنے ضمیر کی آزادی اور عام خلائق کی خدمت کے خیال سے شخصی ملازمت اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا[۳]۔ اور اسی طرح محمد بن فسنج ملون کو کئی مرتبہ حکومت کی طرف سے اعلیٰ مناصب پیش کئے گئے۔ لیکن اس نے ان کو قبول نہیں کیا[۴]۔

پس ظاہر ہے کہ ایسے پاک نفس اور بلند ضمیر اور اخلاق کے مالک بزرگوں کی نسبت کس طرح کوئی ایسی بدگمانی قائم کی جا سکتی ہے؟

---

[۱] مقتبس از طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۵۹ -

[۲] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۸ ۔

[۳] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۱۴ ۔

[۴] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۴۱ ۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی عہد حکومت میں طلبائے طب اور اطبّاء کے امتحان میں پوری احتیاط اور ذمہ داری پیش نظر رکھی جاتی تھی۔ اور طبّی امتحانات کے سلسلے میں اطبّاء کو اپنے فن کی عزت و وقار کا بڑا پاس تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب ۳۱۹ھ میں مقتدر کے حکم سے سنان بن ثابت نے بغداد کے اطبّاء کا امتحان لیا۔ تو اس وقت بقول جرجی زیدان بغداد میں ایک ہزار اطبّاء تھے۔ جن میں سے تقریباً سات سو کامیاب ہوئے تھے۔[1] فی صدی ۷۰۔ اور اس سلسلے میں یہ امر بھی پیش نظر رکھیئے۔ کہ اس دور میں معیار علمی یقیناً بلند ہوگا۔ جیسا کہ اس عہد کی تصانیف اور حالات سے واضح ہے طبّی امتحانات کے معاملہ میں سخت نگرانی اور سختی روا رکھنے کے احساس ہی کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ اس دور میں اس مقصد کے لئے اس قسم کی کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں اطبّاء کے علم قابلیت اور ان کی لیاقت کے متعلق قواعد متعین کئے گئے تھے۔ اور ان کے امتحان کے طریقے تجویز کئے گئے تھے۔[2]

پھر اس سلسلے میں سلطنت اسلامیہ میں اطبّاء کے امتحانات یا رجسٹریشن کے لئے جو ممتحنین مقرر کئے گئے تھے۔ وہ نہایت ممتاز۔ ذمہ دار۔ متدین۔ ایثار پیشہ اور جلیل القدر کاہن تھے اور ان کی جانب کسی سوء ظن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ عربی دور حکومت میں اس سلسلے میں زیادہ نمایاں شخصیتیں تین طبیبوں کی ہیں۔ سنان بن ثابت۔ امین الدولہ بن التلمیذ اور مہذب الدین الدخوار۔

ان میں سے پہلے دو طبیبوں کے علم و فضل دیانت اور ایثار کا مختصر حال تو عرض کر دیا گیا اختصار کے ساتھ اس آخر الذکر طبیب مہذب الدین الدخوار کی نسبت یہ عرض ہے کہ یہ طبیب بھی اپنے عہد کا یکتا عالم طب اور فرید عصر معالج تھا۔ اور طب میں اس کے تلامذہ کا حلقہ بے حد وسیع تھا۔ طبقات الاطبّاء کا مؤلف ابن ابی اصیبعہ بھی اس کا شاگرد ہے۔ ابن ابی اصیبعہ اپنے استاد کی نسبت لکھتا ہے۔ کہ طلباء کی جماعتیں اس کے پاس باری باری پڑھنے آتی تھیں

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۱ ۞ [2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبّاء جلد اوّل صفحہ ۲۴۹ ۞

اور جو مسائل قابل بحث تحقیق ہوتے تھے - ان پر حکیم موصوف نہایت بسط و شرح سے زبردست عالمانہ تقریر کرتا تھا -

حکیم مہذب الدین الدخوار ملک العادل کے عہد میں تقریباً ۶۱۷ھ میں تمام اطباء کا افسر اعلیٰ تھا - اور ایک زمانہ میں بیمارستان کبیر جیسے عظیم بالشان ہسپتال کا مہتمم اعلیٰ بھی تھا -

بحیثیت ایک طبیب فاضل اور ذمہ دار طبی افسر ہونے کے علاوہ حکیم مہذب الدین الدخوار ایک نہایت نیک طینت - سنجیدہ - اور ایثار پیشہ فرد کامل بھی تھا - اور اس نے فن عزیز کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں کی ہیں - چنانچہ جب اس کو ملک الاشرف ابوالفتح موسیٰ بن ملک العادل نے مشرقی اوطنے (ایشیائے کوچک) میں طلب کیا تو اس نے اپنے مکان مسکونہ واقع دمشق کو ایک طبی مدرسہ کے قیام کے لئے اور اپنی تمام املاک و جائداد کو اس کے مصارف کی کفالت کے لئے وقف کر دیا[۱] ؛

اللہ اللہ یہ تھی ان بزرگوں کی حالت جنھوں نے مخلوق خدا کی خدمت اور فنی ترقی کے لئے اپنا گھر بار تک لٹا دیا -

ظاہر ہے - کہ ان حقائق کی روشنی میں عرب اطباء اور طبی امتحانات پر علامہ براؤن کا طرز استدلال و تنقید غیر صحیح ہے -

۴۷ جیسا کہ ہم نے پہلے ایک نوٹ میں عرض کیا ہے - ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی پی - ایچ - ڈی نے فردوس الحکمۃ کو مرتب کر کے مطبع آفتاب برلن سے شائع کرایا ہے - اور پروفیسر براؤن آنجہانی کو اس تالیف کی اشاعت اور ترتیب و تہذیب سے بے حد دلچسپی تھی اس لئے آپ نے اس کو پروفیسر براؤن کے انتقال کے بعد ان ہی کے نام پر معنون کیا ہے -

فردوس الحکمۃ کے ابتدائی اوراق میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کی تاریخی علمی اور فنی خصوصیات پر ایک بہترین مقالہ علیحدہ سپرد قلم کیا ہے جس سے علی بن ربن کے حالات - فردوس الحکمۃ

---

[۱] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم از صفحہ ۲۴۲ ؛

کے علاوہ طب عربی اور اس کی تاریخ کے بہت سے اہم معارف و نکات کی وضاحت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا نقل کرنا یہاں خالی از افادہ نہ ہوگا۔ ذیل میں ہم اس کو عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے عرض خدمت کرتے ہیں۔

مقدمہ

خلفائے بنی امیہ کے عہد ہی سے متبحر علماء اور حاذق اطباء نے یونانی اور دیگر علمی زبانوں سے طب کی کتابوں کے ترجمہ کا کام عربی زبان میں شروع کر دیا تھا لیکن علمائے طب کی ان سرگرمیوں کو کمال عہد خلفائے بنی عباس میں حاصل ہوا۔ جبکہ حنین بن اسحٰق اسحٰق بن حنین۔ یحییٰ بن ماسویہ۔ عیسیٰ بن یحییٰ وغیرہم نے اس فن شریف کو یونانی۔ ہندی اور دوسری علمی زبانوں سے عربی میں منتقل کیا۔ اور اس کام کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

ان اکابر نے عربی زبان میں تمام اہم طبی کتابوں کے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان میں مفید اضافات کئے اور ان پر حواشی لکھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے خود فن طب پر بے شمار نادر رسالے لکھے ہیں۔ جن میں انہوں نے امراض اور ان کے اسباب بیان کئے اور ان دواؤں کے نام اور خواص تحریر کئے۔ جو ان کے تجربہ میں مفید ثابت ہوئیں۔

ان عرب اطباء نے مختلف قدیم طبی کناشات (طبی کتابوں) کو ایڈٹ کیا۔ اور ان کی تدوین و ترتیب کے سلسلے میں محنت شاقہ برداشت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فن کے پیچیدہ مسائل حل ہو گئے۔ اور طب کے طلباء کو ان کا سمجھنا آسان ہو گیا۔

ان قدیم طبی کناشات میں سے جن کا ترجمہ خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں ہوا۔ یا جن کی تالیف و تدوین اس عہد میں کی گئی۔ سات کناشات خاص طور پر مشہور ہیں۔ جن کا تذکرہ اکثر عرب مصنفین نے کیا ہے۔ ان میں تین کناشات اوریباسیوس کی ہیں۔ اور تین کناشات اہرون القس۔ فولس الاجانطی اور جورجس ابی بختیشوع کی ہیں اور ساتویں کناش علی بن ربن الطبری کی ہے جو فردوس الحکمۃ کے نام سے مشہور ہے اور یہ پہلی کناش ہے جو عربی زبان میں تالیف کی گئی

ان سات کناشات میں سے آج ہمیں فردوس الحکمۃ ملتی ہے۔ جس کو میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ حسب ذیل امور سے لگایا جا سکتا ہے:۔

(۱) ابن القفطی اس کتاب کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ مختصر کتاب ایک جمیل تصنیف اور لطیف تالیف ہے[۱]

(۲) جب مورخین نے اس کتاب کو شہرت دی تو محمد بن جریر الطبری نے بھی اس کا مطالعہ کیا حالانکہ وہ بیمار اور صاحب فراش تھا[۲]۔

(۳) جب اسمٰعیل بن عبلو نے اپنی کتاب کو فردوس الحکمۃ سے افضل و برتر قرار دیا تو لوگوں نے اُن کو ملامت کی[۳]

(۴) ابوبکر ذکریا رازی مسعودی۔ یاقوت حموی۔ البوریحان البیرونی جیسے محققین نے اپنی کتابوں میں اکثر مواقع پر فردوس الحکمۃ کے حوالے پیش کر کے اُن سے استناد کیا ہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ علی بن عباس مجوسی نے اپنی کتاب کامل الصناعۃ کے باب اول میں جن اہم طبی کتابوں کی فہرست دی ہے۔ اور نظامی عروضی نے چہار مقالہ میں جن طبی کتب کی تعریف کی ہے۔ اُن میں فردوس الحکمۃ کا ذکر موجود نہیں۔ لیکن میری رائے میں اس کا سبب یہ نہ تھا۔ کہ علی بن عباس مجوسی اور نظامی عروضی کو اس کتاب کا علم نہ تھا۔ یا وہ اسے اہم طبی کتابوں میں شمار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابوبکر ذکریا رازی وغیرہ کی تصانیف اس وقت ملک میں زیادہ مقبول ہو چکی تھیں۔ اور فردوس الحکمۃ کو اس سے قبل جو قبول عام اور امتیاز حاصل تھا وہ اب نہیں رہا تھا۔

یہ صورت حالات اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی۔ کہ علی بن ربن نے طب کو بطور پیشہ اختیار کر کے اُسے اپنا ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ بلکہ اس نے بہت قلیل عرصہ تک مطب کیا۔ اور بعد ازاں کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ لیکن ابوبکر محمد ذکریا رازی وغیرہ نہ صرف فن طب میں دادِ تصنیف و تالیف دیتے رہے۔ بلکہ لوگوں کا علاج و معالجہ بھی کرتے رہے

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الحکماء از ابن القفطی صفحہ ۲۳۱

[۲] ملاحظہ ہو۔ معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۴۲۹

[۳] ملاحظہ ہو۔ معجم الادباء۔ مطبوعۂ غب جلد ۲ صفحہ ۲۴۹

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کی تالیفات کا مرتبہ بہت بلند قرار دے دیا گیا۔ اور فردوس الحکمۃ کا شہرہ دُنیا میں کم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آج ہم پوری تلاش و جستجو کے بعد اس کے صرف چار مسودے دیکھ سکے ہیں۔

ان چار مسودوں میں سے ایک قلمی مسودہ استاذ محترم ای۔ جی۔ براؤن کو مل گیا۔ جو برٹش میوزیم (برطانوی عجائب خانہ) میں محفوظ ہے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب وہ طب عربی پر اپنے لیکچروں کی ترتیب میں مصروف تھے۔ اور اس مقصد کے لیئے عربی طب کی بے شمار مستند کتابوں کی ورق گردانی فرما رہے تھے۔ جب یہ عجیب و غریب کتاب آپ کی نظر سے گزری۔ تو آپ نے اس کو بے حد پسند فرمایا۔ اور اس کے تمام صفحات کا فوٹو لے لیا۔ جن کی مجموعی تعداد ۲۷۵ تھی۔

آپ نے فردوس الحکمۃ کا بامعان نظر مطالعہ فرمانے کے بعد اس پر حواشی لکھے علاوہ ازیں آپ نے علی بن ربن اور فردوس الحکمۃ کے متعلق ایک بلند پایہ مضمون لکھا[1] جس میں آپ نے اس کے ابواب و مطالب کا مختصراً ذکر کیا۔ آپ کا ارادہ تھا۔ کہ اس کتاب کو تصحیح کے بعد انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔

چنانچہ آپ نے اس کے بیشتر صفحات کا ترجمہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ آپ کے مشاغل کثیر تھے۔ اور آپ کے ذمہ بہت سے کام تھے۔ اس لئے آپ اپنے اس عزم کی تکمیل نہ فرما سکے۔

جب میں حکومت بہار و اڑیسہ کی طرف سے کیمبرج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گیا۔ تو وہاں مجھے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری کے حصول کے لیئے جو مقالہ خصوصی لکھنا تھا اس کا موضوع میں نے تاریخ طب عربی تجویز کیا ۔ اس پر استاذ مکرم ای۔ جی۔ براؤن نے مجھے مشورہ دیا۔ کہ فردوس الحکمۃ کا انگریزی میں ترجمہ کر دوں۔ یا اس کے نسخۂ عربی کی تصحیح و تہذیب کا اہم کام سرانجام دوں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے اس کو

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن۔ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس صفحہ ۳۷ تا ۴۴۔

مرتب کرنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے مجھے استاذِ محترم نے آخر وقت تک مدد دی اور آپ نے فردوس الحکمۃ کے اس نسخہ کے نوٹو مجھے مرحمت فرمادیئے۔ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

اس نسخہ کی تہذیب و ترتیب کے لئے میں جرمنی گیا۔ اور وہاں میں نے اس کا مقابلہ فردوس الحکمۃ کے ان ۲ مسودوں سے کیا۔ جو کتب خانۂ غوتا اور کتب خانۂ برلن میں محفوظ ہیں۔ بعدازاں اس صحیح نسخہ کی طباعت میں گب میموریل ٹرسٹ کے ارکان اور مطبع کاویانی برلن نے مجھے گرانقدر امداد دی۔ اور ۱۹۲۷ء میں اس کی طباعت شروع کر دی۔

پھر جب میں ہندوستان واپس آیا۔ تو میں نے لکھنؤ میں طبیب حاذق خواجہ کمال الدین صاحب کے پاس فردوس الحکمۃ کا ایک مسودہ دیکھا۔ جو مغربی نسخوں سے مشابہ تھا۔ لیکن اُس کے آخر میں بہت سے صفحات تھے۔ جو مغربی نسخوں میں ضائع ہوگئے تھے۔ لہٰذا میں نے یہ صفحات نقل کر کے مطبع مذکور کو بھیجدئے۔ اور اُس نے فردوس الحکمۃ کا ایک مکمل نسخہ چھاپ لیا اور ۱۹۲۸ء میں اس کی ایک کاپی مجھے ہندوستان بھیجی تاکہ میں اس پر مقدمہ لکھوں پس میں ذیل میں اس کا مقدمہ لکھتا ہوں۔ اور اس کو چار ابواب میں تقسیم کرتا ہوں۔

پہلا باب۔ سیرت علی بن ربن کے بیان میں۔ دوسرا باب فردوس الحکمۃ اور اس کی خصوصیات کے بیان میں۔ تیسرا باب۔ فردوس الحکمۃ کے قلمی نسخوں کے بیان میں۔ چوتھا باب۔ فردوس الحکمۃ کے اس مطبوعہ نسخہ کے بیان میں۔

باب اوّل

علی بن ربن کا پورا نام ابوالحسن علی بن سہل ابن ربن الطبری ہے کتب تاریخ وسیرت میں آپ کا ذکر بہت مختصر پایا جاتا ہے۔ اور اس میں بھی متضاد اقوال و آراء موجود ہیں۔ اس لئے صحیح استنتاج کسی قدر مشکل ہوگیا ہے۔ بعض مصنّفین نے آپ کے نام کے متعلق بھی اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ

(۱) بعض مؤرخین نے آپ کو ایک جگہ علی بن زیل اور دوسری جگہ علی بن ربن لکھا ہے[1]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست (از ابن الندیم) صفحات ۲۹۵ و ۳۱۶۔

(۲) بعض نے آپ کو علی بن زید ظاہر کیا ہے[1]

(۳) بعض نے آپ کو علی بن رزین اور علی بن زین بتایا ہے[2] ۔

بعض ایسے مصنفین بھی ہیں ۔ جنہوں نے آپ کا صحیح نام علی بن ربن تحریر فرمایا ہے ۔ لیکن ان سے آپ کی ذات کی نسبت بعض تفاصیل میں غلطی ہوئی ہے ۔ مثلاً محمد بن جریر الطبری نے آپ کو علی بن ربن النصرانی لکھا ہے[3] ۔ ابن ابی اصیبعہ نے آپ کو ابوالحسن علی بن سہل بن ربن الطبری تحریر فرمایا ہے[4] ۔ اور ابن القفطی لکھتے ہیں ۔ کہ ربن کو علوم یہود میں فضیلت حاصل تھی ۔ اور آپ اس لئے ربن کے لقب سے ملقب تھے ۔ کہ ردبن ۔ ربین اور الراب پیشوایانِ شریعت یہود کے ممتاز القاب ہیں[5] ۔

دورِ اوّل کے عرب مصنفین کی ان غلط فہمیوں کی وجہ سے بعد کے مصنفین بھی غلطی میں مبتلا ہو گئے اور اکثر مستشرقین بھی دھوکا کھا گئے ۔ اس لئے بعض نے یہ رائے ظاہر کی کہ علی بن سہل اور علی بن ربن دو جداگانہ شخصیتیں ہیں ۔ اور ان میں سے ایک ابوبکر زکریا رازی کا استاد اور دوسرا شاگرد ہے[6] ۔ بعض مستشرقین نے یہ خیال کیا کہ آپ کا نام ابن ذبل یا ابن دبل ہے[7] ۔ اور اکثر مصنفین نے علی بن ربن سمجھا ہے[8] ۔

ابن القفطی کی متذکرہ صدر فاش غلطی اور ربن کے التباس کی وجہ سے اکثر مستشرقین نے غلط نتیجہ نکالا اور صاحبِ فردوس الحکمۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ یہودی اطبا[9] ، اور بالعموم کتب ادب یہود[10] اور تمام یہودی لٹریچر میں کیا[11] ۔

---

[1] المسعودی مروج الذہب شائع کردۂ مینارڈ ۔ جلد ۸ صفحہ ۳۲۶ ۔ [2] معجم البلدان از یاقوت حموی جلد دوم صفحہ ۶۰۸ ۔ [3] تاریخ الرسل والملوک سلسلۂ ثالثہ ۔ صفحہ ۱۲۷۶ ۔ [4] طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۳۰۹ ۔ مطبوعۂ قاہرہ ۔ [5] تاریخ الحکماء از ابن القفطی صفحہ ۲۳۱ ۔

[6] Hammer Purgtall Cult Gesch d. Orients Wien 1852 – Vol 3. P. 391. Vol. 4, P. 307.

[7] Flügl Z. D. M. G. Vol. 13 P. 359 –

[8] Wüstendfeld Gesch d. Arab. Ärzte etc. –

[9] Review Oriental 1841 P.P 310–311 –

[10] Arab- Literature d. guden Franfurt 1902 P. 32 et Seg. –

[11] Steinschneider [illegible] Tran. London – 1857 P1P4

جب کتاب الدین والدولۃ شائع ہوئی جس کی تصحیح و تہذیب فاضل مستشرق ڈاکٹر منگانا نے کی ہے۔ تو اُس کے مقدمہ میں اُس نے علی بن ربن کے اس زمانہ کا ذکر کیا۔ جب آپ نصرانی تھے۔ اور ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ اور اس نے اس سلسلے میں آپ کے نصرانی چچا کا حال بھی لکھا ہے[1]:

اس سے یہ حقیقت تو ظاہر ہوگئی۔ کہ آپ یہودی نہ تھے۔ لیکن فاضل مستشرق نے آپ کو معتاد نصرانی بنا دیا۔ اور لکھ دیا کہ اسی لئے آپ ربن کے لقب سے مشہور ہیں[2]۔ حالانکہ ربن آپ کے والد بزرگوار کا لقب تھا۔ اور اس کا یہ سبب نہ تھا۔ جو فاضل مستشرق نے خیال کیا اب میں ذیل میں آپ کے مختصر حالات لکھتا ہوں۔

آپ یعنی مولی امیر المومنین ابوالحسن علی بن سہل المشہور بہ ربن الطبری مقام مرو (طبرستان) میں ۸۰۰ء اور ۸۰۴ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے۔ کہ آپ نے اپنی کتاب فردوس الحکمۃ میں ہرمز اور مہدی کی جنگ کے ایام میں آگ کا تذکرہ کیا ہے اور دُمدار ستارہ کا حال لکھا ہے۔ حادثۂ اوّل ۸۱۵ء میں اور سانحۂ ثانی ۸۱۶ء میں[3] واقع ہوا تھا۔ اور اس وقت آپ کی عمر غالباً دس سال کی تھی۔

علی بن ربن ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو طبرستان میں اہم مناصب پہ فائز چلا آتا تھا۔ آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے چچا یحیی بن نعمان فنِ حرب اور علم و فضل میں تمام عراق و خراسان میں مشہور تھے[4]۔ اور آپ کے والد محترم ربن مرو کے فضلائے کاملین میں سے تھے اُن کو علم کتابت اور علمِ حساب میں ید طولی حاصل تھا۔ ادب۔ طب اور فلسفہ میں اُن کا پایہ بہت ممتاز تھا۔ اور اس علمی فضیلت کی وجہ سے اُن کو ربن کا لقب دیا گیا تھا۔ ربن کے علمی کمال کے ثبوت میں ابن القفطی لکھتے ہیں۔ کہ مجسطی کے ترجمہ میں مترجمین نے مسئلہ شعاع و طرحِ شعاع کی بحث کو اشکالات کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ لیکن ربن نے اس مضمون کا نہایت مستند ترجمہ کیا ہے[5]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الدین والدولۃ۔ صفحہ ۴۴۔

[2] Prof Nölke Deutsch. Lit Zeitung jan 1924 Col 22. ———

[3] ملاحظہ ہو۔ ترجمہ انگریزی تاریخ طبرستان صفحات ۱۳۰ و ۱۳۱۔

[4] ملاحظہ ہو کتاب الدین والدولۃ۔ مطبوعۂ المقتطف۔ صفحہ ۱۲۴۔

[5] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الحکماء صفحہ ۱۸۶۔

علی بن ربن کی تعلیم وتربیت آپ کے والد ماجد نے کی اور آپ کو عربی اور سریانی زبان اور علم فلسفہ و طب کی تعلیم دی۔ اور شاید عبرانی زبان اور بقدرِ قلیل یونانی زبان بھی سکھلائی۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ آپ نے فردوس الحکمۃ میں جہاں علم ہندسہ اور فلسفہ وغیرہ کے بہت سے نکات بیان فرمائے ہیں۔ وہاں آپ نے بعض یونانی الفاظ کی شرح بھی کی ہے۔ اور ان کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا ہے[1]۔ علاوہ ازیں اپنی کتاب الدین والدولۃ میں آپ نے یونانی اور سریانی زبان کی کتابوں سے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ان کا موازنہ کر کے ان پر محاکمہ کیا ہے[2]۔

آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد طبرستان سے عراق کا رخ کیا۔ اور وہاں پہنچ کر آپ نے مطب شروع کر دیا۔ اور اپنی خداداد قابلیت اور حذاقت کی وجہ سے وہاں آپ نے خاص شہرت اور مقبولیت حاصل کی[3]۔ ان ہی ایام میں آپ نے اہل شام، اہل یونان اور اہل ہند کی فنی کتابوں کا وسیع مطالعہ کیا[4]۔ جس کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ عربی زبان میں طب کی ایک ایسی جامع کتاب کی تالیف ضروری ہے۔ جو شیدایانِ فن کے لئے ایک مستند چیز ہو۔ اور ان کو دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دے۔ چنانچہ یہ ضرورت محسوس کر کے آپ نے فردوس الحکمۃ کی تالیف کا کام شروع کر دیا[5]۔

اسی اثناء میں ایک ایسا ماجرا پیش آیا جس نے آپ کی زندگی کے مشاغل کو یکسر بدل دیا۔ اور وہ یہ تھا کہ خلیفہ مامون نے طبرستان کے شہزادہ مازیار بن قارون کی خطاؤں کو معاف کر کے اس کو جبالِ طبرستان کا گورنر بنا دیا[6]۔ اس کے بعد ابن ربن نے علاج و معالجہ کا شغلہ ترک کر دیا۔ اور مازیار کا دیوان بننا منظور کر لیا[7]۔ اور اس منصب جلیلہ پر آپ اس وقت تک

---

[1] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۸ ٭ [2] ملاحظہ ہو کتاب الدین والدولۃ صفحات ۸۱ و ۸۴
[3] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الحکماء صفحہ ۱۸۷ ٭ [4] ملاحظہ ہو کتاب حفظ الصحۃ بودلین لائبریری
[5] ملاحظہ ہو۔ فردوس الحکمۃ صفحہ ۱ و ۲ ٭ [6] ملاحظہ ہو۔ ترجمہ انگریزی تاریخ طبرستان مطبوعہ غب صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹
[7] یہ میری رائے ہے جو میں نے مؤرخین کے بیانات سے اخذ کی ہے۔ ورنہ مؤرخین نے اس امر کو صراحتاً نہیں لکھا۔

قائم رہے۔ جب تک مازیار قتل نہ ہُوا۔

اہلِ طبرستان اور مازیار دونوں علی بن ربن کی بے حد عزت کرتے تھے۔ چنانچہ مازیار نے طبرستان کی بدامنی کو دُور کرنے کا کام آپ کے ہی سپرد کر رکھا تھا۔ بارگاہِ سلطانی میں علی بن ربن کی رائے کی مقبولیّت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ جب علی بن ربن نے مازیار سے کہا کہ خلیفہ کے خلاف آپ نے جو خروج کیا ہے۔ اُس میں آپ کو سخت ناکامی ہوگی۔ تو مازیار نے علی بن ربن کے مشورہ کو قبول کر کے آپ سے کہا کہ آپ ہی اس کام کو سرانجام دیں۔ اور خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر میرا قصور معاف کرا دیں[1]۔ چنانچہ آپ نے کوشش کی۔ اور وہ بار آور ہوئی اور مازیار کی خطا معاف ہوئی۔

اس کے بعد علی بن ربن نے رے کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر آپ نے طب کی طرف پھر توجہ کی اور ایک شاندار مطب قائم کر دیا۔ اسی زمانے میں ابوبکر ذکریا رازی نے آپ سے طب کی تعلیم حاصل کی[2]۔ اس مشغلۂ طبی کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ کہ آپ کو خلیفہ معتصم باللہ کا منشی بنا دیا گیا[3]۔ اور جب زمامِ سلطنت خلیفہ المتوکل باللہ کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس نے آپ کو دعوتِ اسلام دی اور آپ مشرّف باسلام ہوئے۔ المتوکل باللہ نے آپ کو مولیٰ امیر المومنین کا لقب عطا کیا۔ اور آپ کے علمی کمالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کو اپنے ندمائے خاص میں شامل کر لیا۔ مورخین نے آپ کی سنہ وفات کی نسبت کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اور یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رحلت ۸۵۰ء کے بعد واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ نے فردوس الحکمۃ میں لکھا ہے کہ آپ اس کتاب کی تالیف سے خلیفہ المتوکل باللہ کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے تین سال بعد فارغ ہوئے تھے۔

ابن الندیم بغدادی نے علی بن ربن کی حسب ذیل تالیفات کو ذکر کیا ہے۔

(۱) تحفۃ الملوک (۲) فردوس الحکمۃ (۳) کناش الحضرۃ (۴) کتاب منافع الاطعمۃ والاشربۃ والعقاقیر
(۵) کتاب حفظ الصحۃ (۶) کتاب فی الرقی (۷) کتاب فی ترتیب الاغذیۃ۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الرسل والملوک از طبری سلسلۂ ثالثہ صفحات ۱۲۷۴ و ۱۲۸۶۔
[2] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء از ابن القفطی صفحہ ۲۳۱ و ملاحظہ ہو ترجمۂ انگریزی تاریخ طبرستان صفحہ ۸۰۔
[3] ملاحظہ ہو کتاب الدین والدولۃ صفحہ ۱۴۴۔

(۸) کتابٌ فی الحجامۃ (۹) کتاب منافع الادویۃ والاطعمۃ والعقاقیر[1]

(۱۰) کتابٌ فی الامثال والادب علیٰ مذاہب الفرس والروم والعرب[2]

اسفندیار نے ان دس کتابوں کے علاوہ آپ کی ایک اور گیارھویں کتاب بحر الفوائد کو بھی بیان کیا ہے[3]۔

ان کتب کے علاوہ حسب ذیل تین کتابیں بھی آپ کی تالیفات میں شامل ہیں۔

(۱۲) کتاب الدین والدولۃ جسے مطبع المقتطف نے شائع کیا ہے۔

(۱۳) کتاب الرد علیٰ اصناف النصاریٰ جس کا آپ نے کتاب الدین والدولۃ میں بھی ذکر کیا ہے[4]۔

(۱۴) فردوس الحکمۃ کا سریانی ترجمہ جس کا حوالہ آپ نے فردوس الحکمۃ میں بھی دیا ہے[5]۔
مؤرخین نے علی بن ربن کے نام کی طرح آپ کی تالیفات کے ساتھ بھی تلعب کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے آپ کے نام کے ساتھ بہت سی ایسی کتابیں منسوب کر کے اپنی طرف سے ایسی معلومات ذکر کی ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ کتاب الدین والدولۃ ۔ کتاب الرد علیٰ اصناف النصاریٰ اور فردوس الحکمۃ کے سریانی ترجمہ کی نسبت تو کسی مؤرخ کو اختلاف نہیں ۔لیکن ابن الندیم نے کتاب الامثال والادب کو بھی علی بن ربن کی تالیف ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے صاحب فردوس الحکمۃ کی تالیفات کی فہرست کے ذیل میں اس کو درج نہیں کیا۔

ابن الندیم نے بحر الفوائد ۔ بحر المنافع اور کناش الحضرۃ کو مستقل تالیفات ظاہر کیا ہے لیکن میری رائے میں بحر الفوائد اور بحر المنافع دو مستقل کتابیں نہیں ۔کیونکہ علی بن ربن نے فردوس الحکمۃ میں لکھا ہے ۔کہ اس کتاب کا لقب بحر المنافع ہے[6] اور میرا خیال ہے کہ دوسروں نے بحر المنافع کو

---

[1] ملاحظہ ہو ۔کتاب الفہرست صفحہ ۲۹۶ ۔ [2] ملاحظہ ہو ۔کتاب الفہرست صفحہ ۳۱۶ ۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ طبرستان مطبوعۂ غب صفحہ ۸۰ ۔

[4] اس کتاب کا ذکر علی بن ربن نے اپنی کتاب الدین والدولۃ کے صفحہ ۸۶ و ۱۲۴ میں کیا ہے۔

[5] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۸ ۔

[6] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۸ ۔

بدل کر بحر الفوائد بنا دیا ہے۔ اسی طرح کناش الحضرۃ بھی کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ اس سے بھی فردوس الحکمۃ ہی مراد ہے۔ چنانچہ علی بن ربن نے اس کو ایک جگہ کناش جامع بھی لکھا ہے[1]

ہم تک علی بن ربن کی صرف تین تالیفات پہنچی ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ اہم اور ممتاز یہ فردوس الحکمۃ ہے۔ جو میری سعیٔ تہذیب و ترتیب کے بعد اس وقت آپ کے پیش نظر ہے۔ علی بن ربن کی دوسری تالیف کتاب الدین والدولۃ ہے جسے مطبع المقتطف نے شائع کیا ہے۔ اور تیسری کتاب حفظ الصحت المحفوظہ ہے جس کا قلمی نسخہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے کتب خانہ بوڈلین میں موجود ہے[2]۔

جس نے علی بن ربن کی ان تین[3] تالیفات کا مطالعہ بامعانِ نظر کیا ہے۔ وہ آپ کی نسبت قطعی طور پر یہ رائے قائم کر سکتا ہے۔ کہ اپنے دور کے علوم طب، فلسفہ، ہیئت وغیرہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ علوم یہود و نصاریٰ و اسلام پر آپ کو کامل عبور حاصل ہے۔ اس عہد کے لغاتِ علمیہ پر آپ کا پورا قبضہ ہے۔ آپ کو علمی تحقیق و تدقیق سے بے حد شغف ہے۔ اور علوم و فنون حکمیہ میں آپ کی نظر نہایت صائب ہے۔

ان فضائل و محاسن کے باوجود تاہم مشکلاتِ علمیہ کے باب میں ہمیں قوتِ اجتہاد و جرأت و حریت فکر کی کسی قدر کمی نظر آتی ہے۔ اور یہ چیز مصنفین متقدمین میں بالعموم ضرور پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں فردوس الحکمۃ میں مختلف پہلوؤں سے کہیں کہیں بعض ضعیف چیزیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ مثلاً کہیں صاحب فردوس الحکمۃ دعاؤں اور جھاڑ پھونک سے علاج و معالجہ کا ذکر کرتے ہیں[4]۔ کہیں نظر اور طلسمات کو بیان کرتے ہیں[5]۔ کہیں آپ اوہام و عقائدِ باطلہ کی تردید کرتے ہیں[6] پھر کہیں ان کی تائید کا پہلو اختیار کرتے ہیں[7]۔ ان اقوال و اعمال متضادہ و مختلفہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ طبعاً ان چیزوں کے مخالف تھے۔ لیکن آپ ان کی تکذیب و تردید علانیہ نہ کر سکے۔

---

[1] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۸ ؛ [2] ملاحظہ ہو فہرست اوری۔

[3] ملاحظہ ہو۔ فردوس الحکمۃ صفحات ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴، ۵۰۰ ؛

[4] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحات ۹۵ و ۹۶ ؛ [5] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۹۶ ؛

[6] ملاحظہ ہو " " " ۵۸۸ ؛

باایں ہمہ یہ تالیف بے حد قابلِ قدر اور معلوماتِ حکمیہ کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے۔ اور اس کے مؤلف کی نسبت یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ اپنے میدان کا تنہا شہسوار ہے جس نے فردوس الحکمۃ اور کتاب الدین والدولۃ کو بغور پڑھا ہے۔ وہ یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ علی بن ربن نے ان کتابوں میں بہت سے علمی مسائل آسان اور قریب الفہم کر دئیے ہیں۔ اور آپ کے لطیف اندازِ تحریر اور شیریں بیانی کی وجہ سے بہت سی علمی وفنی دشواریاں حل ہوگئی ہیں۔

علی بن ربن نے کتاب الدین والدولۃ کے مقدمہ اور فردوس الحکمۃ کے دیباچہ میں اپنی ان کتابوں پر خود بھی اختصار کے ساتھ تنقید کی ہے۔ اور فردوس الحکمۃ کے مآخذ کا بھی آپ نے حوالہ دیا ہے نیز متقدمین اور معاصرین کی کتابوں سے آپ نے جو مباحث لئے ہیں۔ ان کا مفہوم آپ نے بلا تحریف نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ درج کر دیا ہے[1]۔ ساتھ ہی بحث کے دوران میں اپنے ذاتی مشاہدات اور روایات کو بھی ذکر کیا ہے لیکن اس باب میں اصولِ تحقیق و احتیاط کو پوری طرح مرعی نہیں رکھا گیا۔

باب دوم { فردوس الحکمۃ اور اس کے محاسن و خصوصیات کے بیان میں۔ یہ سب سے پہلی جامع تالیف ہے۔ جس میں فنونِ طب پر نہایت شرح و بسط اور خوش اسلوبی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ علی بن ربن نے متقدمین اور معاصرین کی اہم طبی کتب کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اور اس سے اس امر کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ مؤلف کے عہد میں طبِ یونانی عربی کس حد تک ترقی کر چکی تھی۔

علی بن ربن کے فنونِ طبیہ کی تدوین کی بنیاد منطق ارسطو پر ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس پر آپ نے اور یحیٰ سیوس اور زولس اجانبطی نے اور آپ کے بعد علی بن عباس مجوسی۔ اور ابو بکر محمد بن زکریا رازی نے مدارج ترقی طے کئے۔ اور اسی کے ذریعے خاتم حکمائے مسلمین شیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ اوج کمال پر پہنچے۔

علی بن ربن نے فردوس الحکمۃ میں ایک مقالہ طبِ ہندی پر بھی لکھا ہے جس میں آپ نے چرک سشرت۔ ندانا۔ اشتانگہردی ہندی اطباء کے طریقِ علاج کو اختصار کے ساتھ

---

[1] ملاحظہ ہو۔ فردوس الحکمۃ صفحات ۲۷ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۳۹۵ - ۴۴۶ - ۴۴۹ - ۵۰۲ - ۵۱۳ - ۵۲۸ - ۵۳۳ - ۵۳۹ +

بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ قدیم عربی طب کے لٹریچر میں یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔ اور اس مرتبہ کو کوئی دوسری طبی کتاب نہیں پہنچتی۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ اس میں طبی مسائل کے علاوہ علم نباتات علم حیوانات اور علم ریاضی کے مباحث بھی موجود ہیں۔ اور مؤلف نے ان کو بھی اپنی جادو بیانی اور جدت طرازی سے بے حد دلچسپ بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔ اور حاذق اطباء اس کے شیدا ہو گئے تھے۔

علی بن ربن کے شاگرد رشید محمد بن ذکریا رازی ہے جو خود ایک نہایت بلند پایہ، معتمد اور حاذق طبیب تھے۔ قال الطبری کہہ کہہ کر اپنی کتابوں میں جابجا فردوس الحکمۃ کے مباحث نقل کئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کی کتاب الفاخر اور الحاوی سے ظاہر ہے۔

ابوبکر محمد بن ذکریا رازی نے اپنی کتاب الفاخر میں فردوس الحکمۃ کے تیسرے اور چوتھے باب سے متعدد مضامین کا اقتباس کیا ہے[1]۔ اور اپنی الحاوی میں بھی فردوس الحکمۃ کے اکثر مقامات سے آپ نے مختلف مباحث نقل کئے ہیں[2]۔ علاوہ ازیں ملا نفیس کرانی نے بھی اپنی کتاب شرح الاسباب والعلامات میں اس کتاب کے اقتباسات درج کئے ہیں[3]۔ اور بدر الدین القلانسی نے اپنی قرابادین میں فردوس الحکمۃ سے جابجا استفادہ کیا ہے[4]۔

مسائل طب کی تالیفات کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں بھی فردوس الحکمۃ کے مباحث

---

[1] الفاخر ابھی تک طبع نہیں ہوئی اور اس کا قلمی نسخہ نادر الوجود ہے۔ لیکن میں نے اس کے اقتباسات اس قلمی نسخہ میں مطالعہ کئے جو پروفیسر براؤن نے کیمبرج یونیورسٹی کے خزانۂ کتب کو عطا کیا تھا۔

[2] الحاوی نہایت ضخیم تالیف ہے اور بارہ یا پچیس حصوں پر مشتمل ہے۔ ابھی تک یہ کتاب اپنی اصل عربی زبان میں طبع نہیں ہوئی لیکن لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۴۸۶ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۵۴۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لئے اریبین میڈیسن صفحہ ۴۸ ملاحظہ کیجئے۔ [3] ملاحظہ ہو شرح الاسباب والعلامات مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ جلد اول صفحہ ۶۹ و جلد دوم صفحہ ۲۰۷ و [4] ڈاکٹر منگانا نے کتاب الدین والدولۃ کے مقدمہ میں صفحہ ۴ پر اس امر کا ذکر کیا ہے۔

استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ البیرونی نے کتاب الہند میں[1]۔ المسعودی نے مروج الذہب میں[2]۔ یاقوت الحموی نے معجم البلدان میں[3]۔ ابن اسفندیار نے تاریخ طبرستان میں[4]۔ ابن بیطار نے جامع المفردات میں[5]۔ ابو المؤید بلخی نے عجائب الاشیاء میں[6] اور دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں[7]۔ جا بجا فردوس الحکمہ کے حوالے دیئے ہیں۔

صاحب فردوس الحکمت نے اپنی کتاب کی تالیف میں ہندوستان کی قدیم طبی کتب سے بھی استفادہ فرمایا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور بیشتر طبی معلومات علی بن ربن نے قدیم یونانی تالیفات سے اخذ کر کے جمع کی ہیں جن میں بقراط۔ جالینوس۔ دیسقوریدوس ارسطو اور بطلیموس کی کتب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ان حکماء کی تالیفات کے علاوہ علی بن ربن نے تیوفرساطوس، دیمقراطیس مغنس الحمصی اسکندر الطواف۔ اسکندر الفیلسوف۔ ارسالاوس۔ ارساجانیس۔ المعروف بہ ارکاغانیس۔ اصطیفن۔ افلاطون۔ عراقس۔ ایکزوملنوس کی تصانیف سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے[8]۔

علاوہ ازیں قدما کی تصانیف میں سے علی بن ربن نے فیثاغورث کے تین رسالوں سے بھی استفادہ فرمایا ہے[9]۔ اور معاصرین میں سے یوحنا بن ماسویہ اور حنین بن اسحٰق کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے۔

فردوس الحکمۃ کی تالیف میں علی بن ربن نے جن کتب سے استفادہ فرمایا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب تاریخ الہند کا انگریزی ترجمہ جلد اول صفحہ ۳۸۲ [2] ملاحظہ ہو مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ اور فردوس الحکمۃ صفحہ ۵۳۲ [3] ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۵۰، ۵۲۹ [4] ملاحظہ ہو تاریخ طبرستان مطبوعہ غب صفحہ ۷۵، ۳۶ و فردوس الحکمۃ صفحہ ۵۴۹ [5] ملاحظہ ہو جامع المفردات مطبوعہ قاہرہ جلد اول صفحہ ۱۰۰، ۱۴۰ اور جلد سوم صفحہ ۵۴ [6] (BROWNE 9R M.G.II(12) 1-60 A. اور فردوس الحکمۃ صفحہ ۵۲۵ [7] ملاحظہ ہو حیوٰۃ الحیوان مطبوعہ بولاق جلد دوم صفحہ ۲۴۴

[8] علی بن ربن کے مغنس الحمصی کے رسالے سے استفادہ کے ثبوت کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الفہرست صفحہ ۲۹۵ اور فردوس الحکمۃ صفحہ ۲۴ مغنس الحمصی کے رسالہ طبی کا عربی ترجمہ کتب خانہ برلن میں موجود ہے (ملاحظہ ہو فہرست الورد جلد ۵ صفحہ ۱۰۱) اور اصل یونانی نسخہ جالینوس کی کتابوں کیساتھ طبع ہو چکا ہے۔

[9] فیثاغورث کے متعلق عصر حاضر کے حکما کی یہ رائے ہے کہ اس نے کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن قرون وسطیٰ میں اسکی جانب بہت زیادہ کتابیں منسوب کی گئی ہیں۔ اس باب میں تائید کیلئے ملاحظہ کیجئے دی سٹینلیر ہسٹری آف فلاسفی لندن ۱۷۰۱ صفحہ ۵۱۱ ان میں سے بعض عربی میں ترجمہ کی گئیں ملاحظہ کیجئے کتاب الفہرست صفحہ ۳۴۲

ان میں سے آپ نے صرف (۱) رسالۃٌ فی الجنین (۲) رسالۃٌ فی تقدمۃ المعرفۃ (۳) رسالۃٌ فی الاہواء والمیاہ والبلدان لابقراط (۴) تفسیر جالینوس

(۵) رسالۃٌ فی البول مصنفہ مغنس الحمصی کا ذکر صراحۃً کیا ہے۔

علی بن ربن نے جا بجا ان کتابوں کے حوالے دیے ہیں لیکن مباحث و مسائل کے اقتباس میں جانب احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا۔ بعض مقامات پر زیادہ تفصیل اور بعض مقامات پر بہت ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے اور کہیں کہیں نقل میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ لیکن ان اغلاط کے ذمہ دار غالباً وہ اشخاص ہیں جنھوں نے یکے بعد دیگرے فردوس الحکمۃ کو نقل یا ترجمہ کیا ہے۔

ان پانچ کتابوں کے علاوہ علی بن ربن نے فردوس الحکمۃ میں (۱) کتاب الایضاح عن السمن والہزال و تہییج الباہ[۱] (۲) کتابٌ فی الجنین[۲] (۳) کتاب اجوبۃ الفنون[۳] (۴) طبائع الحیوان[۴] اور (۵) کتاب الفلاحۃ النبطیۃ[۵] کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔ لیکن آپ نے ان کتب کے مصنفین کے نام ذکر نہیں کیے۔

آخر الذکر پانچوں کتابوں میں چار مفقود ہو چکی ہیں۔ البتہ کتاب الفلاحۃ النبطیہ کے دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک کتب خانہ برلن میں اور دوسرا برٹش میوزیم میں۔ برلن میں جو کتاب الفلاحۃ النبطیہ کا نسخہ موجود ہے۔ میں نے اس کے ساتھ فردوس الحکمۃ کا مقابلہ کیا ہے اور میں نے دیکھا کہ ان میں ماسوائے بعض الفاظ کے مطابقت تامہ موجود ہے اور اس بنا پر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ علی بن ربن نے فردوس الحکمۃ میں جن اقتباسات کا حوالہ دیا ہے وہ یقیناً اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ یہ کتاب الفلاحۃ النبطیہ ابن وحشیہ کی تالیف نہیں ہو سکتی جس کا ذکر یورپ کے مستشرقین نے کیا ہے اور جس کی اصل و اہمیت کے متعلق

---

[۱] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ صفحہ ۱۱۳ [۲] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ ص ۰۰
[۳] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ ص ۰۰ [۴] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ ص ۵۲۲، ص ۵۳۳
[۵] ملاحظہ ہو فردوس الحکمۃ ص ۵۱۸، ص ۵۲۰، ص ۵۲۱

ان میں اختلاف ہے۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ اس موجودہ نسخہ کتاب الفلاحۃ کے مقدمہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ

"یہ کتاب قسطوس بن اسکوراسکینہ عالم روم کی تالیف ہے اور اس کو فارسی میں بذرنامہ یا الفیر بندنامہ یعنی کتاب الزراعت کہتے ہیں"

بایں ہمہ میرے لئے مشکل یہ ہے۔ کہ کتب تاریخ کی معلومات کی بناء پر اس کتاب کو ابن وحشیہ کے علاوہ اور کسی مصنف یا مترجم کے ساتھ نسبت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ کتب تذکرات و سیر میں کتاب الفلاحۃ النبطیہ ابن وحشیہ کے علاوہ اور کسی دوسرے مصنف کی کتاب الفلاحۃ کا ذکر موجود نہیں۔ چنانچہ فاضل الرودنے اپنی فہرست میں کتاب الفلاحۃ ابن وحشیہ ہی کا ذکر کیا ہے اور ابن الندیم نے بھی یہی لکھا ہے کہ ابن وحشیہ نے علم فلاحۃ پر دو کتابیں لکھی تھیں۔ ایک چھوٹی اور دوسری بڑی[1]۔

لیکن ان تصریحات کے باوجود مجھے اس رائے کی صداقت میں سخت اشکال نظر آتا ہے اور یہ اس لئے کہ ابن وحشیہ نے کتاب الفلاحۃ کو ۲۹۱ھ میں ترجمہ یا تالیف کیا ہے اور ابن ربن نے کتاب الفلاحۃ سے ۲۳۵ھ میں استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ فردوس الحکمۃ کا سن تالیف ہے اس سے ظاہر ہے کہ فردوس الحکمۃ ابن وحشیہ کی کتاب الفلاحۃ النبطیہ کی تالیف سے ۵۶ سال پہلے لکھی جا چکی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ابن ربن کے زمانہ میں ابن وحشیہ موجود ہوگا۔ تو وہ اس وقت طفل خوردسال ہوگا اور غالب قیاس یہ ہے کہ اس نے اس خوردسالی میں کتاب الفلاحۃ ترجمہ یا تالیف نہ کی ہوگی۔ اس لئے میری رائے میں پیش نظر کتاب الفلاحۃ کو کسی ایک مصنف یا مترجم کی جانب منسوب کرنا بہت مشکل ہے۔

بہرکیف یہ مسئلہ متعلق فکر و نظر ہے اور ہمیں امید ہے۔ کہ ہمارے سوا آئندہ کوئی صاحب علم و فن کتب تاریخ و سیر سے اس عقدۂ دشوار کو وا کر سکیں گے۔

باب سوم فردوس الحکمۃ کے قلمی نسخوں کے بیان میں ہم نے فردوس الحکمۃ کے قلمی نسخوں کو نہایت سرگرمی کیساتھ تلاش کیا ہے۔ لیکن ہم صرف پانچ نسخے دیکھ سکا ہوں۔

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست ابن الندیم صفحہ ۳۱۲

نسخۂ اوّل - موجودۂ[۱] برٹش میوزیم (برطانی عجائب خانہ)
نسخۂ دوم - موجودۂ[۲] کتب خانہ برلن
نسخۂ سوم - موجودۂ[۳] کتب خانۂ غوتا
نسخۂ چہارم - مملوکۂ طبیب حاذق خواجہ کمال الدین متطبب لکھنؤ (ہندوستان)
نسخۂ پنجم - موجودۂ کتب خانۂ رامپور[۴] -

ان پانچ نسخوں میں اوّل الذکر تین نسخے مستشرقین مغرب کی نگاہوں سے گزر چکے ہیں لیکن باقی دو نسخوں کا سراغ سخت تلاش و جستجو کے بعد صرف مجھے لگا ہے - ذیل میں میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان پانچوں نسخوں کے مابین باہمدگر کیا امتیازات ہیں -

نسخۂ اوّل { یہ نسخہ تینوں مغربی نسخوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور یہ ۲۷۶ اوراق یعنی ۵۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں اکیس سطریں ہیں اور ہر سطر میں اوسطاً گیارہ الفاظ ہیں - اس کے کاغذ کا رنگ زردی مائل ہے اور ایک دو جگہ سے کچھ اوراق ضائع ہوگئے ہیں اور کہیں کہیں ترتیب اوراق بھی صحیح نہیں اور ایک جگہ سے چار سطریں محو ہو گئی ہیں -

اس نسخہ کا خط مغربی انداز کا ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کی کتابت سولھویں صدی عیسوی میں ہوئی ہے - سارے مسودہ کے خط کا طرز ایک ہی ہے - صرف عناوین جلی اور سُرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں

یورپ میں اس مسودہ کی کتابت کا ثبوت اس کے رسم الخط سے واضح ہے کیونکہ اس میں

---

[۱] ملاحظہ ہو فہرست الکتب الخطیۃ بالمتحف البرطانی صفحہ ۲۱۷ ؛
[۲] ملاحظہ ہو فہرست الکتب الخطیۃ العربیۃ لالوورد صفحہ ۵۱۳ ؛
[۳] ملاحظہ ہو فہرست الکتب العربیۃ الکائنۃ لغوتا صفحہ ۴۵۶ ؛
[۴] ملاحظہ ہو فہرست کتب عربیہ کتب خانۂ رامپور از حکیم اجمل خاں مرحوم صفحہ ۴۸۹

نوٹ :- محمد حکیم عبداللطیف صاحب معلم طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اطلاع دی ہے کہ فردوس الحکمۃ کا ایک مسودہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی لائبریری میں بھی موجود ہے -

ف کا نقطہ اُوپر نہیں بلکہ نیچے لگا ہُوا ہے اور قاف پر دو نقطوں کی جگہ صرف ایک نقطہ نیچے دیا ہُوا ہے۔ لفظ ما ، ۃ وغیرہ کی کتابت میں ہمزہ کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ ہر جملہ کے خاتمہ پر ایک دو مد لگائے گئے ہیں۔ ذال معجمہ پر نقطہ نہیں لگایا گیا اور یونانی لغات کی کتابت میں ان کے اصل تلفظ کی رعایت کی گئی ہے۔ چنانچہ بقراط کو ابقراط اور کہیں صیوفقراطوس لکھا گیا ہے اور ارسطاطالیس کو ارسطیطلس اور کہیں ارسطوطیلس تحریر کیا گیا ہے[1]۔

ان لوگوں کے نام جن کے قبضہ میں یہ مسودہ وقتاً فوقتاً رہا ہے اس کے دوسرے ورق پر تحریر ہیں۔ ان میں پہلا نام عبدالواحد الاریکادی الشافعی (الشامی) کا ہے دوسرا نام عماد بن الدیان الاسرائیلی ابن ربی یوسف التفلیسی کا اور تیسرا نام یوسف بن راس الجالوت کا ہے ان کے علاوہ بعض دیگر اسماء بھی ہیں۔ جو عبرانی خط میں تحریر ہیں۔

میری رائے میں یہ تینوں نام ایک ہی خاندان یا جماعت کے مختلف افراد کے نام ہیں۔ اس مسودہ کی کتابت عبدالواحد نے ہی کی ہے اور غالباً وہ ہی ابتداً اس کے مالک تھے۔ ان کے بعد یہ مسودہ دیگر افراد کے ہاتھوں میں یکے بعد دیگرے پہنچتا رہا ہے۔ جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔ جو اس مسودہ کے دوسرے صفحہ پر تحریر ہے۔

نسخۂ دوم { اس قلمی نسخہ کا حجم ۲۲۴ اوراق یا ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں اور ہر سطر میں چھ سات الفاظ ہیں۔ ان کا خط عربی اور نہایت واضح اور خوشنما ہے۔ اس میں ختم کتابت کی تاریخ درج ہے۔ لیکن وہ محو ہو جانے کی وجہ سے اچھی طرح پڑھی نہیں جاتی۔ الوردو نے اپنی فہرست میں اس کی کتابت کا عہد تیرھویں صدی عیسوی لکھا ہے۔ اس مسودہ میں ایک نقص ہے وہ یہ کہ اس کی نقل میں ناقل نے اپنی رائے اور فکر کو بھی دخل دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اصل کتابت کے بعض مختصر مضامین کو اپنی طرف سے طویل بنا دیا ہے اور اکثر مباحث کو اپنی رائے سے مختصر کر دیا ہے۔

نسخۂ سوم { اس نسخہ میں فردوس الحکمۃ کی مکمل نقل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں صرف وہ مقالات نقل کئے گئے ہیں۔ جو فلسفہ اور ریاضی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے ناقل محمد بن تقی الدین الحسینی الحرانی ہیں۔ اس کا خط عجمی اور کاغذ سپید اور چمکدار ہے اور

---

[1] ملاحظہ ہو نسخۂ اول موجودہ برٹش میوزیم صفحہ ۲۶ وغیرہ۔ منہ

اس پر تاریخ خاتمۂ کتابت ۱۲ - ذی الحجہ [illegible]ھ ثبت ہے ۔

نسخہ چہارم یہ مشہور طبیب حاذق خواجہ کمال الدین لکھنوی کے پاس ہے اور یہ اُن دوسرے تمام قلمی نسخوں سے زیادہ مکمل ہے - جو اس وقت تک میری نظر سے گزرے ہیں - اس کے آخر میں کچھ صفحات ہیں - جو دیگر مسودوں میں موجود نہیں - البتہ اس میں وہ شطرنجی اشکال نہیں - جو برٹش میوزیم والے نسخہ میں ہیں - اس میں کتابت کی غلطیاں نہیں ہیں اور اس کی تصحیح کسی مصحح نے کی ہے اور اس نے اپنی رائے کو اس کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے -

یہ مسودہ ۲۶۸ اوراق یا ۵۳۶ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں - اور ہر سطر میں ۹ سے لے کر ۱۳ الفاظ ہیں - اس کا خط عجمی ہے اور ناقل نے عناوین کو سرخ یا ارغوانی روشنائی سے لکھا ہے - اس کا کاغذ اچھا نہیں - بعض اوراق کا رنگ زردی مائل اور بعض کا سبز ہے - مسودہ کے آخر میں اس کی تاریخ کتابت ۱۸ - ربیع الاول ۱۰۹۶ھ تحریر ہے -

نسخہ پنجم یہ نسخہ رامپور کے کتبخانہ میں ہے - جس کا ذکر حضرت الحاذق حکیم اجمل خاں صاحب رح نے اس فہرست میں کیا ہے - جس میں آپ نے واضح فرمایا ہے - کہ رامپور کے کتب خانہ میں عربی زبان کی کون کون سی کتابیں موجود ہیں اور جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو چکی ہے -

یہ مسودہ ۲۶۶ اوراق یعنی ۵۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کے ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ۱۱ سے لے کر ۱۷ الفاظ ہیں - اس میں کاتب کا نام محمد جمیل تحریر ہے - تاریخ فراغ کتابت درج نہیں اور خاتمہ پر دو مہریں ثبت ہیں ایک مہر مظفر حسین صاحب کی اور دوسری مہر شیخ الدولہ حکیم مرزا علی حسن صاحب کی ہے -

باب چہارم فردوس الحکمۃ کے اس مطبوعہ نسخہ کے بیان میں میں نے اس نسخہ کی تصحیح و ترتیب میں زیادہ تر اُن تین نسخوں سے مدد لی ہے جو یورپ میں موجود ہیں اور ہندوستان میں فردوس الحکمۃ کے جو دو مسودے ہیں اُن سے میں اس وقت مستفید ہو سکا جب میں یہاں واپس آیا اور اس وقت تک اس کتاب کے تقریباً ۵۵۰ صفحات طبع ہو چکے تھے -

میں نے تینوں مغربی مسودوں میں سے کسی ایک پر انحصار نہیں کیا - بلکہ ان تینوں

سے بحیثیت مجموعی فائدہ اٹھایا اور ۵۰ صفحات کی طباعت کے بعد میں نے نسخہ چہارم سے بھی استفادہ کیا اور فردوس الحکمۃ کے اس مطبوعہ نسخہ میں ان صفحات کا اضافہ کر دیا جو صرف اس نسخہ کے آخر میں موجود تھے۔

جس جگہ میں نے ایک نسخہ کی عبارت کو اختیار کیا ہے۔ وہاں ایک خاص نشان لگا دیا ہے اور جہاں دو نسخوں کی عبارت میں تطابق پایا ہے وہاں بھی ایک خاص نشان دیا ہے۔ لیکن جہاں تینوں نسخوں کی عبارت میں تطابق ہے وہاں کوئی علامت نہیں دی گئی۔ علاوہ ازیں میں نے اکثر مقامات پر حواشی لکھے ہیں۔

میں نے صحت طباعت کے لئے بھی انتہائی کوشش کی لیکن میں چونکہ کبھی انگلستان میں تھا اور کبھی فرانس میں اور کبھی جرمنی میں اور کبھی ہندوستان میں بجالیکہ یہ کتاب جرمنی میں طبع ہو رہی تھی۔ اس لئے اس نسخہ میں اغلاطِ کتابت رہ گئی ہیں۔ جن میں سے صرف اہم اغلاط کا صحت نامہ اس کتاب کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

میں نے اس کتاب کی تصحیح و تہذیب میں سالہا سال محنت کی ہے اور اس سلسلے میں میں نے اپنی استطاعت کے مطابق پوری سعی صرف کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ اپنی مجبوریوں اور دشواریوں کے باعث میں اس کو اپنی مرضی کے مطابق مرتب نہیں کر سکا اور اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بعض خامیاں رہ گئی ہوں گی۔ لہٰذا قارئین کرام سے امید ہے کہ وہ مجھے معذور سمجھ کر ان کو نظر انداز کر دیں گے۔

شکرِ نعمت اس سلسلے میں یہ امر نہایت ضروری ہے۔ کہ میں اُن دوستوں اور بزرگوں کا صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کروں جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح و کتابت اور طباعت و اشاعت میں میری مدد فرمائی ہے۔ سب سے پہلے میں حکومت بہار و اڑلیسہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے مجھے جدید مغربی اصول کے معیار کے مطابق عربی علم و ادب کے حصول کے لئے کیمبرج یونیورسٹی میں بھیجا اور اس اثناء میں میرے مصارفِ تعلیم کی کفالت کی۔ اس سلسلے میں میں جناب سر محمد فخرالدین صاحب وزیر تعلیم اور مسٹر ٹی۔ ڈبلیو فاکس ڈائرکٹر آف پبلک

انسٹرکشن کا بھی شکر گزار ہوں ۔ جن کی توجہ خصوصی سے مجھے یہ موقع میسر آیا ۔
اس کتاب کی اعانت تہذیب وطباعت کے سلسلے میں حضرت ڈاکٹر جے ۔ ایچ کلیفم نے جو کیمبرج یونیورسٹی کے ماتحت کنگز کالج میں میرے ٹیوٹر تھے ۔ مجھے نسخہ اوّل کا نسخۂ دوم وسوم کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے جرمنی جانے کی اجازت دی ۔ جناب استاذ المکرم ڈاکٹر آر ۔ اے نکلسن نے حضرت الاستاذ ای ۔ جی براؤن کی علالت کے دوران میں تمام علمی مشکلات کو حل کرنے اور تصحیح وطباعت کی دشواریوں پر قابو پانے کے سلسلے میں میری مدد فرمائی ۔ جناب استاذ محترم ای ۔ ای ۔ بیون نے اس کتاب کے بعض مبہم لغات کی تحقیق میں میری اعانت کی ۔
حضرت وڈنگٹن نے جو یورپ میں تاریخ علم طب میں ایک نہایت ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں مجھے فردوس الحکمۃ کے اقتباسات کا قدیم یونانی کتابوں کے مضامین کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دی ۔ حضرت ڈاکٹر وائل مدیر شعبۂ مشرقی کتب خانہ برلن نے نسخۂ اوّل کا نسخۂ دوم وسوم کے ساتھ مقابلہ کرنے میں میری خاص اعانت کی ۔ گب میموریل ٹرسٹ کے ارکان نے بکمال عنایت اس کتاب کے تمام مصارف برداشت کئے ۔ کارکنان مطبع کادیانی نے میرے ساتھ کامل ہمدردی اور فیاضی کا برتاؤ کیا ۔ میرے فاضل دوست خلیل بن محمد عرب پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی نے نسخۂ چہارم کا دوسرے نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں میری امداد کی اور حکیم حاذق خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھے نسخۂ چہارم مستعار دیا ۔ ان عنایت والطاف کے لئے میں ان تمام بندگوں کا ہر بُنِ مُو سے سپاس گزار ہوں ۔ جن کی بدولت میں اس کتاب کی تصحیح وتہذیب کا فخر حاصل کر رہا ہوں ۔
سب سے آخر میں مگر سب سے زیادہ میں اپنے استاذ مکرم چشمۂ علوم عرب وعجم علامۂ دہر فاضل مستشرق حضرت ای ۔ جی براؤن کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شکریہ ادا کرنے سے میری زبان قاصر ہے ۔ آپ ہی نے مجھے اپنے دریائے فیض سے مستفیض کیا اور مجھ میں رُوحِ ادب پھونکی ۔ میری حوصلہ افزائی کی اور اس کتاب کی تصحیح وتہذیب میں ہر ممکن مدد دی ۔ سب سے پہلے آپ ہی کو اس کتاب کی عظمت کا احساس ہوا ۔ اور آپ ہی نے اس کی تہذیب واشاعت پر مجھ کو آمادہ کیا ۔

حضرت استاذ المکرم ای۔ جی۔ براؤن اس کتاب کی ترتیب و تہذیب میں میری کامل
اعانت فرمایا کرتے تھے۔ آپ تمام علمی دشواریوں کو حل کرتے۔ اور ہر مقام پر میری رہنمائی
کرتے تھے لیکن جب وہ وقت آیا۔ کہ آپ اپنے لگائے ہوئے باغ کے اثمار سے متمتع ہوں
اور اپنے گلشن کی بہار دیکھیں یعنی مطبوعہ شکل میں فردوس الحکمۃ کو ملاحظہ فرمائیں۔ تو گردش زمانہ
نے آپ کو ہم سے جدا کر دیا ؎

ایا دھر ان کنت عادیتنا   فہا قد صنعت بنا ما کفا کا

لیکن میرے لئے یہ امر موجب تسکین ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں مجھے اجازت مرحمت
فرمادی تھی۔ کہ میں اس کتاب کو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ معنون کروں۔ کیونکہ اس کام
کی تکمیل آپ ہی کے فیض اور عنایتِ خصوصی کی رہینِ منت ہے۔ اور میں عمر بھر آپ کے
الطاف وعنایات کو فراموش نہیں کر سکتا۔ اور کبھی آپ کے شکر و امتنان کے حق سے
عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

ف۷۵ عربی عہد حکومت میں افسر الاطبا کو ساعور کہا جاتا تھا چنانچہ جرجی زیدان نے
اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں اس امر کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی
جلد ثالث صفحہ ۲۱۸) اور ابن ابی اصیبعہ نے رازی کو جب وہ بیمارستان رے میں افسر الاطباء
کے عہدہ پر فائز تھا۔ ساعور کے لقب سے یاد کیا ہے (ملاحظہ ہو طبقات الاطباء، جلد اول صفحہ
۳۱۰) عربی دورِ حکومت میں ساعور گویا آج کل کے فزیشن ان چیف کے لفظ کے قائم مقام تھا۔

ف۷۶ اس تمام بیان سے طب میں رازی کی تعلیمی زندگی اور اس کے طبی تلمذ پر کوئی روشنی
نہیں پڑ سکی۔ لہٰذا اس سلسلے میں یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ رازی کو جب اس بوڑھے دوا فروش کی
ملاقات کے بعد علم طب کا شوق ہوا۔ تو وہ طب اور فلسفہ کی تعلیم کے لئے بغداد گیا اور وہاں
اس نے متوکل باللہ کے طبیب خاص علی بن ربن الطبری سے طب کی تکمیل کی۔ اور اس کے بعد
وہ پہلے رے کے ہسپتال کا اور پھر بغداد کے بیمارستان کا افسر الاطبا مقرر ہوا۔ (ملاحظہ
ہو۔ حواشی انگریزی ترجمہ چہار مقالہ از پروفیسر براؤن صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس)۔

ف۷۷ یہ کتاب منصوری یا طب المنصوری۔ رازی کی ایک نہایت بلند پایہ تالیف ہے

اور اس کا لاطینی ترجمہ جیرارڈ آف کریمونا کے قلم کی یادگار ہے۔ اور یہ ترجمہ ایک دفعہ نہیں بلکہ تین[1] دفعہ پہلی دفعہ ۱۴۸۱ء میں لیدن میں دوسری دفعہ ۱۴۹۷ء میں وینس میں اور تیسری دفعہ ۱۵۴۴ء میں باسل میں شائع ہوا ہے[2]۔

اس کے علاوہ اس کتاب کا وہ حصہ جو علم تشریح سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر پی۔ ڈی کیننگ نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے[3]۔ البتہ اس کا اصل عربی متن اب تک کہیں نہیں چھپا۔

ابن ابی اصیبعہ اس کتاب المنصوری کی مدح میں رطب اللسان[4] ہے۔ نظامی عروضی سمرقندی طلبائے طب کے لئے اس کتاب کو نصاب تعلیم کا ایک ضروری جزو قرار دیتا[5] ہے اور قاضی ابن خلکان اس کی تعریف میں اس طرح رقمطراز ہے:۔

و لہ ایضاً کتاب المنصوری	رازی کی ایک مختصر اور مشہور کتاب
المختصر المشہور وھو علی صغر حجمہ	المنصوری بھی ہے۔ جو باوجود چھوٹی
من الکتب المختارۃ جمع فیہ من العلم	سی ضخامت کے اس کی مقبول کتابوں
والعمل و یحتاج الیہ کل احد	میں سے ہے۔ اس میں اس نے علم اور
و کان قد صنفہ لابی صالح	عمل کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس
منصور بن نوح بن نصر بن اسمٰعیل	کتاب کا ہر شخص محتاج ہے یہ کتاب رازی
بن احمد بن اسد بن سامان[6]	نے ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن
	اسمٰعیل بن احمد بن اسد بن سامان کے لئے تصنیف کی تھی۔"

رازی نے اس کتاب کو منصور کے لئے تالیف کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی لئے اس نے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اسپین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۶۸ ۔ [2] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۔ [3] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۳۱۷ ۔

[4] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷۰ مطبوعہ لیدن ۔

[5] ملاحظہ ہو وفیات الاعیان جلد دوم صفحہ ۷۸ ۔

اس کا نام المنصوری رکھا۔ مگر اس منصور کے متعلق ہمیں مورخین کی عجیب و غریب آراء ملتی ہیں۔ اور اس باب میں ابن خلکان کے دو[2] قول ہیں۔ اول یہ کہ وہ منصور جس کے لئے رازی نے کتاب المنصوری لکھی۔ معروف فوق منصور بن نوح بن نصر تھا۔ اور یہی قول صاحب چہار مقالہ کا ہے[1] اور یہ قول یکسر غیر صحیح ہے۔ کیونکہ رازی کی وفات باختلاف اقوال از ۳۱۱ھ تا ۳۲۰ھ ہو چکی ہے اور اس منصور کا عہد سلطنت ۳۵۰ھ سے ۳۶۶ھ تک ہے۔ ابن خلکان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ منصور درحقیقت منصور بن اسحٰق بن احمد بن نوح تھا[2]۔ مگر یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ سامانی سلاطین میں احمد بن نوح کوئی نہیں ہوا۔ ہاں احمد بن اسد ضرور گزرا ہے۔

پھر ایک لطیف اور دلچسپ چیز یہ ہے کہ محمد بن اسحٰق الندیم نے کتاب الفہرست[3] میں قفطی نے تاریخ الحکماء[4] میں اور ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں[5] اس کا نام منصور بن اسمٰعیل ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اسفار تاریخ میں اس نام کا کوئی سامانی سلطان موجود نہیں اور اس سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ کا بیان تو اس قدر مجروح اور مشتبہ ہے۔ کہ ایک اور جگہ اس نے اس کو منصور بن اسمٰعیل بن خاقان بیان کیا ہے[6]۔ اور پھر ایک اور جگہ منصور بن اسحٰق بن اسمٰعیل ذکر کیا ہے[7]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام بیانات فن تاریخ کی روشنی میں یکسر غیر صحیح ہیں۔ کیونکہ یہ منصور درحقیقت منصور بن اسحٰق بن احمد بن اسد تھا۔ جو ۲۹۰ھ سے لے کر چھ سال تک رے کا حاکم رہا۔ اس عرصہ میں رازی بھی رے میں اقامت رکھتا تھا۔ اور اس وقت اور وہیں اس نے اس کے لئے یہ کتاب المنصوری تالیف[8] کی۔ وہکذا صرح مولانا محمد بن عبدالوہاب القزوینی۔

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷ مطبوعہ لیدن [2] ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان جلد دوم صفحہ ۷۹۔

[3] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست از ابن الندیم ۲۹۹ و ۳۰۰ [4] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۲۷۲

[5] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۰

[6] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۳

[7] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۷

[8] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۳

۴۸ پروفیسر براؤن کی رائے کے خلاف ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے اپنی کتاب اریبین میڈیسن میں رازی کا زمانہ حیات سنہ ۸۴۱ء سے سنہ ۹۲۶ء تک بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۶۵) اور برٹش انسائیکلو پیڈیا کے گیارہویں ایڈیشن میں بھی رازی کے سن وفات کی نسبت سخت غلط نگاری کی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں رازی کا سن وفات ایک جگہ سنہ ۱۳۲۳ھ لکھا ہوا ہے۔

پس سطور فوق میں پروفیسر براؤن نے رازی کے سن وفات کے متعلق عرب مؤرخین کی غلط نگاریوں کی جو شکایت کی ہے۔ اس میں دور حاضر کے بلند پایہ اور نقاد مغربی مؤرخین بھی شامل ہیں۔ غرض ع   ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند!

۴۹ طب کے علاوہ رازی علم کیمیا کا بہت بڑا ماہر اور عالم تھا۔ البیرونی نے کیمیا پر رازی کی اکیس تصنیفات شمار کرائی ہیں۔ اور ان میں سے چند کے نام کتاب صنعۃ الکیمیاء۔ کتاب الاحجار۔ کتاب الاسرار۔ کتاب سرالاسرار۔ کتاب الحجر الاصغر۔ کتاب التبویب اور کتاب الرد علی الکندی فی قولہ بامتناع الکیمیاء ہیں۔

کیمیا میں رازی اپنی دو حیثیتوں سے ممتاز ہے اوّل یہ کہ اس نے مادوں کی صحیح تقسیم کی دوم یہ کہ اس نے کیمیاوی اعمال اور آلات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا اور ان بیانات میں کسی پُراسرار عنصر کی آمیزش قطعاً ذکر نہیں کیا۔ رازی سے پہلے ماہرین علم کیمیا مادوں کو اجسام۔ ارواح اور جواہر میں تقسیم کرتے تھے۔ لیکن رازی کیمیاوی مادوں کو۔ جمادات۔ نباتات اور حیوانات میں تقسیم کرتا ہے۔

رازی وزن مخصوص پر تجربات کیا کرتا تھا اور جس آلے کو وہ اس کام میں لاتا تھا اس کا نام اس نے المیزان الطبیعی Hydrostatic Balance. رکھا تھا[1]۔

وزن مخصوص سے وہ عدد مراد ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی شے پانی سے کتنا زیادہ یا کم وزن رکھتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مقالہ "فی الحصی فی الکلی والمثانہ" در مجلہ طب و جراحت لاہور بابت جون سنہ ۱۹۵۰ء (صفحہ ۴)

آج کل فن کیمیا میں فارسی زبان میں محمد بن زکریا رازی کے نام سے رازی کا ایک رسالہ ہمارے زیر مطالعہ ہے جس کو ملک الکتاب آقا میرزا محمد نے ۱۳۱۲ھ میں زیور طبع سے آراستہ کرا کے بمبئی سے شائع کرایا ہے ۔ یہ رسالہ علم کیمیا پر رازی کی کسی عربی تالیف کا فارسی ترجمہ معلوم ہوتا ہے جس میں رازی نے علم کیمیا پر نہایت بیش بہا حاصل معلومات سپرد قلم کی ہیں ۔ اور اعمال فن میں تسحیق ، تشمیع ، تکلیس ، تحریق وغیرہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے ۔

باقی رہا رئیس کا طیش میں آکر رازی کے سر پر ضربات لگانے کا قصہ تو یہ سرتاسر فرضی افسانہ معلوم ہوتا ہے ۔

پروفیسر براؤن نے اس روایت کا ماخذ ذکر نہیں کیا ۔ مگر بالآخر تلاش و جستجو کے بعد مجھ کو یہ روایت قاضی ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان میں ملی جس کو قاضی موصوف نے ابن جلجل کی تاریخ الاطباء کے حوالہ سے حرف بحرف تقریباً اسی طرح نقل کیا ہے ۔ جس طرح پروفیسر براؤن نے بیان کیا ہے لیکن قاضی ابن خلکان نے اس روایت کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے ۔ کہ بادشاہ نے جب رازی کے سر پر کوڑا مارا اور اس کی کتاب علم کیمیا کی ضرب سے اس کو نابینا کر دیا ۔ تو آخر میں اس کو انعام و اکرام کے ساتھ سامان سفر دے کر رخصت کر دیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-

فجعل السوط علی راسه ثم امر	بادشاہ نے رازی کے سر پر کوڑا مارا ۔ اور
یضرب بالکتاب علی راسه حتی	پھر حکم دیا کہ اس کے سر پر اس کی کتاب
یتقطع ثم جهزه وسیّره	ماری جائے حتیٰ کہ یہ کتاب ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائے اور پھر اس نے رازی کو سامان دیا ۔ جس سے اس نے سفر کیا [۱]

ظاہر ہے کہ یہ روایت سرتاسر مجہول ہے ۔ کیونکہ جو دشمن سر پر کوڑے مار مار کر آنکھیں ضائع کر چکا ہے اس سے یہ کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نے رازی کو اپنے الطاف و عنایات کے ساتھ رخت سفر بھی عطا کیا ہو ؟

نمبر ۵ ۔ پروفیسر براؤن نے ان بیانوں کا ماخذ بھی بیان نہیں کیا ۔ پہلے اور دوسرے دونوں بیانوں کا

---

[۱] ملاحظہ ہو ۔ کتاب وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان از قاضی ابن خلکان جو مطبع میمنیہ مصر میں احمد البابی الحلبی کے اہتمام سے چھپی ۔ جلد دوم صفحہ ۷۶ ۔

ماخوذ بالترتیب طبقات الاطبا جلد اوّل کا صفحہ ۳۱۴ و صفحہ ۳۱۰ ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں بیان خود ابن ابی اصیبعہ مؤلف طبقات الاطباء بحقائق تاریخ اور علم الادویہ کی روشنی میں یکسر غلط ہیں۔

۵۱ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے اپنی کتاب اربین میڈیسن میں رازی پر ایک گرانقدر طبّی مقالہ سپرد قلم کیا ہے اور یہاں ضمناً مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذیل میں اس کا ایک حصہ مقتبس کر کے درج کیا جائے۔ اس مقالہ میں ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:-

ابوبکر محمد بن زکریا رازی سے عربی طب کا دورِ کمال شروع ہوتا ہے۔ یہ باکمال مصنف قرونِ وسطیٰ میں ریزز (Rhazes) اور البوبیٹر (Albubator) ناموں سے مشہور تھا۔ اور یہ عرب کے ان قدیم مصنفین میں بہت بڑا نامور شخص تھا۔ جنہوں نے بقراط اور جالینوس کے تخیل اور اصولوں کا اتباع کیا ہے

رازی علی بن ربن الطبری کا شاگرد تھا۔ اور وہ ایک ایسا جلیل المرتبت طبیب تھا۔ کہ اس کو اس کے ہمعصر نہایت تجربہ کار اور ماہر فن طبیب سمجھتے تھے اور وہ علم تشریح امراض میں بقراط کا ہم مرتبہ تھا۔

مغربی عہد خلافت کے مشہور طبیب اور جرّاح (سرجن) ابوالقاسم الزہراوی نے رازی سے بہت سا سرمایۂ معلومات حاصل کیا ہے اور عربوں میں ابوالقاسم الزہراوی کا مرتبہ رازی کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔ اور جس طرح بوعلی سینا مشرق میں اور ابن رشد مغرب میں ان ذہنی اور فکری مسائل و معتقدات کے رہنما تھے جو یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج رہے۔ اسی طرح رازی اور زہراوی مغرب میں ذاتی اور عملی علوم طبیہ کے قائد تھے۔ رازی نویں صدی عیسوی کے وسط میں رے میں جو خراسان کے علاقہ میں واقع ہے پیدا ہوا تیس سال کی عمر میں اس نے طب کا مطالعہ شروع کیا۔ اور اس میں اس نے بہت بڑی ناموری حاصل کی۔ حتیٰ کہ اس کو بغداد کا افسر الاطباء بنا دیا گیا۔ اور اس عہدہ پر وہ ۹۰۲ء سے لے کر ۹۰۷ء تک فائز رہا۔

رازی نے بہت بڑی عمر پائی۔ اور آخری دو سالوں میں اس کی بینائی جاتی رہی وہ بہت دردمند اور فیاض تھا۔ اس نے بیاسی سال کی عمر میں بحالت ناداری وفات پائی اور اس کا زمانۂ حیات ۸۴۱ء سے لے کر ۹۲۶ء تک ہے[1] -

[1] مقتبس از اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۶۵ و ۶۶ ؛

آگے چل کر ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے اعمالِ فن میں رازی کی طبی خدمات تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اور اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ رازی ہی نے پہلی مرتبہ مرکیوریل آئنمنٹ Mercurial ointmet سے عرب اور لاطینی مغرب کو متعارف کرایا ہے[1]

اس ضمن میں آپ نے نظریات فن میں رازی کے بعض نہایت دلچسپ اور اہم اقوال بھی نقل کئے ہیں منجملہ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ رازی کہتا ہے۔ کہ جس باب میں جالینوس اور ارسطو متفق الرائے ہوں اس کی صداقت میں شک نہیں۔ لیکن جس امر میں یہ مختلف الرائے ہوں تو اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ اور ہمیں ہمیں اپنی فراست سے مدد لینی چاہئے[2]

ابن خلکان نے بھی رازی کی سیرت کے ذکر کے سلسلے میں اس کے بعض نہایت مفید اور اہم اقوال نقل کئے ہیں۔ اور اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں:۔

ومن کلامہ مھما قدرت ان	رازی کا ایک قول یہ ہے۔ کہ جب تک
تعالج بالاغذیۃ فلا تعالج	تو غذاؤں سے علاج کر سکے دواؤں سے
بالادویۃ ومھما قدرت ان	علاج نہ کر۔ اور جب تک تو دوائے مفرد
تعالج بدواء مفرد فلا تعالج	سے علاج کر سکے۔ دوائے مرکب سے
بدواء مرکب ومن کلامہ اذا	علاج نہ کر۔ اور اس کا دوسرا قول
کان الطبیب عالماً والمریض	یہ ہے کہ جب طبیب عالم فن ہو۔
مطیعاً فما اقل لبث العلۃ و	اور مریض اس کا فرمانبردار تو بیماری
من کلامہ عالج فی اول العلۃ	بہت کم ٹھیرتی ہے۔ اور اس کا تیسرا قول
بما لا تسقط بہ القوۃ[3]	یہ ہے کہ ابتدائے مرض میں اس طرح
	علاج کر کہ مریض کی قوت ساقط نہ ہو جائے‘‘

مغرب و مشرق کے تمام علمائے تاریخ و فن کی طرح قاضی ابن خلکان بھی رازی کے بے حد

---

[1] ملاحظہ ہو اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۷۲۔

[2] ملاحظہ ہو اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۷۲۔

[3] ملاحظہ ہو وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۷۸۔

ثناگر ہیں۔ اور ایک جگہ رازی کی مدح و ثناء میں اس طرح رطب اللسان ہیں:۔

کان امام وقتہ فی علم الطب	رازی علم طب میں اپنے وقت کا امام
والمشار الیہ فی ذالک العصر	تھا۔ اس عہد کا بلند پایہ طبی مشہر تھا
وکان متقنا لھذہ الصناعۃ	اور اس فن میں نہایت پختہ کار اور
حاذقا وعارفا باوضاعھا	حاذق اور اس کے اصول و قوانین کا
وقوانینھا وتشد الیہ	جیّد عالم تھا۔ اور لوگ اس کے پاس
الرحال لاخذ ھا عنہ[1]	یہ علم حاصل کرنے کے لئے قافلوں کی شکل

میں دور دراز سے اونٹوں پر سوار ہو کر آیا کرتے تھے۔"

حقیقت یہ ہے کہ رازی دنیائے طب کی سب سے بڑی جلیل القدر عظمت ہے۔ جس کی تعریف میں مشرق و مغرب کے تمام اکابر علم و فن تر زبان ہیں۔ اور ان چند سطروں کے ذریعہ اس کی ذات اور اس کے فنی کارناموں سے تعارف کرانا ناممکن ہے۔ یہاں ضمناً پروفیسر براؤن کے بیان پر بعض چیزیں اضافہ کرنا مناسب سمجھی گئیں جو عرض کر دیں۔

۵۲ یہاں تین سوانح نگاروں سے مراد غالباً ابن ابی اصیبعہ۔ ابن القفطی اور ابن الندیم بغدادی ہیں

۵۳ یہ کتاب الجدری والحصبہ ابوبکر محمد بن ذکریا رازی کی مشہور عالم یادگار ہے۔ اور درحقیقت جدری و حصبہ پر دنیا میں اپنے طرز کی سب سے پہلی تالیف ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ مسیحی آباء نے اس موضوع پر کچھ اشارات کئے تھے۔ مگر وہ یکسر مجمل اور نامکمل تھے۔

بہرحال رازی کی کتاب جدری وحصبہ پر اوّلین کتاب ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی ابتداء میں خود رازی اس حقیقت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

کان جری ذات لیلۃ فی مجلس	ایک رات ایک فاضل بزرگ کی مجلس

---

[1] ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۸۰۔
[2] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۔ مطبوعہ لندن۔

رجل فاضل محمد بن حسن (؟)	میں علوم کی تشریح اور ان کے آسان
شرح العلوم النافعة	طریقہائے تعلیم کے بیان کے سلسلے
وتسهيل سبلها ذکر الجدری	میں مرض جدری کا ذکر چھڑ گیا۔ اس پر
فذکرت من ذلك فی	میں نے وہاں اسی رات جدری پر اپنی
تلك الليلة ما حضرنی فاحب	تمام مستحضر معلومات عرض کر دیں۔ اب
هذا الرجل نفع الله الناس	اس بزرگ (خدا اس کی درازیٔ عمر سے
بطول بقائه ان اعمل	لوگوں کو نفع پہنچائے) نے مجھ سے
مقالة فی هذا المرض محررة	فرمائش کی کہ میں جدری پر ایک مفصل
متقنة اذ لم يعمل فی ذلك	کتاب لکھوں کیونکہ قدما اور دورِ حاضر
لاحد من القدماء والمحدثين	کے اطبا نے آج تک اس مرض پر کوئی
الی هذه الغاية قولا مستقصيا	ایسی کتاب نہیں لکھی جس میں اس کے
ولا کافيا فعملت هذه المقالة	متعلق کافی معلومات ہوں۔ چنانچہ
رجاء ثواب الله عزوجل	میں نے اس بزرگ کی خوشی اور اللہ
وتحريا لمسرته[۱]	تعالیٰ سے ثواب کی امید میں یہ کتاب
	سپرد قلم کی ہے۔"

یہ کتاب چودہ[۱۴] فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کی ہر فصل میں جدری و حصبہ پر تمام ضروری اور مفید سرمایۂ معلومات موجود ہے۔ پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی فصل میں سبب جدری، ابدان مستعدہ، اوقات معتادہ، علامات ہیجان و فوران اور اعراض تدبیر کا ذکر ہے۔ پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں فصول میں احتراس جدری، تدبیر ابراز و اظہار، حفاظت چشم و گوش، حلق و مفاصل اور منضجات مواد کا بیان ہے۔ اور باقی چھ فصلوں میں تخفیف جدری، تقشر و تشکر ریشہ، قلع آثار جدری، تدبیر غذائے مجدور، تدبیر طبیعت مجدور، اور تقسیم و نکسہ جدری کی تفصیلات ہیں۔

اس کتاب کا ہر لفظ گویا معارف و معانی کا ایک گلدستۂ رنگین ہے۔ اور اس کی

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب الجدری والحصبہ ص ۲، مطبوعہ بیروت۔

ان چودہ فصول میں جدری پر معلومات کا نہایت بیش قیمت خزانہ جمع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک قابل غور امر یہ ہے۔ کہ تاریخ معالجات جدری کا یہ ایک دلچسپ اور سربستہ راز ہے۔ کہ جدری اور حصبہ کے علاج کے لئے رازی نے جو اصول وضع کئے تھے۔ یورپ آج بھی ان پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو رہا ہے۔ چنانچہ کتاب الجدری والحصبہ میں ان امراض کے لئے جو بنیادی اصول ذکر کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ حسب حالات ان امراض میں ادویہ مبردہ استعمال کرائی جائیں۔ اور مریض کو سرد و ہوادار مقام میں رکھا جائے۔ رازی کے عہد میں یہ طریق علاج رائج رہا۔ لیکن بعد میں اطباء نے ان امراض میں ادویہ حارہ کا استعمال شروع کر دیا۔ جو آج تک بالعموم رائج ہے۔ بخلاف اس کے مغرب نے ایک صدی سے رازی کے طریق علاج کو صحیح مانا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور مشہور فاضل مصر طبیب کرنیلیوس وان دیک کتاب الجدری والحصبہ کے مقدمہ میں اس حقیقت کی نقاب کشائی اس طرح کرتا ہے:۔

ان الشیخ الرازی هو اول من	رازی پہلا شخص ہے جس نے جدری
الف کتابا فی الجدری والحصبة	وحصبہ پر کتاب لکھی ہے۔ اس کا طریق
وکانت طریقة معالجته فیهما	علاج یہ تھا۔ کہ بیمار کو جدری اور حصبہ
استعمال المبردات فی	میں سرد دوائیں استعمال کرائی جائیں
ووضع العلیل فی محل مضوی	اس کو ہوادار جگہ میں رکھا جائے۔ اور
وتغطیته باغطیة خفیفة	اس کے جسم پر ہلکی چادریں رکھی جائیں۔
لاحتمال تجفیف الجدری ثم	تاکہ بخار کم ہو جائے۔ رازی کے بعد
ترک الاطباء بعده هذه الطریقة	اطباء نے اس طریق علاج کو ترک کر دیا
واعتمدوا علی الادویة الحامیة	اور مریض کو گرم دوائیں دینے لگے اور
وتثقیل الاغطیة بقصد	اس کے جسم پر بھاری چادریں ڈالنے لگے

۱؎ کتاب الرازی ترجمہ جاسم وعلی نعام المطبوعات۔ کتاب الجدری والحصبہ صفحہ ۲۲

زيادة النفاط زاعمين ان	تاکہ دانے مکمل کر نکلیں - کیونکہ ان کا
النفاط انما هو فعل الطبيعة	خیال تھا کہ دانوں کا نکلنا مرض کے
لاجل طرح المرض وبهذا الطريقة	ازالے کے لئے طبیعت کا فعل ہے -
مات الاكثرون ثم في هذا	اس لئے طبیعت کی اعانت کرنی چاہئیے
القرن عاد الاطباء الماهرون	لیکن اس طریق علاج سے اکثر مریض
على الطريقة الرازي في علاج	مر گئے - اور اب اس صدی کے
هذين المرضين	ڈاکٹروں نے جدری و حصبہ پر رازی کے

کے طریق علاج پر عمل کرنا شروع کیا ہے ۔"

المختصر یہ کہ رازی کی کتاب الجدری والحصبہ اپنی ندرت بیان اور جدت معلومات کی بناء پر عربی عہد کی ایک نہایت انوکھی اور انیلی کتاب ہے - اس کا جو مطبوعہ نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے - وہ مدرسہ کلیۃ سوریہ انجیلیہ کی طرف سے بیروت میں [illegible] سے آراستہ ہوا ہے اور اس وقت میں رازی کے اس شاہکار کو پڑھ رہا ہوں [illegible] رازی کی وسعت نظر - اصابت رائے - ذہانت فکر اور شان اجتہاد کے مناظر جلوہ گر ہیں ۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر امر یہ ہے کہ کتاب الجدری والحصبہ کے بیروتی ایڈیشن سے پہلے دنیا کی مختلف زبانوں میں اس تالیف عزیز کے جو ایڈیشن نکل چکے ہیں - ان کے متعلق ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اور پروفیسر براؤن کی معلومات مختلف ہیں - چنانچہ اس باب میں ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل یہ لکھتے ہیں - کہ کتاب الجدری والحصبہ پہلی مرتبہ براہ راست عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہو کر وینس میں سنہ ۱۴۷۵ء اور سنہ ۱۵۵۵ء میں اور باسل میں سنہ ۱۵۴۹ء میں چھپی - پھر اس کا ایک یونانی ترجمہ پیرس میں سنہ ۱۵۴۸ء میں چھپا - اور بعد ازاں یہ کتاب عربی میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ سنہ [illegible] میں طبع ہوئی -

---

لہ ملاحظہ ہو کتاب الجدری والحصبہ صفحہ ۲ مطبوعہ بیروت

لہ ملاحظہ ہو - اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۰۰ ، مطبوعہ لندن

غرض یہ وہ تالیف گرامی ہے جس کے ذریعہ یورپ نے صدیوں تک اس موضوع پر رازی کی معلومات سے استفادہ کیا ہے - اور اس طرح صدیوں تک ہماری طب کی آواز مغرب کی فضاؤں میں گونجتی رہی ہے -

یہاں ہم جدری اور حصبہ کے متعلق اور ایک اہم مسئلہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ کیا رازی سے پہلے قدماء نے جدری اور حصبہ کو بیان کیا ہے یا نہیں -

ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ جالینوس نے جدری اور حصبہ کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے - چنانچہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اپنی کتاب الجدری والحصبہ[1] کے صفحہ ۱۰ اور اپنی تالیفات جالینوس سے چار حوالے پیش فرماتے ہیں:-

الدلیل الاول - اما من قال من الاطباء ان الفاضل جالینوس لم یذکر الجدری ولم یعرفہ البتۃ فانہ ممن لم یقرء کتب جالینوس الا ممن مر علیہا صفحا فان جالینوس وصف فی المقالۃ الثانیۃ من قاطاجانس مرہما فقال انہ ینفع من کیت وکیت ومن الجدری

دلیل اول - جو طبیب یہ کہتا ہے کہ جالینوس نے جدری کا ذکر نہیں کیا - اس نے کتب جالینوس کو دیکھا ہی نہیں - جالینوس نے اپنی کتاب قاطاجانس کے مقالۂ ثانیہ میں ایک مرہم تحریر کیا ہے جس کے لئے وہ کہتا ہے کہ یہ مرہم فلاں فلاں مرض میں اور جدری میں مفید ہے -

پھر لکھتے ہیں:-

الدلیل الثانی - وقال فی اول المقالۃ الرابعۃ عشرۃ من النبض

دلیل دوم - جالینوس نے اپنی کتاب النبض کے چودھویں مقالہ کی ابتداء میں لکھا ہے

---

[1] کتاب الجدری والحصبہ طبع بنفقۃ مدرسۃ الکلیۃ السوریۃ الانجیلیۃ فی مدینۃ بیروت -

على نحو رقة منها ان الدم قد يتعفن تعفنا شديدا جدا في الاورام التي يبلغ من افراط لهيبها انها تحرق الجلد و تحدث فيه الجدري والحمرة المنتشرة التي تكون معها تاكل

ان اورام میں جن کی شدت تپش سے جلد میں احتراق پیدا ہو جایا کرتا ہے کبھی خون سخت تعفن ہوتا ہے جس سے جلد میں جدری پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ حمرۂ منتشرہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ساتھ جلد میں تاکل ہو جاتا ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

الدليل الثالث وقال في التاسعة من منافع الاعضاء ان الفضول الباقية من الاغذية مما لا يستحيل الى الدم وتبقى في الاعضاء تعفن وتحتر اكثر على الايام حتى تولد الحمرة و الجدري والساعية:

دلیل سوم - جالینوس نے اپنی کتاب منافع الاعضاء کے مقالہ تاسعہ میں لکھا ہے کہ غذا کے فضول باقیہ جو خون میں تحلیل نہیں ہوتے - کچھ عرصہ تک اعضاء میں رہ کر متعفن ہو جاتے ہیں جن سے حمرہ، جدری اور نشر و ساعیہ پیدا ہوتے ہیں۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں:-

الدليل الرابع - وقال في الرابعة من كتاب طيماوس ان القدماء كانوا يوقعون اسم الفلغموني على كل علة تلتهب فيها الحرارة مثل الحمرة والجدري وهذه الامراض تتولد عندهم من المرة

دلیل چہارم - جالینوس نے شرح طیماؤس کے مقالہ رابعہ میں کہا ہے کہ قدماء ہر اس بیماری پر جس میں حرارت مشتعل ہوتی ہے (مثلاً جدری اور حمرہ) فلغمونی کا اطلاق کرتے ہیں اور یہ امراض ان کے نزدیک مرۂ صفراء سے پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن اگر تمام امور کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس باب میں رازی کی اطلاعات مستحق فکر و نظر ہیں۔

ذکریا رازی نے اپنے دعوی کے اثبات میں چار دلیلیں تحریر فرمائی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا جواب بالترتیب حسب ذیل ہے۔

جواب دلیل اول۔ قاطاجانس بلاشبہ جالینوس کی تصنیف ہے۔ جس کا ترجمہ عربی زبان میں حبیش بن الحسن المقلب بالاعسم تلمیذ حنین بن اسحق نے المتوکل کے عہد میں تیسری صدی ہجری میں کیا ہے۔ اس کے مقالہ ثانیہ میں جالینوس نے جو ε...ov لفظ لکھا ہے۔ اس سے جدری مراد نہیں لی جا سکتی۔ بلکہ فی الحقیقت فلغمونی مراد ہے۔ یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیخ کی تصریحات کے مطابق کبھی جدری آخر میں فلغمونی میں منتقل ہو جاتا ہے[1] بہر حال جدری اور چیز ہے اور فلغمونی اور شئے۔

قاطاجانس میں جالینوس کی اصل عبارت یہ ہے

Eot oE xaLt OLG 2 0 Ley Hog

جواب دلیل ثانی۔ کتاب التبض یقیناً جالینوس کے قلم کی شاہکار ہے اور اس کا ترجمہ بھی عربی زبان میں حبیش بن الحسن نے ہی کیا ہے۔ اس کے چودھویں مقالہ کی اصل عبارت میں جو لفظ EPYYMG آتا ہے اس کے معنی بھی جدری نہیں بلکہ اس کے صحیح معنی قوباء کے ہیں جیسا کہ جالینوس نے خود ایک دوسرے مقام پر اس امر کا اظہار کیا ہے۔

جواب دلیل ثالث۔ کتاب منافع الاعضاء بھی یقیناً جالینوس ہی کی کتاب ہے اور اس کا عربی ترجمہ بھی حبیش بن الحسن ہی نے کیا ہے۔ جالینوس کی اپنی کتاب کے مقالہ تاسعہ میں جو اصل لفظ EPnn Leg آتا ہے اس کے معنی بھی جدری نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس لفظ

---

[1] کما قال الشیخ فی کتاب الرابع من القانون فی الحمیات صفحہ المطبوعہ فی المطبع النامی لواقع فی اللکنؤ بعبارتہ ھذا وربما انتقل الجدری الی فلغمونی وما اشبہ[2] موفق الدین ابن ابی اصیبعہ نے حبیش بن الحسن کے فکرو اجتہاد اور نقل و ترجمہ کو درخور غور و نظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول ۲۰۲

سے مراد افاطات تو یا دیے ہیں۔

جواب دلیل رابع - فی الحقیقت کتاب طیماؤس افلاطون کی تصنیف ہے۔ جالینوس نے اس کی شرح کی ہے[1] اور اس شرح کا ترجمہ عربی زبان میں حنین بن اسحٰق نے کیا ہے - اس شرح طیماؤس میں جالینوس کے اصل الفاظ EPUGLMG)ag, EPITTTG ہیں - اور ان سے بھی جدری اور حصبہ مراد نہیں لی جا سکتی -

یہاں ایک قابل غور چیز یہ ہے کہ خود زکریا رازی کو اقرار ہے کہ جالینوس نے جدری اور حصبہ کے متعلق محض ناکافی اشارات سے کام لیا ہے - چنانچہ ایک مقام پر اپنی کتاب الجدری والحصبہ میں آپ لکھتے ہیں :-

فاما من قال انه لم یذکر له علاجاً خاصاً ولا کلاماً کافیاً ولا سبباً مقنعاً فقد صدق	جو شخص یہ کہتا ہے کہ جالینوس نے جدری اور حصبہ کا کوئی علاج خاص ذکر نہیں کیا بلکہ ناکافی علاج اور نا تسلی بخش سبب کے ذکر پر اکتفا کیا ہے وہ سچا ہے -

غالب قیاس یہ ہے کہ زکریا رازی نے جالینوس کی اصل کتب ملاحظہ نہیں فرمائیں - بلکہ آپ نے صرف حبیش بن الحسن کے تراجم پر اعتماد فرمایا ہے اور حبیش کے غلط ترجمے نے آپ کو اعتماد میں رکھا ہے جس کی بنا پر آپ نے دلائل متذکرہ قائم کئے ہیں مشہور طبیب نیلیوس فان ڈیک کی بھی رائے ہے اور وہ اس حقیقت کی چہرہ کشائی اس طرح کرتے ہیں -

هذه العلة لم یعرفها القدماء واصله مجهول وقول الشیخ الرازی ان جالینوس ذکرها مبنی علی خطاء ترجمة کتاب جالینوس[2]	قدماء کو اس بیماری کا علم نہ تھا - اس کی ابتدا صحیح طور پر نامعلوم ہے - شیخ زکریا رازی کا یہ کہنا کہ جالینوس نے اس کا ذکر کیا ہے - کتاب جالینوس کے

---

[1] اس تصریح کی روشنی میں زکریا رازی کا قول " قال فی الرابعة من کتاب طیماؤس " صحیح نہیں ۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب الجدری والحصبہ صفحہ ۔۔

ترجمہ کی غلطی پر مبنی ہے۔

یہاں بھی اس تلخ حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عربی دورِ تالیف میں ترجمہ کی غلطیوں نے طب کے بعض مباحث کو نہایت پیچیدہ بنا دیا ہے اور بعض مسائل کو حکمائے یونان کے منشا کے یکسر خلاف غلط فہمی کی بنا پر سرتاسر مختلف رنگ میں پیش کیا ہے اور پھر یہ غلطیاں مسلمات کی شکل اختیار کر کے آج تک ہماری کتب میں چلی آرہی ہیں۔ تاریخ طب کا یہ ایک نہایت اہم باب ہے۔

"تاریخی شواہد کی روشنی میں فاضل مذکر ہیلیوس فان دیکا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ مرض مسیح سے کئی سو سال پہلے دنیا میں نمودار ہوا ہے۔ علاوہ ازیں یونانی مورخ پروکیوس نے بھی اپنی کتاب حروب قبائل الفوطیین میں بالوضاحت یہ ذکر کیا ہے کہ مرض جدری ابتداءً بلادِ مصر میں سے بندرگاہ پیلوسیوم میں (جس کے آثار شکستہ آج بھی دمیاط کے قریب باقی ہیں) مسیح سے ۵۴۴ سال بعد ظہور پذیر ہوا اور یہاں سے پھر ۵۶۹ء میں قسطنطنیہ کی جانب متوجہ ہوا۔ اسی سال بہ مہینہ الاشرم الحبشی صاحب الفیل نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا۔ اور اس کی فوج میں بھی یہ مرض پھیل گیا۔

اب آپ غور کیجئے کہ جالینوس کا سن ولادت ۱۳۱ء ہے[1] اور یہ مرض ۵۴۴ء میں دنیا میں رونما ہوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس مرض کے مباحث کتب جالینوس میں موجود نہیں ہو سکتے۔

۵۴ء ابن ابی اصیبعہ نے اس رسالہ کا نام مقالۃٌ فی الحصیٰ فی الکلیٰ والمثانہ ذکر کیا ہے[2]۔ الحصیٰ فی الکلیٰ والمثانہ کے عنوان سے یہ مقالہ ہمارے مطالعہ سے بھی گزرا ہے اور حال میں ایک طبی مجلہ نے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا ہے[3]

---

[1] کما ورد فی عیون الانباء فی طبقات الاطباء ۔ لابن ابی اصیبعہ المطبوعۃ الطبعۃ الوھبیۃ حیث قال المؤلف وکان مولد جالینوس بعد زمان المسیح بتسع وخمسین سنۃ علی ما ارخہ اسحٰق۔

[2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء ۔ جلد اول صفحہ ۱۰۳۔

[3] ملاحظہ ہو۔ مجلہ طب و جراحت لاہور بابت جون ۱۹۵۰ء۔

یہ مقالہ دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں ان تدابیر کو ذکر کیا گیا ہے جو پتھری کی پیدائش کو روکتی ہیں۔ اور دوسرے حصّے میں درد کی نوبت سے پہلے۔ نوبت کے بعد اور نوبت کے وقت کے لئے تدابیر ضروریہ بیان کی گئی ہیں۔

فنّی حیثیت سے یہ رسالہ بہت سی مفید اور کارآمد معلومات پر مشتمل ہے اور بلاشبہ رازی کی معلومات کی روشنی میں ہم اس سے بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں۔

[۵۵] جمال الدین بن القفطی نے اپنی کتاب میں اس تالیف رازی کا نام کتاب فی الاسباب المميلة لقلوب الناس عن افاضل الاطباء الی اخسائهم بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۲۱۴)۔

[۵۶] رازی کی تصانیف کے ذکر کے سلسلے میں یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتب مذکورہ کے علاوہ رازی کی بعض نہایت اہم کتابیں ابھی باقی ہیں۔ جن کو پروفیسر براؤن نے ذکر نہیں کیا۔ اور ان میں سے اکثر کتابیں زیور ترجمہ و طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہیں۔

ان میں سے ایک کتاب کا نام مرشد ہے۔ جس کو کتاب الفصول بھی کہتے ہیں۔ اور جس کا لاطینی ترجمہ سنہ ۱۵۳۸ء میں طبع ہو چکا ہے۔ القفطی کی تاریخ الحکماء[۱] اور ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء[۲] میں اس کتاب کا ذکر موجود ہے۔ دوسری کتاب منافع الاغذیہ و دفع مضارّہا ہے۔ جو سنہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع بولاق مصر میں طبع ہو چکی ہے[۴]۔ اور تیسری تالیف کتاب العلل ہے۔ جس کو جیرارڈ آف کریمونا نے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا[۵]۔

ان کے علاوہ رازی کی ایک اہم تالیف تحفۃ الملوک ہے۔ جس کو نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں ذکر کیا ہے[۶]۔ مگر اس کی نسبت چہار مقالہ کے حاشیہ نگار علامہ محمد بن عبد الوہاب

---

[۱] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ لیدن :: [۲] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۲۷۵ ::

[۳] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۲۱ [۴] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۷ ::

[۵] ملاحظہ ہو ——— اسلامی میڈیسن از ڈاکٹر ڈونلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۰ [۶] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۱۰۷ ::

قزوینی لکھتے ہیں کہ :-

" دریں ہیچ موضع دیگر تالیف محمد بن ذکریائے رازی نام ایں کتاب نیافتم "[1]

مگر میرا ظن ہے کہ غالباً تحفۃ الملوک سے نظامی عروضی کی مراد رازی کی کتاب ملوکی ہے جس کو رازی نے علی بن صاحب طبرستان کے لئے تالیف کیا تھا۔ اور جس کو پیرفیسر براؤن نے یہاں رازی کی بسوط کتابوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

۵۷ الحاوی ذکریا رازی کی نہایت بلند پایہ اور ضخیم کتاب ہے۔ اور ابن ابی اصیبعہ اس کی تعریف میں اس طرح رقمطراز ہے :-

وللابی بکر محمد بن ذکریا الرازی	ابوبکر محمد بن ذکریا رازی کی کتابوں میں سے
من الکتب کتاب الحاوی وھو	اس کی ایک کتاب الحاوی ہے۔ اور
اجل کتبہ واعظمھا فی	یہ کتاب علم طب میں اس کی ایک جلیل القدر
صناعۃ الطب وذالک انہ	اور عظیم المرتبہ تالیف ہے۔ کیونکہ اس
جمع فیہ کل ما وجدہ	کتاب میں اس نے امراض اور علاج الامراض
متفرقاً فی ذکر الامراض و	کے سلسلہ میں ان تمام پراگندہ معلومات
مداواتھا من سائر الکتب	کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ جو متقدمین
الطبیۃ للمتقدمین من	کی تمام کتب طبیہ میں موجود تھیں اور
الی من تأخر الی زمانہ و	ان کے بعد اس کے زمانہ تک اس
نسب کل شیء نقلہ الی قائلہ[2]	کے سامنے آئیں۔ اور اس کتاب

میں رازی نے ہر قول کو اس کے قائل کے نام سے ذکر کیا ہے "

مولانا محمد بن عبدالوہاب قزوینی چہار مقالہ کے حواشی میں لکھتے ہیں۔ کہ الحاوی کا دوسرا نام الجامع الحاصر لصناعۃ الطب ہے۔ اور یہ کتاب اپنے عہد حیات میں[3] رازی نے خود مرتب

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۶ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۱۳ ؎

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ قاہرہ ؎

منہیں کی بلکہ رازی کی وفات کے بعد ابن العمید وزیر رکن الدولہ دیلمی نے اس کتاب کے مسودات کو فراہم کر کے اس کو رازی کے شاگردوں سے مرتب کرایا تھا۔[1] پروفیسر براؤن نے بھی اپنے انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ کے حواشی میں اسی امر کی تصریح کی ہے[2] - اور ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب طبقات الاطباء میں ابوالخیر الحسن بن سوار بن بابا کے حوالہ سے اس امر کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

قال وعاش ابی ان لخفہ ابن العمید استاذ الصاحب بن عباد وھو کان سبب اظہار کتابہ المعروف بالحاوی لانہ کان حصل بالری بعد وفاتہ فطلبہ من اخت ابی بکر و بذل لہا دنانیر کثیر حتی اظہرت لہ مسودات الکتاب فجمع تلامیذہ الاطبا الذین کانوا بالری حتی رتبوا الکتاب وخرج علیہ ماھو من الاضطراب[3] -	حسن بن سوار کہتا ہے کہ رازی اپنی زندگی میں ابن العمید استاذ صاحب بن عباد کے ساتھ کچھ عرصہ رہا - اور یہ ابن العمید اس کی کتاب حاوی کے ظاہر ہونے کا سبب بنا کیونکہ اس نے رے میں رازی کی وفات کے بعد اس کتاب کو رازی کی بہن سے طلب کیا - اور اس کو اس کے عوض میں بہت سے دینار دیئے حتی کہ اس کو اس کتاب کے مسودے دستیاب ہوئے - اب ابن العمید نے رازی کے ان شاگردوں کی ایک کمیٹی بنائی جو رے میں موجود تھے - اور انہوں نے حاوی کو مرتب کر دیا - اور حاوی کی ترتیب کے متعلق جو اضطراب تھا رفع ہو گیا ۔"

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ۔

[2] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ صفحہ ۱۵۱ ۔

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۴ ۔

الفہرست میں الحاوی کی بارہ[۱۲] جلدیں بیان کی گئی ہیں اور اس سلسلے میں ابن الندیم صاحب الفہرست نے یہ بھی بتایا ہے ۔ کہ ہر ایک جلد کس کس مبحث فن پر مشتمل ہے[۱] ۔ اور پروفیسر براؤن نے اپنے انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ کے حواشی میں اس حصّہ کو انگریزی میں ترجمہ کر کے نقل بھی کیا ہے[۲] لیکن معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس بارے میں ابن الندیم کا بیان غلط ہے اور غالباً حاوی کی جلدیں دو درجن سے زیادہ ہیں ۔ کیونکہ الحاوی کا لاطینی ترجمہ پچیس[۲۵] جلدوں پر مشتمل ہے[۳] ۔ اور ابن خلکان کے بیان کے مطابق الحاوی کی جلدیں تقریباً تیس[۳۰] ہیں چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں :-

وصنف من الکتب النافعة فمن ذالک الکتاب الحاوی و ھو من الکتب الکبار یدخل فی مقدار ثلاثین مجلدا و ھو عمدة الاطباء فی النقل منه والرجوع الیه عند الاختلاف[۴]۔

رازی نے فن طب میں مفید کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک کتاب حاوی ہے جو اس کی بڑی کتابوں میں سے ہے ۔ اور اس کی تیس[۳۰] جلدیں ہیں ۔ نقل اور اختلاف رائے کے وقت استفادہ کے لئے الحاوی اطباء کی ایک بہترین کتاب ہے ۔

الحاوی کی تعریف میں علمائے مشرق کی طرح مغرب کے علمائے تاریخ و فن بھی رطب اللسان ہیں ۔ اور یہ تالیف گرامی جس طرح مشرق میں فن کی ایک بڑی ممتاز مستند اور جلیل القدر کتاب سمجھی گئی ہے اسی طرح مغرب میں بھی طب کی ایک سب سے زیادہ بلند پایہ تالیف قرار دی گئی ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اس کی نسبت لکھتے ہیں :-

" رازی کی کتاب الحاوی اس کی ایک بہت بڑی اور اہم یادگار ہے ۔ یہ کتاب علم طب اور

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب الفہرست از ابن الندیم صفحہ ۳۰۰ ۔

۲؎ ملاحظہ ہو ۔ انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ از پروفیسر براؤن صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس

۳؎ ملاحظہ ہو ۔ اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل صفحہ ۶۸ ۔

۴؎ ملاحظہ ہو ۔ وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۷۸ ۔

علم جراحت کی انسائیکلو پیڈیا ہے ۔ جس میں اس علم کے تمام شعبوں کو پچیس ۲۵
جلدوں میں جمع کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب ہم کو بتاتی ہے کہ رازی نظریات میں بقراط
کا اور اعمال طب میں جالینوس کا پیرو تھا ۔ اور یہ تالیف عرصہ تک علم الادویہ
کے متعلق یورپ میں مستند معلومات کا ذخیرہ قرار دی جاتی رہی ہے ۔[1]
خوش قسمتی سے دہلی میں حکیم اجمل خاں مرحوم کے کتب خانہ میں بھی حاوی کے بعض
حصص موجود ہیں ۔ اور میرا ارادہ ہے کہ کبھی رازی کے علم طب کی روشنی میں ان پر مفصل تبصرہ
کروں گا ۔

۵۸ ابن ابی اصیبعہ علی بن عباس مجوسی اور اس کی کتاب الملکی کی نسبت اس طرح
رقم طراز ہے :-

علی بن العباس المجوسی من الاهواز
وکان طبیباً مجیداً متمیزاً فی
صناعة الطب وهو الذی
صنف الکتاب المشهور
الذی یعرف بالملکی للملک
عضد الدولة فنا خسرو
بن رکن الدولة ابی علی حسن
بن بویه الدیلمی وهو
کتاب جلیل مشتمل علی
اجزاء الصناعة الطبیة علمها
وعملها[2]

علی بن عباس شہر اہواز کا مجوسی علم طب
میں ایک نہایت ممتاز اور گرامی منزلت
طبیب تھا ۔ اس نے بادشاہ عضد الدولہ
فنا خسرو بن رکن الدولہ ابو علی حسن بن
بویہ دیلمی کے لئے اپنی مشہور کتاب تالیف
کی ۔ جو الملکی کے نام سے معروف ہے
اور یہ ایک جلیل القدر کتاب ہے جو
طب کے علمی اور عملی اجزاء
پر مشتمل ہے ۔

علامہ محمد بن عبد الوہاب القزوینی اسی سلسلے میں لکھتے ہیں :-

---

[1] مقتبس از عربین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۶۸ ۔
[2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۳۶

کتاب کامل الصناعة الطبیہ کتابیست مبسوط بزبان عربی در علم طب تالیف علی بن عباس المجوسی الاهوازی ارجانی المتوفی ۳۸۴ھ و ے از مشاہیر اطباء[1] عصر خود و طبیب بخصوص مذکورشاہنشاہ عضد الدولہ دیلمی بود[2]

کامل الصناعة عربی زبان میں علم طب کی ایک مبسوط کتاب ہے۔ جس کو علی بن عباس مجوسی اہوازی ارجانی المتوفی ۳۸۴ھ نے تالیف کیا ہے علی بن عباس اپنے زمانے کے مشاہیر اطباء میں سے تھا۔ اور عضد الدولہ دیلمی کا طبیب خاص تھا۔

۵۹ علی بن عباس مجوسی کے مذہب کے متعلق اختلاف ہے اس سلسلے میں علامہ محمد عبد الوہاب قزوینی حواشی نگار چہار مقالہ کی یہ رائے ہے کہ علی بن عباس مذہباً مجوسی تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں ۔ " اگرچہ اسم او علی ست دلے کیش او مجوسی بودہ است "[1] پھر جمال الدین بن القفطی کی تاریخ الحکماء[3] سے اور ہر براؤن کی تاریخ عادم طبیہ[4] سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ اور ابن ابی اصیبعہ کی تحریر[5] سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ علی بن عباس کا مذہب مجوسیت تھا ۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ واضح لفظوں میں علی بن عباس کو المجوسی من الاہواز (اہواز کا مجوسی) کہہ کر یاد کرتا ہے ۔

مگر بخلاف ازیں وقیع شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ علی بن عباس مسلم تھا ۔ اور اس کو مجوسی محض اس لئے کہا جاتا ہے ۔ کہ وہ مجوسیوں کے خاندان سے تھا ۔ اور اس کا باپ یا دادا مجوسیت ترک کرکے اسلام لایا تھا ۔ چنانچہ پروفیسر براؤن کی مصرحۂ متن عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ علاوہ ازیں پروفیسر براؤن اپنے حواشئ انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۲۴ ؛ [2] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ؛
[3] ملاحظہ ہو ۔ تاریخ الحکما صفحہ ۲۳۲ ؛ [4] ملاحظہ ہو براؤن کی تاریخ الطبابہ صفحہ ۲۳۷ ؛
[5] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء صفحہ ۲۳۶ ؛

"غالباً علی بن عباس کا باپ یا دادا زرتشتی مذہب سے اسلام میں آیا۔ اور اسی لئے علی بن عباس کو مجوسی کہا جاتا ہے[۱]۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر چیز یہ بھی ہے۔ کہ الملکی کے مصری ایڈیشن میں جو قاہرہ میں طبع ہوا ہے ہر جگہ مجوسی کو بتشدید جیم لکھا گیا ہے۔ اور علامہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی کو مصحح کتاب سے اس امر کی شکایت[۲] ہے۔ مگر ظاہر ہے۔ کہ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ الملکی کا مصحح علی بن عباس کو اپنے معروف معنی میں مجوسی نہیں سمجھتا۔

پھر ایک غور طلب امر یہ ہے کہ اس کا نام علی بن عباس ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کے نام مجوسیوں کے نہیں ہوا کرتے۔ اور اس سلسلے میں ایک اور واضح ثبوت یہ ہے کہ وستنفلڈ نے اپنی کتاب تاریخ اطباء میں اور وانڈیک امریکانی نے اپنی کتاب اکتفاء القنوع بما ہو المطبوع میں علی بن عباس کا لقب علاء الدین بیان کیا ہے[۳]۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے القاب جن میں لفظ دین آتا ہے مخصوص باسلام ہیں۔

۶۰ ابن ابی اصیبعہ نے ان کتابوں کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۳۶)

۶۱ الملکی کا اصل نام کامل الصناعۃ ہے اور ملکی اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔ کہ یہ کتاب ملک یعنی بادشاہ عضد الدولہ کے لئے لکھی گئی۔ جیسا کہ علی بن عباس نے اس کتاب کے دیباچہ میں خود واضح کیا ہے۔

قاہرہ کے علاوہ اس کتاب کا ایک اصل عربی نسخہ ۱۲۸۳ھ المطابق ۱۸۶۶ء میں ہونہ میں بھی چھپا ہے۔ اور اس کا لاطینی ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۴۹۲ء میں وینس میں اور دوسری مرتبہ ۱۵۲۳ء میں لائینس میں طبع ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو حواشی انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ از پروفیسر براؤن صفحہ ۱۵۴)

---

۱ ملاحظہ ہو۔ انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۱۵۴ ۲ ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۵

۳ ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ لیدن

۲۲ ڈاکٹر ایڈین مکلارک نے اپنی کتاب ہسٹ ڈی لا میڈیسن ادیب کی جلد اوّل میں (صفحہ ۳۸۳ سے صفحہ ۳۸۷ تک) فرانسیسی زبان میں اس تعارفی حصہ کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حواشی انگریزی ترجمہ چہار مقالہ از پروفیسر براؤن صفحہ ۱۵۱)۔

۲۳ یہ حالات ایک رسالے میں موجود ہیں۔ جس کا ابتدائی نصف حصہ شیخ بوعلی سینا نے مرتب کیا ہے۔ اور آخری نصف حصہ اس کے شاگرد ابوعبید جوزجانی نے سپرد قلم کیا ہے۔ اور اس میں ابوعبید جوزجانی نے جرجان میں شیخ کے ساتھ اپنی ابتدائی ملاقات کے وقت سے لے کر اس کی آخر عمر تک کے حالات لکھے ہیں۔ اور اس رسالہ کو شیخ کے حالات میں ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں تمام و کمال اور قفطی نے تاریخ الحکما میں ملخص کر کے نقل کیا ہے۔ اور اصل رسالہ برطانی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں موجود ہے۔[۱]

شیخ کی تصانیف اور حالاتِ زندگی کے ساتھ اس ابوعبید جوزجانی کو جس کا پورا نام ابوعبید عبدالواحد بن محمد الفقیہ الجوزجانی ہے۔ خاص تعلق ہے۔ یہ ابوعبید جوزجانی شیخ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اور شیخ سے اس کی پہلی ملاقات جرجان میں ۴۰۳ھ میں ہوئی جبکہ شیخ کی عمر تقریباً بتیس ۳۲ سال کی تھی۔[۲] اور اس کے بعد وہ آخر تک یعنی اوّل یوم ملاقات سے لے کر پچیس ۲۵ سال تک تا وفات شیخ اس کی خدمت میں رہا۔

ابوعبید جوزجانی ہمیشہ شیخ کی توجہ تصنیف و تالیف کی جانب مائل کرتا رہتا تھا کیونکہ شیخ کو سلطنت کے اعلیٰ مناصب کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لئے بہت کم فرصت میسر آتی تھی۔ اور اس لئے وہ اکثر کتابیں رات کے وقت۔ ایام اسیری میں یا دوران سفر میں لکھا کرتا تھا۔

ابوعبید جوزجانی نے اکثر کتابوں کی تالیف و تصنیف میں بھی شیخ کی مدد کی ہے۔ اور اس نے ہی شیخ کی وفات کے بعد مختلف اطراف و اکناف سے اس کی کتابوں کو جمع کر کے مرتب و مدوّن کیا ہے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ابوعبید جوزجانی کی سعی و ہمت

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ حواشی چہار مقالہ از محمد بن عبدالوہاب قزوینی صفحہ ۲۲۴۔

[۲] ملاحظہ ہو۔ چہار مقالہ صفحہ ۲۵۱۔

[۳] ملاحظہ ہو۔ دیباچۂ الشفاء از ابوعبید جوزجانی۔

بروئے کار نہ آتی۔ تو شیخ کی اکثر کتابیں آج ہمارے ہاتھوں میں موجود نہ ہوتیں۔ کیونکہ شیخ کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ اپنی تالیف کے کسی نسخہ کی حفاظت نہ کرتا تھا۔ اور وہ کتاب کے اصل نسخہ کو اس شخص کے حوالہ کر دیتا تھا۔ جس کے لئے وہ اس کو لکھا کرتا تھا۔

اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر امر یہ ہے۔ کہ شیخ کی وفات کے بعد کتاب دانش نامۂ علائی کی ترتیب و تدوین میں ابوعبید جوزجانی کا بہت بڑا حصہ[۱] ہے۔ اور شیخ کی کتاب الشفاء کا دیباچہ بھی ابوعبید جوزجانی ہی کے قلم کی یادگار ہے۔

۶۴ شیخ بوعلی سینا ۴۰۵ھ اور ۴۱۲ھ کے درمیان شمس الدولہ کی ملازمت میں دو مرتبہ رہا۔ اور جب شمس الدولہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سماء الدولہ تخت نشین ہوا۔ تو اس وقت شیخ اصفہان چلا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر وہ علاء الدولہ بن کاکویہ المتوفی ۴۳۳ھ کے ندمائے خاص اور مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ اور وہاں اس نے علاء الدولہ کے نام پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور آخر عمر تک اسی کی خدمت میں رہا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۴۱۹ و طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۵ و ۹)۔

۶۵ شیخ قریہ مزینان میں جو شہر نسا کے نواح میں واقع ہے۔ ۳۸۰ھ کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اس نے عیسیٰ بن یحییٰ[۲] اور ناتلی اور شیخ اسمٰعیل زاہد[۳] سے حاصل کی۔ اور اپنی حیرت انگیز ذہانت اور فطانت کے باعث سولہ سال کی عمر میں تقریباً فارغ التحصیل ہو گیا[۴]۔ جب شیخ کی خداداد قابلیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ تو اس کی مجلس درس و تدریس کے سامنے تمام فضلاء و مشائخِ عصر کی مجالس علمیہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ شیخ کا شغف اور انہماکِ علمی اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ شبانہ روز کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتا تھا۔ جب تھک جاتا تو تھوڑا سا پانی پی لیتا۔ اور پھر مطالعہ شروع کر دیتا تھا۔ اس عرصے بڑھے ہوئے شوق مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ رات کو مسائلِ علمیہ کو سوچتے سوچتے کبھی سو جاتا تو اکثر خواب میں مسائل

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۲۰۰۔ [۲] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۱۵۶
[۳] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲ [۴] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳

اس کو خواب ہی میں حل ہو جاتے تھے اور ایک مرتبہ ایک کتاب اس کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے
اس کو چالیس مرتبہ پڑھا۔ حتیٰ کہ وہ اس کو حفظ ہو گئی [1]

شیخ کو متقدمین و متاخرین کے مابین حد فاصل مانا جاتا ہے۔ اور معلم اول یعنی ارسطو کے
بعد حکماء میں شیخ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ اور شیخ تقریباً ایک سو پانچ تالیفات کا مؤلف ہے
جن میں الشفاء کی اٹھارہ جلدیں ہیں۔ اور قانون چودہ جلدوں میں ہے۔ اہل مغرب نے
شیخ بو علی سینا کا یورپین نام ایوی سینا Avicenna رکھا ہے۔ اور تمام
یورپ اس کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل۔ اس کا تعارف
اس طرح کراتے ہیں:۔

"ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا یعنی مغرب میں بادشاہ طب کے لقب سے مشہور تھا اور
تمام عربی حکماء اور فلسفیوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف تھا۔ تمام دنیائے اسلام اور مغربی یورپ میں اس کا
رعب چھایا ہوا تھا۔ اور اس کی تصانیف تمام مسیحی طلباء کے نصاب تعلیم کا اہم حصہ تھیں [2]

شیخ نے علم مابعد الطبیعات میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اور اس نے بقراط اور جالینوس
کے نظریات کو ارسطو اور دیگر قدیم طبی مصنفین کی ترمیم کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور جالینوس اور
ارسطو کی تعلیمات میں تطابق کی کوشش کی ہے [3]۔

اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ شاہ ہمدان کا وزیر مقرر ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ درباری سازش
کے باعث اصفہان جانے پر مجبور ہو گیا۔۔ اور وہاں وہ درباری حکیم اور فلسفہ اور طب کا لیکچرر
مقرر ہوا۔

بلاشبہ وہ بہت اعلیٰ دماغی قابلیت کا مالک تھا کیونکہ اس نے اکیس سال کی عمر میں ریاضی
کے علاوہ تمام علوم و فنون پر ایک انسائیکلوپیڈیا (غالباً شیخ کی کتاب لسان العرب مراد ہے)
مرتب کی لیکن غالباً سخت دماغی محنت کے باعث وہ جلد مر گیا۔ اور ہمدان میں دفن کیا گیا [4]۔"

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲ ۔ [2] ملاحظہ ہو۔ اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۸ ۔ [3] ملاحظہ ہو۔ اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۶۹ ۔
[4] ملاحظہ ہو۔ اربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۷۸ ۔

المختصر یہ کہ یہ امر واضح ہے کہ بوعلی سینا جس کو نظامی عروضی حکیم المشرق اور حجۃ الحق علی الخلق کے لقب سے یاد کرتا ہے[1]۔ تمام یورپ کا ممدوح اور محسن ہے۔ اور اس کے علم و فضل کی عظمت کا آوازہ تمام یورپ میں گونج چکا ہے۔ چنانچہ پروفیسر براؤن بھی اپنے انگریزی حواشی چہار مقالہ میں اس امر کی تصریح کرتے ہیں۔ کہ بوعلی سینا کے علم و ذہانت کا عظیم الشان اثر صرف مشرق ہی پر نہ تھا۔ بلکہ تمام یورپ پر بھی چھایا ہوا تھا[2]۔ اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ آج بھی جرمنی کی درسگاہوں میں شیخ کی آراء سے استناد کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وہ کتابیں جو آج اس کے مولد و وطن یعنی ایشیا میں موجود نہیں۔ یورپ کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

شیخ کی زندگی ایک عجیب حیثیت نظر آتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی اس کو ایک جگہ چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ کبھی وہ سلاطین عصر کے خوف سے ہمدان سے اور اصفہان میں اپنی کتابیں بغل میں دبائے ہوئے بھاگا ہوا پھرتا ہے۔ کبھی اس پر مصائب و نوائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ اور وہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا ہے۔ اور کبھی اس پر الحاد و زندقہ کے تیروں کی بارش ہوتی ہے۔ اور وہ ابنائے زماں کی جہالت پر ماتم کرتے ہوئے نادان دنیا کے سامنے اپنی ایک فارسی رباعی پیش کرتا ہے۔ جس کا دوسرا شعر حسب ذیل ہے ؎

در دہر چو من یکے و آں ہم کافر   پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

پھر کبھی شمس الدولہ کے دربار میں اس کی رسائی ہوتی ہے اور قلمدانِ وزارت اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ مگر تماشا یہ ہے۔ کہ با اینہمہ مصائب و مشاغل تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ شیخ کی زندگی ایک نہایت عجیب مگر شاندار زندگی ہے۔ اور ان چند سطور سے شیخ کی زندگی کے حالات کا احصاء مقصود نہیں۔ بلکہ ضمناً شیخ کے متعلق پروفیسر براؤن کے بیانات پر بعض چیزیں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ جو عرض کر دیں ورنہ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷۱ ۔ [2] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۱۵۵ ۔

۶۶؎ اپنے انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ کے حواشی میں پروفیسر براؤن نے بیان کیا ہے ۔ کہ شیخ اگست ۹۸۰ء کو پیدا ہوا ۔ اور ماہ جون ۱۰۳۶ء کو ہمدان میں گزرائے عالم جاودانی ہوا ۔ طاب اللہ ثراہ ونور مرقدہ بانوار رحمتہ ۔

خاک پاک ہمدان میں اب تک شیخ کا مدفن مقدس موجود ہے ۔ جو زیارت گاہ خلائق ہے ۔ اور اس مقدس مزار کی ایک تصویر سر ولیم آوسلر نے اپنی کتاب اے وولیوشن آف ماڈرن میڈیسن Evolution of Modern Medicine میں شائع کی ہے ۔

۶۷؎ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۶ پر اس مفہوم کا کوئی شعر مذکور نہیں ۔ ہاں صفحہ ۹ پر حسب ذیل قطعہ مسطور ہے ۔

رایت ابن سینا یعادی الرجال — وبالحبس مات اخس الممات

تو نے ابن سینا کو دیکھا جو لوگوں سے دشمنی کرتا تھا — قبض کی بیماری سے نہایت بری موت مر گیا ۔

فلم یشف ما نالہ بالشفا — ولم ینج من موتہ بالنجات

اس کو الشفاء نے شفا نہ بخشی — اور اس کو النجات نے موت سے نجات نہ دی

الشفاء اور النجات شیخ کی دو کتابوں کے نام ہیں ۔

۶۸؎ کتاب دانش نامۂ علائی شیخ نے فارسی زبان میں علاء الدولہ ابوجعفر محمد بن دشمنزیار معروف بابن کاکویہ کے نام پر لکھی تھی ۔ اور اسی لئے اس نے اس کا نام دانش نامۂ علائی رکھا تھا اور اس میں منطق الٰہی وطبیعی ۔ ریاضی ۔ ہیئت ۔ موسیقی اور ارثماطیقی کی بلند پایہ معلومات سپرد قلم کی تھیں ۔

مگر صورت یہ ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد منطق او حکمت الٰہی وطبیعی کے حصص کے علاوہ اس کتاب کا کوئی حصہ نہ تھا ۔ جو تلف نہ ہو چکا تھا ۔ لہٰذا جیسا کہ ابوعبید جوزجانی دیباچۂ ریاضیات دانش نامۂ علائی میں خود ذکر کرتا ہے ۔ اس نے اقلیدس کے حصہ کو شیخ کی کتاب الشفاء سے ترجمہ اور مختصر کر کے اور ریاضی ہیئت اور موسیقی کی معلومات کو شیخ کی دیگر

۱؎ ملاحظہ ہو ۔ حواشی انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ صفحہ ۱۵۶ ۔

کتب عربیہ سے فارسی میں ترجمہ کر کے کتاب دانش نامۂ علائی میں شامل کیا[1] اور اس طرح یہ تمام علوم و فنون کی ایک جامع کتاب دانش نامۂ علائی مرتب و مدون ہوئی جس کو آج مغربی مستشرقین علوم و فنون کی فارسی انسائیکلوپیڈیا کے نام سے یاد کرتے ہیں[2]۔ آج دنیا میں اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔ اور پروفیسر براؤن نے اپنی عبارت میں اس کا برطانی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں ایک نسخہ بیان کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ نہیں بلکہ دو قلمی نسخے موجود ہیں[3]۔

۶۹۔ ان تالیفات کے علاوہ شیخ کی ایک اور بے نظیر طبی تالیف بھی ہے جس کا نام چہار مقالہ میں نظامی عروضی نے تدارک انواع الخطاء فی التدبیر الطبی بیان کیا ہے[4]۔ اور حاشیہ نگار چہار مقالہ علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے اس کا پورا نام دفع المضار الکلیۃ عن الابدان الانسانیۃ بتدارک انواع خطاء التدبیر ذکر کیا ہے[5]۔

یہ کتاب ۱۳۰۵ء میں مطبع بولاق مصر میں محمد بن ذکریا رازی کی کتاب منافع الاغذیہ و دفع مضارہا کے حاشیہ پر شائع ہوتی ہے اور اس کے متعلق علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی یہ تصریح کرتے ہیں۔ کہ یہ کتاب شیخ نے علی بن مامون خوارزم شاہ کے وزیر ابوالحسین احمد بن محمد السہلی کے لئے تالیف کی تھی[6]۔

اس کے علاوہ اس وزیر ابوالحسین احمد بن محمد السہلی کے لئے شیخ نے ایک اور کتاب قیام الارض فی وسط السماء بھی لکھی تھی۔ چنانچہ ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں[7]۔ قفطی نے تاریخ الحکماء میں[8]۔ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں[9]۔ اور یاقوت الحموی نے معجم الادباء میں[10]۔ بیان کیا ہے کہ شیخ نے ابوالحسین احمد بن محمد السہلی کے لئے دو کتابیں لکھیں ۔ ایک

---

[1] ملاحظہ ہو۔ حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۴ ؛ [2] ملاحظہ ہو۔ انگریزی ترجمہ چہار مقالہ صفحہ ۲۵۶

[3] ملاحظہ ہو حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۵ ؛ [4] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷۱ مطبوعہ لیدن ۔

[5] ملاحظہ ہو حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۳۷ ؛ [6] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۳۷ ؛

[7] ملاحظہ ہو یتیمۃ الدہر جلد دوم صفحہ ۱۶۵ ؛ [8] ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء صفحہ ۴۱۷ ؛

[9] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۹ و ۲۰ [10] ملاحظہ ہو معجم الادباء جلد دوم صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴

قیام الارض فی وسط السماء اور دوسری کتاب التدارک انواع خطاء التدبیر ؛
علاوہ ازیں شیخ کی متعدد قلمی اور مطبوعہ تالیفات مثلاً الارجوزۃ السینائیہ۔ (مطبوعہ کلکتہ)
رسالہ سکنجبین (قلمی)، مجموعہ لبست وہشت رسائل شیخ الرئیس۔ رسالۃ الفصد۔ رسالۃ الہندبہ
تقاسیم الحکمۃ۔ رسالۃ فی علاج حمی شطر الغب۔ رسالہ درجواب مسائل طبیہ و رسالۃ فی القولنج
رسالۃ فی حفظ الصحت۔ رسالۃ فی علم الکیمیا وغیرہ حیدرآباد دکن میں موجود ہیں[1]
پھر اسی حیدرآباد دکن میں حکمائے اسلام کے تقریباً ۲۳ رسائل کا جو ایک اور نایاب ترین
قلمی مجموعہ موجود ہے۔ اس میں شیخ کے چار رسائل (۱) جوابات بوعلی لسوالات ابوریحان بیرونی
(۲) مقالۃ ابی سینا فی تعریف الذات المحصل الذی تحمت بر دیۃ الا ذہین بجوہر الاجسام۔
(۳) کتاب الحدود (۴) سیرت شیخ الرئیس و فہرست کتبہ بھی شامل ہیں۔
یہ مجموعۂ رسائل ایک نہایت نادر و نایاب چیز ہے اور اس میں شیخ کے متذکرۂ صدر رسائل
کے علاوہ ابونصر فارابی۔ اسکندر افرودیسی۔ ابی سلیمان محمد بن طاہر شیخ شہاب الدین مقتول
ابوالفرج بن الطیب۔ وغیرہ اکابر سلف کے بھی بہت سے بیش قیمت رسائل شامل ہیں۔
اس مجموعہ کی کتابت ۱۰۲۲ھ میں ہوئی۔ اور اس کے پہلے صفحہ پر نو مہریں ثبت ہیں جس میں سے
ایک عنایت خاں شاہجہانی کی ہے اور دوسری شاہجہانی عہد کے مشہور خطاط عبدالرشید
دیلمی کی ہے۔
ایک جگہ ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعۂ رسائل شاہجہان کے سسرالار
آصف خاں کے کتب خانہ کی زینت بھی بن چکا ہے جو نورجہاں کا بھائی اور ممتاز محل کا باپ
تھا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ مجموعہ ان نادر و بیش قیمت رسائل پر مشتمل ہے۔ جن کی نظیر آج
یورپ میں بھی بمشکل ملے گی[2]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طب اسلامی صفحہ ۵۵۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ؛

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۲۸۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ؛

علاوہ ازیں قانون کا ایک اور ضخیم اور خوبصورت عربی متن بھی موجود ہے۔ جو ۱۹۰۶ء میں مطبع نامی لکھنؤ (ہندوستان) میں مولانا ابوالحسنات قطب الدین کے زیر اہتمام لیتھو میں چھپا ہے اور پھر قانون کا ایک اردو ترجمہ بھی ملتا ہے۔ جو مولانا غلام حسنین کنتوری نے سپرد قلم کیا ہے اور مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا ہے۔ غالباً یہ چیزیں پروفیسر براؤن کی نظر سے نہیں گزریں۔

[1] ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اپنی کتاب عربین میڈیسن میں قانون کی تعریف میں ایک بلیغ مضمون سپرد قلم فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

بوعلی سینا کی بیک تصانیف میں سب سے زیادہ اہم تصنیف القانون فی الطب ہے۔ آج تک اس کتاب کو علم طب کا ایک عظیم الشان اور گراں قدر خزانہ سمجھا جاتا ہے اور اس میں بوعلی سینا اپنی لطافت بیان میں ارسطو اور جالینوس پر گوئے سبقت لے گیا ہے[2]

پھر یونانی طب کی تکمیل کے لئے قانون کا عمیق مطالعہ نہ صرف اسلامی دنیا ہی میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یورپ میں بھی یہ کتاب صدہا برس تک طبی درس گاہوں کے نصاب تعلیم کا ایک اہم حصہ بنی رہی ہے۔ چنانچہ عربین میڈیسن میں ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ قانون جو عربی اور یونانی طب کا ایک آخری مجموعہ ہے یورپ کی یونیورسٹیوں میں پندرھویں صدی عیسوی کے آخر تک کل نصاب تعلیم کا نصف سے زیادہ حصہ رہا ہے اور مونٹ پیلیر Montpellier اور لووین Louvain کی یونیورسٹیوں میں ۱۶۵۰ء تک داخل نصاب تھا۔

علاوہ ازیں یورپ میں قانون کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے۔ کہ بقول ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل مختلف سنین میں لاطینی زبان کے اندر یورپ میں قانون کے تقریباً تیس ۳۰ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں منجملہ ان کے ۱۴۷۳ء ۱۴۷۶ء ۱۴۷۹ء ۱۴۸۲ء

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۷۸ ۔

[2] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۶۹ ۔

۱۴۸۶ء ۱۵۲۷ء ۱۵۴۴ء ۱۵۵۵ء ۱۵۹۵ء اور ۱۶۰۸ء میں قانون کے متعدد مغربی ایڈیشن شائع ہوئے۔ جیرارڈ آف کریمونا نے بھی قانون کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور اس کا ایک ایڈیشن روما میں ۱۵۹۳ء اور دوسرا ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا اور اس کا ایک عبرانی ترجمہ بھی نداآن نے ۱۴۹۱ء میں شائع کیا[1]۔

اور اس سلسلے میں مزید معلومات یہ ہیں کہ مکمل قانون ایک مرتبہ ۱۵۱۰ء میں بمقام پادوی طبع ہوا پھر ۱۵۲۰ء میں وینس میں چھپا اور اس کے بعد پھر وینس ہی میں ۱۵۲۲ء میں پانچ جلدوں میں مع تشریحات چھاپا گیا۔ اور یہاں وینس ہی میں ۱۵۳۰ء میں یعقوب ٹیپنوس نے لاطینی میں اس کا ایک ملخص طبع کرایا۔ جس کا نام اس نے طریق علاج رکھا۔ پھر ۱۵۴۳ء میں قانون کی بعض تشریحات کو مشہور فلسفی طبیب پریڈینوس نے ترتیب دے کر چھپوایا۔ اور ۱۵۴۴ء میں یہ کتاب پھر وینس میں اور ۱۵۵۶ء میں باسل میں طبع ہوئی۔

ازاں بعد روما میں اس کا ایک خاص عربی ایڈیشن عربی زبان میں پہلی دفعہ چھپا۔ اس سے پہلے باقی سب نسخے لاطینی میں تھے۔ یہ آخری ایڈیشن نہایت خوش خط اور مصور تھا اور اس میں طبی تشریحات کے متعلق نہایت عمدہ تصویریں تھیں اور یہ سارا نسخہ نقش و نگار سے آراستہ تھا اور پھر ۱۵۹۳ء میں اس کا ایک اور ایڈیشن نکلا[2]۔

قانون کا عرض طول

مختصر لفظوں میں قانون کا عرض و طول یہ ہے کہ یہ کتاب گرامی تقریباً دس لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے۔ اور اس کی پانچ جلدیں ہیں۔ پہلی جلد امور کلیہ کے بیان میں ہے۔ اور اس میں امور طبیعیہ پر طبی نقطۂ نگاہ سے ایک نہایت اہم اور جامع بحث کرتے ہوئے اعضاء کے ماتحت علم تشریح و علم وظائف اعضاء کو بیان کیا گیا ہے۔

پھر امراض و اسباب و اعراض کلیہ کا ذکر ہے اور اس سلسلے میں اجناس امراض یا

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن از ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۰ ؛

[2] ملاحظہ ہو فروری نمبر ۱۹۳۲ء اورینٹل کالج میگزین لاہور ؛

یا تاثیر ہوا۔ احکام فصول اکل و شرب نوم و یقظہ حرکت و سکون جسمانی یا نفسانی ۔ احتباس و استفراغ ۔ مسخنات و مبردات و مرطبات و مجففات ۔ اسباب اتساع مجاری ۔ اسباب خشونت اسباب سوء المجاورۃ اسباب حرکات غیر طبعیہ اسباب تفرق اتصال، اسباب لذۃ، کیفیت ایلام وغیرہ کو ذکر کیا ہے ۔ اور اس کے بعد امراض و دلائل و علامات ۔ نبض و بول و براز ۔ صحت و مرض ۔ ضروریات نوت ۔ تربیت جسمانی ۔ تدبیر امراض و عوارض ۔ اصول کلیہ معالجہ وغیرہ پر نہایت سیر حاصل بحث کی گئی ہے

اس کے بعد دوسری جلد میں ادویۂ مفردہ کا بیان ہے اور اس میں بہ ترتیب ابجد الف سے لے کر غین تک بے شمار دواؤں پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ اور اس ضمن میں شیخ کا حسن بیان یہ ہے کہ پہلے وہ کسی مفرد دوا کا نام بیان کرتا ہے ۔ پھر اس کی ماہیت ذکر کرتا ہے ۔ پھر اس کی طبیعت کو بتلاتا ہے ۔ پھر افعال و خواص کو لیتا ہے ۔ اور اس سلسلے میں مندرجہ عناوین کے ماتحت وہ یہ واضح کرتا ہے کہ اس دوا کا عمل اعضائے راس پر کیا ہے ۔ اعضائے نفس و صدر پر کیا ہے ۔ اعضائے غذا پر کیا ہے ۔ آلات نفض پر کیا ہے ۔ حمیات پر کیا ہے ۔ جروح و قروح پر کیا ہے ۔ اور سچ یہ ہے کہ یہیں یہ منظر دیکھ کر دور حاضر کی میٹیریا میڈیکا کا صحیح نقشہ نظر آجاتا ہے ۔

اس کے بعد تیسری جلد امراض اعضائے خاص کے بیان میں ہے ۔ اور اس میں سر سے لے کر پاؤں تک سر، صدر، معدہ، جگر، گردہ، مثانہ، آلات تناسل زنانہ و مردانہ وغیرہ کے تمام امراض اور ان کے اسباب اور طریق علاج کو نہایت بسط و شرح سے بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں تمام امراض خصوصی ۔ دردسر ۔ جنون ۔ فالج ۔ سکتہ ۔ صرع ۔ ضیق النفس سل ۔ استسقاء ۔ سنگ گردہ و مثانہ ۔ ضعف باہ وغیرہ کی ایک نہایت مبسوط بحث آگئی ہے ۔ اور اس طرح یہ تالیف تمام امراض انسانی کی ایک بہترین کتاب علاج بن گئی ہے ۔

ازاں بعد چوتھی جلد امراض عامہ کے بیان میں ہے اور اس میں ابتداءً حمیات، اور بحارین کا ذکر ہے اور پھر اورام مثلاً فلغمونی ۔ حمرہ ۔ طاعون ۔ شہری ۔ شقاقلوس ۔ سلع ۔ خنازیر ۔ مسامیر وغیرہ ۔ جذام ۔ کسر و جبر ۔ جراحات ۔ فدغ و دق و خلع وغیرہ ۔ علم السموم ۔ ادویۂ سمیہ ۔

لسع حشرات اور علم زینت پر سیر حاصل مباحث ہیں۔

بعد ازاں پانچویں جلد ادویۂ مرکبہ کے لئے مخصوص ہے۔ اور یہ گویا اطبائے یونان و عرب کی ایک مستند فارما کوپیا ہے۔ جس میں تمام اقسام کے تریاقات ومعاجین نفیسہ مثلاً تریاق فاروق، سوطیرا، معجون ہندی، معجون قیصر، معجون جالینوس، معجون ہرمس، سنجرینا، معجون غیاثی، دواء الخطاطیف وغیرہ اور بہترین ایارجات، جوارشات، سفوفات و دمائغ اشربہ و ربوبات مربیات وانبجات، حبوب واقراص دراہم واضمدہ وغیرہ کا بیان ہے اور اس ضمن میں ہر مرض کے مجرب اور خاص خاص نسخہ جات درج کئے گئے ہیں۔ اور پھر ذکر اوزان و مکائیل پر اس کتاب عزیز کو ختم کر دیا گیا ہے۔

قانون کی تلخیصات و شرح قانون کے بعد مشرق میں اس کی بے شمار تلخیصیں اور شرحیں لکھی گئیں۔ چنانچہ اس کی ایک تلخیص قانونچہ کے نام سے لکھی گئی جس کی شرح فارسی زبان میں حکیم محمد اکبر ارزانی مرحوم نے تحریر فرمائی ہے۔ قانون کی ایک دوسری مشہور تلخیص ابوالحسن قرشی نے موجز القانون کے نام سے سپرد قلم فرمائی اور اس کی شرح نفیسی، اقسرائی، کرمانی، تبریزی، سدیدی اور نفیسی کے ناموں سے لکھی گئی ہیں اور ان میں سے بعض شرحیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ آج تک داخل نصاب ہیں۔ علاوہ ازیں قانون کی ایک تلخیص خود شیخ کے ایک ممتاز شاگرد ایلاقی نے مختصر کے نام سے لکھی جس کا ایک قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۸۰ھ) حیدر آباد دکن میں موجود ہے[1]

تلخیصات قانون کی شرح کے علاوہ خود قانون کی بہت سی اور بڑی بڑی جسیم و ضخیم شرحیں لکھی گئیں۔ چنانچہ اس کی متعدد شروح شرح خجندی، شرح سمرقندی، شرح آملی، شرح قرشی، شرح گیلانی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔

~~~~ پروفیسر براؤن نے ترجمہ کرکے انگریزی میں اس کتاب کا نام ریکٹی فیکیشن آف دی قانون Rectification of the Qanun لکھا ہے۔ اور نظامی عروضی نے چہار مقالہ میں

---

[1] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۵۷
~~~~

اس کا نام اصلاح قانون تحریر کیا ہے یہی یا اسی طرز کی ایک تالیف ابن جمیع مصری کی کتاب التصریح بالمکنون فی تنقیح القانون ہے۔ جس کا ذکر ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء کی جلد دوم کے صفحہ ۱۱۵ پر کیا ہے۔

اس کتاب میں قانون پر یقیناً سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ بیان کرتا ہے۔ کہ ابن جمیع مصری اپنی تالیف کتاب التصریح بالمکنون فی تنقیح القانون میں لکھتا ہے۔ کہ ابو العلاء ابن زہر کے زمانے میں جب بو علی سینا کی کتاب قانون مغرب میں پہنچی اور ایک تاجر نے اس کتاب کا ایک نسخہ عراق سے اندلس میں لاکر ابو العلاء ابن زہر کی خدمت میں پیش کیا۔ تو ابو العلاء ابن زہر نے اس کو پھینک دیا۔ اور اس کو اپنے کتب خانہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۶۵۔

تیسرے لیکچر سے متعلق

ربیع پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب عربین میڈیسن میں اس رائے کو کئی جگہ ظاہر کیا ہے کہ عربوں کا بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ انھوں نے یونانی علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرکے ان کی حفاظت کی ہے۔ اور علوم و فنون کی تجدید، ترقی اور اختراع و ابتداع میں ان کا بہت کم حصہ ہے۔ یہاں سطور فوق میں بھی اسی جانب ایک اشارہ کیا گیا ہے لیکن درحقیقت ان کی یہ رائے یکسر غیر صحیح ہے اور پہلے لیکچر کے ایک ابتدائی نوٹ میں ہم کسی قدر وضاحت کے ساتھ اس کی تردید کرچکے ہیں یہاں اس سلسلے میں جینوا کی یونیورسٹی کے تاریخ اور فلسفۂ طب کے ایک بلند پایہ پروفیسر ڈاکٹر گمسٹن کی رائے ملاحظہ فرمائیے:۔

"بہت عرصہ تک یہ امر صحیح سمجھا جاتا رہا کہ عرب غلامانہ طور پر یونانیوں کے نقال تھے بلکہ وہ علم طب کی ترقی میں حائل ہوئے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ عرب جس وقت مشرق میں ظاہر ہوئے۔ یونانی طب مکمل طور پر مسخ ہوچکی تھی اور چاروں طرف جادوگری کے طریقے اور عملیات رائج تھے۔ اس وقت عربوں نے نہ صرف یونانی علوم کے ذخائر کو ہمیشہ کے لئے تباہی سے بچا لیا۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی کیا کہ یونانی تصانیف کو ہر طرح مفید بنا کر اور ان پر نقد و تبصرہ کرکے مشرق اور مغرب میں سائنس کی تعلیم کا عام مذاق پیدا کردیا۔ پس عربی حکماء اور علماء اگر

صرف یونانی علوم کی کتابوں کو جمع کرنے اور ان کو یورپ میں منتقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے تو صرف یہ کام ہی ان کے لئے کچھ کم باعث افتخار نہ تھا لیکن انہوں نے اس سے بڑھ کر یہ کیا۔ کہ ادبیات اور سائنس دونوں میں انہوں نے نئی اور تازہ تصانیف مرتب کیں[۵]۔"

۱۴۷۔ یورپ کے برِاعظم میں سلرنو کا طبیہ کالج طبِ قدیم و جدید کے سلسلے کی ایک نہایت اہم کڑی ہے جس کے ذریعہ عربی علوم یورپ میں داخل ہوئے۔ سلرنو اٹلی کا ایک شہر ہے جو خلیج نیپلز کے ساحل پر واقع ہے اور اس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ اس میں چھٹی صدی عیسوی سے طب کا ایک مدرسہ قائم تھا۔ جو یقیناً یورپ میں طب کا سب سے پہلا مدرسہ تھا۔

اس مدرسہ میں بڑے بڑے بلند پایہ حکماء پروفیسر رہے ہیں۔ جنہوں نے طب کے مختلف شعبوں پر کتابیں لکھیں اور جن کی کتابیں آج بھی موجود ہیں اور نہایت احترام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ ان پروفیسروں میں ایک عرب بھی نہایت ممتاز تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ۸۰۲ء میں شارلیمان نے حکم دے دیا تھا۔ کہ طب یونانی کی تمام کتابوں کا جو اس وقت عربی زبان میں موجود ہیں لاطینی میں ترجمہ کر دیا جائے۔ اس بناء پر اس مدرسہ کے تلامذہ اور اساتذہ میں علم طب کی ترقی کے لئے جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔

یورپ میں عربی طب سب سے پہلے سلرنو کے اس مدرسہ طبیہ ہی میں پہنچی۔ اور پھر وہاں سے تمام یورپ میں پھیل گئی۔ اور یہ مدرسہ یورپ میں پہلا طبی سکول ہے۔ جہاں طب میں فارغ التحصیل طلباء کو باقاعدہ اسناد دی جاتی تھیں۔ یہاں پہلے فلسفہ پڑھایا جاتا تھا۔ اس کے بعد طب کی تکمیل کرائی جاتی اور پھر باقاعدہ امتحان ہوتا۔ اور سند دی جاتی تھی۔ مغرب کے تمام براعظم سے طلباء یہاں ہماری عربی طب پڑھنے آیا کرتے تھے۔ اور تقریباً تین سو سال تک اس مدرسہ کی سند تمام یورپ میں سب سے زیادہ احترام کے ساتھ دیکھی جاتی رہی۔

---

[۵] ملاحظہ ہو۔ این انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر کمسٹن جو ۱۹۲۶ء میں لندن میں چھپی ہے۔ صفحہ ۱۸۵

پھر ۱۲۵۲ء میں شاہ کانرڈ نے اس مدرسہ کو یونیورسٹی بنا دیا۔ لیکن شاہ منفرڈ نے پھر اس کو ایک مدرسہ کی شکل میں منتقل کر دیا۔ اور بالآخر ۲۹ نومبر ۱۸۱۱ء میں حکومت نے اپنے ایک حکم سے سرزمین مغرب میں عربی طب کے اس قدیم مدرسہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اس مدرسہ کی شہرت اور عزت میں سب سے اہم ترقی ۱۰۷۰ء کے قریب ہوئی۔ جبکہ قسطنطین افریقی نے سلرنو میں جا کر سکونت اختیار کی۔ چنانچہ برنڈ ولکھتا ہے۔ کہ کارتھیج کے مسیحی طبیب قسطنطین افریقی نے سلرنو کو ایک بہت بڑی جلیل القدر طبی درسگاہ بنا دیا۔ اس نے مشرق میں دور دور تک سیاحت کی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ ریاضی سحر اور سائنس کی تحصیل اس نے بابل میں کی اور اس نے ہندوستان اور مصر کا سفر بھی کیا۔

جب وہ کارتھیج لوٹا تو علوم طبیہ میں اپنے عہد کا فاضل ترین انسان تھا۔ حسب دستور اس پر جادوگر ہونے کا شبہ کیا گیا۔ اور وہ پناہ لینے کے لئے سلرنو چلا گیا۔ یہاں اس وقت کا تاجدار اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور اس نے اس کے زیر سایہ بہت سی کتابیں لکھیں اور بہت سی عربی طبی کتابوں کے ترجمے کئے۔ چنانچہ قسطنطین نے حنین بن اسحق اور حبیش بن الاعسم کے متعدد عربی ترجموں کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور علی بن عباس مجوسی کی کتاب الملکی کا ترجمہ کیا جو عربی نظام طب پر بہترین جامع تالیف ہے۔ بالآخر وہ سلرنو کی عبادت گاہ مونٹے کسینو میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اور ۱۰۸۷ء میں فوت ہوا[۱]۔ المختصر یہ کہ قسطنطین یورپ میں عربی طب کا وہ سب سے پہلا مبلغ ہے۔ جس کی بدولت سلرنو کے مدرسہ طبیہ کو چار چاند لگے۔ اور سلرنو یورپ میں وہ سب سے پہلا طبی کالج ہے۔ جہاں سے عربوں کی طب کی جھلک تمام یورپ میں پھیلی۔ مولینا حالی نے اسی سلرنو کی نسبت کہا ہے ؎

سلرنو میں جو ایک نامی مطب تھا ۔۔۔ وہ مغرب میں عطار مشک عرب تھا

۵ــ فی الحقیقت ان صلیبی لڑائیوں سے یورپ کو بہت فائدہ پہنچا۔ چنانچہ ان ذرائع و وسائل میں سے جن سے اسلامی علوم و فنون یورپ میں داخل ہوئے ان صلیبی لڑائیوں کو خاص

---

[۱] مقتبس از روزنامہ احسان لاہور مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

اہمیت حاصل ہے ۔ اور اس سلسلے میں ہیبرڈ وغیرہ اکثر مغربی مصنفین نے اس حقیقت کا واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

یہ صلیبی لڑائیاں ہی تھیں جن کی بدولت یورپ کی مسیحی دنیا کا تعلق اسلامی طب سے ہوا اور بہت سی دوائیں یورپ کو معلوم ہوئیں ۔ چنانچہ جب مسیحی فوجیں مشرق میں داخل ہوئیں ۔ تو ان کے ساتھ ان کے اطبا بھی آئے ۔ جنہوں نے عربوں کے نظام طب اور ان کے شفاخانوں اور درسگاہوں کا مطالعہ کر کے یورپ میں عربی طب کو پہنچایا ۔ اور اسی سلسلے میں ایک مغربی حکیم سٹیفن بھی تھا جس نے سسلی اور سسلی میں تربیت پائی تھی صلیبی فوجوں کے ساتھ انطاکیہ آیا اور یہاں اس نے علی بن عباس مجوسی کی مشہور کتاب ملکی کا لاطینی ترجمہ ۱۱۲۷ء میں کیا۔

علاوہ ازیں جب صلیبی سپاہیوں نے عربوں کے شاندار شفاخانوں خصوصاً بیمارستان دمشق بیمارستان قاہرہ وغیرہ کو دیکھا ۔ تو ان کی دیکھا دیکھی تیرھویں صدی عیسوی میں شہر روما میں سان سپرتو اور پیرس میں ہوٹل ڈیو وغیرہ ہسپتال بنائے گئے [1]

[2] ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۶۲ میں اس کا پورا نام موید الدولہ ابوالمظفر اسامہ بن منقذ بیان کیا ہے ۔ اور اس نے اس سلسلے میں یہ بھی ذکر کیا ہے ۔ کہ اس نے ایک مرتبہ مہذب الدین النقاش سے جو نور الدین محمود بن زنگی کا طبیب تھا روغن لبسان طلب کیا ۔

[3] پروفیسر براؤن نے اس ثابت سے مراد ثابت بن قرہ لیا ہے ۔ ملاحظہ ہو عربین میڈیسن کا انڈیکس صفحہ ۱۳۷) اور یہ غلط ہے کیونکہ ثابت بن قرہ کا زمانۂ حیات ۸۳۶ء سے لے کر ۹۰۱ء تک ہے ۔ جیسا کہ خود پروفیسر براؤن نے ایک دوسری جگہ ذکر کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو عربین میڈیسن صفحہ ۲۷ ۔ پس ظاہر ہے ۔ کہ یہ ثابت یقیناً کوئی دوسرا ثابت ہے یا یہ ممکن ہے ۔ کہ یہ طبیب ثابت بن سنان بن ثابت بن قرہ ہو لیکن یہ ثابت بن قرہ نہیں ہو سکتا ۔

---

[1] ملاحظہ ہو ہیر ٹیج آف اسلام صفحہ ۳۱۹ طبع لندن ۔

۸۷ ابن بطلان سرزمین بغداد کے ایک نہایت بلند پایہ مسیحی طبیب تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ابوالحسن المختار بن عبدون بن سعدون بن بطلان اور آپ کا زمانہ حیات ۴۵۵ھ مطابق ۱۰۶۳ء ہے۔ آپ نے طب اور فلسفہ کی کتابیں ابوالفرج عبداللہ بن الطیب سے پڑھیں[1]۔ اور ابوالحسن ثابت بن ابراہیم بن زہرون کی خدمت میں رہ کر فنون طبیہ کی تکمیل کی[2]۔

ابن بطلان ایک نہایت جید عالم اور فاضل طبیب تھے۔ اور فن طب میں آپ نے نہایت بلند پایہ کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ آپ ایک نہایت پارسا شخص تھے اور آپ نے اپنی ساری زندگی راہبانہ بسر کی ہے۔ چنانچہ آپ نے ساری عمر شادی نہ کی اسی لئے آپ کے اولاد نہ تھی آپ اپنی اس حالت کا نقشہ اپنے ایک شعر میں یوں کھینچتے ہیں۔

ولا احد ان مت یبکی لمیتتی
سوی مجلسی فی الطب والکتب باکیا

(ترجمہ) میرے بعد میری میت پر کوئی رونے والا نہ ہوگا۔ ہاں میرا مطب اور میری کتابیں نوحہ خواں ہونگی

ابن بطلان ایک عذب البیان فصیح اور جلیل القدر ادیب بھی تھے۔ اور ظرافت کا عنصر آپ کے کلام میں خصوصاً نمایاں رہتا تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ آپ کی اس خصوصیت کا ذکر اپنی کتاب طبقات الاطباء میں کئی مقامات پر کرتے ہیں۔

ابن بطلان مصر کے مشہور طبیب علی بن رضوان کے ہمعصر تھے دونوں میں معاصرانہ چشمک بھی اور دونوں طرف سے خط و کتابت کے ذریعہ تحریری مناظرہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا لیکن ۴۴۱ھ میں جب آپ مصر کے شہر فسطاط میں تین سال کے لئے قیام پذیر ہوئے تو اس اثناء میں آپ کا علی بن رضوان سے کئی بار رو بدو علمی مناظرہ ہوا۔

ابن بطلان نے علی بن رضوان کی تردید میں متعدد رسالے لکھے ہیں اور ابن ابی اصیبعہ نے ابن بطلان کے رد میں بھی علی بن رضوان کے بہت سے مقالوں کے نام شمار کرائے ہیں

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۲۰۷۔ [2] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۲۴۱ جلد اول۔

جن میں سے چند مقالۃ فی ما اوردہ ابن بطلان من التحیرات - مقالۃ فی ان ما جملہ یقین وحکمۃ وما علمہ ابن بطلان غلط وسفسطۃ - مقالۃ فی التنبیہ علی ما فی کلام ابن بطلان من الھذیان - رسالۃ الی اطباء مصر والقاہرہ فی خبر ابن بطلان قول رجلۃ الرد علیہ اور مقالۃ فی ان ابن بطلان لایعلم کلام نفسہ فضلاً عن کلام غیرہ ہیں[1]

معلوم ہوتا ہے چوزۂ مرغ اور مرغ کی حرارت کے باب میں ان دونوں میں خاصی گرماگرم بحث رہی ہے چنانچہ اس سلسلے میں علی بن رضوان نے مقالۃ فی نقض مقالۃ ابن بطلان فی الفرخ والفروج اور ابن بطلان نے مقالۃ فی الاعتراض علی من قال ان الفرخ احر من الفروج - کتابیں لکھیں[2]۔

ابن بطلان کے کلام میں زور اور الفاظ میں حسن ترکیب اور بذلہ سنجی کی چاشنی غالب تھی اور علی بن رضوان کی مہارت علاج اور علمی قابلیت مسلم تھی -

علی بن رضوان کی رنگت سیاہ تھی - لہٰذا اس نے ایک مقالہ لکھا کہ ایک فاضل طبیب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا چہرہ بھی جمیل ہو - لیکن ابن بطلان نے اپنی کتاب دعوۃ الاطباء میں اس پر نہایت لطیف انداز میں روشنی ڈالی ہے ؛

ابن بطلان نے ۴۳۹ھ میں ابن رضوان سے ملاقات کے لئے مصر کا سفر اختیار کیا - راستے میں آپ نے حلب میں قیام کیا اور وہاں امیر معز الدولہ ثمال بن صالح نے آپ کی شان کے مطابق آپ کی تعظیم وتکریم کی -

کچھ عرصہ حلب میں قیام کر کے آپ مستنصر باللہ علوی کے دور خلافت میں جمادی الآخر ۴۴۱ھ میں مصر کے دارالخلافہ فسطاط میں پہنچے اور وہاں آپ نے تین سال قیام فرمایا -

مصر سے روانہ ہو کر آپ نے قسطنطنیہ کا رخ کیا — اور

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ ؛

[2] ملاحظہ ہو - طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۴۳ ؛

آپ کے دورانِ قیام میں وہاں ایک مہلک وبا پھیلی جس کی نسبت آپ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں

"۴۴۷ھ المطابق ۱۰۵۵ء کے موسم گرما میں قسطنطنیہ پر وبا کی مصیبت نازل ہوئی اور اس کثرت سے موتیں ہوئیں کہ گورستان میں مردوں کی تدفین کے لئے گنجائش باقی نہ رہی اسی سال دریائے نیل میں طغیانی آئی۔ اور جب وہ دوبارہ کم ہوئی تو تمام مصر میں متعدد امراض پھیل گئے۔ درمِ طحال اور نوبتی بخار وغیرہ نے کہرام مچا دیا۔ شام میں بکثرت اموات ہوئیں۔ اور شہر فسطاط کے اکثر باشندے ہلاک ہو گئے یہ وباء اس قدر مہلک تھی۔ کہ مصر و شام اس کے تباہ کن اثر سے بڑی حد تک ویران ہو گئے۔ اور اس کی ہلاکت خیزیاں عراق تک پہنچ گئیں"

ابن بطلان نے اپنی کتاب میں اس وبا کی ہلاکت خیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے عہد کے علماء اور اکابر کی موت کا ماتم نہایت دردانگیز پیرایہ میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"اس وباء کے اثر سے امام اجل مرتضیٰ الشریف۔ شیخ ابوالحسن بصری۔ قاضی ماوردی۔ فقیہ ابوالحسن قدوری۔ ابن الطیب طبری۔ علی بن الہیثم۔ ابوسعید بری۔ علی بن عیسیٰ ربعی۔ ابوعلی بن موصلایا۔ ابوالفتح نیشاپوری۔ وغیرہ علمائے وقت اور اکابر عہد جاں بحق ہو گئے۔ ان کے بعد علم کا چراغ گل ہو گیا۔ اور دنیا پر جہالت کی تاریکیاں چھا گئیں"[1]

ابن بطلان کی مندرجہ فوق تفصیلات کے مطابق ہماری رائے میں یہ ملیریا (حمی اجامیہ) کی شہر آشوبیوں کی روداد مصیبت ہے۔

ابن بطلان نے ادب۔ شعر۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ نجوم۔ طبیعات اور طب پر بہت سی کتب لکھی ہیں۔ اور آپ کی طبی تالیفات میں المقالۃ فی شرب الدواء المسہل۔ مادۃ جمعی اذا عرضت لہ حصاۃ۔ کتاب وقعۃ الاطباء۔ کتاب المدخل الی الطب۔ کتاب تقویم الصحۃ دعوت القسوس اور دعوت الاطباء بہت ممتاز و مشہور ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء صفحہ ۲۴۲ جلد اول۔

حال میں Un Banquet de Medecine کے نام سے بغداد کے اس مشہور طبیب ابن بطلان (زمانہ حیات ۱۰۶۶ء) کی عربی کتاب دعوت الاطباء کا جو فرانسیسی ترجمہ ہمارے مطالعہ سے گزرا ہے۔ فاضل مصر ڈاکٹر محمود صدقی بے کے رشحات قلم کا شاہکار ہے۔ جو آپ نے ۱۹۲۸ء میں قاہرہ میں طبع کرا کے نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر محمود صدقی بے مصر کے ایک نہایت بلند پایہ عالم اور فاضل ڈاکٹر ہیں اور آپ پیرس کی مجلس تحقیقات دق و سل کے ممبر اور قاہرہ کے جیلخانوں کے میڈیکل آفیسر رہ چکے ہیں۔ اور آپ کا یہ تاریخی اور طبی کارنامہ آپ کے بلند فنی و علمی مذاق پر شاہد عدل ہے۔

فاضل مترجم نے اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں طب عربی کی طبی اور تاریخی غلطیوں پر فرانسیسی زبان میں ایک نہایت گرانقدر مقدمہ بھی سپرد قلم فرمایا ہے۔ اور فی الحقیقت اس مقالہ علمیہ کا ایک ایک صفحہ فاضل مترجم کی علمی اور تاریخی معلومات کے گلہائے رنگا رنگ سے دامانِ باغبان و کف گلفروش نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر محمود صدقی بے نے اس مقدمہ میں اطبائے عرب کی متعدد تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ جو آپ کو مشرق و مغرب کی مختلف خانقاہوں اور قدیم کتب خانوں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک تصویر میں خلیفہ ہارون الرشید کو اطبائے عرب کی ایک محفل میں جلوہ آراء دکھایا گیا ہے ایک اور تصویر ہے۔ جس میں ابوالقاسم الزہراوی اپنے قرطبہ کے ہسپتال میں قیام فرما نظر آتا ہے۔ اور ان کے علاوہ دو اور تصویریں ہیں۔ جن میں زکریا رازی اور جابر بن حیان کو اپنی اپنی لیبارٹریوں میں مصروف عمل دکھایا گیا ہے۔

اس تاریخی اور علمی مقدمہ کے بعد فاضل مترجم نے حالات و سوانح ابن بطلان پر ایک مختصر مگر سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔ جس میں ابن بطلان کے نام و نسب تعلیم طبی قابلیت تصانیف۔ سفر مصر۔ اور ابن رضوان سے اس کے طبی مناظرات کا تذکرہ ہے۔

لے ماخوذ از۔ فرینچ ترجمہ کتاب دعوت الاطباء از ڈاکٹر محمود صدقی بے صفحہ ۵ مطبوعہ قاہرہ۔

اس مقالہ کے بعد فرانسیسی زبان میں دعوت الاطبا کا مصور ترجمہ ہے جس کی ایک ایک سطر علمی معارف اور طبی و مجلسی لطائف و ظرائف کا گنجینہ ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب اپنی اصل عربی زبان میں موفق الدین ابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ مؤلف عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے مطالعہ سے بھی گذر چکی ہے چنانچہ آپ اپنی اس مشہور کتاب میں ابن بطلان کی بذلہ سنجیوں اور دعوت الاطباء کی نسبت اس طرح رقم طراز ہیں:

وکان ابن بطلان اعذب الفاظا واکثر ظرفا وامیز فی الادب وما یتعلق بہ و مما یدل علی ذالک ما ذکرہ فی رسالتہ التی وسمہا بدعوۃ الاطباء[1]۔	ابن بطلان عذب البیان فصیح اور ظریف الطبع شخص تھا۔ اور ادب اور متعلقاتِ ادب میں ممتاز تھا اور اس کی ان خصوصیات کا ثبوت اس کی کتاب دعوت الاطباء سے ملتا ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

ولابن بطلان اشعار کثیرۃ ونوادر ظریفۃ وقد ضمن منہا اشیاء فی رسالتہ التی وسمہا بدعوۃ الاطباء[2]۔	ابن بطلان نے بہت سے اشعار اور نادر لطائف و ظرائف لکھے ہیں اور اس نے اپنی اس نوع کی اکثر چیزیں اپنی کتاب دعوت الاطباء میں جمع کردی ہیں۔

دعوت الاطبا کی نسبت ابن ابی اصیبعہ اور ڈاکٹر محمود صدقی بے نے تصریح کی ہے۔ کہ یہ کتاب ابن بطلان نے امیر نصیر الدولہ بن مروان کی ضیافتِ طبع کے لئے تالیف کی تھی۔ فی الحقیقت

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۴۲ مطبوعۂ مصر۔

[2] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۴۳۔

المختصر، کہ یہ کتاب تاریخ ظریفانہ رنگ میں ابن بطلان کے قلم کی بہترین یادگار ہے۔ جو طبی دنیا میں ایک علمی مجلسی اور فنی تمثیل کی حیثیت رکھتی ہے اور صحیح معنی میں خوانِ ظرافت اور سامانِ ضیافت طبع ہے

۷۹ تقویم الصحتہ کا نام تقویم الاطباء بھی ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن میں بھی موجود ہے۔ جو سرخ و سبز اور سیاہ روشنائی سے خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ تمام کتاب خوبصورت بیل بوٹوں اور گلکاریوں سے مزین ہے اور خط نہایت پاکیزہ ہے۔

تقویم الصحتہ نہایت قدیم اور نادر و نایاب کتاب ہے۔ اس میں ادویہ۔ ان کے امزجہ اور افعال و خواص کو جداول کے ذریعہ نہایت کمال اور خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ ابتداء میں فارسی زبان میں ایک دیباچہ ہے جس کے حروف بوجہ قدامت اڑتے جارہے ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کے تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اپنے خط کی پاکیزگی موضوع کی اہمیت اور ابن بطلان کی تالیف ہونے کی بناء پر ایک نہایت بیش قیمت نادرۂ روزگار چیز ہے۔[۱]

۸۰ اس مصنف کا پورا نام قاضی ابو علی المحسن بن علی بن ابی جہم التنوخی ہے۔ اور ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں آپ کی اس تالیف کتاب الفرج بعد الشدہ سے حوالجات دیئے ہیں (مثلاً ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۱۳)

۸۱ طبی اکتشافات کے سلسلے میں اتفاق و مصادفہ کو بہت بڑا دخل ہے اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اگر اتفاقات حسنہ کی رہنمائی بروئے کار نہ آتی۔ تو آج قانونِ طب کو یہ مرتبہ ارتقاء حاصل نہ ہوتا۔ چنانچہ اسفار طب میں اتفاقات و مصادفات سے متعلق بے شمار حکایات مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فریدوں کے زمانے میں مومیائی کا اکتشاف ایک ہرن کی تگ و دو کا ثمر تھا۔ جس نے زخمی ہو کر اپنے جسم پر مومیائی لگائی تھی۔ اور سماق کی قوتِ قابضہ

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طب اسلامی مؤلفہ مولانا ابن مظہر فاروقی صفحہ ۷۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن

کی دریافت اس طرح ہوئی کہ اسہال کے ایک مریض کی غذا میں یہ زیادہ پڑ گیا تھا جس سے قبض ہوگیا۔

علیٰ ہٰذا سانپ کے زہر کے لئے علیحدہ علیحدہ حب الغار۔ افیون اور باد یہون۔ یرقان کے لئے حجر یرقان۔ زخموں کے لئے مشکطر اشیع اور احتراق خون کے لئے چوب چینی کا اکتشاف بھی محض اتفاقات ہی کے نتائج ہیں۔ اور حقنہ کا عمل بھی جالینوس نے اتفاقاً ایک بگلے سے سیکھا تھا جب کہ اس نے زیادہ گوشت کھا جانے کے بعد سمندر کے نمکین پانی سے عمل احتقان کیا تھا۔ اور اسی لئے اس کو عمل طائر بھی کہتے ہیں[1]

المختصر یہ کہ دنیائے طب میں اتفاقی امور کو بہت بڑا دخل ہے اور یہ امور اتفاقی بڑے بڑے اہم اکتشافات پر منتج ہوئے ہیں۔ اور اطبّاء نے ان سے بیش از بیش فوائد و منافع اخذ کئے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں میں یہاں آپ کی توجّہ ایک خاص چیز کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم کو کتب تاریخ و سیر سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف اشخاص نے مختلف طریقوں سے اتفاقاً سانپ استعمال کیا اور اس سے ان کا مرض استسقاء دور ہوگیا۔

اس سلسلے میں اس لیکچر میں تین حکایتیں مسطور ہوئی ہیں۔ پہلی حکایت ابن بطلان سے متعلق ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابن بطلان کا ایک مایوس العلاج مریض استسقاء اس سرکہ کے استعمال سے شفایاب ہوگیا جس میں اتفاقاً دو سانپ گل کر حل ہوگئے تھے۔ دوسری حکایت رازی سے متعلق ہے۔ جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے ایک مریض نے جان سے بیزار ہو کر سانپ کے جھوٹے چھاچھ کے پیالہ کو پی لیا اور وہ تندرست ہوگیا۔ اور تیسری یہ حکایت ابوعلی عمر بن یحییٰ العلوی سے متعلق ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بدوی نے جو استسقاء میں مبتلا تھا۔ ڈاکوؤں سے سانپ کا ایک ٹکڑا مانگ کر کھایا اور وہ صحت یاب ہوگیا۔

پس تاریخ اتفاقات و مصادفات کی روشنی میں اس نوع کی متعدد حکایات سے یہ امر واضح ہوتا ہے۔ کہ استسقاء کے متعدد مریضوں نے مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے

---

[1] یہ اور اس نوع کی بہت سی حکایات طبقات الاطباء اور تاریخ الحکماء میں درج ہیں۔

سانپ کا استعمال کیا ۔ اور اس سے ان کا یہ مرض رفع ہوگیا ۔ اور ان شہادتوں سے اس امر کا امکان نظر آتا ہے کہ اگر ذمہ دار ۔ محتاط اور ماہر معالجین واطبا کی نگرانی میں صحیح اور سائنٹفک اصول پر سانپ کے زہر کو استسقاء کے لئے تجربہ کیا جائے تو شاید اس سے استسقاء کے لئے کوئی دوائے شافی طیار ہو سکے ۔

بہرکیف ان حکایات میں مستند فاضل اور حاذق طبابت پیشہ لوگوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے ۔ اور اگر وہ چاہیں تو ان سے استسقاء کے تریاق کے اکتشاف کے سلسلے میں بیش از بیش استفادہ کر سکتے ہیں ۔

۸۲ پورا نام عبد الخالق آخوند ہے جس کو جرمن زبان میں Abdul Chali g Achundow لکھتے ہیں ۔ اس فاضل ڈاکٹر نے ابو المنصور موفق ہراتی کی ایک قدیم فارسی کتاب کو جو علم الادویہ پر ہے ۔ ۱۸۵۹ء میں جرمن زبان میں ترجمہ کرنے میں حصہ لیا ہے ۔

۸۳ محمد عوفی کا پورا نام نور الدین محمد عوفی ہے ۔ اور علامہ قزوینی نے چہار مقالہ کے حواشی میں آپ کی اس تالیف جوامع الحکایات ولوامع الروایات سے اکثر مقامات پر حوالجات پیش کئے ہیں (ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۸)

۸۴ ای ۔ جے ڈبلیو گب میموریل ٹرسٹ سے مراد وہ ادارہ ہے ۔ جو ۱۹۰۱ء سے مسٹر الیاس جان ولکنسن گب آنجہانی کی یادگار میں گلاسکو میں قائم ہے ۔ اور جس کے سرمایہ کے منافع سے حال میں انگلستان میں عربی فارسی اور ترکی علم ادب تاریخ اور مذہب کی بے نظیر کتابیں شائع ہوئی ہیں ۔

علی بن ربن الطبری کی مشہور اور نادر تالیف فردوس الحکمۃ اسی ادارہ کی جانب سے شائع ہوئی ہے ۔ اور نظامی عروضی کا فارسی چہار مقالہ بھی جس کا ذکر پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب میں کیا ہے ۔ مولانا محمد بن عبد الوہاب قزوینی کے حواشی کے ساتھ اسی ادارہ کے اہتمام سے شائع ہوا ہے ۔ یہ ہیں زندہ قوموں کے کارنامے جو صفحۂ ہستی پر اپنے ہمیشہ باقی رہنے والے نقوش ثبت کر رہی ہیں کہ ۔ تلک آثارنا تدل علینا ۔ فانظروا بعدنا الی الآثار ۔ یہ چہار مقالہ گب میموریل ٹرسٹ کے زیر اہتمام ہالینڈ کے شہر لیدن میں اپنی اصل فارسی زبان

میں ۱۹۰۹ء میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اور اس وقت میری آنکھوں کو روشنی بخش رہا ہے۔

۸۵ چہار مقالہ کا یہ انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن کی نظر ثانی کے بعد ۱۹۲۱ء میں گب میموریل ٹرسٹ کے اہتمام سے کیمبرج یونیورسٹی پریس میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

۸۶ نظامی عروضی کا بیان ہے۔ کہ یہ جوئے مولیاں کا حمام تھا۔ ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۱۸ اور یہ وہی جوئے مولیاں ہے جس کی نسبت رودکی لکھتا ہے کہ ؎

بوئے جوئے مولیاں آید ہمے — بوئے یار مہرباں آید ہمے

(ملاحظہ ہو۔ چہار مقالہ صفحہ ۳۳)

۸۷ نظامی عروضی کے بیان کے مطابق رازی کے اس خط کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"زندگانی بادشاہ دراز باد۔ در صحت بدن ولفاذ امر خادم علاج آغاز کرد و آنچہ ممکن بود بجائے آورد۔ حرارت غریزی بضعف تمام بود ولعلاج طبیعی دراز کشیدے سخت از آں بداشتم ولعلاج نفسانی آمدم دیگر بار بحمام درشربتے بدادم وبرما کردم تا اخلاط نضجے تمام یافت پس بادشاہ را بخشم آوردم تا حرارت غریزی را مدد حادث شدہ وقوت گرفت و آں اخلاط نضج پذیرفتہ را تحلیل کرد۔ بعد ازیں صواب نیست کہ میان من و بادشاہ جمعیتے باشد۔"

(ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷۵۔ مطبوعہ لیڈن)

۸۸ اس حکایت کے ترجمہ میں پروفیسر براؤن نے لکھا ہے۔ کہ رازی کو امیر منصور کے علاج کے لئے طلب کیا گیا۔ مگر اس سلسلے میں دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ یہ امیر منصور کون ہے؟ نظامی عروضی نے چہار مقالہ میں اس حکایت میں اس امیر کا نام امیر منصور بن نوح بن نصر سامانی بیان کیا ہے[1] اور یہ صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ اس امیر منصور کا دور سلطنت ۳۵۰ھ سے ۳۶۶ھ

---

[1] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۴۷

تک تھا۔ اور محمد بن ذکریا رازی کی وفات ۳۱۱ھ اور ۳۲۰ھ کے درمیان ہو چکی تھی[1]۔
لہٰذا لامحالہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ خود نظامی عروضی مؤلف چہار مقالہ یا بعد میں چہار مقالہ کے
کاتبوں سے اس امیر منصور کے متعلق اس کے صحیح نام لکھنے میں غالباً اشتباہ ہوا ہے اور امیر منصور
سے مراد یہاں امیر منصور بن اسحٰق بن احمد بن اسد ہے جس کے لئے محمد بن ذکریا رازی نے
اپنی کتاب المنصوری لکھی۔ اور جو ۲۹۰ھ میں حاکم رے مقرر ہوا[2]۔

۸۹ پروفیسر براؤن نے منصور بن نوح اور محمد بن ذکریا رازی کی اس حکایت کے متعلق
حوالہ دینے میں صرف اخلاق جلالی کا نام لینا مناسب سمجھا ہے اور آپ نے اخلاق جلالی کے
صفحہ کا نمبر نہیں تحریر کیا میں نے اس سلسلے میں جب اس کو اخلاق جلالی میں تلاش کیا تو مجھ کو یہ حکایت
کتاب مذکور مطبوعہ نولکشور (لکھنؤ) میں صفحہ ۱۶۸ و ۱۶۹ پر ملی۔

۹۰ پروفیسر براؤن نے چہار مقالہ کے اپنے انگریزی ترجمہ میں صفحہ ۱۵۹ پر مولانا
جامی کی کتاب سلسلۃ الذہب سے جس کا ایک قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی میں موجود ہے۔
مولانا جامی کی مندرجۂ ذیل منظوم حکایت اس طرح نقل کی ہے:-

حکایت آں طبیب دانا کہ آفت زدہ را بے وجود اسباب معالجہ کرد۔ و بے دستیاری آلات
داد دبات از تنگنائے مرض بیروں آورد۔

آں یکے از ملوک سامانی ۔۔۔ داشت دوراں طبیبے ارزانی
در ہمہ کارہا باو ہمدم ۔۔۔ در ہمہ رازہا باو محرم
دادیش در حضور خود بہ پوست ۔۔۔ نبض جمعے مخدرات بدست
روزے از گفتگوئے خلق خلاص ۔۔۔ بود با او درون خلوت خاص
پائے نامحرماں از انجا بے ۔۔۔ نامۂ محرماں از انجا طے
ناگہ آمد کنیزکے چوں ماہ ۔۔۔ خواں بکف پیش شاہ گشت دو تاہ
تانہد خوان خوردنی بزمین ۔۔۔ ریخت غلطے بہ پشت او زکمیں

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ چہار مقالہ صفحہ ۲۲۴ [2] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۲۴۱

الفِ قامتش چو دال بماند — خم چو پیرانِ دیرسال بماند
گرد چنداں کہ زور راست نشد — پشتِ او ہمچناں کہ خواست نشد
گفت باآں حکیم شاہِ کریم — کاے شفابخش ہر مزاجِ سقیم
ہم دریں دم کشائے دستِ علاج — وارہانش ازیں فساد مزاج
ماند حیراں حکیم چوں اسباب — بود بہرِ علاجِ او نایاب
دست زد معجرش ز فرق کشید — جامہ اش را ز پیش و پس بدرید
از ازارش کشاد بند ازار — کرد بیرونش از سرین شلوار
غرقہ شد زاں خجالت اندر خوئے — غلط بگداخت در مفاصل وے
قامت خود ز سرو بستاں راست — کرد وآزاد از زمیں برخاست
در طبیبی چو نیک ماہر بود — پیشِ او سرِ کار ظاہر بود
چوں بماند از علاج جسمانی ! — دست زد بر علاجِ نفسانی

شیخ بوعلی سینا نے بھی اس حکایت کو اپنی کتاب المبداء و المعاد میں بیان کیا ہے جس کو اس نے رے میں تالیف کیا تھا[1]۔ یہ کتاب بقولِ مرزا محمد خاں قزوینی آج برطانوی عجائب خانہ (برٹش میوزیم) میں موجود ہے۔ اور مرزا صاحب موصوف چہار مقالہ میں اس کتاب سے اس حکایت پر شیخ کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں[2]۔

غرض نظامی عروضی کے بیان اور مولانا جامی اور شیخ بوعلی سینا کی تصریحات سے یہ امر واضح ہے۔ کہ یہ حکایت کسی سامانی بادشاہ کے عہد سے متعلق ہے۔ اور بظاہر پروفیسر براؤن کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں ایک بیان یہ ہے کہ یہ قصہ شیخ کے استاد صاحب علی آملی بخاری کا ہے[3]۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسی قبیل کی ایک حکایت ابن ابی اصیبعہ نے ۶۴۵ھ میں اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں خلیفہ ہارون الرشید عباسی

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۹ [2] ملاحظہ ہو حاشیہ چہار مقالہ صفحہ ۲۴۰ ؛
[3] ملاحظہ ہو طبِ اسلامی صفحہ ۹۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن ؛

اور اس کے طبیب جبریل بن بختیشوع کے متعلق بیان کی ہے۔

اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کی ایک کنیز کو انگڑائی آئی جس سے اس کا ہاتھ اوپر کھنچا رہ گیا اور اب وہ پھیل نہ سکتا تھا۔ اطباء نے تمریخ و تدہین سے بہت کچھ علاج کیا۔ مگر سب بیکار۔ بالآخر ہارون الرشید نے اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ سے ذکر کیا۔ تو اس نے کہا کہ میں ایک طبیب ماہر جبریل بن بختیشوع کو بلاتا ہوں۔ شاید وہ کوئی چارہ کر سکے۔ چنانچہ جبریل حاضر ہوا۔ اور ہارون الرشید نے اس سے ایک طبی سوال کا اطمینان بخش جواب حاصل کرنے کے بعد اپنی کنیز کا حال مرض بیان کیا۔

اس پر جبریل نے کہا کہ اگر امیر المومنین ناراض نہ ہوں تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس مرض کی میرے پاس ایک دوا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور اس کنیز کو اس بھری محفل میں بلوائیں اور جو کچھ میں چاہوں مجھے کرنے دیں۔ چنانچہ وہ کنیز بلوائی گئی اور جبریل اس کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا اور اس کا دامن پکڑ لیا۔

اس پر اس کنیز کا جذبۂ حیاء جوش میں آ گیا۔ اس کے اعضاء ڈھیلے ہو گئے اور اس نے اپنے اس ہاتھ سے اپنا دامن پکڑ لیا اب جبریل کہنے لگا کہ لیجئے مریضہ تندرست ہو گئی۔ چنانچہ مریضہ اپنے دونوں ہاتھ ہر طرف ہلا سکتی تھی۔ تمام محفل نے یہ منظر دیکھا۔ اور دم بخود ہو کر حیران رہ گئے[1]۔

لیکن ابن ابی اصیبعہ کی اس مفصل روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکایت ہارون الرشید اور جبریل بن بختیشوع سے متعلق ہے اور غالباً راویوں نے اس میں تصرفات کر دیئے ہیں۔ اور اس لئے میں نظامی عروضی مؤلف چہار مقالہ۔ پروفیسر براؤن شارح چہار مقالہ۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی اور شیخ بوعلی سینا جیسے رجال علم و فن کی آراء بہت حد تک مستحق غور و فکر ہیں۔

پیلے ۹۱ آجکل گرگان کا دارالخلافہ استرآباد ہے۔ (ملاحظہ ہو انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ کا حاشیہ صفحہ ۹۹) اور شیخ کا ایک وقت گرگان پہنچنا خود اس کے اس رسالہ سے واضح ہے جس

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۲۷ ۔

میں اس نے اپنے حالات زندگی مرتب کئے ہیں اور جس میں وہ لکھتا ہے ۔

ثم دعت الضرورة	
إلى الانتقال من جاجرم	پھر جاجرم سے خراسان اور خراسان
إلى خراسان ومنها إلى	سے جرجان کی جانب ہم کو سفر کرنے
جرجان	کی ضرورت محسوس ہوئی ۔

(ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۴)

۹۲ چہار مقالہ میں اس حکایت میں نظامی عروضی نے یہ بھی بیان کیا ہے ۔ کہ اس علاج کے سلسلے میں شیخ بو علی سینا کو قابوس کے دربار میں پیش کیا گیا ۔ جو اس وقت اس صوبہ کا حاکم تھا (ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۶۷) اور یہ غلط ہے ۔ کیونکہ بو علی سینا نے اپنے اس رسالہ میں جس میں اس نے اپنے حالات زندگی ذکر کئے ہیں بیان کیا ہے ۔ کہ وہ گرگان اس وقت پہنچا ۔ جبکہ قابوس قلعہ میں محبوس ہو چکا اور (تقریباً ۴۰۳ھ میں) منتقل ہو چکا تھا ۔ (ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۴) المختصر یہ کہ نظامی عروضی کی اس حکایت میں اس کا یہ بیان غیر صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس علاج کے سلسلے میں بو علی سینا کو قابوس کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اور اس باب میں حاشیہ نگار چہار مقالہ مرزا محمد خان قزوینی کی رائے بھی یہی ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ چہار مقالہ صفحہ ۲۵۰)

۹۳ اس موضوع پر قانون میں شیخ کی اصل عبارت ۔ قانون شیخ جلد دوم صفحہ ۷۱ و ۷۲ پر درج ہے ۔

۹۴ حضرت مرشد رومی کا نام محمد بن محمد بن حسین البلخی اور لقب جلال الدین ہے آپ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے اور بعد ازاں اپنے والد مولانا بہاء الدین کے ہمراہ قونیہ تشریف لائے اور یہیں اقامت اختیار کی اور بالآخر ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ میں واصل الی اللہ ہوئے ۔

آپ کو حضرت شمس تبریزؒ سے خصوصی تعلق تھا تصوف عرفان اور علوم روحانی میں آپ کا جو پایہ ہے وہ آپ کی مشہور مثنوی سے ظاہر ہے ۔

آپ کی مثنوی چھبیس ہزار چھ سو ساٹھ ۲۶۶۶۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں چھ دفتر ہیں۔ اور بجز دفتر اوّل کے ہر دفتر حضرت ضیاء الحق حسام الدینؒ کے نام سے مزین ہے جن کی تحریک پر آپ نے یہ شہرۂ آفاق مثنوی تالیف فرمائی۔

پروفیسر براؤن نے اس عبارت میں جس حکایت کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس مثنوی کے پہلے دفتر میں درج ہے اور ہم ذیل میں اس داستان لذیذ کو اقتباساً عرض خدمت کرتے ہیں

حکایت عاشق شدن بادشاہ بر کنیزک وخریدن او آں کنیزک را وبیمار شدن کنیزک ودرماں بیماری او۔

بشنوید اے دوستاں این داستاں	خود حقیقت نقد حالِ ماست آں
بود شاہے در زمانے پیش ازیں	ملک دنیا بودش وہم ملکِ دیں
اتفاقاً شاہ روزے شد سوار	با خواص خویش از بہرِ شکار
بہر صید ے مے شد او بر کوہ و دشت	ناگہاں در دامِ عشق او صید گشت
یک کنیزک دید او بر شاہراہ	شد غلامِ آں کنیزک جان شاہ
مرغِ جانش در قفس چوں در طپید	داد مال و آں کنیزک را خرید
چوں خرید او را و برخوردار شد	آں کنیزک از قضا بیمار شد
شہ طبیباں جمع کرد از چپ و راست	گفت جانِ ہر دو در دست شماست
جانِ من سہل است وجانِ جانم اوست	دردمند و خستہ ام درمانم اوست
ہر کہ درماں کرد مر جانِ مرا	برد گنج و دُر و مرجانِ مرا
جملہ گفتندش کہ جانبازی کنیم ،	فہم گرد آریم و انبازی کنیم
ہر یکے از ما مسیحِ عالمے ست	ہر الم را در کفِ ما مرہمے ست
گر خدا خواہد نہ گفتند از بطر	پس خدا بنمود شاں عجزِ بشر
ہر چہ کردند از علاج و از دوا	گشت رنج افزوں وحاجت ناروا
آں کنیزک از مرض چوں موئے شد	چشمِ شاہ از اشکِ خوں چوں جوئے شد
چوں قضا آید طبیب ابلہ شود	آں دوا در نفعِ خود گمرہ شود

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود　　روغنِ بادام خشکی مے نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت　　آب آتش را مدد شد ہمچو نفت
سستیٔ دل شد فزون و خواب کم　　سوزشِ چشم و دلِ پُر درد و غم
شربت و ادویہ و اسبابِ او　　از طبیباں برد یکسر آبرو

عاجز شدن طبیباں از معالجۂ کنیزک و ظاہر شدن بہ بادشاہ و روآوردن او بدرگاہ پادشاہ حقیقی ۔

شہ چو عجز آں طبیباں را بدید　　پابرہنہ جانبِ مسجد دوید
رفت در مسجد سوئے محراب شد　　سجدہ گہ از اشکِ شہ پُر آب شد
چوں بخویش آمد ز غرقابِ فنا　　خوش زباں بکشاد در مدح و ثنا
کائے کمینہ بخششت ملکِ جہاں　　من چہ گویم چوں تو میدانی نہاں
حالِ ما و ایں طبیباں سربسر　　پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ہدر
اے ہمیشہ حاجتِ ما را پناہ　　بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ
چوں برآورد از میانِ جاں خروش　　اندر آمد بحرِ بخشایش بجوش
درمیانِ گریہ خوابش در ربود　　دید در خواب او کہ پیرے رونمود
گفت اے شہ مژدہ حاجاتت رواست　　گر غریبے آیدت فردا ز ماست
چونکہ آید او حکیمِ حاذق است　　صادقش داں کو امین و صادق است
در علاجش سحرِ مطلق را ببیں　　در مزاجش قدرتِ حق را ببیں
خفتہ بود ایں خواب دید آگاہ شد　　گشتہ مملوکِ کنیزک شاہ شد
بود اندر منظرہ شہ منتظر　　تا ببیند آنچہ بنمودند سر
دید شخصے کاملے پُرمایۂ　　آفتابے درمیانِ سایۂ
میرسید از دور مانندِ ہلال　　نیست بود و ہست بر شکلِ خیال
آں خیالے را کہ شہ در خواب دید　　در رخِ مہماں ہمے آمد پدید
آں ولیِّ حق چو پیدا شد ز دور　　از سراپایش ہمے میریخت نور

شہ بجائے حاجباں در پیش رفت   پیش آں مہمان غیبِ خویش رفت

ضیف غیبی را چو استقبال کرد   چوں شکر گوئی کہ پیوست او بورد

گفت معشوقم تو بودستی نہ آں   لیک کار از کار خیزد در جہاں

اے مرا تو مصطفیٰ من چوں عمرؓ   از برائے خدمتت بندم کمر

ملاقات بادشاہ با طبیب الٰہی کہ در خوابش دیدہ بود و بشارت بقدوم او دادہ شدہ

شہ چو پیشِ میہمانِ خویش رفت   شاہ بود و لیک پس درویش رفت

دست بکشاد و کنارانش گرفت   ہمچو عشق اندر دل و جانش گرفت

دست و پیشانیش بوسیدن گرفت   وز مقام و راہ پرسیدن گرفت

پرس پرساں مے کشیدش تا بہ صدر   گفت گنجے یافتم اما بہ صبر

صبر تلخ آمد و لیکن عاقبت   میوۂ شیریں دہد پُر منفعت

گفت اے نورِ حق و دفع حرج   معنیٔ الصبر مفتاح الفرج

اے لقائے تو جواب ہر سوال   مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

ترجمان ہرچہ ما را در دل ست   دستگیر ہرچہ پائش در گل ست

چوں گذشت آں مجلس و خوانِ کرم   دست او بگرفت و برد اندر حرم

بردن بادشاہ طبیب غیبی را بر سر بیمار۔

قصۂ رنجور و رنجوری بخواند   بعد ازاں در پیش رنجورش نشاند

رنگ روی و نبض و قارورہ بدید   ہم علاماتش ہم اسبابش شنید

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند   آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بے خبر بودند از حالِ درون   استعیذ اللّٰہ مما یفترون

دید رنج و کشف شد بر وے نہفت   لیک پنہاں کرد و با سلطاں نگفت

رنجش از صفرا و از سودا نبود   بوئے ہر ہیزم پدید آید ز دود

دید از زاریش کو زارِ دل ست   تن خوش ست و او گرفتارِ دل ست

عاشقی پیداست از زاریٔ دل   نیست بیماری چو بیماریٔ دل

خلوت طلبیدن طبیب از بادشاه جهت دریافت مرض کنیزک ۔

چون طبیب از این سخن آگاه شد   وز درون همداستان شاه شد
گفت اے شه خلوتے کن خانه را   دور کن هم خویش و هم بیگانه را
کس ندارد گوش در دهلیزها   تا بپرسم از کنیزک چیزها
خانه خالی کرد شاه و شد برون   تا بپرسد از کنیزک او فسون
خانه خالی کرد و یک دیار نه   جز طبیب و جز همان بیمار نه
نرم نرمک گفت شهر تو کجاست   که علاج اہلِ ہر شہرے جداست
وندران شهر از قرابت کیستت   خویشی و پیوستگی با چیستت
دست بر نبضش نهاد و یک بیک   باز مے پرسید از جور فلک
آن حکیم خارچین استاد بود   دست مے زد جا بجا مے آزمود
زان کنیزک بر طریق داستان   باز مے پرسید حالِ داستان
با حکیم او رازها مے گفت فاش   از مقام و خواجگان و شهرتاش
سوے قصه گفتنش مے داد گوش   سوے نبض و جستنش میداشت ہوش
تا که نبض از نام که گردد جهان   او بود مقصود جانش در جهان
دوستانِ شهرِ خود را برشمرد   بعد ازان شهر دگر را نام برد
گفت چون بیرون شدی از شهر خویش   در کدامین شهرے بودی تو بیش
نام شہرے گفت ازان هم درگذشت   رنگ روی و نبض او دیگر نگشت
خواجگان و شهرها را یک بیک   باز گفت از جاو از نان و نمک
شهر شهر و خانه خانه قصه کرد   نے رگش جنبید و نے رخ گشت زرد
نبض او بر حالِ خود بد بے گزند   تا بپرسید از سمرقندِ چو قند
آه سردے برکشید آن ماهرو   آب از چشمش روان شد همچو جو
گفت بازرگانم آنجا آورید   خواجهٔ زرگر ازان شهرم خرید
در بر خود داشت شش ماه و فروخت   چون بگفت این ز آتش غم بر فروخت

نبض جست و روئے سرخ و زرد شد | کز سمرقندی زرگر فرد شد
چوں ز رنجور آں حکیم ایں راز یافت | اصل آں درد و بلا را باز یافت
گفت کوئے او کدام ست در گذر | او سر پل گفت و کوئے غاتفر
گفت آنگہ آں حکیم با صواب | آں کنیزک را کہ رستی از عذاب
گفت دانستم کہ رنجت چیست زود | در خلاصت سحرہا خواہم نمود
شاد باش و ایمن و فارغ کہ من | آں کنم با تو کہ باراں با چمن
من غم تو میخورم تو غم مخور | بر تو من مشفق ترم از صد پدر
ہاں و ہاں ایں راز را با کس مگوئے | گرچہ شاہ از تو کند بس جستجوئے
تا توانی پیش کس مکشائے راز | بر کسے ایں در مکن زنہار باز
چونکہ اسرارت نہاں در دل شود | آں مرادت زودتر حاصل شود
وعدہا و لطفہائے آں حکیم | کرد آں رنجور را ایمن ز بیم

در یافتن آں طبیب الٰہی رنج کنیزک را و بہ شاہ وانمودن ۔

آں حکیم مہرباں چوں راز یافت | صورت رنج کنیزک باز یافت
بعد از اں برخاست عزم شاہ کرد | شاہ را زاں شمۂ آگاہ کرد
شاہ گفت اکنوں بگو تدبیر چیست | در چنیں غم موجب تاخیر چیست
گفت تدبیر آں بود کاں مرد را | حاضر آریم از پئے ایں درد را
قاصدے بفرست کا خبارش کند | طالب ایں فضل و ایثارش کند
مرد زرگر را بخواں زاں شہر دور | با زر و خلعت بدہ او را غرور
تا شود محبوب تو خوش دل بدو | گردد آساں ایں ہمہ مشکل بدو
چوں بہ بیند سیم و زر آں بینوا | بہر زر گردد ز خان و ماں جدا

فرستادن بادشاہ رسولاں بہ سمرقند در طلب آں زرگر ۔

چونکہ سلطاں از حکیم آں را شنید | پند او را از دل و از جاں گزید
گفت فرمان ترا فرماں کنم | ہرچہ گوئی آں چناں کن آں کنم

پس فرستاد آں طرف یک دو رسول / حاذقان و کافیان بس عدول
تا سمرقند آمدند آں دو امیر / پیش آں زرگر ز شاہنشہ بشیر
کاے لطیف استاد کامل معرفت / فاش اندر شہرہا از تو صفت
نک فلاں شہ از برائے زرگری / اختیارت کرد زیرا مہتری
اینک ایں خلعت بگیر و زر و سیم / چوں بیائی خاص باشی و ندیم
مرد مال و خلعت بسیار دید / غرہ شد از شہر و فرزنداں برید
اندر آمد شادماں در راہ مرد / بیخبر کاں شاہ قصد جانش کرد
اسپ تازی بر نشست و شاد تاخت / خونبہائے خویش را خلعت شناخت
در خیالش ملک و عز و سروری / گفت عزرائیل رو آرے بری
چوں رسید از راہ آں مرد غریب / اندر آوردش بہ پیش شہ طبیب
پیش شاہنشاہ بردش خوش بناز / تا بسوزد بر سر شمع طراز
شاہ دید او را بسی تعظیم کرد / مخزن زر را بدو تسلیم کرد
پس بفرمودش کہ بر سازد ز زر / از سوار و طوق و خلخال و کمر
ہم ز انواع اوانی بے عدد / کاچناں در بزم شاہنشہ سزد
زر گرفت آں مرد و شد مشغول کار / بیخبر از حالت ایں کار زار
پس حکیمش گفت کاے سلطان مہ / آں کنیزک را بدیں خواجہ بدہ
تا کنیزک در وصالش خوش شود / آب وصلش دفع ایں آتش شود
شہ بدو بخشید آں مہ روے را / جفت کرد آں ہر دو صحبت جوئے را
مدت شش ماہ مے راندند کام / تا بصحت آمد آں دختر تمام
بعد از آں از بہر او شربت بساخت / تا بخورد و پیش دختر مے گداخت
چوں ز رنجوری جمال او نماند / جان دختر در وبال او نماند
چونکہ زشت و ناخوش و رخ زرد شد / اندک اندک از دل او سرد شد
خوں دوید از چشم ہمچوں جوئے او / دشمن جان وے آمد روئے او

چونکہ زرگر از مرض بدحال شد ۔ در گدازش شخص او چوں نال شد
گفت من آں آہوم کز ناف من ۔ ریخت آں صیاد خون صاف من
اے من آں روباہ صحرا کز کمیں ۔ سر بریدندم برائے پوستیں
ایں بگفت و رفت در دم زیر خاک ۔ آں کنیزک شد ز درد و رنج پاک
زانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست ۔ زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

۹۵ پروفیسر براؤن اپنے انگریزی ترجمۂ چہار مقالہ کے حواشی میں صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱ پر مولانا عبد الرحمن جامی کی کتاب سلسلۃ الذہب سے (جس کا ایک قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے) یہ منظوم حکایت اس طرح نقل کرتے ہیں:

معالجہ کردن شیخ بوعلی سینا آں صاحب مالیخولیا را کہ طبیباں از معالجۂ وے عاجز بودند!

بود در عہد بوعلی سینا ۔ آں بکنہ اصول طب بینا
زاں بوبیہ یکے ستودہ خصال ۔ شدہ ز مالیخولیا پریشاں حال
بانگ مے زد کہ گم بودہ ۔ ہیچ گاوے بساں من فربہ
آتش پز گر پزد ہریسہ ز من ۔ گر دوش گنج سیم کیسہ ز من
زود باشید و حلق من برید ۔ بدکان ہریسہ پز سپرید
صبح تا شام حال او ایں بود ۔ بر حریفاں مقال او ایں بود
نگذشتے ز روز و شب وانگے ۔ کہ چو گاواں نبودیش بانگے
کہ بزود ی بکارد یا خنجر ۔ بکشیدم کہ من شوم لاغر
تا بجائے رسید کو نہ غذا ۔ خورد ے از دست ہیچ کس نہ دوا
اہل طب راہ عجز بسپردند ۔ استغاثہ بہ بوعلی بردند
گفت سوئیش قدم زنید ز راہ ۔ مژدہ گویاں کہ بامداد پگاہ
مے رسد بہر کشتنت بشتاب ۔ دشنہ در دستِ خواجۂ قصاب
رفت ازیں مژدہ زد گرا نیہا ۔ کرد اظہار شادمانیہا!

بامداداں کہ بوعلی برخاست	شد سوئے منزلش کہ گاؤ کجاست
آمد و جست در میانِ سرائے	کہ منم گاؤ ہاں دہال پیش آئے
بوعلی دست و پاش سخت بہ بست	کارد بر کارد تیز کرد و نشست
برد قصاب وار دست سویش	دید ہنجار پشت و پہلویش
گفت کیں گاؤ لاغرست ہنوز	مصلحت نیست کشتنش امروز
چند روزیش بر علف بندید	یک زمانش گرسنہ مپسندید
تا چو فربہ شود برانم تیغ	نبود ذبح او فسوس و دریغ
دست و پایش ز بند بکشادند	خوردنیہاش پیش بنہادند
ہرچہ دادندش از غذا و دوا	ہمہ را خورد بے خلاف و ابا
تا چو گاواں ازاں شود فربہ	شد خود او از خیال گاوے بہ

۹۶ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب اریبین میڈیسن میں صفحہ ۹۰ پر اس فارسی قطعہ کا نظم میں انگریزی ترجمہ بھی درج کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"Through this rose which the spell-breather had given him

Fear overmastered the foe and he gave up the ghost.

That one by treatment expelled the poison from his body,

While this one died of a rose from fear."

اب چہار مقالہ کی ان طبی حکایات کے متعلق سنیئے۔ کہ

چہار مقالہ میں جو طبی حکایات بیان کی گئی ہیں - ان میں سے چار تو پروفیسر براؤن نے ذکر کر دیں۔ باقی حکایات میں سے ایک کا مفاد یہ ہے کہ مشاہیر نیشاپور میں سے ایک دفعہ ایک شخص کو قولنج کا دورہ پڑا جس کے علاج کے لئے اس نے امام ابوبکر دقاق کو طلب کیا امام موصوف نے تین دن تک اس کا علاج کیا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر امام ممدوح نے ایک رات علاج و معالجہ سے مایوس ہو کر بڑی الحاح و زاری کے ساتھ جناب باری میں دعا کی۔ جس سے اس کو شفاء ہو گئی۔ یہ روایت بیان کر کے نظامی عروضی یہ بتلانا چاہتے ہیں۔

کہ طبیب کو خوش اعتقاد ہونا چاہیئے۔ اور اس کو خدا کے بعد ترے دعا و الہیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے کہ یہ وہ شربت ہے جو ہر جگہ موافق آتا ہے۔

دوسری حکایت حکیم بختیشوع سے متعلق ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ مامون الرشید کے ایک رشتہ دار کو اسہال کی سخت شکایت لاحق ہوئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مریض کو ایک دن میں پچاس ساٹھ اجابتیں ہونے لگیں۔ اور بہت کچھ علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر بختیشوع نے تمام طریقۂ علاج سے مایوس ہو کر اس کو ایک مسہل پلایا جس سے اس دن تو خوب اجابتیں ہوئیں لیکن اگلے دن مریض کی طبیعت بحال ہو گئی۔ اب جب لوگوں نے اس علاج کی لم دریافت کی تو بختیشوع نے بتایا۔ کہ ان دستوں کا سبب مادۂ فاسدہ تھا میرے مسہل سے وہ مادہ خارج اور مریض تندرست ہو گیا۔

تیسری حکایت عضد الدولہ کے طبیب علی بن عباس مجوسی کے متعلق ہے جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ ایک حمال کو شدید درد سر کے دورے پڑا کرتے تھے جس کا علاج حکیم موصوف نے یہ کیا۔ کہ اس کے سر پہ متعدد ضربات پہنچائیں۔ جس سے نکسیر کی شکل میں مریض کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اور مادۂ فاسدہ خارج ہو کر مریض تندرست ہو گیا۔

چوتھی حکایت خواجہ اسمٰعیل سے متعلق ہے۔ جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ خواجہ موصوف نے کمال فراست سے ایک مریض کے متعلق قبل از وقت پیش گوئی کر دی تھی کہ کبھی اس کو سکتہ کا دورہ پڑیگا۔ اور جب اس کو دورہ پڑا۔ تو آپ نے اس کی پشت پا پہ ضربات پہنچا کر اس کا علاج کیا۔ جس سے اس کو شفا ہو گئی۔

پانچویں حکایت بھی خواجہ اسمٰعیل ہی سے متعلق ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری جو تعصب کی بناء پر خواجہ موصوف کی کتابیں جلا دیا کرتے تھے فواق کی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ بالآخر جب بہت کچھ علاج کیا گیا اور افاقہ نہ ہوا۔ تو شیخ الاسلام کا قارورہ خواجہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ جس کو ملاحظہ فرما کر آپ نے پوست مغز پستہ اور شکر تیغ زن کے سفوف کا استعمال تجویز کیا۔ اور قارورہ لانے والے سے کہا کہ شیخ الاسلام سے کہنا کہ

"علم بباید آموخت وکتاب نباید سوخت"

چھٹی حکایت جالینوس سے متعلق ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ مشاہیر اسکندریہ میں سے ایک شخص کے سر دست میں شدید درد ہوا۔ جس سے وہ بیقرار ہو گیا۔ اور کسی علاج سے اس کو فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر جالینوس نے اس مریض کے سر کتف پر لگانے کے لئے ایک مرہم بھیجا۔ جس سے درد فی الفور رفع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اطبائے وقت حیران رہ گئے۔ اور جب انہوں نے جالینوس سے اس طریق علاج کے متعلق دریافت کیا۔ تو اس نے بتایا۔ کہ ہاتھ کے اس عصب کا مخرج جس میں درد تھا سر کتف میں ہے۔ لہٰذا میں نے اصل کا علاج کیا جس سے فرع کو خود بخود آرام آ گیا۔

ساتویں حکایت حکیم جاثلیق سے متعلق ہے جس میں یہ تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ فضل بن یحییٰ برمکی کے سینہ پر برص پیدا ہوا اور حکیم موصوف نے اس کا بہت کچھ علاج کیا۔ مگر فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر تمام حالات گرد و پیش پر غور کر کے ایک دن جاثلیق نے فضل سے کہا کہ آپ کے والد بزرگوار آپ سے ناراض ہیں اور میری رائے میں ممکن ہے۔ کہ ان کی ناراضامندی آپ کے علاج میں ناکامیابی کا موجب بن رہی ہو۔ لہٰذا آپ اپنے باپ کو خوشنود کیجئے۔ چنانچہ فضل نے اپنے باپ یحییٰ برمکی سے معافی چاہی اور ان کو رضامند کر لیا۔ اور اس کے بعد برص کے لئے اپنے پہلے علاج کو دوبارہ شروع کیا جس سے خدا نے فضل کو شفا دی۔ اس حکایت سے نظامی سمرقندی یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بسا اوقات لوگوں کی دل آزاری اور بددعا مریضوں کے معالجہ میں ان کے شفایاب نہ ہو سکنے کا موجب ہو جاتی ہے۔

اور آٹھویں حکایت خود نظامی عروضی سے متعلق ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صاحب چہار مقالہ فن طب میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اس حکایت میں نظامی عروضی یہ بیان کرتے ہیں کہ ۵۴۷ھ میں مجھ کو کثرت الطمث میں مبتلا ایک لڑکی کے علاج کا اتفاق ہوا۔ جو اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور میں نے اس کا علاج اس طرح کیا۔ کہ پہلے اس کی فصد باسلیق کھولی۔ اور پھر اس کو ایک ہفتہ تک ایک شربت اور مفرح بنا کر استعمال کرایا جس سے اس کو شفا ہو گئی۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ چہار مقالہ از صفحہ ۷۰ تا ۸۸ مطبوعہ لیدن۔

۹۷ اس بیان سے پروفیسر براؤن اس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مشرقی اطبا کی غیر معمولی ذہانت و فطانت اور حذاقت کے افسانے اہلِ مشرق کی عجوبہ پسند افتادِ طبیعت کی یادگار ہیں۔ اور حقیقت سے ان باتوں کا تعلق نہیں لیکن اہلِ مغرب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاں تک طبی کمال اور عروج کا تعلق ہے مشرقی اطباء کی حذاقت کی حکایات بالعموم مبالغہ سے خالی ہیں اور ان کی طبی عظمت و رفعت کے ثبوت کے سلسلے میں وہ ذخیرۂ نظامِ طب موجود ہے جو انہوں نے فن کے تقریباً ہر شعبہ پر مدوّن کیا اور جو ان کے حیرت انگیز طبی کمالات کے افسانوں سے معمور ہے

۹۸ اس جامع مصنف سے غالباً پروفیسر براؤن کی مراد حکیم رشید الدین فضل اللہ ہے جو ایک مغل بادشاہ کا درباری طبیب تھا۔

۹۹ اس کتاب کے مؤلف کا پورا نام ابو المنصور موفق بن علی الہروی ہے اور اس کی اس کتاب الادویہ کا نام کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ ہے۔ یہ کتاب یورپ میں نہایت آب و تاب سے چھپی ہے جس میں اصل نسخہ کے سرورق کی تصویر بھی پیش کی گئی ہے۔

۱۰۰ اس کے بعد ایران میں طب جدید پر فارسی زبان میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک کتاب مضراتِ الکول ہے۔ یہ درحقیقت ایک طبی لیکچر ہے۔ جو آقا سے ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے طہران کے امریکن کالج کے طلبار کے لئے شراب کی مضرتوں پر دیا تھا علاوہ ازیں آداب مادری کے نام سے خانم شاہبانہ کی کتاب حاملہ کی حفاظت اور بچہ کی پیدائش و پرورش پر ایک نہایت مفید اور مبسوط تالیف ہے اور دستور زناشوئی کے عنوان سے آقائے حسین علی مصباحی کی تالیف جو آقائے موصوف نے شادی کے فوائد۔ زن و مرد کی زندگی کے اصول اور عورت کی صحت۔ حمل و رضاعت پر مرتب کی ہے۔ فن کی ایک نہایت بیش قیمت چیز ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور خاص کتاب مفاہیم شیق لمنکری الطب الیقین میرے مطالعہ سے گزری ہے۔ جس کو ۵۔ ۶ سال ہوئے ڈکتر اعتماد الاطباء نے تالیف کیا اور طہران میں لیتھو میں چھپی ہے۔

یہ تالیف گرامی اس وقت بھی میری آنکھوں کو تازگی بخش رہی ہے اور یہ بے نظیر کتاب اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس کو ایران کے ایک فاضل ڈاکٹر نے ایرانی ذوالفنون کے طلباء کے اصرار پر طب قدیم کے اصول و قوانین سے مرتب کیا ہے۔ اور یہ کتاب گویا ایران کے ان حامیانِ طب جدید کے لئے بطور جواب پیش کی گئی ہے۔ جو طب عتیق کی عظمت کے منکر ہیں۔ ساری کتاب ۱۹۵ صفحات پر مشتمل ہے اور عہد حاضر میں طب جدید و قدیم کے اہم اہم اختلافی مسائل پر ایک خاص چیز ہے۔

یہ چند جدید فارسی کتابوں کے نام بطور مشتے نمونہ از خروارے عرض کئے گئے ہیں۔ ورنہ شاہ پہلوی کے علم پرور عَلَم کے سایہ میں ایران میں آج فن کے تقریباً تمام شعبوں پر فارسی طبی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے۔

مصر علم و حکمت کا ابرِ نوبہار کعبہ سے اٹھا۔ اور تمام خطۂ ارضی پر برس کر دنیا میں علم و دانش کے دریا بہا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عربی زبان جو خدائے قدوس کی محبوب ترین زبان تھی۔ دنیا کی مستند علمی زبان قرار دی گئی۔ تمام علوم و معارف حکمیہ نے اسی زبان کی آغوش میں پرورش پائی۔ اور اسی کے زیرِ سایۂ عاطفت پل کر جوان ہوئے۔ قرنِ اول سے لے کر خلافت اسلامیہ بغداد کے عہدِ سقوط تک یہ فخر صرف اسی زبان کو حاصل رہا۔ اور الحمد للہ کہ آج تک حاصل ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علوم قدیمہ کے علاوہ تمام علوم جدیدہ پر بھی آج عربی زبان میں کتب و تصانیف کا ایک نہایت گراں قدر اور لا متناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آج چمنستانِ علم و حکمت کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا۔ جس میں عربی زبان کے گلہائے رنگا رنگ دنیا کو دعوتِ نظارہ نہ دے رہے ہوں۔

حال میں مصر۔ بغداد۔ بیروت اور الجزائر وغیرہ میں نظام طب پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں طب قدیم کی بے شمار بیش قیمت اور نادر کتابیں از سرِ نو مرتب کر کے شائع کی جا رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ مفید اور دلچسپ چیز یہ ہے۔ کہ یورپ اور امریکہ کا تقریباً تمام جدید سرمایۂ علم طب عربی زبان میں ایک خاص اسلوب کے ساتھ منتقل کر لیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر و شام وغیرہ ممالک عربیہ کے جدید علمائے طب نے یورپ اور بالخصوص فرانس کی طبی یونیورسٹیوں سے مستفید ہو کر طب قدیم کی بنیادوں پر جدید عربی طب کا ایک شاندار نصاب تعلیم مرتب کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ اہل عرب نے عربی زبان کی وسعت اشتقاق اور اسلوب تعریب سے صحیح طور سے استفادہ کر کے وضع اصطلاحات کا مسئلہ اس خوبصورتی کے ساتھ حل کر لیا ہے۔ کہ یہ تمام جدید نظام فن عربی سرمایۂ علم و حکمت کی قدیم ترین ملکیت معلوم ہوتا ہے۔ اور اس طرح گویا عربی زر علم و حکمت کی گم گشتہ متاع دوچند ہو کر پھر عربی زبان کے دامن میں پہنچ گئی ہے۔

عہد حاضر میں عربی زبان میں طب جدید کی بے شمار قابل قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں۔ اور اس سلسلے میں مصر۔ بیروت۔ استانبول اور بغداد کے فاضل ترین علمائے طب نے جدید تالیفات طبیہ کا ایک نہایت بیش قیمت سرمایہ فراہم کر دیا ہے۔ ان جدید مؤلفین طب میں ڈاکٹر لوحنّا ورتبات۔ ڈاکٹر عبدالحمید بک۔ ڈاکٹر عبدالغنی شہبندر۔ ڈاکٹر محمود بک صدقی۔ ڈاکٹر عیسٰے بک حمدی۔ ڈاکٹر اسکندر جدیدینی۔ اور ڈاکٹر محمد فرید وجدی کے اسمائے گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اور ان کے علاوہ ڈاکٹر محمود ریاض۔ ڈاکٹر سعادت بک۔ ڈاکٹر سلطان اشرف۔ ڈاکٹر محمد بن سلیمان التونسی۔ ڈاکٹر ابراہیم بک منصور۔ ڈاکٹر اسمٰعیل رشیدی۔ ڈاکٹر خواجہ یوسف فرعون۔ حکیم احمد حمدی الخیاط۔ اور ڈاکٹر محمد توفیق وغیرہم نے طبی تالیفات کے سلسلے میں نہایت شاندار فنی خدمات سرانجام دی ہیں۔

ان علمائے طب اور دکاترۂ عرب نے فن طب کے تقریباً ہر ایک موضوع پر بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں۔ یعنی طب کے تقریباً تمام شعبوں۔ مثلاً طب عمومی۔ طب خصوصی۔ علم حفظ صحت امراض رجال۔ امراض نسواں۔ امراض اطفال۔ علم کیمیا۔ علم جراحت وغیرہ ہر ایک شعبہ پر بے شمار مستقل تالیفات مرتب کی ہیں۔ ذیل میں ہم آپ کو ان علمائے فن کی بعض جدید تالیفات

اور خدمات سے متعارف کرانا چاہتے ہیں۔

طب عمومی } عہد حاضر کے علمائے طب نے طب عمومی پر بے شمار کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ طب عمومی سے ہماری مراد فن کا وہ عام علمی سرمایہ ہے جس میں طب کے تمام ضروری۔ اہم اور عملی مباحث کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جدید عربی نظام طب میں طب عمومی پر رسائل الابتہاج فی الطب الباطنی والعلاج مؤلفہ ڈاکٹر سالم بک۔ المعراج فی الطب الباطنی والعلاج مصنفہ ڈاکٹر عیسیٰ پاشا حمدی۔ عمدۃ المحتاج فی علم الادویۃ والعلاج۔ مطبوعہ مطبع امیریہ۔ مؤلفہ ڈاکٹر رشید احمد آفندی۔ نہایت بلند پایہ تالیفات ہیں۔

ان کتب کے علاوہ اس موضوع پر سید محمد ابوالہدیٰ الرفاعی نے فصول الحکماء۔ ڈاکٹر محمد لبیب نے الشفاء والنجاۃ۔ ڈاکٹر امین نے کتاب التمریض۔ ڈاکٹر محمد بک بدر نے الفرائد البدریہ فی علم الشفاء والمادۃ الطبیہ اور ڈاکٹر حسن پاشا محمود نے خلاصۃ الطبیہ فی الامراض الباطنیہ وغیرہ تالیفات سپرد قلم فرمائی ہیں۔ ان کے علاوہ الامراض الباطنیہ کے نام سے ایک کتاب ڈاکٹر خواجہ یوسف فرعون نے لکھی ہے۔ جو درحقیقت اس موضوع پر ایک فرانسیسی زبان کی کتاب کا عربی ترجمہ ہے

طب خصوصی } جدید عربی نظام طب میں طب خصوصی پر بھی نہایت شاندار و مفید کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں فرداً فرداً ایک ایک عضو کی بیماری پر سیر حاصل مباحث درج ہیں۔ چنانچہ امراض چشم پر ڈاکٹر محمود ریاض نے دقایۃ العین وعلاجہا۔ ڈاکٹر محمد آفندی نے مرشد الانظار فی تشخیص امراض العین بالبحث بالمنظار۔ اور ڈاکٹر احمد بن حسن الرشیدی نے ضیاء النیرین فی مداواۃ العین کتب لکھی ہیں۔

سل ربوی پر ڈاکٹر سعادت بک نے کتاب الوقایۃ من السل الربوی اور ذیابیطس پر ڈاکٹر میخائیل معلوف نے البول السکری کتابیں تالیف کی ہیں۔

طاعون پر شیخ محمد کامل البغدادی نے خلاصۃ الفنون فی احوال الطاعون اور ڈاکٹر اسمٰعیل رشیدی نے السر المکنون فی ابحاث الطاعون کتابیں لکھی ہیں۔

طلباء کی صحت پر ڈاکٹر عیسیٰ بک حمدی کی کتاب التعلیم والصحۃ، درزشیات کے منافع اور نقصانات پر ڈاکٹر حسین الہرادی کی کتاب المکیفات دبیان منافعہا ومضارہا وغیرہ کتب موجود ہیں۔
ان گرانقدر کتب کے علاوہ علم حفظِ صحت پر ایک بہترین کتاب ڈاکٹر محمد رشدی نے لکھی ہے۔ جس کا نام التدبیر العام فی الصحۃ والمرض ہے۔
علم حفظ صحت کے سلسلے میں قدرتی و طبعی نظام علاج پر بھی توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر الجواہر البدیعیہ فی علم الطبیعہ مؤلفہ ڈاکٹر محمد آفندی موجود ہے۔ ایک ضخیم کتاب الطب الطبیعی کے نام سے بیروت میں طبع ہوئی ہے۔ اور ایک کتاب الحمامات المعدنیہ کے نام سے لکھی گئی ہے۔ جس میں مختلف قسم کے چشموں کے پانی سے غسل کے متعلق مفصل معلومات درج ہیں۔

قانونِ ازدواج قانون ازدواج اور حفظ صحت رجال پر بھی جدید نظام طب عربی میں بے نظیر کتابیں تالیف ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر ڈاکٹر فتحی خیری کی اسرار المراہقہ۔ ڈاکٹر خیری ساتو کی اسرار الحیاۃ الزوجیہ ڈاکٹر سعید ابی خمرہ کی حیاتنا التناسلیہ حکیم احمد حمدی الخیاط کی صحۃ العلوم والزواج۔ ڈاکٹر شاکر الخوزی اللبنانی کی تحفۃ الراغب فی صحۃ المتزوج والعازب اور ڈاکٹر حسین بک ہمرانی کی حفظ صحۃ المتزوج والعازب وغیرہ کتابیں موجود ہیں۔
ایک کتاب امراض رجال پر ڈاکٹر فخری نے تالیف کی ہے جس کا نام امراض التناسلیۃ وعلاجہا وطرق الوقایۃ منہا ہے۔ جس میں امراض تناسل پر نہایت بیش قیمت معلومات سپرد قلم کی گئی ہیں۔ اور ایک کتاب قبل الزواج وبعدہ کے نام سے ڈاکٹر محمد عبدالحمید بک نے عربی زبان میں ترجمہ کی ہے جس میں شادی سے قبل اور شادی سے بعد کی زندگی پر مبسوط علمی وطبی مباحث درج کئے گئے ہیں۔

حفظِ صحتِ نسواں جدید طب عربی میں حفظِ صحت نسواں اور امراض نسواں پر بھی ضخیم طبی سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد عیسیٰ نے صحۃ المرأۃ فی ادوار حیاتہا اور ڈاکٹر نجیب بولسی نے امراض النساء کتابیں لکھی ہیں۔

ایک کتاب ڈاکٹر فرا نے عربی زبان میں ترجمہ کے زیور سے آراستہ کی ہے جس کا نام تدبیر الصحۃ الحامل والنفساء والطفل اثناء العامین الاولین ہے۔ اس تالیف میں زمانۂ حمل۔ دورِ نفاس اور دو سال تک بچے کی پرورش پر نہایت اہم اور مفید طبی معلومات درج کی گئی ہیں۔

علم صحت نسواں کے سلسلہ میں فنّ ولادت پر بھی بہترین تالیفات موجود ہیں چنانچہ ڈاکٹر عیسیٰ پاشا حمدی نے ہر شعبۂ فن پر ایک کتاب لمحات السعادۃ فی فنّ الولادۃ تالیف کی ہے۔ اور ڈاکٹر محمد عبد الحمید بک نے ایک کتاب الحمل خارج الرحم کے نام سے لکھی ہے۔

حفظِ صحت اطفال { عرب کے جدید طبی لٹریچر میں علم حفظِ صحت اطفال اور علم امراضِ بچگان پر بھی کافی طبی ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود فہمی نے کتاب امراض الاطفال۔ ڈاکٹر محمد ذکی نے العنایۃ بالطفل فی الصحۃ والمرض۔ حکیم احمد حمدی الخیاط نے الصحۃ الطفولۃ الاولیٰ۔ ڈاکٹر عبد العزیز نے تمریض الاطفال اور ڈاکٹر اسکندر ربیدی نے العنایۃ بالاطفال والاحداث فی الصحۃ والمرض۔ اور تدبیر الاطفال وغیرہ کتابیں لکھی ہیں۔

اس موضوع پر تربیۃ الطفل کے نام سے ایک کتاب ڈاکٹر عبد الحمید بک نے تالیف کی ہے۔ اور اسی نام کی ایک اور کتاب بھی موجود ہے۔ جو ڈاکٹر عمرو بیان کے قلم کا نقش جمیل ہے۔ علاوہ ازیں ایک کتاب ڈاکٹر نجیب قنادی نے تالیف کی ہے۔ جس کا نام تدبیر حیاۃ الرضیع الصحیۃ من یوم ولادتہ الی یوم الفطام ہے۔ اس میں فاضل مؤلف نے یہ بتایا ہے کہ ایک دودھ پیتے بچے کے لئے اس کے یوم پیدائش سے لے کر دودھ چھڑانے کے زمانے تک کیا کیا تدابیر حفظِ صحت اختیار کی جانی چاہئیں۔ علاوہ ازیں اس موضوع پر ایک اور تالیف مرشد العیال فی تربیۃ الاطفال کے نام سے لکھی گئی ہے۔

علم مفردات ودواسازی ۔ عربی زبان کی نئی طب میں جدید علم مفردات اور علم ترکیب الادویہ

پر بھی نہایت قابل قدر تالیفات مرتب ہوئی ہیں۔ چنانچہ علم مفردات پر ڈاکٹر سلطان اشرف نے ایک کتاب المعتمد فی مفردات الطب کے نام سے تحریر کی ہے اور ایک کتاب ڈاکٹر احمد عیسیٰ نے معجم اسماء النباتات فی السنۃ لاطینی فرانسیسی۔ انجلیزی وعربی کے نام سے تالیف کی ہے۔ جس میں فاضل مؤلف نے نباتات کے لاطینی فرانسیسی، انگریزی اور عربی مترادف ناموں سے روشناس کرایا ہے اور اسی طرز کی ایک اور نادر و بیش قیمت تالیف المذکرۃ اللغویہ فی ترجمۃ اہم مفردات الممالک الطبیعیۃ باللغۃ العربیۃ والفرنساویۃ والانجلیزیۃ موجود ہے۔ جس میں مختلف ممالک کی مفردات کے عربی فرانسیسی اور انگریزی اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔

جدید علم دواسازی پر بھی نہایت قابل قدر تالیفات موجود ہیں اور ان میں ڈاکٹر شیخ محمد منصور کی کتاب عمدۃ المتطببین فی فن الصیدلۃ المعروف بقرابادین ایک خاص امتیازی درجہ رکھتی ہے۔

علم کیمیائے جدید عرب کے عصر نو میں جدید علم کیمیا پر بھی توجہ خصوصی مبذول کی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر نقولا باسیلو نے کتاب الکیمیاء الابتدائیہ مرتب کی ہے اور ڈاکٹر حسن ابو سعد نے کتاب الاسرار الکیمیائیہ والفوائد الصناعیۃ تالیف کی ہے۔ اور اصول الکیمیاء کے نام سے ایک اور قابل قدر کتاب ہے۔ جس کو کرنیلیوس فانڈیک نے تالیف کر کے بیروت میں طبع کرایا ہے۔

لغاتِ طبیہ جدید وقدیم لغات طبیہ پر ڈاکٹر ابراہیم بک منصور نے القاموس الطبی العلمی کے نام سے ایک نہایت قابلِ قدر تالیف مرتب کی ہے اور ایک کتاب معجم انجلیزی وعربی کے نام سے ڈاکٹر محمد شرف نے لکھی ہے۔ جس میں آپ نے طب کے تمام جدید وقدیم انگریزی اور عربی مترادف لغات و اصطلاحات کو نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علم منافع وتشریح عصر حاضر کی عربی طب میں جدید علم منافع وتشریح پر بھی نہایت بلند پایہ مصور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ علم منافع پر ایک مصور تالیف

کتاب الفیبولوجیا کے نام سے موجود ہے۔ جس کو ڈاکٹر یوحنا ورتبات نے تالیف کر کے بیروت میں طبع کرایا ہے۔ اور ایک کتاب تکوین انسانی پر علامہ ابن احمد بن یوسف الحسینی نے البیان فی اصل تکوین الانسان کے نام سے تالیف کی ہے۔ اور ایک کتاب تشریح خاص پر ڈاکٹر محمود بک صدقی نے ارشاد الخواص فی تشریح الخاص کے نام سے لکھی ہے۔

علم الجراحت عرب کے جدید نظام طب میں علم جراحت پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی گئی ہے اور فن کے اس شعبۂ خاص پر نہایت اہم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبد الحمید بک نے علم جراحت پر العلاج الجراحی، التشخیص الجراحی، التشریح الجراحی مصور، اور اغلاط الجراحین و حوادث الجراحۃ وغیرہ گرانقدر کتابیں تالیف کی ہیں۔

علاوہ ازیں اس موضوع پر المصباح الوضاح فی صناعۃ الجراح مؤلفہ و مترجمہ ڈاکٹر جورج پوست۔ غرۃ النجاح فی اعمال الجراح مؤلفہ محمد علی البقلی۔ آلات الطب و الجراحۃ والکحالۃ مؤلفہ ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک۔ اور التطبیقات العلمیہ فی العملیات الجراحیہ۔ مؤلفہ ڈاکٹر محمد حسن وغیرہ نادر اور ضخیم کتابیں موجود ہیں۔

جدید علم جراحت پر تحفۃ الطبیب فی العملیات الجراحیۃ الصغریٰ والاربطۃ والتعصیب کے نام سے ایک اہم کتاب حکیم احمد حمدی الخیاط نے لکھی ہے جس میں چھوٹے اعمال جراحی اور پٹی باندھنے کے عملی طریقوں کو نہایت وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے اور زخموں پر پٹی باندھنے کے طریقوں پر اربطۃ جراحیۃ کے نام سے بزداوی نے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

مجلاتِ طبیہ طبی علوم و تحریکات کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ممالک عربیہ میں عربی زبان میں متعدد بلند پایہ طبی رسائل و مجلات بھی جاری ہیں۔ ان مجلات میں رسالہ الحکمۃ کو ایک خاص امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ یہ ایک عربی زبان کا نہایت بلند پایہ طبی رسالہ ہے۔ جو ڈاکٹر عبد الغنی شہبندر کی ادارت میں مہینے میں دوبارہ بیروت سے شائع ہوتا ہے۔

ممالک عربیہ مصر۔ دمشق۔ بغداد۔ بیروت وغیرہ کی جدید طبی تحریک کے نتائج کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ جو ہم نے بطور مشتے نمونہ از خروارے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عربی زبان نے اب پھر علمی میدان کو فتح کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور نوجوان عرب کی قدیم طب تمام جدید علوم طبیہ سے آراستہ ہو کر ایک نہایت شاندار طب بن چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے یونانیوں سے طب قدیم کو لے کر اور اس کو ایک ترقی یافتہ شکل دے کر یورپ کے حوالے کر دیا اور آج وہ پھر اس متاع گرانمایہ کو اس سے واپس لے کر اس میں چار چاند لگا رہے ہیں۔

عربی زبان کے چمنستانِ علم و حکمت میں اب پھر بہار تازہ آئی ہے۔ اور اس میں جدید دورِ نہضت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کے علوم و فنون کی کائنات میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں اس کی نئی طب بھی مشرق و مغرب کی تمام جدید و قدیم فنی معلومات سے مالا مال ہو کر ترقی کے شاندار مدارج طے کر رہی ہے۔ چنانچہ آج اس کے گنجینۂ علم و ادب میں جدید و قدیم طبی فنی کتب کا ایک ایسا بیش قیمت سرمایہ فراہم ہو چکا ہے جس سے تمام ترقی یافتہ مشرقی اور مغربی اقوام استفادہ کر رہی ہیں۔

۱۰۲ پروفیسر براؤن نے اپنے دوسرے لیکچر میں چار مشاہیر طب کا ذکر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ابوالقاسم الزہراوی کو اسی بلند پایہ محفل کا پانچواں رکن سمجھنا چاہیئے اور اس لئے ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کی زندگی کے حالات اور کارناموں کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی عربی دورِ حکومت کے نہایت بلند پایہ یگانۂ روزگار اور جلیل القدر طبیب اور سرجن تھے۔ آپ کے آباء و اجداد سپانیہ کے باشندے[1] تھے اور آپ تقریباً ۳۲۴ھ میں قرطبہ کے قریب مدینۃ الزہراء میں (جس کو امیر عبدالرحمٰن سوم نے اپنی محبوبہ زہراء کے نام پر آباد کیا تھا[2]) پیدا ہوئے۔ اور اسی لئے زہراوی کے لقب سے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اسپین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل۔ جلد اول صفحہ ۷۵ مطبوعہ لندن۔ منہ

[2] ملاحظہ ہو " " مؤلفہ " " " صفحہ ۸۵۔ منہ۔

[3] ملاحظہ ہو۔ مقدمہ ابن [illegible] صفحہ [illegible] مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ۔ منہ۔

ملقب ہوئے[1]

غالباً قرطبہ میں آپ نے تعلیم پائی۔ اور علم و تجربہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ امیر عبدالرحمٰن سوم کے طبیبِ خاص مقرر ہوگئے۔ جس کا زمانۂ حیات سنہ ۹۱۲ء سے لے کر سنہ ۹۶۱ء تک رہا۔ اور جو اندلس کے بنی امیہ کے خاندان کا آٹھواں تاجدار تھا۔[2]

آپ کے عام حالاتِ زندگی کسی حد تک پردۂ خفاء میں ہیں اور اسی لئے ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل لکھتے ہیں۔ کہ کسی مستند ماخذ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ابوالقاسم الزہراوی کے سوانح حیات کا مرتب کرنا ناممکن سا ہے[3] لیکن جہاں تک قرائن اور حالاتِ گرد و پیش کا تعلق ہے آپ کے عام حالات اور تعلیمی کوائف کے متعلق میری ناچیز معلومات حسب ذیل ہیں:۔

زہراوی کا دبستانِ علم ابوالقاسم زہراوی نے طب اور دیگر علومِ حکمیہ کی تعلیم غالباً قرطبہ میں حاصل کی تھی۔ کیونکہ قرطبہ اس دور میں صرف مغربی خلافتِ اسلامیہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا مرکز ہی نہ تھا۔ بلکہ معارف و علومِ قدیمہ اور فنونِ حکمیہ کا ایک بہترین سرچشمہ تھا۔ اور ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی تصریح کے مطابق آٹھویں صدی عیسوی سے قرطبہ میں ایک ممتاز ترین یونیورسٹی قائم تھی جو مسلمانوں کا ایک بہترین علمی مرکز تھی۔[4]

زہراوی کا شاندار ماحول زہراوی نے ایک شاندار علمی اور اسلامی ماحول میں پرورش اور تعلیم پائی۔ جبکہ ملتِ اسلامیہ کے عروج و اقبال کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اور تمام مشرقی و مغربی اسلامی سلطنتوں کے آسمان پر علوم و فنون کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اور ہر طرف علم و حکمت کے دریا رواں تھے یعنی ایک طرف

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مقدمۂ الزہراوی صفحہ ۱ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ۔

[2] ملاحظہ ہو " " " صفحہ ۲ " " ۔

[3] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۵۔

[4] ملاحظہ ہو۔ " " " " " " " "

تو مدینۃ السلام بغداد جو عباسیوں کی راجدھانی تھا علم و ہنر کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف قرطبہ میں اندلس کے بنی اُمیّہ کی عظمت و شوکت اور جاہ و جلال کا پرچم تمام علوم اوّلین و آخرین کی کائنات کو اپنی پناہ میں لئے کھڑا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ بقول ڈانلڈ کیمبل قرطبہ کی علمی مرکزیت بغداد سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ کیونکہ اُس میں عباسی خلافت سے زیادہ ایک آزاد اسلامی حکومت قائم تھی۔ اور اسی لئے ہسپانیہ کے مسلمانوں نے دنیا کو سب سے زیادہ بہترین مصنّفین دئے ہیں[1]۔

بہرکیف یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ابو القاسم الزہراوی کے عہد میں قرطبہ ایک نہایت شاندار مرکز علم و حکمت بنا ہوا تھا۔ جہاں آپ نے تعلیم پائی اور جہاں سے فارغ التحصیل ہو کر آپ نے دنیا کو اپنے کمالِ علم و ہنر سے محو حیرت کر دیا۔

زہراوی کے عہد میں قرطبہ میں شاندار شفا خانے قائم تھے بہترین لائبریریاں موجود تھیں۔ اور قرطبہ صحیح معنے میں ایک نہایت عظیم الشان دار العلوم بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل لکھتے ہیں کہ

"قرطبہ مغربی خلافت کے مرکز ہونے کی وجہ سے مرکز مذہب۔ نادرِ فلاسفہ اور روشنئ اندلس کے القاب سے مشہور تھا۔ اسلامی دورِ حکومت میں اس میں تین سو ۳۰۰ مسجدیں تھیں۔ دو لاکھ ۲۰۰۰۰۰ گھر تھے۔ تقریباً دس لاکھ ۱۰۰۰۰۰۰ باشندے آباد تھے تخمیناً پچاس ۵۰ شفا خانے موجود تھے اور اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ قرطبہ کی لائبریری میں کم از کم دو لاکھ پچیس ہزار ۲۲۵۰۰۰ کتابیں تھیں[2]"

پھر آگے چل کر ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل قرطبہ اور مغربی خلافت کے دیگر ممتاز شہروں کی لائبریریوں اور علمی جماعتوں کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

مغربی خلافت نے دسویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان قرطبہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۵۶۔

[2] ملاحظہ ہو۔ " " " " جلد اوّل صفحہ ۵۷۔

مراغہ وغیرہ میں متعدد شاندار لائبریریاں قائم کی تھیں[1] - اور قرطبہ میں علماء اور حکماء کی ایک ممتاز جماعت موجود تھی - جو مشرقی اور مغربی عربوں کے لٹریچر پر عالمانہ اور فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے تنقید کرتی تھی[2]-

ماحصل یہ کہ زہراوی نے ایک بہترین علمی اور اسلامی ماحول میں پرورش پائی - وقت کے فاضل ترین علماء اور حکماء سے فیض درس وصحبت حاصل کیا - اور غالباً اپنے عہد کی بہترین یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی - بہترین لائبریریوں کی سیر کی اور بہترین شفاخانوں میں علم وتجربہ حاصل کر کے ان میں اپنے علم جراحت کے کمالات کا اظہار کیا - اور قرب سلطانی حاصل کیا -

زہراوی قرطبہ کے ہسپتال میں { ابوالقاسم الزہراوی غالباً قرطبہ کے شاہی ہسپتال کے جلیل القدر ہاؤس سرجن تھے - اور اس کا ثبوت آپ کی اس تصویر سے بھی ملتا ہے - جو حال میں ڈاکٹر محمود صدقی بے نے اپنے فرانسیسی ترجمۂ کتاب دعوت الاطباء کے مقدمہ میں شائع کی ہے[3] -

زہراوی کی وہ تصویر جس میں زہراوی اپنے قرطبہ کے شاہی ہسپتال میں قیام فرما نظر آتے ہیں - میں نے فاضل مصر ڈاکٹر محمود صدقی بے کے اسی فرینچ ترجمہ [illegible] ہے -

---

[1] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۵۷ +

[2] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۵۷ +

[3] فاضل مصر ڈاکٹر محمود صدقی بے نے ابن بطلان کی اس عربی کتاب کا حال میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے اس کو قاہرہ سے شائع کیا ہے - اور اس پر آپ نے فرینچ میں ایک فاضلانہ مقدمہ سپرد قلم فرمایا ہے - جس میں آپ نے جابر بن حیان - ذکریا رازی اور ابوالقاسم الزہراوی کی وہ نادر تصویریں بھی شائع کی ہیں - جو آپ کو مصر اور یورپ کی بعض قدیم خانقاہوں اور لائبریریوں سے حاصل ہوئی ہیں -

زہراوی کا مزار ابوالقاسم الزہراوی نے ۱۰۱۳ء میں وفات[1] پائی۔ اور قرطبہ کی خاکِ پاک[2] میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جس کے کھنڈر آج بھی اُس کی دبدبۂ عظمت و شوکت کے آئینہ دار ہیں۔

زہراوی اور مسلمانوں کا دَورِ علمِ جراحت ابوالقاسم الزہراوی کا امتیازِ خصوصی آپ کا کمالِ فنِ جراحت ہے۔ ہم یہاں اس پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم آپ کے اس کمالِ خصوصی کے سلسلے میں کچھ بیان کریں سرسری طور پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کہ آپ کے دَور میں عام طبّی ارتقار کے علاوہ فنِ جراحت کی ترقیات کی کیا حالت تھی۔ جو اس فن میں آپ کی ترقی اور شہرت کا موجب ہوئی۔

ابن ابی اصیبعہ اور ابن القفطی وغیرہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دَور میں دیگر علوم و فنون کی طرح مسلمانوں کا علمِ جراحت بھی عروج پر تھا۔ چنانچہ سرجری کی ترقیات کے سلسلے میں بغداد۔ غرناطہ۔ دمشق۔ اشبیلیہ وغیرہ کے مشہور طبّی مدارس و ہسپتالوں میں طلبار کو باقاعدہ سرجری کی علمی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان ہسپتالوں میں مریضوں پر تقریباً تمام چھوٹے اور بڑے اعمالِ جراحت کئے جاتے تھے۔ اور عملی تعلیمِ جراحت کے لئے وہاں لاشوں کے چاک کرنے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

---

[1] ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے زہراوی کا سن پیدائش تقریباً ۹۳۶ء لکھا ہے (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن جلد اوّل صفحہ ۸۵) اور سنِ وفات ۱۰۱۳ء تحریر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن جلد اوّل صفحہ ۱۳۴) اس کے یہ معنی ہوئے۔ کہ زہراوی نے ۷۷ سال کی عمر پائی جو یقیناً غلط ہے۔

علیٰ ہٰذا کتاب التصریف کے مقدمہ نگار مولوی حکیم ہدایت الحسن صاحب نے آپ کا سن وفات سنہ ۵۰۰ھ تحریر کیا ہے (ملاحظہ ہو۔ الزہراوی صفحہ ۲ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ) ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی وہی اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ جو ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل پر ہے۔ اندریں حالات زہراوی کا سنِ وفات تحقیق طلب ہے۔

[2] ملاحظہ ہو۔ مقدمہ التصریف صفحہ ۲۔

اسلامی بیمارستان صحیح معنوں میں دار الشفاء بنے ہوئے تھے۔ جہاں بلا تخصیص مذہب و ملت ہر امیر و غریب کا علاج نہایت توجہ سے ہوتا تھا۔ اور جہاں مختلف متعدی امراض کے مریضوں۔ عورتوں۔ مردوں وغیرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ بنائے گئے تھے اور ان میں مریضوں کی آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ بعض شفاء خانے خصوصاً بہت ممتاز تھے۔ ان میں باغیچے بنائے گئے تھے۔ فوارے جاری کئے گئے تھے۔ اور ان کو انواع و اقسام کے سامانِ آسائش و آرائش سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ان شفا خانوں کی کہانی آپ براکلمن۔ نیوبرگر۔ گیرلیس اور مقریزی کی زبان سے سنیں۔ جو لکھتے ہیں۔ کہ

"اسلامی بیمارستانوں میں بیمار کا علاج ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ گھر جاتے وقت اس کو اس قدر سرمایہ بھی دیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی بیماری کے بعد کی کمزوری کے ایام فارغ البالی سے بسر کر سکے۔ اور فوراً سعیٔ کسبِ معاش میں مصروف ہو کر دوبارہ بیمار نہ ہو جائے"۔[1]

المختصر یہ کہ مسلمانوں کے عہد میں طبی نظامات نہایت اعلیٰ صورت میں تھے۔ اور ان کے ہسپتالوں میں طلباء کو عملی سرجری کی نہایت اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ چنانچہ وہاں ان کو ہڈیوں کے کاٹنے جوڑنے۔ حتیٰ کہ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ حلق۔ زبان۔ احشائے بطن معدہ و جگر و مثانہ وغیرہ تمام اعضائے ظاہری و باطنی کے عمل بالید کے طریقے مکمل طور پر سکھلائے جاتے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اور اس کا ثبوت ذکریا رازی۔ علی بن عباس مجوسی اور زہراوی کی کتب اعمالِ جراحت اور ابن ابی اصیبعہ اور ابن القفطی کی کتب تاریخ طب سے جا بجا ملتا ہے۔

تاریخ طب میں مسلمانوں کی فنی ترقیات کا یہ شاندار نظارہ دیکھ کر اوسلر لکھتا ہے کہ آٹھویں اور گیارھویں صدی عیسوی کے درمیان مسلمانوں میں طب اس درجۂ کمال پر پہنچ

---

[1] ملاحظہ ہو ارےبئین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ایڈورڈ۔ جی براؤن صفحہ ۱۰۲۔ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ منہ۔

چکی تھی - کہ اس کی نظیر تاریخ عالم کے کسی دور میں نہیں ملتی ۔ اور سنگر کہتا ہے - کہ اسلام نے وہ راستہ جو آج مشرق سے مغرب کو ہے - اپنے عہد میں الٹا کر دیا تھا -

ماحصل یہ کہ ابوالقاسم الزہراوی کے زمانے میں مسلمانوں کا علم طب و جراحت اوج کمال پر تھا - اور اس عہد میں بغداد - غرناطہ اشبیلیہ وغیرہ تمام ممالک اسلامیہ میں اسلامی مدارس اور ہسپتالوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا - زہراوی نے اس شاندار ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کی - اور ان سازگار حالات میں آپ کی خداداد ذہانت اور اعلیٰ قابلیت کو بآسانی علم طب و جراحت کے وہ تمام کمالات دکھانے کے شاندار مواقع میسر آ گئے - جو آپ کے لئے مقدر تھے - اور جن کے لئے آپ پیدا کئے گئے تھے اور جنہوں نے آپ کو تمام مشرق و مغرب میں زندۂ جاوید بنا دیا ⁂

زہراوی کا علم جراحت ابوالقاسم الزہراوی اپنے عہد کے جید عالم طب اور یگانۂ آفاق حاذق معالج تھے - چنانچہ موفق الدین بن ابی اصیبعہ آپ کے طبی علم و کمال کی نسبت اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں اس طرح رقمطراز ہیں :-

خلف بن عباس الزهراوی	ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی
کان طبیباً فاضلا خبیراً	ایک فاضل طبیب تھے - علم ادویہ
بالادویة المفردة والمرکبة	مفردہ و مرکبہ کے عالم تھے - بہترین
جید العلاج و له تصانیف	معالج تھے - اور فن طب میں آپ
مشهورة فی صناعة	کی متعدد مشہور تصانیف موجود
الطب[1] ⁂	ہیں ⁂

علیٰ ہذا مؤلف کتاب القنوع اور مؤلف کتاب کشف الظنون من اسماء الکتب و الفنون نے آپ کو مشہور طبیب عرب - بہترین معالج - اور علم ادویہ مفردہ مرکبہ کا جید عالم

---

[1] ملاحظہ ہو - عیون الانباء فی طبقات الاطباء - جلد دوم صفحہ ۵۲ - مطبوعہ قاہرہ ⁂

ذکر کیا ہے۔

لیکن ان خصوصیات سے قطع نظر آپ کی نہایت ممتاز خصوصیت آپ کا کمالِ علم جراحت ہے۔ جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔ اور یہ وہ کمال ہے۔ جس نے آپ کے نام کو مشرق و مغرب میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ۔ فرانس اور وی آنا کے مہتم بالشان ہسپتالوں میں جو آج سرجری کی شان و شوکت نظر آرہی ہے۔ وہ بڑی حد تک ابوالقاسم الزہراوی ہی کے نقش قلم اور علم و ہنر کی یادگار ہے۔

زہراوی کی کتاب جراحت { علم جراحت پر زہراوی کی بے نظیر کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف ہے جس نے مشرق و مغرب میں آپ کے علم و ہنر کی دھوم مچادی ہے۔

التصریف لمن عجز عن التالیف درحقیقت فنِ طب پر ایک ضخیم تالیف ہے۔ جو فن کے علمی اور عملی دو حصوں پر منقسم ہے اور ہر ایک حصہ پندرہ پندرہ حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ علم جراحت کے لئے مخصوص ہے۔ اور یہی درحقیقت اس تالیف کی روحِ رواں ہے۔ جس سے زہراوی کے علمِ جراحت کے کمالات کا سرسری اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

التصریف کا یہ حصہ جراحت الزہراوی کے نام سے مطبع نامی لکھنؤ میں چھپ چکا ہے اور پوری التصریف پٹنہ عظیم آباد کی لائبریری میں موجود ہے۔ جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

زہراوی کی کتاب التصریف کا یہ حصۂ جراحت۔ آلات جراحت کی نہایت خوبصورت تصاویر سے مزین ہے۔ اور یورپ کے ڈاکٹر آج اعمال جراحی میں جو آلات استعمال کرتے ہیں وہ تقریباً اس میں موجود ہیں۔ اس میں تقریباً تمام اعمال جراحی کو نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جبرِ عظام سے لے کر ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے اپریشنوں کا مکمل بیان اس میں موجود ہے۔ جس سے یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔ کہ عرب اطباء جراحی میں مہارت تامہ اور یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اور مغربی اطباء نے آج سرجری میں جو استادانہ مہارت حاصل کی ہے۔ وہ سب عرب اطباء کی مساعیٔ علمیہ ہی کی بدولت ہے۔

التصریف کا یہ مصور حصۂ جراحت اس وقت میری آنکھوں کو ضیا بخش رہا ہے جس میں بے شمار آلاتِ جراحت مثلاً منماص[1] ۔ مسلط[2] ۔ مقلاع الاسنان[3] ۔ قاثاطیر[4] ۔ محقن[5] ۔ مقراض[6] ۔ منشار[7] ۔ سکین[8] ۔ ابرعقفاء[9] ۔ کلوب[10] ۔ منضخہ[11] ۔ مبرد[12] ۔ مفصد[13] ۔ مبزع[14] ۔ مبضع[15] ۔ مجرافت[16] ۔ ملقاط[17] وغیرہ کی نہایت خوبصورت تصویریں درج ہیں ۔ جو حسب موقع نقش کی گئی ہیں ۔

التصریف کا یہ مصور حصۂ جراحت یورپ میں متعدد مرتبہ انگریزی ۔ لاطینی اور دیگر مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے ۔ اور عالمینِ طبِ جدیدہ جراحی میں اس کتاب کی قدر و قیمت سے بخوبی آشنا ہیں ۔

یہ حصۂ جراحت یعنی الزہراوی تین بابوں پر منقسم ہے ۔ پہلا باب کی بالنار اور کی بالدواء کے ذکر میں ہے ۔ دوسرا باب فصد ۔ حجامت ۔ خراجات ۔ اخراج سہام وغیرہ کے بیان میں ہے ۔ اور تیسرا باب ۔ جبر ۔ خلع اور علاج التوئی وغیرہ کی بحث میں ہے ۔ پہلے باب میں ۵۶ ۔ دوسرے باب میں ۹۶ ۔ اور تیسرے باب میں ۳۴ فصول ہیں ۔ اور تقریباً ہر فصل میں اعمالِ جراحیہ میں سے جس عملِ جراحت کو ذکر کیا گیا ہے اُس کو نہایت وضاحت سے بیان کر کے اُس کے متعلق آلاتِ جراحت کی تصاویر نقش کی گئی ہیں ۔

اس کتاب میں جا بجا ۔ بسط ۔ قبض ۔ رباط ۔ شد ۔ مد ۔ بط ۔ جدع ۔ قطع ۔ قدح ۔ جرح ۔ نعف ۔ جث ۔ غمز ۔ جبر ۔ کسر وغیرہ کے تمام مفید اور اہم طریقے بیان کئے

---

[1] منماص موچنہ [2] مسلط شتے از سوزن [3] مقلاع الاسنان ۔ دانت اکھاڑنے کا آلہ ۔ [4] قاثاطیر ۔ آلۂ اخراج بول [5] محقن آلۂ حقنہ [6] مقراض قینچی ۔ [7] منشار ۔ آری [8] سکین چھری [9] ابرِ عقفاء ۔ سوزن آہنی [10] کلوب ۔ زنبور ہندی [11] منضخہ ۔ زراقہ [12] مبرد ۔ سوہان [13] مفصد ۔ نشتر فصد [14] مبزع ۔ نشتر بیطار ۔ [15] مبضع ۔ نشتر جراح [16] مجرافت مرجناں کی سلائی جس سے زخم کی گہرائی معلوم کرتے ہیں [17] ملقاط ۔ چمٹی ⁘

آگئے ہیں ۔ اور تقریباً تمام اعمال جراحیہ مثلاً کی الاجفان تشمیر العین ۔ قطع ورم لماۃ ۔ جرد الاسنان ۔ قلع الاسنان ۔ تشبیک اضراس متحرکہ ۔ شق ورم شریانی و وریدی ۔ شق خنازیر ۔ بزل استسقاء ۔ اخراج حصاۃ ۔ بط خراج الرحم ۔ اخراج جنین میت ۔ نوم بواسیر ۔ جراحت بطن ۔ خیاطت امعاء ۔ نشر عظام ۔ قطع اطراف ۔ جبر الترقوہ ۔ اور سل العرق المدنی وغیرہ کو تفصیل ذکر کیا گیا ہے ۔ اور ہر عملیہ کے ذکر کے ضمن میں جا بجا مصنف نے اپنے تجارب اور معلومات کو بیان کیا ہے ۔

المختصر یہ کہ یہ کتاب جراحت عربی دور حکومت کے علمی ارتقاء کی ایک بہترین یادگار اور زہراوی کے قلم کا ایک نادر ترین شاہکار ہے ۔

ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں اس تالیف کی مدح و ثناء میں اس طرح رطب اللسان ہیں ۔

و لخلف بن عباس الزہراوی	ابو القاسم خلف بن عباس الزہراوی کی
من الکتب کتاب التصریف	تالیفات میں سے آپ کی ایک بہت بڑی
لمن عجز عن التالیف و	اور مشہور ترین تالیف کتاب التصریف
ھو اکبر تصانیفہ و	لمن عجز عن التالیف ہے ۔ اور یہ
اشہرھا و ھو کتاب تام	کتاب درحقیقت اپنے معنی میں اسم با مسمی
فی معناہ[1]	ہے ۔

علیٰ ہذا ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اس کتاب کا تعارف اس طرح کراتے ہیں :-

" ابو القاسم الزہراوی کی خاص تصنیف معالجات اور فن جراحی کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے ۔ جس کا نام التصریف ہے ۔ اور جس کا پانچ مرتبہ ترجمہ ہوا ہے ۔ اس کتاب کے حصۂ جراحت کو علیحدہ شائع کیا گیا ہے ۔ اور یہ اپنی طرز کا پہلا ۔ مشرح ۔ مصور اور آزاد مضمون ہے ۔ اس میں تین باب ہیں ۔

---

[1] ملاحظہ ہو عیون الانباء فی طبقات الاطباء ۔ جلد دوم صفحہ ۵۲ ۔ مطبوعہ قاہرہ ؛

پہلے باب میں کی (داغ دینے) کا ذکر ہے۔ اور طب عربی میں کی کے استعمال کی کثرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپؐ نے ہدایت فرمائی ہے۔ کہ اس کو بہت کم اور احتیاط سے برتا جائے اس باب میں داغوں اور داغ دینے کے آلات کی تصویریں دکھائی گئی ہیں۔ اور آگ کے فوائد کا بہت شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرا باب جو عام اعمالِ جراحت سے متعلق ہے۔ بیشتر کتاب پالوس سے ماخوذ ہے۔ اور اس میں مثانہ کی پتھری کو توڑنے اور اپریشن کے ذریعہ نکالنے۔ آنکھوں اور دانتوں کی کرجری اعضا کے کاٹنے اور عام اعمال جراحت اور پٹی باندھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اور آخر میں زخموں کا مکمل علاج جراحی درج ہے۔

تیسرے باب میں شکست استخوان اور جوڑوں کے اترنے کا بیان ہے اور اس میں اس فالج کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جو سپائنل کارڈ (نخاع) کے آفت زدہ ہونے کے باعث لاحق ہوتا ہے۔ اور پیدائش سے قبل ماں کے پیٹ میں بچہ کی مختلف حالتیں ذکر کی گئی ہیں۔ جو آج دا بجر نہ پوزیشن کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اسی سلسلے میں بذریعۂ آلاتِ جراحت وضع حمل کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے"۔ (مقتبس از کتاب اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۶)

کتاب الزہراوی کی بعض اہم خصوصیات کتاب الزہراوی کی چند[2] اہم خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس تالیف کے ماخذ نہایت مستند ہیں۔ یعنی کتاب الزہراوی کے لئے اس کے فاضل مؤلف ابوالقاسم الزہراوی نے جن کتب اور تالیفات سے معلومات اخذ کی ہیں۔ وہ نہایت معتبر اور مستند تالیفات ہیں ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب کا شاہکار اس کا حصۂ علم جراحت ہے۔ اور اس کے مباحث اور مسائل آپ نے زیادہ تر پولس (مغربی نام پالوس آف ایجینا) کی کتاب[1] سے

---

[1] علامہ ایڈورڈ۔ جی براؤن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے اپنی کتاب اریبین میڈیسن میں پالوس کا نام پولس لکھا تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحات ۲۸، ۳۳، ۵۵۔

ایپی ٹوم سے حاصل کئے ہیں ۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل لکھتے ہیں :۔

"ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب جراحت جس کا ترجمہ جیرارڈ آف کریمونا نے کیا ہے ۔ تین۳ بابوں پر منقسم ہے ۔ اور اس کی بنیاد اس نے میکس نیوبرگر کی تصریح کے مطابق پالوس آف ایجینیا یعنی پولیس کی کتاب ایپی ٹوم پر رکھی ہے جو اس کے عہد تک سرجری پر نصاب تعلیم کی ایک بہترین کتاب تھی ۔"[1]

علاوہ ازیں اوگسٹ ہرش لکھتا ہے :۔

"علم تولید (مڈوائفری) پر ابوالقاسم الزہراوی کے مباحث پالوس آف ایجینیا کی معلومات پر مبنی ہیں ۔"[2]

علیٰ ہٰذا کتاب الزہراوی کے مقدمہ نگار غالباً کتاب القنوج کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

الشیخ ابوالقاسم خلف بن عباس الاندلسی الزهراوی کان من مشاهیر اطباء العرب و جراحیهم العظام خبیراً بالادویة المفردة والمرکبة جید العلاج وکان علی مذهب الطبیب الیونانی بولیس المنسوب الی جزیرة اجینیا ۔[3]	شیخ ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی اندلسی عرب کے مشہور اور عظیم المرتبہ طبیبوں اور سرجنوں میں سے تھے ۔ ادویہ مفردہ و مرکبہ کے علم سے باخبر اور بہترین معالج تھے ۔ اور آپ علم طب و جراحت میں یونان کے جزیرہ اجینیا کے رہنے والے طبیب بولیس (پالوس) کے مذہب کے مقلد تھے ۔

بولیس کی تالیف کے علاوہ ابوالقاسم الزہراوی کی تالیف کی تشریحی معلومات کا ماخذ غالباً

---

[1] ملاحظہ ہو ۔ اربیین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۶ ۔

[2] ملاحظہ ہو " " " مؤلفہ " " جلد اوّل صفحہ ۸۶ ۔

[3] ملاحظہ ہو کتاب الزہراوی صفحہ ۲ مطبوعہ مطبع لکھنؤ ۔

جالینوس کی تصانیف ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت زہراوی کی اپنی اس تحریر سے ظاہر ہے:۔

وینبغی لصاحبھا ان یرتاض	
قبل ذالک فی علم التشریح	علم جراحت کے متعلمؒ کے لئے یہ ضروری
الذی وضعہ جالینوس	ہے کہ وہ اس سے قبل علم تشریح کے
حتّٰی یقف علی منافع	حصول میں جد وجہد کرے۔ جس کو جالینوس
الاعضاء و ھیئاتھا۔[1]	نے وضع کیا ہے۔ تاکہ وہ علم منافع الاعضا

اور علم اشکال اعضاء سے واقف ہو جائے۔

علی ہذا ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل لکھتے ہیں:۔

"ابوالقاسم الزہراوی اور بوعلی سینا نے یورپ کے سامنے جالینوس کی ترجمانی کی[2]"

بولیس اور جالینوس کے علاوہ ابوالقاسم الزہراوی نے بیشتر معلومات ذکریا رازی سے اخذ کی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ نے بولیس و جالینوس کی اکثر معلومات بھی رازی ہی کے توسّل سے حاصل کی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل اس طرح رقم طراز ہیں:۔

"اس اہم علم جراحت اور علم ولادت کی بنیاد ابوالقاسم الزہراوی نے پالوس کی ان معلومات جراحیہ اور جالینوس کی اُن تشریحی معلومات پر رکھی ہے۔ جو آپ کو رازی کے ذریعہ حاصل ہوئیں[3]"

پھر آپ ایک دوسرے مقام پر اس طرح لکھتے ہیں:۔

"التصریف میں جدری اور حصبہ پر جو معلومات درج ہیں، وہ رازی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں[4]"

المختصر یہ کہ کتاب الزہراوی کے ماخذ معلومات نہایت مستند ہیں۔ اور اس کے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ متن کتاب الزہراوی صفحہ اوّل :

[2] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل۔ جلد اوّل صفحہ ۵۲ :

[3] ملاحظہ ہو " " " " " " صفحہ ۸۷ :

[4] ملاحظہ ہو " " " " " " صفحہ ۸۷ :

فاضل مؤلف نے اس کے لئے بیشتر معلومات بولیس ۔ جالینوس اور رازی کی کتب سے حاصل کی ہیں ۔

کتاب الزہراوی کی دوسری خصوصیت اُس کے فاضل مؤلف کی ذاتی معلومات اور تجارب ہیں ۔ چنانچہ اس تالیف میں زہراوی نے جابجا اپنی بیش قیمت اور نادر معلومات ذکر کی ہیں اور اسلاف کے علوم کی بنیاد پر آپ نے گویا علم جراحت کا ایک شاندار اور نیا قصر تعمیر کیا ہے ۔

اس کی تیسری خصوصیت مؤلف کا سلیس اندازِ بیان اور عام فہم طرزِ نگارش ہے ۔ جس کے ذریعے آپ فنِ جراحت کے طریقے اور اعمال ایک نہایت حسین اسلوب کے ساتھ ذہن نشین کراتے چلے جاتے ہیں اور جس کی مثالیں ہم کتاب الزہراوی میں جابجا دیکھتے ہیں ۔

اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہے ۔ کہ یہ تالیف فنِ جراحت میں عملی حیثیت سے نہایت مفید ہے ۔ اور فاضل مؤلف نے اس کتاب میں اپنے عہد کی عام اور قدیم ذہنیت کے برخلاف ذہنی اور فکری مسائل (ایبسٹرکٹ تھاٹس) سے قطع نظر کرتے ہوئے زیادہ تر اُن فنی مباحث کو ذکر کیا ہے ۔ جو عمل کی دنیا میں نہایت کارآمد اور مفید ہیں ۔

کتاب الزہراوی کی پانچویں خصوصیت اُس کی وہ تصاویر آلاتِ جراحت ہیں ۔ جو اُس میں جابجا منقوش ہیں ۔ میرے پیشِ نظر اس وقت مطبع نامی لکھنؤ کا مطبوعہ نسخۂ الزہراوی ہے ۔ جس میں صدہا آلاتِ جراحت کی نہایت خوبصورت تصویریں منقوش ہیں ۔

لیکن ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الزہراوی کی جو تصویریں اُس کے لاطینی تراجم میں پائی جاتی ہیں ۔ وہ ان سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں ۔ کہ اب جو التصریف کے عربی نسخے پائے جاتے ہیں ۔ اُن کی تصویریں اس قدر خوشنما نہیں ہیں جیسی کہ پہلے تھیں ۔ علاوہ ازیں موجودہ عربی نسخوں میں بہت سی تصویریں درج ہونے سے بھی رہ گئی ہیں [1] ۔

---

[1] ملاحظہ ہو ۔ عربین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۸ ۔

درحقیقت کتاب الزہراوی کی یہ تصویریں نہایت کارآمد مفید۔ اہم۔ خوبصورت اور خوشنما ہیں۔ اور تاریخ ارتقائے علم جراحت کی بہترین یادگار ہیں۔ غالباً ابوالقاسم الزہراوی سے پہلے کسی یونانی یا عربی سرجن نے علم جراحی کے متعلق ایسی نادر تصویریں شائع نہیں کیں ہاں ادویہ کے متعلق قدیم یونانی طبیب دیسقوریدوس کی کتاب میں تصویریں منقوش تھیں۔

کتاب الزہراوی کی چھٹی خصوصیت اُس کی قبولیتِ خداداد ہے۔ جو اُس کو تمام مشرق ومغرب میں حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ یہ تالیف مشرقی اطباء کا دستور کار رہی اور مغرب میں موجودہ ترقی یافتہ دورِ جراحت کا سنگِ بنیاد بنی۔

ابوالقاسم الزہراوی کا اثر یورپ پر { اہلِ مغرب کے دلوں میں ابوالقاسم الزہراوی کا بیحد احترام ہے اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ آپ کے علم جراحت نے یورپ پر ایک نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔

اہلِ مغرب ابوالقاسم الزہراوی کو ابوکیسس۔ البوکیس یا الزہراویس کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایڈورڈ جی۔ براؤن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی اپنی اِس کتاب اریبین میڈیسن میں آپ کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

> دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ نے عرب کا ایک نہایت جلیل القدر سرجن پیدا کیا۔ یہ سرجن یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں ابوکیس۔ البوکیس یا الزہراویس کے ناموں سے مشہور تھا[1]

مغرب کے تقریباً تمام مستشرقین اور طبی مصنفین مثلاً ڈین رچ۔ وِسٹنفلڈ۔ میکس نیوبرگر میکس سائمن۔ براکلمن۔ پیجل۔ ووانگٹن۔ گبری تن وغیرہ زہراوی کے کمالِ علم جراحت کی مدح وثنا میں رطب اللسان ہیں۔ اور یورپ کے تقریباً ہر ایک طبی مورخ کو اس کا اعتراف ہے کہ ابتداءً یورپ نے علم جراحت میں جو کچھ حاصل کیا ہے۔ وہ سب زہراوی ہی کا اثر فیض سمجھا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن مؤلفہ ایڈورڈ جی براؤن۔ صفحہ ۹۰ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

مشہور فرانسیسی کتاب تاریخ طب عربی کا مؤلف ڈاکٹر جوزف ہیرنز - ابوالقاسم الزہراوی کو دنیا کا نہایت عظیم المرتبت طبیب اور بہترین سرجن تسلیم کرتا ہے - آپ کی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف کا نام خاص عزت و احترام کے ساتھ اُس کی زبان پر ہے - اور وہ اُس کو خاکِ پاک قرطبہ کا ایک بہترین طبی صحیفہ سمجھتا ہے[۱] -

ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے ابوالقاسم الزہراوی پر اپنی کتاب اربین میڈیسن میں ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے - جس سے یورپ میں آپ کی عظمت کا گہری اندازہ کیا جا سکتا ہے -

ذیل میں ہم اس کے بعض اقتباسات درج کرتے ہیں :-

" ابوالقاسم الزہراوی کی شہرت عرب میں بوعلی سینا کی شہرت پر بہت جلد سبقت لے گئی - لیکن عرب جراحوں نے آپ کے اصول بہت زیادہ استعمال نہیں کیے مگر اس کے باوجود آپ کی کتاب یورپ میں کئی صدیوں تک نصابِ تعلیم میں داخل رہی - اور اُس کا ترجمہ لاطینی زبان میں جیرارڈ آف کریمونا نے بارہویں صدی عیسوی میں کیا -

ابوالقاسم کے واضح اور دلآویز طرزِ بیان کا اثر یورپ کے فنِ طب پر یہ ہوا - کہ آپ کے اصول اور آپ کے کلام کی معجز نمائیوں نے عربی لٹریچر کے متعلق مغرب کے شیدایانِ علم میں حسنِ ظن کے احساسات کو بیدار کر دیا - حتیٰ کہ آپ کے اصولِ فن نے پانچسو ۵۰۰ سال تک مغربی طب پر ایک حاکمانہ حیثیت قائم رکھی -

ابوالقاسم الزہراوی نے مسیحی ممالک میں علم جراحت کی معیاری عظمت کو بلند تر کر دیا - آپ نے جو بحث جبر و کسرِ عظام اور علاج الوثی پر سپردِ قلم کی ہے - اس میں آپ لکھتے ہیں - کہ علم جراحت کا یہ حصہ عوام الناس اور ناتربیت یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے - جس کے باعث اس کو ذلت سے دوچار ہونا پڑا -

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب آرے - پارٹ ڈی لا میڈیسن عرب مؤلفہ ڈاکٹر جوزف ہیرنز صفحہ ۱۷ مطبوعہ پیرس :-

ابوالقاسم کا علم جراحت ۱۳۶۸ء میں یورپ میں اچھی طرح جڑ پکڑ چکا تھا۔ آپ کا بیان علم جراحت بہت واضح ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس لئے بہت گرانقدر ہے۔ کہ اس میں اُن آلات کو جو ازمنۂ وسطیٰ میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے تصاویر کے ذریعے خوب واضح کیا ہے۔ عربوں کے زمانے میں ایسی تصاویر بہت کم ملتی ہیں۔ اور بعد کے ادوار میں ازمنۂ وسطیٰ کے آلات جراحت کی اکثر تصویریں ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب ہی سے ماخوذ ہیں[۱]"

ان تصریحات کی روشنی میں یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ کہ عربی مصنفین میں سے یورپ نے ابوالقاسم الزہراوی سے بیش از بیش استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ ممکن ہے۔ کہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی تصریح کے مطابق[۲] مغربی خلافت کے ایک جلیل القدر عربی مصنف ہونے کی وجہ سے مغرب پر اثر انداز ہونے میں آپ کے قرب مکانی کو بھی دخل ہو لیکن حقیقت الامر یہ ہے۔ کہ آپ کے کمالِ علم وفن نے آپ کے نام کو مغرب میں چار چاند لگائے ہیں۔ حتیٰ کہ آج یورپ کے جراحت خانوں میں جو چہل پہل نظر آرہی ہے وہ ایک حد تک آپ ہی کی مساعئ جمیلہ کی یادگار ہے۔

ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل نے تصریح کی ہے۔ کہ مدتوں تک اہل مغرب ابوالقاسم الزہراوی کی کتابِ جراحت سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اور یورپ کے بے شمار سرجنوں نے اس تالیف سے اپنے فن میں مدد حاصل کی[۳] ہے۔ نیز یہ تالیف مدتوں تک مغرب کی یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی۔ اور اٹلی میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تدریس پر توجہ کی گئی[۴]۔

باس اور فرینڈ کی تحریرات سے واضح ہے۔ کہ راجر بیکن نے ابوالقاسم الزہراوی کی تالیف

---

[۱] ملاحظہ ہو اربیین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اوّل صفحہ ۸۸ و ۸۹ مطبوعہ لندن۔

[۲] ملاحظہ ہو۔ اربیین میڈیسن 〃 〃 〃 صفحہ ۸۵ ؛

[۳] ملاحظہ ہو۔ اربیین میڈیسن 〃 〃 〃 صفحہ ۱۳۱ ؛

[۴] ملاحظہ ہو۔ 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۱۳۱ ؛

ہی سے سرجری حاصل کی تھی[1] اور ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی رائے ہے ۔ کہ راجر بیکن اور گوئے ڈی شولیک نے ابن رشد اور زہراوی ہی سے علم طب وجراحت کا علم حاصل کیا ہے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ اس طرح تصریح کرتے ہیں :۔

"طب اور سرجری کی ترقی کی بنیاد عربی فضلاء میں سے ابن رشد المتوفی ۱۱۹۸ء اور ابوالقاسم الزہراوی المتوفی ۱۱۲۲ء نے رکھی ۔ ان دونوں مصنفوں کا اثر مغربی طب پر بہت گہرا پڑا ۔ اور فضلائے مغرب میں سے راجر بیکن (زمانہ حیات ۱۲۱۴ء تا ۱۲۹۴ء) اور گوئے ڈی شولیک (زمانہ حیات ۱۳۰۰ء تا ۱۳۶۸ء) نے ان کی تعلیمات سے بیش از بیش استفادہ کیا[2]۔

راجر بیکن اور گوئے ڈی شولیک کے علاوہ یورپ کے عہد اول کے بے شمار ممتاز اور مشہور سرجنوں نے ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب جراحت سے استفادہ کیا ہے[3] ۔ اور جان چیننگ راجر بیکن اور لیوسین لکلارک وغیرہ نے تو اسی تالیفِ جراحت کی معلومات کو فنی ترقیات کا سنگِ بنیاد قرار دیا ۔ مدت تک اہلِ مغرب اس کتاب کی معلومات کو بطور استناد شائع کرتے رہے ۔ چنانچہ اوسلر کا بیان ہے ۔ کہ ڈی مونڈویل اور گوئے ڈی شولیک کی مشہور کتابوں میں ابوالقاسم الزہراوی کا نام ہر ہر صفحہ پر ملتا ہے ۔ اور ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل تصریح کرتے ہیں ۔ کہ کاسپر ولف اور جاکس وغیرہ کی تالیفات میں جابجا زہراوی کی کتاب کے حوالے نظر آتے ہیں[4]۔

المختصر یہ کہ ابوالقاسم الزہراوی کے علمِ جراحت نے یورپ میں ایک نہایت زبردست حاکمانہ اثر واقتدار حاصل کیا ہے ۔ اور آپ کی ذاتِ گرامی جس طرح عربی طب کی محسن ہے ۔

---

[1] ملاحظہ ہو ۔ اریبین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۱۳۱ ۔ مطبوعہ لندن ۔

[2] ملاحظہ ہو ۔ " " " " " " صفحہ ۸۳ ۔ منہ

[3] ملاحظہ ہو ۔ " " " " " " صفحہ ۹۰ ۔ منہ

[4] ملاحظہ ہو ۔ " " " " " " صفحہ ۹۰ ۔ منہ

اسی طرح مغربی طب کی بھی مربی ہے۔ حتیٰ کہ عہد حاضر کے تقریباً تمام مغربی مصنفین اور مستشرقین کی آراء کے مطابق موجودہ سرجری کی ترقیات کی ابتداء ابوالقاسم الزہراوی ہی سے ہوتی ہے ہے۔

التصریف کی شہرت یورپ میں ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف علم جراحت کی ترقیات کے سلسلے میں یورپ میں جس قدر مقبول اور مشہور رہی ہے۔ اُس کا ذکر سرسری طور پر پہلے کیا جا چکا ہے۔

اس سلسلے میں مزید معلومات یہ ہیں۔ کہ پہلی مرتبہ یہ کتاب لاطینی زبان میں ۱۴۹۷ء میں وینس میں چھپی۔ پھر لوکے نس میں ۱۵۰۰ء میں طبع ہوئی۔ بعد ازاں ۱۵۳۲ء میں سٹراسبرگ میں شائع ہوئی۔ اور پھر ۱۵۴۱ء میں باسل میں چھپی[1]۔

اس کے بعد اس کتاب کے دوسرے حصہ یعنی حصۂ عملی کا ترجمہ عبرانی میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ ساتھ چھپا۔ اس ترجمہ میں یہ خصوصیت تھی کہ اس میں اعمال جراحت کے ساتھ آلات کی وہ تصاویر بھی دی گئی تھیں۔ جو اصل عربی کتاب میں موجود تھیں[2]۔

التصریف کا باسل ایڈیشن بھی نہایت خوبصورت اور مصور تھا۔ جس کی شرح رالینڈ راجر قسطنطین اور گیبی اس نے لکھیں۔ یہ ایڈیشن اس لئے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کہ اس پر جان چیننگ نے ۱۷۷۸ء میں اپنے فن جراحت کی ترقی کی بنیاد رکھی۔ یہ ایڈیشن عربی اور لاطینی دونوں زبانوں میں تھا۔ اور آج بھی اس کی ایک جلد برٹش میوزیم اور ایک دوسری جلد بوڈلین لائبریری میں موجود ہے[3]۔

جان چیننگ کے علاوہ اس باسل ایڈیشن کو لیوسین لکلارک نے بھی اپنی فنی ترقی کی بنیاد قرار دیا ہے اور اس نے اس کو ۱۸۸۱ء میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے[4]۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۹۰ ؛

[2] ملاحظہ ہو۔ 〃 〃 مؤلفہ 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۹۰ ؛

[3] ملاحظہ ہو 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۹۰ ؛

[4] ملاحظہ ہو 〃 〃 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۹۰ ؛

آج یورپ کی لائبریریوں میں التصریف کے بے شمار نسخے پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک نسخہ جیرارڈ آف کریمونا کا ترجمہ کیا ہوا بہت مشہور ہے۔ جو پیرس کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دو نسخے بوڈلین کی لائبریری میں ہیں۔ اور ایک نسخہ گوتھا کی لائبریری میں پایا جاتا ہے[1]۔

ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابوالقاسم الزہراوی نے التصریف کے علاوہ اور بھی متعدد طبی کتابیں لکھیں۔ جن کے آج صرف لاطینی تراجم یورپ میں موجود ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف علم الادویہ پر الزہراوی کی ایک کتاب کا تذکرہ کرتے ہیں جس کے ترجمے تارتوسا۔ ابراہیم۔ نکولس۔ جینس وغیرہ نے کئے ہیں[2]۔

المختصر یہ کہ ابوالقاسم الزہراوی کی کتاب التصریف کو یورپ میں بے نظیر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ اور اہل مغرب نے اس صحیفۂ جراحت کو سر اور آنکھوں سے لگا کر اس سے بیش از بیش استفادہ کیا اور آپ کی وہ تالیفات جن کے ناموں سے آج اہل مشرق کے کان بھی آشنا نہیں اہل مغرب کے کاشانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

عود الی المقصود: پس یہ حقیقت ہے۔ کہ ابوالقاسم الزہراوی کی شخصیت عربی طب کی ایک نہایت جلیل القدر عظمت ہے جس کی تالیف نے مشرق و مغرب میں طب قدیم کی عظمت و وقار کو بلند کیا۔ جس کے کارناموں نے یورپ میں عربی علم و کمال کا بول بالا کیا۔ اور جس کے مشاق ہاتھوں نے مغرب میں موجودہ ترقی یافتہ دورِ جراحت کی بنیاد رکھی۔

اور آج جو جرمنی۔ انگلینڈ اور فرانس کے رفیع الشان اور سر بفلک جراحت کدوں میں یہ فنی شان و شوکت اور اعمال جراحیہ کے معجز نما کمالات کی یہ وقار عظمت نظر آتی ہے وہ بڑی حد تک اسی تالیف جراحت کی برکت اور ابوالقاسم الزہراوی کے مبارک ہاتھوں کی بدولت ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اربین میڈیسن۔ مؤلفہ ڈاکٹر ڈانلڈ کیمبل جلد اول صفحہ ۸۹ ؛

[2] ملاحظہ ہو۔ اربین میڈیسن۔ مؤلفہ 〃 〃 〃 صفحہ ۹۰ ؛

۱۰۳ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا جلد دوم میں صفحہ ۸ ۴ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں (ملاحظہ ہو وفیات الاعیان جلد دوم صفحہ ۷۸)۔

۱۰۴ ابن وافد کا مرتبہ اطبائے اندلس میں بہت گرامی ہے - بالخصوص علم الادویہ میں اس کا پایہ نہایت بلند ہے - یہی وہ طبیب کامل ہے جو علاج بالادویہ میں اختصار کے مذہب کا بانی ہے - اور بقول ابن ابی اصیبعہ وہ مذہب نبیل یہ ہے کہ جب تک اغذیہ سے تداوی ممکن ہے دوا استعمال نہ کرائی جائے - لیکن اگر دوا کے بغیر چارہ نہ ہو - تو صرف دوائے مفرد پر قناعت کی جائے اور پھر دوائے مرکب کی ضرورت داعی ہی ہو - تو حتی الامکان کم از کم مفردات سے مرکب دوا پر اختصار کرنا چاہیئے

یہی وہ مذہب اقتصار ہے جس پر آج مغرب عمل پیرا ہے - اور جس قدر دنیا میں طب اور علم الادویہ کا مطالعہ وسیع ہوتا جائے گا - اس مذہب کی اہمیت بڑھتی جائے گی -

ابن وافد کا سن ولادت ۳۸۷ھ المطابق ۹۹۷ء ہے - ابن ابی اصیبعہ نے اس کو اس کے خاندان کی نسبت کی بناء پر ابن وافد بن مہند اللخمی لکھا ہے - اور اسی نسبت سے اہل مغرب اس کو ابن وافد لخمی Aben wafid al Lahme لکھتے ہیں - ابن وافد اشراف اہل اندلس میں سے تھا اور مغرب کے ایک بڑے خاندان کا چشم و چراغ تھا -

۱۰۵ سطور مذکورہ میں پروفیسر براؤن نے ابن الجزار کی جس بحری قزاقی کا ذکر کیا ہے مستند کتب تاریخ فن سے اس کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا - بلکہ بخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ابن الجزار معد عباسی کے عہد میں اطبائے سلف کی ایک نہایت بلند پایہ - شریف النفس اور مقدس و پاکباز طبی عظمت ہے - جس کی ساری داستان زندگی خدا پرستی بے لوث خدمت خلق اور شب و روز کی طبی مصروفیات اور عبادات کی روایات سے معمور ہے چنانچہ اس کے سوانح جیسا تیں سے ابن ابی اصیبعہ کے حسب ذیل بیانات پر سرسری نظر ڈالیئے -

---

لے ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۴۹ مطبوعہ مصر -

(۱) ابن الجزار کا کیرکیٹر اتنا پاکیزہ تھا۔ کہ قیروان میں کسی کو اس کی کوئی لغزش معلوم نہیں
(۲) ابن الجزار حفظ و مطالعہ و دراست فن میں کامل اور جمیع علوم و فنون میں فاضل تھا۔ اور اس کے شغف مطالعہ کا یہ عالم تھا۔ کہ جب اس کا انتقال ہوا۔ تو اس کی لائبریری سے پچیس گٹھے طبی اور غیر طبی کتابوں کے برآمد ہوئے۔
(۳) ابن الجزار کے معاشرتی حسن سلوک کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ ہر ایک کی محفل شادی و مجلسِ غم میں شریک ہوتا تھا۔ لیکن کھانا کہیں نہ کھاتا تھا۔ اور نہ کسی امیر و سلطان کے پاس آنے جانے سے اس کو کوئی سروکار تھا۔ ہاں معد کے چچا ابوطالب کے پاس جو اس کا پرانا دوست تھا۔ وہ ہفتہ میں ایک بار جمعہ کو جایا کرتا تھا۔
(۴) ابن الجزار کے عبادت الٰہی میں انہماک کا یہ حال تھا کہ وہ ہر سال گرمی کا موسم بحر روم کے ساحل پر ایک متبرک خانقاہ میں بسر کیا کرتا تھا۔ اور سردی کا زمانہ شروع ہونے پر پھر افریقہ واپس آ جاتا تھا۔
(۵) ابن الجزار کی مال و منال دنیا سے بے نیازی کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ کسی مریض سے فیس کی شکل میں کچھ نہیں لیتا تھا۔ اس نے اپنے غلام رشیق کو مکان کے دروازہ پر دواؤں کی دکان کھلوا دی تھی۔ مریض کو دوا بنا کر اس کے پاس بھیج دیتا تھا اور وہ اس سے دواخریدلیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ابن جلجل لکھتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ شہر کے قاضی کا برادرزادہ بیمار ہو کر علاج کے لیئے ابن الجزار کے پاس آیا۔ ابن الجزار نے نہ تو اس کی کچھ خاص تعظیم و تکریم کی۔ اور نہ اس کو بیٹھنے کے لیئے خاص جگہ دی۔ جس طرح وہ تمام مریضوں کو دیکھا کرتا تھا اس نے اس کو بھی دیکھ کر دوا لکھ دی اور ہر روز یہی معمول رہا۔ بالآخر جب قاضی کا بھتیجا کلیتہً تندرست ہو گیا۔ تو قاضی نے ایک شکریہ کا خط اور ایک خلعت فاخرہ اور تین سو اشرفیاں ابن الجزار کو بھیجیں۔ ابن الجزار نے شکریہ کا خط پڑھ کر اس کا مناسب جواب لکھ دیا۔ اور خلعت اور اشرفیوں کو واپس کر دیا۔ اور ایک حبہ بھی نہ لیا۔

ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں یہ تمام امور مستند حوالوں سے تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں[۱] - اور ظاہر ہے - کہ ان حقائق کی روشنی میں ابن الجزار جیسے عالم نیک محضر زاہد اور بے لوث خادم خلق طبیب کی نسبت پروفیسر براؤن کا یہ سمجھنا کہ وہ اپنے پیشے کی زحمت سے بچنے کے لئے سمندروں میں ڈاکے مارتا پھرتا تھا کس قدر نادرست ہے - درآنحالیکہ پروفیسر موصوف نے اپنے قول کے ثبوت کے لئے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔

۱۰۶ مغرب میں ابن رشد کو خاص شہرت حاصل ہے - اہلِ مغرب اس کو اے وے روس دی گریٹ (Averroes the great) کہتے ہیں - اور بعض کتب میں اس کا نام ابن روش آتا ہے - یہ نامور حکیم ۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا - ۱۱۹۷ء میں سلطان منصور کے عہد میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس مقرر ہوا - اور ۹ صفر ۵۹۵ھ میں رہگرائے عالم فانی ہوا۔

ابن رشد نے شیخ کی کتابوں پر محققانہ شرحیں لکھیں - فیلسوفان مغرب نے اس کی بہت تعظیم کی ہے - ان کی رائے تھی - کہ ارسطو نیچر کا ترجمان ہے - اور ابن رشد ارسطو کا -

ابن رشد کا پہلا شاگرد وہ مائیکل سکاٹ تھا - جس نے شاہ جرمنی کے دربار میں اس کی تصانیف پیش کیں - اور جرمنی کے فضلاء کو ان سے روشناس کرایا - اطالیہ کے ایک جلیل القدر شاعر نے بطلیموس - جالینوس - اور اقلیدس کی طرح ابن رشد کا ذکر بھی نہایت احترام سے کیا ہے - جس کی وجہ یہ تھی - کہ اطالیہ میں ابن رشد کی بے حد قدر کی جاتی تھی - اور اطالیہ نے دارالعلوم میں ابن رشد کا مرتبہ ارسطو سے بھی زیادہ سمجھا جاتا تھا -

یورپ کے طلباء ابن رشد پر فخر کیا کرتے تھے - اور انگلستان کے مشہور شاعر چاسر نے بھی اس کو اعاظم رجال میں شمار کیا ہے

ازمنۂ وسطیٰ میں ابن رشد کے نام کی دھوم مچی ہوئی تھی - اور بوعلی سینا - ابن زہر - ابن باجہ - ابن طفیل اور رازی کی طرح ابن رشد کا بھی خاص احترام کیا جاتا تھا - چنانچہ اس عہد

---

[۱] ملاحظہ ہو - طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۸۳ مطبوعہ مصر ؛

میں بوعلی سینا اور رازی کی تصویروں کی طرح ابن رشد کی تصویر بھی میلانو اور روم کی بعض پرانی خانقاہوں کی محرابوں میں شیشے کی چوکھٹوں پر نقش کی گئی تھی ۔ یہ تصویریں آج بھی پوپ کے محل میں موجود ہیں ۔ اور بعض مغربی مصنفین نے ان کے عکس شائع کئے ہیں[۱] ۔

علوم حکمیہ میں درحقیقت ابن رشد کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے اور طب میں اس کی بہترین تالیف کتاب الکلیات ہے[۲] ۔ جو عبرانی میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے[۳] اور مغربی مصنفین اس کو انگریزی میں کالی گیٹ (Colliget) کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ اور بعض تاریخی کتب کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ یہ کتاب آج بھی جرمنی کے شاہی کتب خانہ کی زینت ہے[۴] ۔

۱۰۱ ابن زہر ہسپانیہ میں طب کی نہایت بلند پایہ عظمت ہے ۔ اس کا پورا نام ابو مروان عبد الملک ابن الفقیہ محمد بن مروان بن زہر الایادی ہے ۔ اور صناعت طب میں اس کو بلند ترین مقام حاصل ہے ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی دور میں ہسپانیہ نے طب قدیم کی نہایت شاندار خدمات انجام دی ہیں[۵] ۔ اور یہاں مشہور نامور اور حاذق اطبا پیدا ہوئے ہیں ۔ اور ان اطبا میں ابن زہر

---

۱ ملاحظہ ہو مجلہ الہلال بابت ماہ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ کلکتہ ۔ ۲ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصر
۳ ملاحظہ ہو تاریخ الاطبا صفحہ ۴۴ مطبوعہ لاہور ۔ ۴ ملاحظہ ہو مجلہ معارف بابت اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۹۷ ۔ اعظم گڑھ ۔
۵ طب عربی کے ہسپانیہ میں نزول کے بعد اطبا کے دو گروہ ہو چکے تھے ۔ ایک مشرقی دوسرا مغربی تاریخ طب میں دوسرے گروہ کو مغربیوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اس گروہ سے مراد مراکش ، اندلس ، اور الجزائر کے اطبا ہیں ۔
مغربی طب نے زیادہ تر اسی گروہ کے افکار و آراء سے استفادہ کیا ہے ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا اس جماعت کے طریق علاج اور ادویہ سے زیادہ مناسبت رکھتی تھی ۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں اندلس کی اسلامی سلطنت کے انحطاط کے بعد جب ابن رشد کے مدرسہ کو زوال آیا تو اب جو تالیفات اسلامی ممالک میں مرتب ہوئیں ۔ یورپ ان کے مطالعہ سے تقریباً محروم رہا ۔ چنانچہ شروح قانون ۔ قرشی و خجندی و سمرقندی و شروح اسباب کرمانی و سرہندی و شروح موجز افسرائی و کرمانی و تبریزی مغرب میں نہیں پہنچیں تھیں ۔

اور اس کی اولاد کو اپنے بے شمار طبی کارناموں کے لحاظ سے خاص تفوق اور امتیاز حاصل ہے ابن خلکان اور مقری جیسے بلند پایہ سوانح نگار اس دودمان والاتبار کا ذکر نہایت تحسین آمیز الفاظ میں کرتے ہیں۔

ابن زہر ہسپانیہ میں ایک بہت بڑے بلند پایہ طبی خاندان کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء[1] میں اس کے اور اس کی چھ سات پشتوں تک کے حالات انتخاب کے ساتھ قلمبند کئے ہیں[2]۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ علم و عمل طب۔ تقرب سلطانی اور جاہ و علوئے مرتبت کے اعتبار سے دیار اندلس میں اس خاندان کو وہی عظمت حاصل تھی۔ جو بغداد میں خاندان بختیشوع کے حصہ میں آئی تھی۔ . . . . . بلکہ ابن زہر کا خاندان بعض وجوہ سے دودمان بختیشوع سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس دودمان والاتبار میں ابوالعلاء بن زہر۔ ابومروان بن ابی العلاء اور حفید۔ ابوبکر بن زہر کے طبی کارناموں کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور یہاں مردوں کا تو ذکر ہی کیا عورتوں کا یہ عالم تھا۔ کہ مردوں کی طرح فن طب میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ چنانچہ حفید ابوبکر بن زہر کی ہمشیرہ اور ہمشیرزادی صناعت طب و مداواۃ بالخصوص معالجات نسواں میں عربی طب کی نہایت بلند پایہ لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ خلیفہ منصور کے گھر میں بھی علاج کرتی تھیں۔ اور ان کے علاوہ خلیفہ موصوف اپنے گھر میں اور کسی کا معالجہ پسند نہ کرتا تھا[3]۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن زہر مغرب میں مشرقی طب کا نہایت بلند پایہ علمبردار ہے اور اندلس کی زمین صدیوں تک اس کے اور اس کی اولاد کے درخشاں طبی کارناموں سے بقعۂ انوار بنی رہی ہے

۱۰۰۱ موسیٰ بن میمون۔ ریاضیات۔ منطقیات اور طب کا جید عالم تھا۔ اس کا پورا نام ابوعمران موسیٰ بن المیمون ہے۔

۱۲۰۴ء میں فوت ہوا۔ صناعت طب میں یکتائے زمانہ تھا۔ سلطان الملک الناصر

---

[1] ملاحظہ ہو۔ کتاب طبقات الاطباء جلد دوم از صفحہ ۶۴ تا صفحہ ۷۰ مطبوعہ مصر

[2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۷۰ مطبوعہ مصر۔

[3] ملاحظہ ہو اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مصر۔

صلاح الدین کا خاص طبیب تھا۔ قاضی سعید بن سناء الملک نے اس کی مدح میں کیا خوب کہا ہے ؎

اری طب جالینوس للجسم وحدہ
میں دیکھتا ہوں کہ جالینوس کی طب صرف جسم کے لئے ہے
وطب ابی عمران للجسم والعقل
ولیکن ابوعمران کی طب جسم اور عقل دونوں کے لئے ہے

۱۰۹ عربی علم الادویہ کے دورِ ارتقاء کی کہانی تاریخ کی ایک نہایت دلکش اور رنگین داستان ہے۔ جو طویل بھی ہے اور لذیذ بھی۔ لیکن قصہ مختصر یوں ہے کہ عرب طلوعِ آفتاب اسلام سے پہلے صدیوں سے اپنی ایک مستقل طب کے وارث چلے آتے تھے جو اُن میں علم العقاقیر والحشائش کی صورت میں رائج تھی۔ درحقیقت ان کا پہلا حکیم لقمان[۱] تھا۔ اور اس کے بعد خذیم۔

قدیم عربوں کی یہ طب العقاقیر مدتوں تک ان میں رائج رہی حتیٰ کہ عہد رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

رفتہ رفتہ عرب میں یونانی علوم کا چرچا ہونے لگا اور عہد نبوت میں حارث بن کلدہ الثقفی نے جو عرب میں یونانی طب کا غالباً سب سے پہلا نقیب تھا۔ اہل عرب کو یونانیوں کے طریقہائے علاج سے روشناس کرایا اور پھر اس کے بعد یونانی طب پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ بن حکم نے کناش لکھی[۲]۔ نیا ذوق نے علم الادویہ پر متعدد رسالے

---

[۱] جرجی زیدان نے اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں طب الجاہلیۃ کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں اس نے کتاب الاغانی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں میں علاج بالعقاقیر کی صورت میں ان کی اپنی ایک طب موجود تھی جو کلدان کی قدیم طب اور ان کی ذاتی تجویز کردہ معلومات پر مشتمل تھی۔ ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد اول صفحہ ۱۹۔

[۲] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء۔ جلد اول صفحہ ۱۲۔ مطبوعہ قاہرہ

سپرد قلم کئے[1] اور خالد بن یزید بن معاویہ کے دور میں جابر بن حیان نے علم کیمیا پر یونانی اور مصری کتابوں کا ترجمہ کیا[2]۔

یہ صورت عہد بنی امیہ میں تھی لیکن علم طب کی تاریخ پر موسم بہار اُس وقت آیا جب سلطنت کی زمام عباسیوں کے ہاتھوں میں آئی۔ مؤرخین اس عہد کو عصر الزاھـــــراء اور دورِ زرین (Golden. Age) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس دور میں علم الادویہ کی جانب خصوصی توجہ مبذول کی گئی اور چونکہ اس وقت اس موضوع پر دنیا میں سب سے زیادہ کارآمد مستند اور معتمد علیہ کتاب یونانی طبیب دیسقوریدوس کی تالیف "کتاب دیسقوریدوس" ہی تھی۔ اس لئے اسی کو مدارِ کار قرار دے کر اس پر کام شروع کر دیا گیا۔

ابن ابی اصیبعہ نے اپنی تالیف طبقات الاطباء میں اس "کتاب دیسقوریدوس" کے ترجمۂ تدوین و تصحیح وغیرہ کے متعلق جو لطیف داستان بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"پہلی بار کتاب دیسقوریدوس کا ترجمہ جعفر المتوکل کے زمانے میں دولت عباسیہ میں اصطفن بن بسیل کے ہاتھوں ہوا اور اس کی تصحیح و نظر ثانی کے فرائض حنین ابن اسحٰق نے انجام دئے۔ اصطفن نے جتنی یونانی دواؤں کے عربی نام معلوم ہو سکے لکھ دئے لیکن باقی نام اُس نے یونانی زبان ہی میں جوں کے توں چھوڑ دئے تاکہ آئندہ نسلیں اپنے زمانوں میں ان کے متعلق تحقیقات کر لیں۔

اس کے بعد یہ ترجمہ الناصر بن محمد کے زمانے میں بغداد سے اندلس پہنچا اور وہاں مشرق اور اندلس کے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔

اسی اثناء میں ۳۳۷ھ میں قسطنطنیہ کے رومی حکمران ارمانیوس نے الناصر

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۲۳۔ مطبوعہ قاہرہ ؞

[2] ملاحظہ ہو۔ اریبک میڈیسن صفحہ ۱۵۔ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ؞

کو دیسقوریدوس کی اصل کتاب جو اغریقی (قدیم یونانی زبان) میں لکھی ہوئی اور جڑی بوٹیوں کی تصاویر سے مزین تھی بطور ہدیہ بھیجی۔

اتفاق یہ ہے کہ اس وقت اندلس کے نصاریٰ میں سے کوئی شخص اغریقی زبان کا سمجھنے والا وہاں موجود نہ تھا لہٰذا کچھ مدت تک یہ کتاب الناصر کے زمانے میں بلا ترجمہ ہی اس کے خزانہ کتب میں پڑی رہی اور اہلِ اندلس صرف اصطفن کے اس ترجمہ سے استفادہ کرتے رہے جو مدینۃ السلام (بغداد) سے ان کے یہاں پہنچا تھا۔

ازاں بعد الناصر نے اس کا ترجمہ کرانے کا فیصلہ کیا اور ارمانیوس کو لکھا کہ وہ کوئی ایسا شخص بھیجے جو اغریقی زبان (قدیم یونانی زبان) جانتا ہو۔ اس پر اس نے ۳۴۰ھ میں الناصر کی خدمت میں ایک راہب کو روانہ کیا جس کا نام نقولا تھا۔ نقولا نے قرطبہ پہنچ کر اپنا کام شروع کیا۔ اور ابو عثمان الجزار۔ محمد بن سعید عبدالرحمن بن اسحٰق بن ہیثم اور ابو عبداللہ الصقلی وغیرہ اکابر علم وفن نے اس کو اس سلسلے میں مدد دی۔ یہ سب مل کر کتاب دیسقوریدوس کے نکات کو سمجھتے حشائش وعقاقیر کے ناموں کی تحقیق وتفتیش کرتے اور ان کے افعال وخواص کی چھان بین کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر میں صرف دس دوائیں ایسی رہ گئی تھیں جن کے ناموں میں شک تھا۔[1]"

قرطبہ بلکہ تمام اندلس میں اس کام کی دھوم مچ گئی اور برسوں تک اس معرکہ آرا علمی کارنامہ کا چرچا ہوتا رہا۔

ازاں بعد ابن جلجل نے ۳۷۲ھ میں ہشام موید باللہ کے دور میں "کتاب دیسقوریدوس" کی جانب توجہ کی اس نے اس کی بہت سی ادویۂ مفردہ کی تفسیر کی اور کتاب تفسیر اسماء الادویۃ المفردۃ من کتاب دیسقوریدوس لکھی جس میں ان ادویہ کا تذکرہ بھی کیا گیا تھا۔ جنہیں دیسقوریدوس کا

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۷۔ مطبوعۂ قاہرہ

نے اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا تھا[1]۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں تصریح کی ہے۔ کہ عربوں نے علم الادویہ کے سلسلے میں فن کی نہایت شاندار خدمات انجام دی ہیں اور انہوں نے بیخ ریوند۔ کافور اور سنا کے افعال و خواص معلوم کئے اور طب میں بیخ کا استعمال شروع کیا[2]۔ اور بے شمار نئی دوائیں دریافت کیں جن سے اطبائے یونان یکسر ناواقف تھے[3]۔

ابن جلجل کے بعد ۶۶۳ھ میں ابن البیطار کا زمانہ آیا۔ اور جرجی زیدان نے بتفصیل بیان کیا ہے کہ ——— ابن البیطار کا زمانہ آیا اور اس نے کتاب دیسقوریدوس اور علم الادویہ پر ریسرچ تحقیقات اور اکتشافات کے سلسلے میں وہ کارنامے انجام دئے جو تاریخ طب کے صفحات پر ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ مشتے نمونہ از خروارے ابن ابی اصیبعہ کی زبان سے یوں سنئے۔

وھو الحکیم الاجل العالم ابو عبد اللہ بن احمد المالقی النباتی ولیعرف بابن البیطار اوحد زمانہ وعلامۃ وقتہ فی معرفۃ النبات وتحقیقہ ومواضع نباتہ ولغت اسمائہ علی اختلافہ وسافر الی بلاد الاغارقۃ واقصی بلاد الروم ولقی جماعۃ یعانون ھذا الفن واخذ عنھم معرفۃ

حکیم ابو عبد اللہ بن احمد المالقی النباتی معروف بہ ابن البیطار نباتات کی معرفۃ و تحقیق مقامات پیدائش اور ان کے مختلف ناموں کے علم میں یگانۂ روزگار اور اپنے وقت کا علامہ تھا۔ اس نے یونانیوں کے شہروں اور اقصی بلاد روم کا سفر کیا۔ اور ان جماعتوں سے ملا جنہوں نے اس فن میں اس کی مدد کی اس نے ان سے بہت سی جڑی بوٹیوں کا علم حاصل کیا اور ان کو ان کی اصل جگہوں میں جاکر دیکھا۔ وہ مغرب وغیرہ

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۴۸ ؛

[2] ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان۔ جلد اول صفحہ ۳۱۳ ؛

[3] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۳ ؛

نباتات کثیرۃ وعاینہ فی مواضعہ واجتمع فی المغرب وغیرہ بکثیر من الفضلاء فی النبات و عاین منابتہ وتحقق ماھیتہ واتقن درایۃ کتاب دیسقوریدس۔	میں علم نباتات کے علماء سے ملا۔ اس نے نباتات کے اصل منابت کو دیکھا اور ان کی ماہیت معلوم کی نیز کتاب دیسقوریدوس کی معلومات کی تحقیق کی۔

ابن ابی اصیبعہ نے ایک اور جگہ تصریح کی ہے کہ ابن البیطار علم الادویہ کی ریسرچ کے سلسلے میں ملک شام میں بھی پہنچا۔ اور ملک الکامل الایوبی نے اس کو دیارِ مصر میں رئیس العشابین واصحاب البسطات مقرر کیا۔

ابن البیطار نے کتاب دیسقوریدوس کی شرح کے سلسلے میں ایک کتاب الابانۃ والاعلام کے نام سے لکھی اور علم الادویہ پر شہرۂ آفاق کتاب الجامع فی الادویۃ المفردۃ تالیف کی جس میں ادویہ کے خواص قویٰ اور منافع بیان کئے گئے۔ اور آج تک اس موضوع پر اپنی اہمیت کے اعتبار سے علم الادویہ کی ایک مستند اور لاثانی یادگار شمار کی جاتی ہے۔

جرجی زیدان اس تالیف کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے۔

وکان علیہ معول اھل اوربا فی نھضتھم الاخیرۃ[2]	نہضت اخیرہ میں اس کتاب پر اہل یورپ کا مدار کار تھا۔

ابن البیطار کے نام کے ساتھ رشید الدین الصوری کا اسم گرامی بھی تاریخ علم الادویہ کی بہت بڑی عظمت ہے۔ رشید الدین ۵۷۳ھ میں شہر صور میں پیدا ہوا اور ۶۳۹ھ میں دمشق میں فوت ہوا۔ ابن البیطار کی طرح اس نے بھی اس دور میں ریسرچ اور تحقیقات کے سلسلے میں اس فن کی نہایت شاندار خدمات انجام دیں اور اس مقصد کے لیئے دور دراز

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۳۳۔
[2] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد سوم صفحہ ۱۴۶ :

کے سفر اختیار کئے۔

رشید الدین الصوری اس کام کے لئے جہاں جاتا اپنے ساتھ ایک مصور کو بھی رکھتا جو ہر موسم کے اعتبار سے جڑی بوٹیوں کی تصویریں بناتا اور اُن میں رنگ بھرتا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ اس دلچسپ اور رنگین داستان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

" رشید الدین الصوری کے ساتھ ایک مصور ہوا کرتا تھا جس کے پاس انواع و اقسام کے رنگ ہوتے تھے۔ رشید الدین الصوری ان مقامات (مثلاً کوہ لبنان وغیرہ) کی جانب سفر کرتا جو خاص خاص جڑی بوٹیوں کی پیدائش کے لئے مخصوص تھے۔ وہاں پہنچ کر وہ پہلے کسی بوٹی کا خود مشاہدہ کر کے اس کی تحقیق کرتا اور پھر اسے اپنے مصور کو دکھلاتا جو پہلے اس کے رنگ جڑ شاخوں اور پتوں کی مقدار کو اچھی طرح غور سے دیکھتا اور تصویر بناتا اور پھر ہر ایک چیز کے رنگ کے مطابق اس میں رنگ بھرتا اور پھر اسی پر بس نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہر بوٹی کو اس کے مختلف زمانوں مثلاً وقت ظہور، وقت کمال، وقت طراوۃ اور وقت یبس وغیرہ میں دیکھا جاتا اور ہر وقت کی تصویر علیحدہ علیحدہ مختلف رنگوں میں بنائی جاتی۔ اور اُسے اس کتاب میں شامل کیا جاتا جو رشید الدین الصوری نے کتاب الادویۃ المفردہ کے نام سے تالیف کی تھی[1]"

جرجی زیدان عربوں کے دور حکومت میں علم الادویہ کے سلسلے میں ان کی اس نوع کی علمی تحقیقات و اکتشافات کی داستان بیان کر کے آخر میں یوں رقمطراز ہے:۔

وذالک غایۃ ما یفعلہ الباحثون فی ھذا العلم الیوم[2] ۔	اور یہ انتہا ہے اس کام کی جسے آج اس علم میں بحث (اور کام) کرنے والے کر رہے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء ۔ جلد دوم ۔ صفحہ ۲۱۹ ۔ :

[2] ملاحظہ ہو ۔ تاریخ التمدن الاسلامی ۔ جلد سوم صفحہ ۱۸۶ :

حسنِ اتفاق یہ ہے کہ اس دور (تیرھویں صدی عیسوی) میں علم نباتات پر اس طرز کی جو رنگین اور مصوّر کتابیں مرتّب ہوئیں اُن میں سے ایک کتاب کا ساتے رنگوں سے رنگین اور مصوّر صفحہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس میں اصل حالت میں جڑی بوٹیوں اور ان عربِ اطبّاء کی رنگین تصویریں منقوش ہیں جو ان سے تریاق کا نسخہ تیار کر رہے ہیں۔ تریاق کا وہ نسخہ بھی[1] اسی صفحۂ رنگیں کی زینت ہے۔

اس وقت یورپ میں عربی علم الادویہ کی ایک خاص کتاب پر خاص توجہ کی جا رہی ہے۔ اور وہ ابوالمنصور ہراتی کی کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ ہے جو تقریباً ۹۵۰ء میں مرتب ہوئی ہے۔ اس کی کتابت ۱۰۵۵ء میں مشہور شاعر اسدی نے کی ہے ڈاکٹر ایف آر زیلگمن نے اس کو ۱۸۵۹ء میں نہایت اہتمام سے طبع کرایا ہے اور اس کی تہذیب و اشاعت میں عبدالخالق اخوند۔ ڈاکٹر پال ہورن اور پروفیسر جوکی نے نمایاں کام کیا[2] ہے اس کے پہلے صفحہ پر اصل کتاب کے سرورق کا عکس بھی شائع کیا گیا ہے۔

ان اکابر علم و حکمت کے علاوہ عربی تاریخ علم الادویہ میں اور بھی بے شمار اطبائے کرام کے نام ہیں جنھوں نے اس فن کی ریسرچ۔ اکتشافات اور تحقیقات کے سلسلے میں شاندار کام کیا ہے اور اُن میں داؤد انطاکی۔ کندی۔ کرمانی اور غافقی کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ نہایت درخشاں ہیں۔

تاریخ علم الادویہ کے ضمن میں یہ بیان کرنا شاید مزید دلچسپی کا موجب ہوگا کہ عرب اطبّا علم الادویہ پر اپنی کتابوں کی ترتیب اور ادویہ کی تحقیقات کے سلسلے میں صرف اپنے ملک کی

---

[1] عرب میں تریاق کے نسخوں کی تاریخ کے سلسلے میں ابن ابی اصیبعہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ تریاق فاروق کا نسخہ سب سے پہلے نقولا نے قرطبہ میں کتاب دیسقوریدوس سے صحیح اجزا سے بیان کیا۔ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۴۷۔ اور تریاق کبیر کا نسخہ رشید الدین الصوری نے پیش کیا اور اس سے نفع عظیم ظاہر ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۷۔ منہ [2] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۹۴۔

جڑی بوٹیوں کے مشاہدہ پر ہی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ اس مقصد کے لئے ممالک غیر سے بھی کثیر مقدار میں عقاقیر منگوائی جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جرجی زیدان لکھتا ہے

وللعرب فضل کبیر فیها

فقد بذلوا الجهد فی استجلاب	عربوں کو اس باب میں بڑی فضیلت
العقاقیر من الهند وغیرها	حاصل ہے کہ انہوں نے ہندوستان
	وغیرہ سے جڑی بوٹیاں حاصل کرنے میں بڑی کوشش کی۔

عربی علم الادویہ کی تدوین کی یہ ایک مختصر سی تاریخ ہے جس سے آج تمام دنیا بہرہ ور ہو رہی ہے۔ اور جرجی زیدان نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے۔

وقد عنی الافرنج لعد نهضتهم

الاخیرة فی درس تاریخ	افرنگیوں نے اپنی نہضت اخیرہ میں فن
فن الصیدلة فتحققوا ان	دواسازی کی تاریخ کے درس کی
العرب واضعوا ساس هذا	جانب توجہ کی تو انہوں نے تحقیق کیا
الفن وهم اول من اشتغل	کہ اہل عرب اس فن کے بانی ہیں اور
فی تحضیر الادویه والعقاقیر	وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے ادویہ
وانهم اول من الف القرابادین	اور عقاقیر کے جمع کرنے کا مشغلہ اختیار
علی الصورة التی وصلت الینا[2]	کیا اور وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے

قرابادین کو اس صورت میں تالیف کیا جس میں وہ (آج) ہم تک پہنچی ہے۔

مندرجہ اسلامی علوم ومعارف کی گھنگھور گھٹا دفعتہً کعبہ سے اٹھی اور عرب کے ریگستانوں پر برستی ہوئی ہر طرف جنوب وشمال اور مشرق ومغرب میں پہنچی، اور تمام کائنات ارضی کو

---

[1] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد سوم صفحہ ۱۸۴۔ منہ

[2] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد سوم صفحہ ۱۸۴۔ منہ

سرسبز و سیراب کر کے شادابیوں اور رنگینیوں سے بھر گئی۔ کارلائل اس حقیقت کی تمثیل اس طرح کرتا ہے۔ کہ جس طرح بارود میں چنگاری ڈال دی جائے۔ ٹھیک اسی طرح اسلام بھڑک کر ہندوستان کے دریائے سندھ سے لے کر فرانس کے شہر تونتیہ تک پھیل گیا۔ اور جہاں جہاں وہ پہنچا حکمائے قدیم کے علوم و فنون، مشرق کے تہذیب و تمدن اور اپنے باوقار اثرات کو ہمراہ لیتا گیا۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ عربی مسلمانوں نے افریقہ کی راہ سے اندلس پہنچ کر اور وہاں مسلسل آٹھ صدیوں تک حکومت کر کے اپنے علمی کارناموں سے یورپ کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ چنانچہ سنگر لکھتا ہے۔ کہ یہ مسلم عربوں ہی کا اثرِ فیض و کرامت تھا۔ جس نے یورپ کی ذہنیت کو تبدیل کیا اور دورِ وسطیٰ کی ظلمت و تاریکی کو دور کر کے نشأۃ ثانیہ کی راہ دکھائی۔

فرانس کی فضاؤں میں عرب کے مسلمانوں نے صدیوں تک اپنے عزت و اقبال کا علم لہرایا ہے۔ اور اس لئے مغربی ممالک میں فرانس کے ساتھ خصوصاً اسلامی علوم و فنون کا نہایت عمیق تعلق رہا ہے۔ چنانچہ فرانسیسی سرمایہ علم و ادب میں ہمیں آج بیشمار عربی الفاظ و مصطلحات ملتے ہیں۔ کہ اگر ان کو موجودہ علمی لٹریچر سے نکال دیا جائے۔ تو فرانسیسی زبان ایک لفظ رہ جاتی ہے۔ جو نہ مبتدا نہ معنی نہیں۔

تمام ممالک غربیہ اور علی الخصوص فرانس میں عرب مسلمانوں کی طب کو خاص عروج حاصل تھا۔ اور عربوں کی طبی کتابیں فن کا اصل سرمایہ تھیں۔ چنانچہ سترہویں صدی عیسوی تک مسلم اطبا کی تالیفات یورپ کی یونیورسٹیوں کی درسی کتابیں بنی رہی ہیں۔ سنگر جس کو فاضل مصر ڈاکٹر جی۔ سو بھی تاریخ طب پر انگلستان کا نہایت جلیل القدر مورخ تسلیم کرتا ہے[1]۔ لکھتا ہے۔ کہ مشرق کا مغرب پر اس قدر اثر تھا۔ کہ پیرس کی یونیورسٹی میں پروفیسروں کو قسم کھا کر یہ عہد کرنا پڑتا تھا۔ کہ ہم کوئی لفظ ایسا نہ

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الذخیرہ کا انگریزی مقدمہ صفحہ، از ڈاکٹر جی سو بھی مطبوعہ مصر۔

پڑھائیں گے۔ جو ارسطو اور اس کے ترجمان ابن رشد کی تعلیم کے خلاف ہو۔

یورپ میں قانون شیخ بوعلی سینا کو خاص عزت اور مقبولیت حاصل تھی۔ چنانچہ قانون کا ترجمہ متعدد بار انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں شائع ہوچکا ہے۔ اور یہ کتاب ۱۶۵۰ء تک جنوبی فرانس کی مشہور یونیورسٹی مونٹ پیلیر میں داخل نصاب رہی ہے۔

اہل مغرب نے قانون شیخ کو سر اور آنکھوں سے لگایا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے شایان شان اس کی عزت و توقیر کی ہے۔ سنگر کہتا ہے۔ کہ قانون طب کی وہ کتاب ہے جس سے زیادہ دنیا میں کسی طبی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اوسلر کہتا ہے۔ کہ صحائف طب میں قانون کو انجیل کی حیثیت حاصل ہے اور نیوبرگر کی رائے ہے۔ کہ قانون شیخ یونانی اور عربی طب میں دنیا کا آخری تکمیل اور مقدس صحیفہ ہے۔

قانون کی طرح ابومحمد بن البیطار ملاغی کی کتاب جامع المفردات بھی فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوچکی ہے اور ان کتب کے علاوہ الزہراوی التیسیر، التریاق بن رضوان۔ کتاب لوسادہ وغیرہ صدہا عربی کتب فرانسیسی و انگریزی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔ اور آج برٹش میوزیم۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ انڈیا آفس کیمبرج یونیورسٹی آکسفورڈ یونیورسٹی سینٹ پیٹرز برگ اور مصر سپین، پیرس، جرمنی، اٹالیہ اور ہالینڈ کے قومی کتب خانوں کی زینت ہیں

آج کل طب عربی اور اس طب کے ساتھ فرانس کے تعلقات پر فرانسیسی زبان میں تاریخ طب کی ایک بہترین کتاب ہمارے زیر مطالعہ ہے جس کا نام Lapart de La Medecine Arabe Dans Revolution de La Medecine Fransaise. ہے۔ یہ کتاب تاریخ فلسفۂ طب پر دور حاضر کا بہترین نقش قلم ہے۔ جس میں فاضل مؤلف جوزف ہیریز Goseph Hariz نے تاریخ طب اور فرانس میں طب عربی کے نزول اور ترقیات پر نہایت گرانقدر معلومات سپرد قلم فرمائی ہیں۔

ڈاکٹر جوزف ہیریز فرانس میں طب اور تاریخ طب کے نہایت بلند پایہ اور جلیل القدر عالم ہیں۔ اور آپ فرانس کی انجمن تاریخ طب (سوسائٹی آف ہسٹری آف میڈیسن) اور ایشیاٹک سوسائٹی کے ممتاز ممبر ہیں۔ اور یہ کتاب آپ کی خداداد علمی قابلیت و فضیلت کی بہترین یادگار ہے ◆

ڈاکٹر جوزف نے اپنی اس نادر تالیف کو اپنے محترم دوست ڈاکٹر اے گلبرٹ (A. Gilbert) ایم فیلو آف کلینیکل میڈیسن اور ممبر آف اکاڈمی آف میڈیسن کی خدمت میں بطور تحفہ ہدیہ پیش کیا ہے۔ اور آپ نے ۱۹۴۲ء میں اس کو پیرس میں نہایت حسن اہتمام کے ساتھ طبع کرا کے شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں تعارف کے طور پر فاضل مؤلف نے عرب میں طب کے ظہور و ترجمہ و تالیف اور نشر و اشاعت کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں بقراط جالینوس اور ارسطو کی تعلیمات پر قصر طب کی تعمیر کا تذکرہ کیا ہے۔ اور عہد بنی امیہ میں دور اول کے عربی اطباء کی مساعی طبیہ کے ذکر کے ضمن میں امام جعفر صادق اور جابر بن حیان جیسے بزرگوں کے عام طبی اور علم کیمیا کے تجربات و انکشافات کو واضح طور پر ذکر کیا ہے[۱]۔ زاں بعد خلفائے بغداد اور بالخصوص خلیفہ مامون الرشید کی شاہانہ علمی اور طبی سرپرستیوں کا ذکر جمیل نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے[۲]۔ اور وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ کس طرح شاہان اسلام کے ید بیضا کی دستگیری اور اعانت سے طب یونانی کی ٹمٹماتی ہوئی شمع غیرت مہ و خورشید بن گئی۔

یہ تالیف جوزف پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ تعارف کے بعد پہلا باب ہے۔ اور اس باب میں مؤلف نے عرب میں طب کی ترقیات خلفائے بغداد بالخصوص خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون الرشید کی شاہانہ سرپرستی اور اطبائے عرب کی علمی اور عملی خدمات فن کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں طب کی درجہ بدرجہ عہد بعہد ترقیات کا ذکر کرتے ہوئے۔ بغداد۔ اندلس اور تمام دیار اسلامی میں اطبائے اسلام کی فنی خدمات کا ایک نہایت شاندار نقشہ پیش کیا ہے۔ اور نام بنام تقریباً ہر ایک مشہور عربی طبیب کے اخلاق و شمائل تصانیف اور طبی کارناموں کو بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر جوزف نے اسلامی دور کے اطبا میں بغداد اور عراق کے ذکر جمیل کے سلسلے میں خصوصیت

۱؎ ملاحظہ ہو۔ تالیف جوزف صفحہ ۷ مطبوعہ پیرس۔ ۲؎ ملاحظہ ہو تالیف مذکور صفحہ 9۔

کے ساتھ ثابت بن قرہ ۔ حنین بن اسحٰق اور قسطا بن لوقا البعلبکی کی طبی تصانیف اور فنی خدمات کی بہت مدح و ستائش کی ہے[1] ۔ فاضل مؤلف ذکریا رازی کو طب کی جلیل القدر عظمت[2] ۔ اور شیخ بو علی سینا کو علم و حکمت کی دنیا میں سب سے بڑی شخصیت[3] قرار دیتا ہے ۔ مؤلف ابن جلجل اور ابو عبداللہ الصقلی کا بھی بہت ستائش گر ہے[4] ۔ اور ابو القاسم الزہراوی کو تو وہ دنیا کا نہایت عظیم المرتبت طبیب اور بہترین سرجن تسلیم کرتا ہے ۔ ابو القاسم الزہراوی کی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف کا نام خاص عزت و احترام کے ساتھ اس کی زبان پر ہے ۔ اور وہ اس کو خاکِ پاکِ قرطبہ کا بہترین اور مقدس طبی صحیفہ سمجھتا ہے[5] ۔

ان اطبائے کرام کے علاوہ ڈاکٹر جوزف نے جابجا اس باب میں اسلامی دَور کے دیگر اطبائے کاملین اور علمائے حاذقین کی سیرت ، تالیفات اور طبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ علی بن عباس ۔ جورجیس ۔ جبرئیل بن بختیشوع ۔ اسحٰق بن حنین ۔ یوحنا بن ماسویہ ۔ سنان بن ثابت ۔ یعقوب بن اسحٰق الکندی ۔ ابن البیطار ۔ ابو سہل مسیحی ۔ ابن ابی صادق اور ابو نصر الفارابی وغیرہ کے حالات ۔ تصنیفات اور خدمات کو نہایت شاندار الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

اطباء کے حالات میں ڈاکٹر جوزف کا ماخذ معلومات طب اور تاریخ طب کی نہایت مستند تالیفات ہیں بعض مقامات پر مؤلف نے گستاو لیبان Gustave Lebon کی مشہور کتاب تمدن عرب (Civilisation des Arabes) سے استناد کیا ہے ۔ اور بیشتر تاریخی معلومات اس نے موفق الدین ابن ابی اصیبعہ کی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء سے اخذ کی ہیں ۔ اس آخر الذکر تالیف کو وہ تاریخ طب کی بہترین کتاب قرار دیتا ہے ۔ اور جابجا اس کے حوالے پیش کرتا ہے ۔ اور اس کے مؤلف ابن ابی اصیبعہ کو

---

[1] ملاحظہ ہو تالیف جوزف صفحہ ۱۵ ۔ ۱۶
[2] ملاحظہ ہو تالیف جوزف صفحہ ۱۵ ۔
[3] ملاحظہ ہو تالیف جوزف ؍؍ ۱۶ ۔
[4] ملاحظہ ہو ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲۲ ۔
[5] ملاحظہ ہو تالیف جوزف ؍؍ ۱۷

وہ تاریخ فن کا جلیل القدر مورخ تسلیم کرتا ہے[1]۔

دوسرے باب میں عربی طب کے اطالیہ کے شہر سلرنو میں نزول درس و تدریس اور نشر و اشاعت کا تفصیلی بیان[2] ہے۔ اور تیسرے باب میں طب عربی کے مغرب میں ظہور کا تذکرہ ہے۔ اس باب میں مؤلف نے تفصیل سے یہ بتایا ہے۔ کہ کس شوق و ذوق اور والہانہ جوش کے ساتھ اہل مغرب نے طب عربی کا خیر مقدم کیا۔ اور کس طرح عرب اطبا کی تصانیف کی بدولت ظلمت کدۂ مغرب میں علم و حکمت کی روشنی پھیلی۔

اس ضمن میں مؤلف نے ان اطبائے کرام کے ناموں اور کارناموں سے خصوصیت کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ جن کا تذکرہ حسین صدیوں تک اہل مغرب کی زبانوں پر جاری رہا۔ اور جن کی تصانیف اُن کی تعلیم گاہوں میں تقریباً سترھویں صدی عیسوی تک داخل نصاب رہیں۔ ان اطبا میں ڈاکٹر جوزف نے ذکریا رازی۔ بوعلی سینا۔ ابن زہر۔ ابن باجہ۔ ابن مطران۔ ابن طفیل اور ابن رشد کا ذکر جمیل نہایت تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے[3]۔

چوتھے باب میں ڈاکٹر جوزف نے نہایت تفصیل کے ساتھ یہ واضح کیا ہے۔ کہ اہل مغرب نے طب عربی کو لے کر اس میں کیا کیا اضافات کئے۔ یہ باب فی الحقیقت تاریخ طب کا ایک نہایت اہم مبحث ہے جس سے طب قدیم کی بنیاد پر مغرب کی نئی معلومات و ترقیات اور دورِ جدید کے آغاز کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔

پانچویں باب میں فاضل مؤلف نے یہ واضح فرمایا ہے۔ کہ عربی طب کب اور کس طرح فرانس میں پہنچی۔ اور اہل فرانس نے اس متاع عزیز کو اپنے کاشانہ کی زینت بنا کر اس کی تزئین و آرائش میں کیا کیا اضافات کئے۔

طب عربی فرانس میں تقریباً گیارھویں صدی عیسوی میں پہنچ چکی تھی۔ اور ۱۱۸۱ء سے لے کر تقریباً ۱۷۸۹ء تک وہاں عربی طب کی تعلیم و تلقین۔ درس و تدریس اور اضافات

---

[1] ملاحظہ ہو تالیف جوزف صفحہ ۱۶ [2] ملاحظہ ہو تالیف مذکورہ صفحہ ۳۳

[3] ملاحظہ ہو تالیف جوزف صفحہ ۴۵

تشریحات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اس دور میں فن کا اصل سرمایہ حکمائے عرب ہی کی تصانیف تھیں۔ اور ذکریا رازی۔ ابن رشد۔ بوعلی سینا۔ اور علی بن عباس کی تالیفات خصوصاً اس عہد کی ممتاز ترین درسی کتابیں تھیں[1]۔ اس زمانہ میں طب عربی کو اصل قرار دے کر اس میں عہد بعہد اضافات ہوتے رہے ہیں اور فرانس کی حسین زمین کے فرزندوں نے اس محبوب عرب کے جمال دلفروز کی آرائش میں اپنی پوری سعی اور جدّ وجہد صرف کی ہے۔ فاضل مؤلف نے ان تمام تاریخی حقائق ومعارف کو نہایت خوبی اور وضاحت کے ساتھ بےنقاب کیا ہے

ہسپانیہ میں عرب اطبا کا ایک نہایت ممتاز خاندان گزرا ہے جس کا مورث اعلیٰ ابن زہر تھا۔ اور یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ کہ ہسپانیہ میں عربی طب کو خاص عروج حاصل ہوا ہے۔ اور اسی لئے ڈاکٹر جوزف نے ہسپانیہ کی طبی خدمات پر ایک خاص فصل باندھی ہے[2] اور اس میں ان تمام تاریخی بصائر کو نہایت وضاحت سے ذکر فرمایا ہے

ڈاکٹر جوزف ہیرز کی یہ ساری کتاب اوّل سے آخر تک تاریخ فن پر اسی نوع کی بیش قیمت معلومات سے لبریز ہے جس کی ایک ایک سطر میں فاضل مؤلف نے اپنی مورخانہ اور عالمانہ خداداد قابلیت کا شاندار ثبوت دیا ہے۔ یہ تالیف طب عربی کی تاریخ پر معارف وحقائق کا ایک گراں بہا گنجینہ ہے جس میں ابتدائے عہد سے لے کر سنہ ۱۸۷۸ء تک مشرق ومغرب میں طب عربی کی نشر واشاعت اور عہد بعہد کی ترقیات پر نہایت گرانقدر اور مستند معلومات درج ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ عربی علماء کی کتابیں صدیوں تک فرانس کی تعلیم گاہوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ عربی اصول حکمت وطب پر فرانس میں صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جو آج تک دنیا کی مشہور وممتاز لائبریریوں میں موجود ہیں اور فرانسیسی لٹریچر کا خزانہ بیشتر عربی لغات ومصطلحات کے یواقیت وجواہر سے معمور ہے۔

یورپ اور بالخصوص فرانس میں عربی طب کے نزول کا باب تاریخ کا دلچسپ ترین موضوع ہے۔ اور اس سلسلے میں چار چیزیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تالیف جوزف صفحہ ۱۱۳ ؛ [2] ملاحظہ ہو۔ تالیف جوزف صفحہ ۱۳۸ +

اوّل مدارس طبیہ ۔ دوم اشخاص ۔ سوم امصار ۔ چہارم حروب صلیبیہ ۔

مدارس جن طبی درسگاہوں نے اسلامی طب کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا ۔ وہ ہیں ایک سلرنو کا طبی مدرسہ ۔ دوسری مونٹ پیلیر کی درسگاہ ۔

سلرنو کا طبی مدرسہ یہ مدرسہ اگرچہ ایک مدت سے قائم تھا ۔ مگر اس کی حقیقی عظمت اور عالمگیر شہرت کا دور تقریباً ١٠٧٠ء سے شروع ہوتا ہے ۔ جب قسطنطین نے یہاں سکونت اختیار کی ۔

قسطنطین (کارتھیج کا باشندہ) اپنے وقت کا فاضل اور یورپ کی طب کا ابوالآباء تھا ۔ اور اسی کی وساطت سے یورپ طب اسلامی سے ابتداءً متعارف ہوا ۔

مونٹ پیلیر کا طبی مدرسہ ازمنۂ متوسط میں سلرنو کی طرح مونٹ پیلیر کا طبی مدرسہ بھی ایک خاص شہرت اور فضیلت کا حامل تھا ۔ بلکہ یہ دونوں درسگاہیں یورپ میں ایک دوسرے کے مد مقابل سمجھی جاتی تھیں ۔

مونٹ پیلیر فرانس کے جنوبی ساحل پر بحیرۂ روم کے قریب واقع ہے ازمنۂ متوسط میں تمام بحیرۂ روم کی مغربی تجارت کا مرکز یہی شہر تھا ۔ اور چونکہ اس زمانہ میں تجارت تقریباً تمام تر عربوں کے ہاتھ میں تھی ۔ اس لئے مونٹ پیلیر بھی ان کی یورپی تجارتی منڈیوں میں شامل تھا ۔ ان کے تجارتی قافلے یہاں آکر خرید و فروخت کیا کرتے تھے ۔ اور ان کے ساتھ وہ یہودی اطباء بھی یہاں آکر آباد ہوگئے ۔ جنہوں نے طب اور علوم حکمیہ کو اسلامی ممالک میں حاصل کیا تھا ۔ ان کی آمد کا زمانہ نویں صدی عیسوی کے اختتام کے قریب کا زمانہ ہے ۔

١٧ اگست ١٢٢٠ء کو کارڈینل کانرڈ نے پوپ کے ایماء پر اس طبی مدرسہ کے قوانین اور ضوابط مقرر کئے ۔ جو ساڑھے پانچسو برس (۵۵۰) سے زیادہ عرصہ تک وہاں رائج رہے ۔ آخر ١١ اپریل ١٧٩٢ء کو یہ قدیم اور مشہور طبی درسگاہ حکماً بند کر دی گئی لیکن اس اثناء میں اس مدرسہ نے بڑے بڑے کامل الفن اطباء پیدا کئے جن کی معلومات سے ابتک فائدہ اٹھایا جارہا ہے ۔ یہاں کے فارغ التحصیل اطباء پوپ شاہان یورپ کے معالجہ کے لئے جایا کرتے تھے ۔

اس مدرسہ کا نظام تعلیم اور نصاب یکسر اسلامی اصول اور اسلامی طب سے ماخوذ تھا ۔ کورس میں بقراط اور جالینوس کے مسائل اور عربی علماء کی تصانیف مروج تھیں ۔ یہیں کے ایک طبیب

بلیس ارمنگڈ نے جو فلپ چہارم شاہ فرانس کا طبیب شاہی تھا۔ بوعلی سینا اور ابن ارشد کی بعض تصانیف کا ترجمہ کیا تھا۔ المختصر یہ کہ کئی سو برس تک اس مدرسہ کی وساطت سے عربی طب نے یورپ میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

اشخاص [1] جن لوگوں نے یورپ میں عربی طب کی تبلیغ و ترویج کے سلسلہ میں نمایاں حصہ لیا ہے ان میں سے حسب ذیل شخصیتیں زیادہ ممتاز ہیں۔

اوّل قسطنطین افریقی [1] یہ وہی قسطنطین ہے۔ جس کا سلیرنو کی درسگاہ سے تعلق تھا۔ اس کے متعلق براؤن نے لکھا ہے۔ کہ قسطنطین کی جن تصانیف کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی اپنی دماغی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ وہ سب حقیقتاً عربی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ جن میں سے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ تمام ایسی چیزوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جو ان کتابوں کے اصل مصنّفین کی شناخت کا ذریعہ بن سکتیں۔ اور اس طرح اس نے کثیر التعداد طبی کتابوں کے مصنف ہونے کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی۔ حالانکہ وہ تصانیف عربی کتابوں کے تراجم ہیں۔

دوم گربرٹ [2] یعنی پوپ سلوسٹر ثانی (زمانۂ حیات ۹۳۰ء سے ۱۰۰۳ء تک) نے جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی میں اسلامی علوم حکمیہ کی ترویج اور نشر و اشاعت میں خاص حصّہ لیا یہ شخص طب۔ ریاضی ہیئت اور فلسفہ کا بلند پایہ عالم تھا۔ اور یہ سب علوم اس نے طلیطلہ میں حاصل کئے تھے۔ جو اس کی وساطت سے جرمنی۔ فرانس اور اٹلی کے گرجاؤں میں نشر ہوئے اور عظمت و احترام کی نظروں سے دیکھے گئے تھے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ گیارھویں صدی عیسوی میں جدید سائنٹیفک علوم کو حاصل کرنے کی جو تحریک شمالی یورپ میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے لئے راستہ اسی نے صاف کیا تھا۔ کیونکہ اس نے لوگوں کا علمی مذاق اور مذہبی نظریہ بہت بلند کر دیا تھا۔

سوم جیرارڈ آف کریمونا قسطنطین اور گربرٹ (پوپ سلوسٹر ثانی) کے بعد حقیقی معنی میں

---

[1] ملاحظہ ہو این انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف میڈیسن صفحہ ۱۰۲ مطبوعۂ لندن۔

عربی طب اور علوم حکمیہ کو یورپ میں نشر اور شائع کرنے اور ان کو عربی سے لاطینی میں منتقل کرنے میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا وہ اٹلی کے شہر کریمونا کا باشندہ جیرارڈ (زمانۂ حیات ۱۱۴۷ء تا ۱۱۸۷ء) ہے۔ گربرٹ کی طرح اس نے بھی اسلامی علوم کی تحصیل طلیطلہ میں کی وہ وہاں بطلیموس کی کتاب المجسطی کی تلاش میں گیا تھا۔ جس کا ترجمہ اس نے عربی سے لاطینی میں ۱۱۷۵ء میں کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ہسپانیہ کے عیسائیوں اور یہودیوں کی مدد سے تقریباً عربی کی اسی کتابوں کے لاطینی میں ترجمے کئے۔ جن میں بقراط اور جالینوس کی ان تصانیف کے علاوہ جن کو حنین نے عربی میں منتقل کیا۔ ارسطو۔ بوعلی سینا۔ فارابی۔ ابوالقاسم الزہراوی کندی اور اسحٰق اسرائیلی وغیرہ کی تصانیف بھی شامل ہیں۔

ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے علمائے فن نے عربی حکماء کی متعدد کتابوں کے لاطینی میں تراجم کئے۔ جن میں اینڈریا الپیکوسٹیفن۔ مارک کےفن۔ ردفی تو۔ ابراہیم یہودی سائمن۔ بیرنجر اور آرنلڈ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ایک انگریز فلسفی اور ریاضی دان ایڈسے لارڈ بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جس نے اسلامی علوم کی تحصیل طلیطلہ میں کی۔ اور جب وہ انگلستان واپس گیا۔ تو وہاں اس نے عربی علوم کی تبلیغ کی اور متعدد عربی کتابوں کے لاطینی میں تراجم کئے اسی زمانے میں عربی طب کا ایک عالم ہسپانیہ کا ایک یہودی طبیب پیٹرس الفونسی بھی انگلستان گیا۔ جو ہنری اوّل شاہ انگلستان کا طبیب شاہی بنا۔ اور وہاں پہنچ کر اس نے بہت سی عربی کتابوں کے لاطینی میں ترجمے کر کے عربی طب کو رواج دیا[1]۔

امصار { جن شہروں نے اسلامی علوم حکمیہ کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و تشہیر میں حصہ لیا ان میں سے ہسپانیہ سسلی اور مشرقی رومی سلطنت بازنطینی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہسپانیہ { اس ملک کے متعلق ہیسکن لکھتا ہے۔ کہ ہسپانیہ میں اسلامی علوم کا بہتا ہوا دریا یورپ کے تشنہ کام ممالک کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ اور یہی

---

[1] ملاحظہ ہو سٹڈیز ان دی ہسٹری آف میڈیسنل سائنس صفحہ ۲ تا ۹ ÷

مصنف آگے چل کر لکھتا ہے - کہ اگر وسیع نظر سے دیکھا جائے تو یہ امر ظاہر ہے کہ ہسپانیہ کے عرب نئے علوم کو مغربی یورپ میں پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے -

ہسپانیہ کے مشہور شہر طلیطلہ کی ممتاز ترین اور عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی ۱۰۸۵ء میں عیسائیوں کے قبضہ میں آئی - تو یورپ کے مختلف ممالک سے طالبانِ علم یہاں آنے شروع ہوئے جن کا مقصد عربی علوم کی تحصیل تھا - اس عہد میں یہود جو پہلے مسلمانوں کے ذیر اثر تھے - بہت مفید ثابت ہوئے - اوّل اوّل انہوں نے خود بہت سی عربی تصانیف کے لاطینی میں ترجمے کئے اس کے علاوہ آرچ بشپ ڈے منڈ نے پادری ڈینی کو گنڈی کی سیادت میں ایک مستقل دارالترجمہ قائم کیا - جو تیرھویں صدی عیسوی تک جاری رہا - اس دارالترجمہ میں عربی کتابوں کے لاطینی میں تراجم کئے جاتے تھے اور اس سلسلے میں یہاں کے یہودی باشندوں سے جو عربی عبرانی اور ہسپانوی زبانوں کے علاوہ لاطینی بھی جانتے تھے بڑی مدد ملی یہاں ابن داؤد یہودی نے کثیر التعداد عربی کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا

سسلی سسلی کا جزیرہ ایک اور مرکز تھا - جہاں سے اسلامی علوم یورپ میں داخل ہوئے - اس جزیرہ میں مسلمانوں نے ۱۳۰ سال تک حکومت کی - اور آخرالامر ۱۰۹۱ء میں نارمن لوگوں نے یہ جزیرہ مسلمانوں سے چھین لیا - جب یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اسلامی علوم حکمیہ کو عربی سے لاطینی میں منتقل کرنے کا کام شروع کر دیا - چنانچہ شاہ راجر اوّل سے شاہ فریڈرک ثانی تک اور انجو کے بادشاہ منفریڈ اور چارلس اوّل وغیرہ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بے دریغ روپیہ صرف کیا - ہر مذہب و ملت کے علماء شہر پالرمو میں جمع کئے گئے اور طلیطلہ کی طرح یہاں بھی مترجمین کی ایک بڑی جماعت فراہم ہو گئی - ترجمہ کا کام شروع کر دیا گیا - اور اس طرح عربی کی بے شمار کتابیں لاطینی میں منتقل کر دی گئیں - چنانچہ یہیں کے ایک مترجم فرج بن سالم یہودی نے تیرھویں صدی عیسوی میں محمد بن ذکریا رازی کی مشہور اور ضخیم ترین کتاب الحاوی کا لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔

مشرقی رومی سلطنت بازنطینی ہسپانیہ اور سسلی کے علاوہ سلطنت بازنطینی کے توسط سے بھی اسلامی علوم یورپ میں داخل ہوئے -

اس لئے کہ یہ عیسائی سلطنت جس کے مقبوضات میں یونان اور بلغاریہ وغیرہ شامل تھے اسلامی ممالک کے قریب واقع تھی۔ اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔

حروب صلیبیہ { چوتھا ذریعہ حروب صلیبیہ ہیں۔ جن کی وجہ سے یورپ اسلامی علوم و اسلامی تہذیب و تمدن سے متعارف ہوا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ پروفیسر براؤن نے اپنے تیسرے لیکچر میں کیا ہے۔

۱۱۱ خوارزم شاہی سلطنت ۴۹۰ھ میں عالم وجود میں آئی اس میں سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ علم پروری اور طب نوازی کے اعتبار سے خاص طور پر مشہور ہے خاقانی امام فخر الدین رازی اور سید شریف شرف الدین اسمٰعیل بن حسین الحسینی جرجانی۔ مؤلف ذخیرہ خوارزم شاہی اس کے دربار کی رونق تھے۔

۱۱۲ خفی علائی سید اسمٰعیل جرجانی کی نہایت قابل قدر تالیف ہے۔ دیباچہ میں اس کی وجہ تالیف کے سلسلے میں مؤلف نے لکھا ہے کہ علاء الدولہ نے ان سے کہا کہ ذخیرہ ایک بہت ضخیم کتاب ہے اس لئے طب میں ایک ایسی جامع و مانع مختصر کتاب لکھئے جو سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رکھی جا سکے۔

دیگر کتب فن کی طرح یہ کتاب بھی دو حصوں (حصۂ علمی و عملی) میں تقسیم کی گئی ہے اور اس میں خصوصیت کے ساتھ علم حفظ صحت اور تقدمۃ المعرفۃ پر نہایت مفید اور اہم معلومات سپرد قلم کی گئی ہیں۔ تقدمۃ المعرفۃ کے سلسلے میں اس میں علامات منذرہ کو خصوصیت کے ساتھ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور تقدم بالحفظ کے مسائل کے ذکر کے ضمن میں تدبیر فصول تدبیر ہوا۔ تدبیر شہر و مسکن۔ تدبیر جامہ پوشی۔ تدبیر غذا۔ تدبیر آب۔ تدبیر شراب۔ تدبیر خواب و بیداری۔ تدبیر حرکت و سکون اور تدبیر اعراض نفسانی کو نہایت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

خفی علائی کا ایک قلمی نسخہ حیدر آباد دکن میں بھی موجود ہے۔ اس کا خط ولایتی نستعلیق اور پاکیزہ ہے۔ اور ساری کتاب طلائی جدولوں سے مذہب ہے کل صفحات ۲۶۷ ہیں۔ کاتب کا نام عباد اللہ حسینی مشہدی ہے اور اس نے تاریخ کتابت ہم ابیع

جمعہ سنہ ۹۹۰ھ لکھی ہے۔ کتاب کی ابتداء میں دو مہریں ثبت ہیں ایک مہر میں "ہیچ ندارد غیر خدا بقا" لکھا ہے اور اس کے نیچے سنہ ۱۱۱۷ھ درج ہے اور دوسری مہر حکیم وجہ الدین حسین (سنہ ۱۲۳۱ھ) کی ہے[1]۔

اس کے علاوہ خفی علائی سنہ ۱۲۸۴ھ میں مطبع صدیقی واقع محلہ خواجہ قطب بریلی میں طبع بھی ہو چکی ہے[1]۔

---

۱۱۳ قفطی کا پورا نام وزیر جمال الدین ابی الحسن علی بن القاضی الاشرف یوسف القفطی ہے۔ آپ کی یہ کتاب ابتداء لیپزک میں چھپی تھی۔ اس کے بعد اخبار العلماء باخبار الحکماء کے نام۔ اور محمد اسمٰعیل کے اہتمام سے مطبع سعادۃ مصر میں بھی چھپی ہے۔
مصر کے دار الکتب خدیویہ میں اس کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔ سید محمد امین الخانجی نے ان تینوں قلمی نسخوں سے اس کی تصحیح کی ہے۔ میرے پاس جو تاریخ الحکماء ہے۔ وہی ہے۔ ایک جلد میں ہے۔ اور ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔
اس کے علاوہ قفطی نے شعراء اور ان کے اشعار پر ایک اور کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔

۱۱۴ اس کتاب کا نام نزہۃ الارواح وروضۃ الافراح فی تاریخ الحکماء المتقدمین والمتاخرین ہے۔ اور اس کے مؤلف کا نام شمس الدین محمد بن محمود الشہرزوری ہے۔

۱۱۵ اس کتاب کا نام وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ہے۔ اور اس کے مؤلف کا پورا نام نامی احمد بن محمد بن خلکان ہے۔ جو اپنے عہد کا جلیل القدر مورخ اور قاضی القضاۃ تھا۔

یہ کتاب وفیات الاعیان اپنی اصل عربی زبان میں ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ میں احمد البابی الحلبی کے اہتمام سے دو جلدوں میں مطبع میمنیہ مصر میں طبع ہو چکی ہے اور اس وقت میری آنکھوں کو روشنی عطا کر رہی ہے۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے رطب اسلامی صفحہ ۶۰ و ۶۱ ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۔

ـــہ ۱۱۶ یاقوت حموی ۵۷۴ھ یا ۵۷۵ھ میں پیدا ہوا - اور ۱۲ رمضان المبارک ۶۲۶ھ کو حلب میں راہگرائے عالم بقا ہوا - ملاحظہ ہو وفیات الاعیان جلد ثانی صفحہ ۲۱۴ - یہ یاقوت اپنے عہد کا نہایت جلیل القدر مورخ اور جغرافیہ دان گذرا ہے - اور پروفیسر براؤن نے اس کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے - وہ معجم الادباء ہے - قاضی ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اس یاقوت کے حالات پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے - (ملاحظہ ہو وفیات الاعیان جلد ثانی صفحہ ۱۱۰)

ـــہ ۱۱۷ ابوالفرج کے نام کے ساتھ گریگوریس مذہبی اور خاندانی طور پر رسماً شامل ہے ابوالفرج گریگوریس ملطی کی اس عربی تاریخ کا نام جس کو پروفیسر براؤن نے ذکر کیا ہے - مختصر الدول ہے

ـــہ ۱۱۸ اب آپ بتائیے کہ اس ہسپتال میں تقریباً وہ کون سی چیز نہیں جو آج کے ہسپتالوں میں موجود ہے -

ـــہ ۱۱۹ احمد بن طولون کی نسبت جس کی جانبازانہ خدمت خلق - شجاعت اور پُرصعوبت زندگی کے افسانوں سے تاریخ کے اوراق معمور ہیں - یہ لطیفہ   ناقابل یقین ہے - کہ اس نے ایک پاگل آدمی کے انار کی چوٹ سے پریشان ہو کر اپنے اس ہسپتال کی حاضری سے ہمیشہ کے لئے دست کشی اختیار کر لی - جسے اس نے بڑے اہتمام شوق اور صرف کثیر سے قائم کرایا تھا -

ـــہ ۱۲۰ جب سے ہماری طب کی ابتدا ہوئی ہر دور میں اس کے شفاخانے قائم ہوتے چلے آئے ہیں - اور اس سلسلے میں اسلامی حکومتوں نے اپنے اپنے عہد میں جو بے شمار شفاخانے بنائے ہیں - ذیل میں اوّل سے لے کر آخر تک ہم ان کی ایک مختصر روداد آپ کی خدمت

ـــہ عہد قدیم میں رومۃ الکبری اور رومن ایمپائر کے ہسپتال خصوصیت سے مشہور تھے اور بقراط نے اپنا ہسپتال اپنے مکان کے بائیں باغ میں بنایا تھا - جس کا نام اس نے اخسندوکین رکھا تھا - ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۷ -

یں پیش کرتے ہیں۔

ولید اور منصور کے شفاخانے عربی حکومت میں سب سے پہلے جو شفاخانہ قائم ہوا۔ وہ ولید بن عبد الملک نے ۸۸ھ المطابق ۷۰۶ء میں دمشق میں بنوایا[1]۔ یہ شفاخانہ درحقیقت جذامیوں کے لئے تھا۔ جس میں ان کے لئے طعام و قیام کا بہترین انتظام تھا[2]۔ اور ان کو ہدایت کی گئی تھی۔ کہ باہر آ کر تندرستوں سے نہ ملیں۔ اس شفاخانے کے لئے باقاعدہ اطبا مقرر کئے گئے تھے[3] اور اس کا سنگ بنیاد ولید نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا[3]۔

اس کے بعد عباسیوں میں سے منصور نے اندھوں، یتامیٰ اور اپاہج عورتوں کے لئے ایک دار الاقامۃ[4] بنایا۔ جو اُن کے لئے ایک طرح کا شفاخانہ تھا۔ علاوہ ازیں اس نے پاگلوں کے لئے ایک پاگل خانہ (دار المجانین) بھی بنوایا[5]۔

رشیدی شفاخانے عباسی دور حکومت شفاخانوں کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ چنانچہ جب خلافت عباسی کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا۔ تو سب سے پہلے ہارون الرشید نے بغداد میں اپنے طبیب جبرئیل بن بختیشوع کو حکم دے کر اس سے ایک شاندار شفاخانہ بنوایا۔ اور ماسویہ کو اس کا نگران مقرر کیا[6]۔

اس صدر شفاخانے کے علاوہ اور بھی متعدد شفاخانے قائم کئے گئے۔ جن میں سے ہر ایک پر ایک ایک طبیب مقرر تھا۔ اور سب کی نگرانی کے لئے ایک افسر الاطبا متعین تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن صفحہ ۱۶ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ منہ

[2] ملاحظہ ہو۔ مقریزی۔ جلد دوم صفحہ ۴۰۵ ؛

[3] ملاحظہ ہو۔ طب اسلامی صفحہ ۹۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ منہ

[4] ملاحظہ ہو۔ وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۵۹۴ مطبوعہ مصر۔ منہ

[5] ملاحظہ ہو۔ کشکول از عاملی صفحہ ۲۱۳۔ مطبوعہ مصر۔ [6] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۷۴ مطبوعہ مصر +

یہ عہدہ سب سے پہلے بختیشوع کو دیا گیا[۱]۔

بیمارستان برامکہ

عباسی عہد خلافت میں خاندان برامکہ کو بڑا عروج حاصل تھا ۔ چنانچہ ہارون الرشید کے وزیر یحیٰی بن خالد برمکی نے اپنے ذاتی خرچ سے بغداد میں ایک شفاخانہ بنوایا ۔ جس میں ایک ہندی طبیب کی خدمات بھی حاصل کی گئیں[۲]۔

بیمارستان معافر

بغداد کے رشیدی شفاخانہ کے نقش قدم پر بعد میں دیگر اسلامی تمدنوں میں بے شمار بیمارخانے بنائے جانے لگے ۔ چنانچہ متوکل کے وزیر فتح بن خاقان نے مصر میں ایک شفاخانہ بنوایا ۔ جس کا نام اس نے بیمارستان معافر رکھا[۳]۔

بیمارستان احمد بن طولون

اس کے بعد جب مصر کی حکومت کی عنان احمد بن طولون کے ہاتھ میں آئی ۔ تو اس نے ۲۵۹ھ میں اپنے نام پر ساٹھ ہزار دینار کے خرچ سے ایک شفاخانہ قائم کرایا اور یہ حکم دے دیا ۔ کہ اس میں بلا لحاظ امیر و غریب عام مریضوں اور مجانین کی طبی خدمت انجام دی جائے ۔

اس شفاخانہ میں علاج کا یہ دستور تھا ۔ کہ مریض کے اپنے کپڑے اتروا کر اس کو ہسپتال کے کپڑے پہنائے جاتے تھے ۔ اس کو بستر دیا جاتا تھا ۔ صبح و شام اطبا و جرّاح اس کے پاس آتے تھے ۔ اور جب وہ مرغ کا شوربا اور پھلکا کھانے لگتا تھا تو اس کو گھر جانے کی اجازت دے دی جاتی تھی ۔ احمد بن طولون بنفس نفیس ہر جمعہ کو اس شفاخانہ کے معائنہ کے لئے آیا کرتا تھا[۴]۔

بیمارستان جامع طولونی

اسی احمد بن طولون نے ناگہانی حوادثات کے لئے بھی ایک شفاخانہ کی ابتدا کی تھی ۔ چنانچہ اس نے ۲۶۳ھ میں ایک عظیم الشان مسجد "جامع طولونی" تعمیر کرائی ۔ اور اس کے ایک گوشہ میں یہ شفاخانہ قائم کرایا

---

[۱] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۴۰ ۔ [۲] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست از ابن الندیم صفحہ ۲۴۵ مطبوعہ لیپسک ۔ [۳] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ مصر ۔

[۴] ملاحظہ ہو مقریزی جلد ہفتم صفحہ ۴۰۵ ۔ منہ

[۵] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۴۳ ۔ منہ ؛

تھا۔ جس میں اتفاقی اور فوری ضرورت کی دوائیں مہیا کی گئی تھیں[1]۔

قرن چہارم کے بعض شفاخانے } یہ تیسری صدی ہجری تک کے بعض شفاخانوں کی مختصر داستان ہے۔ اس کے بعد قرن سوم ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ مکہ اور مدینہ میں بھی شفاخانے بن گئے[2]۔ مصر میں بیمارستان کافوری بنا۔ رے اور نیشاپور میں متعدد شفاخانے قائم ہوئے[3] اور بغداد اور اس کے نواح میں مقتدر نے بیشمار شفاخانے بنوا دیئے۔

بیمارستان حربیہ } بغداد کے شفاخانوں میں سے ایک بیمارخانہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ نے ۳۰۲ھ میں بغداد کے محلہ حربیہ میں بنوایا اور اس پر بے شمار روپیہ صرف کیا۔ ابو عثمان سعید بن یعقوب دمشقی اس کا طبیب خاص تھا[4]۔

بیمارستان ابن الفرات } بعد میں ایک شفاخانہ بغداد ہی کے ایک محلہ میں ابن الفرات وزیر نے اپنے نام پر قائم کرایا۔ اور سنان بن ثابت کا فرزند ثابت بن سنان اس کا انچارج مقرر ہوا[5]۔

بیمارستان السیدہ } محرم ۳۰۶ھ میں مقتدر کے شاہی طبیب سنان بن ثابت نے خلیفہ موصوف سے بغداد کے مشہور بازار سوق یحییٰ میں دریائے دجلہ کے کنارے بیمارستان السیدہ بنوایا۔ جس پر یوسف بن یحییٰ کے ہاتھوں چھ سو دینار ماہوار خرچ ہوتے تھے[6]۔

بیمارستان مقتدری } اس کے علاوہ اسی سال خلیفہ مقتدر نے اپنے نام پر بغداد کے محلہ باب الشام میں ایک اور شاندار شفاخانہ (بیمارستان مقتدری) قائم کرایا۔ جس کا ماہانہ خرچ دو سو دینار تھا۔ جو خلیفہ اپنی جیب سے[7] ادا کرتا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۴۳۔ [2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۷۔
[3] ملاحظہ ہو۔ تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸؎
[4] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۳۴ [5] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۲۴۔ [6] ملاحظہ ہو اخبار العلماء باخبار الحکماء از ابن القفطی صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ مصر۔
[7] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۲۲؎

بیمارستان بدری } علاوہ ازیں ایک شفاخانہ بیمارستان البدری کے نام سے قائم تھا۔ جس کے اخراجات کا ذریعہ خلیفہ متوکل کی والدہ سجاح کا وقف تھا۔ ایک مرتبہ جب اس وقف کے مہتمم ابوالصقر وہب بن محمد کلوزانی سے ترسیل زر میں کچھ بے ضابطگی ثابت ہوئی۔ تو سنان بن ثابت نے اس کی شکایت علی بن عیسیٰ وزیر دولت عباسیہ کو کر دی۔ اور لکھا۔ کہ سردی کا موسم ہے۔ اور مریضوں کو کوئلہ اور گرم کپڑے کے بغیر سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اور مہتمم وقف خرچ بھیجنے میں تاخیر کرتا ہے۔ اس پر وزیر موصوف کی طرف سے ابو الصقر کو سخت فہمائش کی گئی [1]

سفری شفاخانہ } سنان بن ثابت نے سفری شفاخانہ کی بھی ابتداء کی۔ چنانچہ اس نے علی بن عیسیٰ وزیر دولت عباسی کے حکم سے سواد یعنی عراق کے اس حصّہ میں جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ دہقانوں اور رعایا کے مفلس نادار لوگوں کے لئے تجربہ کار اطباء کی جماعت کو ضروری سامان ادویہ وغیرہ کے ساتھ بیرونجات میں بھیجنے کا انتظام [2] کیا۔ اور اس طرح یہ سفری شفاخانہ قائم کیا گیا۔

قیدیوں کا شفاخانہ } علی بن عیسیٰ وزیر کے حکم سے سنان بن ثابت نے قیدیوں کے لئے بھی جیل میں معالجہ کے طریق کی ابتداء کی۔ چنانچہ جب یہ محسوس کیا گیا۔ کہ اکثر قیدیوں کو مختلف قسم کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ اور قیدی جیل میں ہونے کی وجہ سے باہر علاج و معالجہ نہیں کرا سکتے۔ تو اطباء کو مقرر کیا گیا۔ کہ وہ روزانہ ان کا معائنہ کریں۔ اور بیمار قیدیوں کا معالجہ کریں۔ اور اس طرح گویا قیدیوں کے لئے ایک علیحدہ شفاخانہ کا انتظام کیا گیا۔

بیمارستان عضدی } ۳۶۸ھ میں عضدالدولہ بن بویہ نے بغداد کے مغربی پل کی جانب بیمارستان عضدی بنوایا۔ جس میں چوبیس [3] تو صرف اطبا مقرر تھے

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۲۲ ۔ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۲۱ ۔

[3] ملاحظہ ہو اخبار العلماء بأخبار الحکماء صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ مصر

اور بہت سے جراح (سرجن) کحال (آئی سپیشلسٹ) (مرہم پٹی کرنے والے) اور فصاد[1] ان کے علاوہ تھے

اس کے لئے جگہ کا انتخاب رازی کے مشورہ سے ہوا تھا[2] ۔ جو بعد میں اس کا رئیس الاطباء (ساعور) مقرر ہوا ۔

اس دار الشفاء کی عمارت ۳۷۱ھ المطابق ۹۸۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ اور اس کے بانی عضد الدولہ نے ساڑھے سات لاکھ ۷۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس کے اخراجات کے لئے مقرر کر دی تھی ۔ مقدسی نے ۳۷۵ھ میں اس کا تذکرہ کیا ہے ۔ جس سے اس کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے ۔

ایک سو سال تک یہ شفاخانہ اپنی پوری شان کے ساتھ قائم رہا ۔ کہ ۴۶۶ھ المطابق ۱۰۷۴ء میں دجلہ کی طغیانی کی وجہ سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا ۔ نہ اں بعد ۵۹۴ھ میں اس دریا میں پھر طوفان آیا ۔ اور شفاخانہ کی عمارت پھر خطرہ میں پڑ گئی ۔ لیکن جلد ہی مرمت کرالی گئی ۔ اور پھر اسی شان سے باقاعدہ مریضوں کا علاج و معالجہ ہونے لگا ۔ چنانچہ جب ۵۸۰ھ میں ابن جبیر نے اس کا معائنہ کیا ۔ تو یہ شفاخانہ اپنی پوری شان اور عظمت کے ساتھ قائم تھا ۔ بالآخر ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں کی بیدرد فوج کے ہاتھوں یہ چھ سو سال کی شاندار یادگار مسمار ہو گئی

ابن جبیر جب چھٹی صدی ہجری میں حج کے ارادہ سے سفر کرتا ہوا اس دار الشفاء[3] میں پہنچا تو اس کی شان دیکھ کر حیران رہ گیا ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

" محلہ باب البصرہ اور شارع عام کے درمیان سوق المارستان (ہسپتال روڈ) کے نام سے ایک چھوٹا سا محلہ آباد ہے ۔ اسی میں بغداد کا مشہور شفاخانہ قائم ہے ۔ جس کی عالیشان اور خوبصورت عمارت دجلہ کے کنارے واقع ہے ۔ اس میں بہت سے کمرے ہیں تمام بیمارستان وارڈوں میں منقسم ہے اور ہر وارڈ بجائے خود شاہی محلہ ہے ۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ؛

[2] ملاحظہ ہو ۔ اریبین میڈیسن صفحہ ۴۶ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ؛

[3] مؤلف طب اسلامی کی رائے ہے کہ غالباً یہ دار الشفاء بیمارستان مقتدری تھا ۔ ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۳۶ ۔

اس بیمارستان میں معالجہ کا بہترین سامان موجود ہے ۔ مریضوں کا نہایت ہمدردی سے علاج ہوتا ہے ۔ اور ہر مریض کو دوا، غذا بلاقیمت دی جاتی ہے ۔ تمام ضروریات کے لئے پانی دجلہ سے (نلکوں کے ذریعے) آتا ہے ۔ اور ہر دو شنبہ اور جمعرات کے روز شہر کے بڑے بڑے اطبا بھی اس شفاخانے میں جاتے ۔ اور پیچیدہ امراض کی تشخیص و علاج میں اس بیمارستان کے طبیبوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں ۔

اس ہسپتال میں کھانا پکانے دوائیں کوٹنے اور بنانے کے لئے ملازمین موجود ہیں ۔ جو ہر مریض کو حسب ہدایت طبیب غذا و دوا پہنچاتے ہیں[1]"

بیمارستان کبیر دمشق تیسری صدی ہجری کے بعد بیمارستان عضدی کی تقلید میں بے شمار بیمارستانات بننے شروع ہو گئے ۔ ان میں ایک عظیم الشان ادارہ[2]

بیمارستان کبیر دمشق کے نام سے مشہور ہے ۔ جو چھٹی صدی ہجری میں نور الدین زنگی نے بنوایا[3] اس میں بیماروں کی آسائش و راحت کے لئے وہ تمام سامان مہیا کر دئے گئے تھے ۔ جو اس وقت حکومت کے حیطہ اقتدار میں تھے ۔ اور اس میں مہذب الدین[4] بن عبد الرحیم شمس الدین محمد الکلی ۔ کمال الدین[5] حمصی ۔ عماد الدین[6] دنیسری ۔ رشید الدین بن خلیفہ[7] ۔ جمال الدین[8] بن الرحبی ۔ شمس الدین[9] بن اللبودی ۔ اور ابو المجد بن[10] ابی الحکم جیسی بلند پایہ طبی شخصیتیں جلوہ فرما تھیں ۔

یہ وہی شفاخانہ ہے ۔ جس کے خوبصورت دروازے مشہور و باکمال نجار مؤید الدین نے تیار کئے تھے ۔ یہاں اطبا کے علاوہ بے شمار منشی اور خدام ملازم تھے ۔ بیمار و کلی رجسٹر منشی لکھتے تھے ۔ جس میں بیماروں کے نام و نشان کے علاوہ ان کے اخراجات کی تفصیل

---

۱ ملاحظہ ہو ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ لاہور ۔ ۲ ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸

۳ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۴۰ سنہ ۔ ۴ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۴۳

۵ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۰۱ سنہ ۔ ۶ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۶۸

۷ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا " " ۲۴۹ ۔ ۸ ملاحظہ ہو " " صفحہ ۲۰۱

۹ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۱۸۷ ۔ ۱۰ ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۱۵۵

بھی لکھی جاتی تھی [1]

عام طور پر خیراتی شفاخانوں میں امراء اور مالداروں کو علاج کرانے کی اجازت نہ تھی ۔ لیکن اس شفاخانہ میں، وقف کی رُو سے اجازت دے دی گئی تھی ۔ کہ اس کی نایاب دواؤں کے استعمال میں امیر وغریب یکساں ہیں [2]۔

اس شفاخانہ میں مریضوں کو جس قدر آسائش تھی ۔ اس کا اندازہ ظاہری کی اس روایت سے کیجئے جس میں وہ بیان کرتا ہے" کہ جب میں ۸۳۱ھ المطابق ۱۴۲۷ء میں سیر کرتا ہوا دمشق کے شفاخانہ میں داخل ہوا ۔ تو وہاں انواع و اقسام کی کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ کر مریض بن گیا ۔ اور اپنا نام شفاخانہ میں مریضوں کے رجسٹر میں درج کرا لیا۔ شفاخانہ کے افسر الاطباءؒ نے معائنہ کیا ۔ اور لذیذ کھانے ۔ گوشت ۔ مرغ ۔ مٹھائیاں ۔ اور بہترین پھل تجویز کر دیئے ۔ لیکن چونکہ یہ طبیب اپنے کمال حذاقت سے اصل بیماری کو تاڑ چکا تھا ۔ اس لئے اس نے تین دن کے بعد رقعہ لکھ بھیجا کہ " مہمان تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا "

کہا جاتا ہے ۔ کہ جب سے یہ شفاخانہ قائم ہوا ۔ اس وقت سے اس کے چولہے کی آگ کبھی نہیں بجھی [3]

بیمارستان صلاح الدین غازی { ایک دار المرضیٰ سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ میں بنوایا [4] یہ شفاخانہ ایک شاہی ایوان میں قائم کیا گیا ۔ جس کی دیواروں پر پورا قرآن حکیم لکھا ہوا تھا ۔ ابن جبیر اس بیت الشفاء کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

" یہ شفاخانہ صلاح الدین کے مفاخر میں سے ہے ۔ یہ ایک نہایت خوبصورت اور

---

[1] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۷۰ ۔ [2] ماخوذ از مقالات شبلی صفحہ ۱۱ منہ ۔

[3] ماخوذ از لقمان جلد دوم نمبر ۱۰ صفحہ ۱۲ ۔

قاضی عبد اللطیف بغدادی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ یہ شفاخانہ دمشق ۵۹۸ھ کے زلزلہ سے متاثر ہوا تھا ۔ ملاحظہ ہو کتاب الافادۃ والاعتبار فی الامور المشاہدۃ والحوادث المعاینۃ بارض مصر صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ جرمنی [4] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ۔

شاندار محل ہے۔ بہت خوش نما کمرے ہیں ہر کمرے میں پلنگ بچھے ہوئے ہیں جن پر سلیقہ سے بچھونے اور تکیئے لگے ہوئے ہیں۔ دواؤں کے لئے ایک الگ کمرہ ہے۔ اور اس کے لئے دواساز اور منشی مقرر ہیں۔ پاگلوں کے علاج کے لئے الگ مکانات ہیں۔ جن کے لئے ایک علیحدہ وسیع احاطہ ہے۔ اور دریچوں میں لوہے کی جالیاں ہیں۔

شفاخانہ کا اہتمام ایک طبیب کے متعلق ہے۔ جس کے ماتحت بہت سے ملازم ہیں۔ یہ صبح و شام دونوں وقت مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ اور ان کی دوا اور غذا تبدیل کرتے اور اس میں اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ سلطان ہمیشہ خود شفاخانہ کے معائنہ کے لئے آتا ہے۔ اور بیماروں کے معالجہ اور خبرگیری پر نظر رکھتا ہے[1]"

بیمارستان اسکندریہ { قاہرہ کے اس شفاخانے کے علاوہ سلطان صلاح الدین نے اسکندریہ میں بھی ایک شفاخانہ قائم کرایا تھا۔ جس میں ایک خصوصیت یہ تھی۔ کہ جو لوگ شفاخانہ میں رہ کر علاج نہ کرانا چاہتے تھے۔ ان کے لئے علیحدہ طبیب اور جراح مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جو بوقت ضرورت لوگوں کے گھروں میں پہنچ کر ان کا علاج کرتے تھے[2]

بیمارستان میافارقین { ایک شفاخانہ زاہد العلماء ابو سعید منصور بن عیسیٰ نے پانچویں صدی ہجری میں نصیر الدولہ بن مروان سے میافارقین میں بنوایا۔ جس کے لئے نصیر الدولہ نے اپنی بہت بڑی جائداد وقف کی نفیس ترین آلات فراہم کئے گئے۔ اور تمام ضروری سامان مہیا کیا گیا[3]

بیمارستان کبیر قاہرہ { اس وقت تک بیمارستان کبیر دمشق یعنی نور الدین کا شفاخانہ سب سے بڑا شفاخانہ تھا[4]۔ اس کے بعد اس کی تقلید میں

---

[1] منقول از مقالات شبلی صفحہ ۱۲۱ ۔ [2] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۱۷ ۔ [3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۵۳ ۔ [4] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسن از پروفیسر براؤن صفحہ ۱۰۲ ۔

بے شمار شفا خانے بنے۔ اور اس سلسلہ میں اسلامی دور حکومت میں جو سب سے زیادہ شاندار بیمارستان قائم ہوا۔ وہ بیمارستان کبیر[1] قاہرہ ہے۔ جو ملک منصور قلاؤن کے ہاتھوں ۶۸۳ھ میں بنا۔[2] مقریزی نے اس کا ذکر جمیل نہایت تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے[3]۔ اور اس کے آثار اب بھی شارع نحاسین پر موجود[4] ہیں۔

یہ شفا خانہ اس شان سے قائم ہوا۔ کہ بیمارستان عضدی کے بعد اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ جس محل میں یہ شفا خانہ قائم ہوا۔ اس میں چار بڑے ایوان تھے۔ اور اس کا کل احاطہ ۱۰۶۰۰ گز تھا۔ اور اس احاطہ کے اندر ایک نہر تھی۔ جس کے ذریعہ ایوانوں میں پانی جاتا تھا۔

یہ محل در حقیقت خلیفہ عزیز باللہ کے فرزند نے تعمیر کرایا۔ ملک منصور قلاؤن نے اپنے عہد میں اس کو شفا خانہ بنانے وقت اس کے ایوان تو اسی طرح برقرار رہنے دیئے۔ لیکن اس میں بہت سی نئی عمارتیں اضافہ کر دیں۔

تین سو[3] قیدی اور بہت سے مزدور روزانہ اس کی عمارات کی تکمیل میں مصروف رہتے تھے۔ حکم دے رکھا تھا۔ کہ مصر اور قاہرہ میں جس قدر مزدور ہیں۔ وہ شفا خانہ کے علاوہ اور کہیں کام نہ کریں۔

اس شفا خانے کے جو ستون تھے۔ وہ سنگ مرمر یا سنگ رخام سے طیار کرائے گئے تھے۔ خود ملک منصور روزانہ عمارت کے ملاحظہ کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس انتظام اور سرگرمی کے ساتھ تقریباً گیارہ ماہ میں اس شفا خانہ کی عمارت مکمل ہوئی جو قاہرہ کی عظیم الشان عمارت تسلیم کی جاتی تھی

اس شفا خانہ کے مصارف کے لئے ملک منصور قلاؤن نے دس لاکھ درہم کی جائداد وقف کر دی تھی اور اس کے وقف نامہ میں لکھا تھا۔ کہ بادشاہ سے لے کر غلام تک کے لئے یہ

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ :: [2] ملاحظہ ہو مواعظ الاعتبار بذکر الخطط والآثار از مقریزی :: [3] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ::

شفاخانہ عام ہے۔ بلکہ جو لوگ اس میں رجوع نہ کر سکیں۔ وہ بھی اس کی دوائیں استعمال کر سکتے ہیں اس شفاخانے کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے۔ کہ اس میں ہر مرض کے علیحدہ علیحدہ وارڈ مقرر تھے۔ بخار کے مریضوں کے لئے وہی قدیم چار ایوان مخصوص کئے گئے تھے۔ امراض چشم اور امراض بطن کے مریضوں کے الگ الگ مکانات مقرر تھے۔ اور مردوں اور عورتوں کے لئے یکسر جداگانہ انتظامات عمل میں لائے گئے تھے۔ علاوہ ازیں درس و تدریس دواؤں کی طیاری اور مطبخ وغیرہ کے لئے متعدد مکانات مخصوص کئے گئے تھے۔ ان سب میں نہروں کے ذریعہ پانی آتا تھا۔ اور ہر وقت ان میں پانی کی چادریں چلتی رہتی تھیں۔ جو ایک عجیب سماں پیدا کرتی تھیں۔

شفاخانہ کا انتظام کئی صیغوں میں تھا۔ اور ہر صیغہ کا ایک منتظم مقرر تھا۔ اور اس شفاخانہ میں مریضوں کی رجوعات کا یہ عالم تھا۔ کہ روزانہ کئی ہزار مریضوں کی حاضری ہوتی تھی۔ اور لکھا ہے کہ معمولی دواؤں کو چھوڑ کر جو روزانہ خرچ ہوتی تھیں۔ خاص دواؤں میں صرف شربت انار کے پانچ سو رطل خرچ ہوتے تھے[1]

بعض دیگر بیمارستانات { علاوہ ازیں ملک مؤید نے ۸۲۱ھ میں مصر میں بیمارستان مؤیدی بنوایا[2]۔ ایک ہسپتال قرطبہ میں بنا جس کا ہاؤس سرجن مشہور جراح ابوالقاسم الزہراوی تھا۔ اور تمام بلاد اسلام۔ فارس۔ خراسان۔ حلب۔ موصل وغیرہ میں بے شمار شفاخانے قائم ہوئے۔ جن کو ابن جبیر نے چھٹی صدی ہجری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جا بجا اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے[3]۔

فوجی بیمارستان { سفری اور ناگہانی حوادث کے شفاخانوں اور جیل خانوں اور عام بیمارستانوں کے علاوہ ضرورت تھی۔ کہ فوجی اغراض کے لئے بھی شفاخانے قائم کئے جائیں۔ چنانچہ سلطان محمود سلجوقی کے لشکر کا شفاخانہ چالیس اونٹوں پر لدا

---

[1] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۸۲ منقول از رسائل شبلی صفحہ ۱۵ ۔ [2] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ۔ [3] ملاحظہ ہو رحلۃ ابن جبیر مطبوعہ لندن ۔

چلا کرتا تھا۔ اور جس طرف فوج کے ساتھ وہ جاتا تھا۔ ایک فوجی دستہ اس کی حفاظت کے لئے ساتھ ہوتا تھا[1]۔

پھر فوج کی صحت کی نگرانی اور علاج کے لئے چن چن کر ممتاز اطباء ملازم رکھے جاتے تھے چنانچہ ملک العادل ابوبکر بن ایوب کی فوج کے لئے حکیم موفق الدین عبد العزیز جیسا حاذق طبیب مامور تھا[2]۔

موجز بیمارستانی — امین الدولہ بن التلمیذ نے موجز بیمارستانی کے نام سے ایک قرابادین لکھی تھی۔ جو گویا ہسپتالوں کے لئے فارماکوپیا تھی۔ علاوہ ازیں اس نے ہسپتالوں میں استعمال ہونے والی دواؤں کے متعلق المقالۃ الامینیہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا[3]۔

عربی شفاخانوں کا حسنِ انتظام — عربی شفاخانوں میں جو حسن انتظام اور نظم و نسق تھا۔ اور جس قدر مریضوں کی نگہداشت کے لئے بیدریغ سعی کی جاتی تھی۔ اس کا سرسری اندازہ غالباً آپ نے ان شفاخانوں کے تذکرے کے سلسلہ میں کر لیا ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ باب ایک مستقل کتاب کا مستحق ہے اور مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لہٰذا میں ذیل میں جرجی زیدان کے ایک مختصر بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو طبقات الاطباء سے ماخوذ ہے[4]۔

وکانت تلک المارستانات فی	ان شفاخانوں میں انتہائی طور پر بہترین
غایۃ نظام یعالج فیہا المرضیٰ	انتظام تھا۔ جہاں مریضوں کا ان کے
علی اختلاف طوائفہم و	امراض کے لحاظ سے مختلف جماعتوں
عللہم و فیہا لکل مرض	اور مرتبہ کے موافق معالجہ کیا جاتا تھا
قاعۃ او قاعات خصوصیۃ	چنانچہ ان شفاخانوں میں ہر ایک مرض

---

[1] ملاحظہ ہو وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۸۴ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۴۰ [3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۷۶ [4] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۵۵

يطوفها الطبيب المختص بها و بين يديها المشارفون والقوام لخدمة المرضى فيتفقد المرضى و يصف لهم الادوية ويكتب لكل داء دواء

کے لئے ایک علیحدہ وارڈ تھا۔ یا مخصوص وارڈ بنائے گئے تھے۔ جن میں ہر وہ طبیب جو اس وارڈ کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا چکر (راؤنڈ) لگایا کرتا تھا۔ اور اس کے آگے وہ تیمار دار اور خدمت گزار ہوتے تھے جو شفاخانہ کی طرف سے مریضوں کی خدمت کے لئے مقرر تھے۔ پس وہ طبیب مریضوں کو (کمال شفقت کے ساتھ) تشفی دیتا۔ دوائیں تجویز کرتا اور ان کے ہر مرض کے لئے دوائیں لکھواتا تھا۔"

پھر اس کے بعد جرجی زیدان لکھتا ہے :-

فمن شفی زوّد بالسّلام ومن مات كفنوه ودفنوه وكانت تلقى فيها الدروس في الطب الصيدلة

جو شخص صحت یاب ہو جاتا تھا۔ اس کو (اس کے گھر تک پہنچنے کے لئے) اس کی سلامتی کا زاد راہ (زاد السلام) دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص مر جاتا تھا۔ اس کی تجہیز و تکفین کر کے اس کو دفن کیا جاتا تھا۔ اور یہاں طلباء کو طب اور دواسازی کی تعلیم دی جاتی تھی۔" اللہ اللہ کیا زمانہ تھا۔ کیا طبیب تھے اور کیا شفاخانے تھے

اسلامی ہندوستان کے شفاخانے عرب میں اسلامی حکومتوں کے شفاخانوں کے اس تذکرۂ جمیل کے بعد یہ بیجا نہ ہوگا۔ کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کے بعض شفاخانوں کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ کہ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ التمدن الاسلامی جلد سوم صفحہ ۱۸۸ ÷

سلطان محمد تغلق کے شفاخانے سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ تک رہا۔ صرف دہلی میں ستر شفاخانے موجود تھے۔ اور بارہ سو طبیب سرکاری ملازمت میں داخل تھے۔ یہ بادشاہ خود بھی طب میں مہارت رکھتا تھا[1]

سلطان فیروز شاہ کے شفاخانے سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ نے پانچ شفاخانوں کا اور اضافہ کیا[2]۔ اور تاریخ رشید الدین خانی میں مسطور ہے۔ کہ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد تیس[30] مدرسوں۔ بتیس[32] شہروں۔ سو نہروں اور سو شفاخانوں کے اجراء کا حکم دیا[3]۔ فیروز شاہ کے ان شفاخانوں میں ایک بہت بڑا شفاخانہ تھا۔ جس میں امیر و غریب۔ ہندو مسلم ہر شخص کو مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔ فیروز شاہ نے اپنی سوانح حیات میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ :۔

"میں نے خدا کی عنایت سے ایک شفاخانہ بھی قائم کیا ہے۔ جہاں امیر و غریب کا یکساں علاج ہوتا ہے۔ یہاں تشخیص و علاج و تعیین غذا و دوا کے لئے ہر وقت ماہر اطبا موجود رہتے ہیں۔ دوا و غذا کے مصارف شاہی اوقاف سے پورے ہوتے ہیں۔ اور تمام مرضی خواہ مقامی ہوں یا مسافر، شریف ہوں یا رذیل اور آزاد ہوں یا غلام یہاں آتے اور علاج سے شفایاب ہوتے ہیں[4]"

سلطان محمود شاہ کا شفاخانہ ایک شفاخانہ سلطان محمود شاہ نے ۸۴۹ھ میں مانڈو میں جو اب ریاست دھار میں ہے۔ قائم کیا تھا۔ حکیم فضل اللہ اس کا مہتمم تھا۔ جسے حکومت کی طرف سے حکیم الحکماء کا خطاب عطا ہوا تھا[5]۔

اکبر کے شفاخانے اکبر نے اپنے دربار میں حکیم ابوالفتح گیلانی۔ حکیم لطف اللہ گیلانی۔ حکیم عین الملک شیرازی۔ حکیم مسیح الملک شیرازی۔ حکیم شیخ حسن پانی پتی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۳۳۔ [2] ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۵۱۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۴۵۔ [4] منقول از زمیندار ۱۶ مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ بحوالہ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۵۔ [5] ملاحظہ ہو آثار خیر صفحہ ۸۹ منہ۔

حکیم نعمت اللہ، حکیم علی گیلانی، حکیم روح اللہ اور حکیم محمد اسحٰق جیسے بلند پایہ اکابر فن جمع کئے تھے۔ اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے مشورہ کے مطابق تمام سلطنت میں جگہ جگہ شفا خانے قائم کر دئے۔ جن میں متعدد شفا خانے اکبر آباد میں موجود تھے[1]۔ منشی سیل چند نے اپنی تاریخ آگرہ میں ان بیمارخانوں کا ذکر کیا ہے[2]۔

جہانگیر کے شفاخانے { اکبر کے بعد جب زمام حکومت جہانگیر کے ہاتھوں میں پہنچی۔ تو اس نے جلوس ۱۰۱۴ھ کے ساتھ ہی یہ حکم صادر فرمایا۔ کہ:۔

درشہرہائے کلاں دارالشفاہا ساختہ بجہت معالجہ بیماراں تعیین نمایند آنچہ صرف و خرچ مے شدہ باشد از سرکار عالیہ شریفہ مے دادہ باشند[3]

شاہجہان کے شفاخانے { شاہجہان نے اپنے اسلاف کی سنّت یعنی شفاخانوں کے قیام کے لئے خاص کوششیں کیں۔ اس نے حکیم میر محمد ہاشم کو اپنے احمد آباد کے شفاخانوں کی طبابت پر مامور فرمایا[4]۔ اور دہلی میں جامع مسجد کے عقب میں ایک شفاخانہ بنوایا۔ جس میں نہایت بلند پایہ اطباء مقرر کئے یہ شفاخانہ ۱۰۶۰ھ میں قائم ہوا تھا[5]۔

عالمگیر کے شفاخانے { عالمگیر کے عہد میں دہلی کے علاوہ تمام ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں میں شاندار شفاخانے قائم ہو چکے تھے۔ شہر سورت میں بھی ایک شفاخانہ تھا۔ جس کے لئے سید سعد اللہ کی سفارش پر ایک افسر الاطباء کے تقرر کا ماجرا عالمگیر نے اپنے رقعات میں لکھا ہے[6]

نواب خیر اندیش خاں کا شفاخانہ { عالمگیر کے عہد میں شفاخانوں کا رواج اس قدر عام ہو گیا تھا۔ کہ اس عہد کے امراء اور روٴساء نے بھی

---

[1] ملاحظہ ہو اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۱۰ مطبوعہ نولکشور ۔ [2] ملاحظہ ہو۔ آثار خیر صفحہ ۹۱ ۔

[3] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۱۰۶ ۔ [4] منقول از طب اسلامی صفحہ ۱۰۶ ۔ [5] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۱۰۹ ۔

[6] ملاحظہ ہو آثار صنادید باب سوم صفحہ ۹۶ ۔ [7] منقول از طب اسلامی صفحہ ۱۱۴ ۔

اپنے صرف سے بہت سے شفا خانے جاری کئے تھے۔ ان میں ایک شفا خانہ فوجدار نواب خیراندیش خاں کا تھا۔ جو انہوں نے اپنے وطن اٹاوہ میں قائم کیا تھا۔ اس میں ہندو اور مسلمان یونانی اطبا اور وید دونوں ملازم رکھے گئے تھے۔ جن میں حکیم محمد عادل، حکیم مرزا محمد علی بخاری۔ حکیم عبدالرزاق نیشاپوری حکیم عبدالمجید صفاہا۔ کنول نین۔ سکھانند۔ نین سکھ وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہاں غریبوں کا علاج مفت ہوتا تھا[۱]

نواب خیراندیش خاں خود ایک بڑے فاضل طبیب تھے۔ چنانچہ انہوں نے خیرالتجارب کے نام سے ایک فارسی کتاب یادگار چھوڑی ہے[۲]۔ جس کا اردو ترجمہ لاہور سے شائع ہوا ہے۔

محمد شاہ کے شفا خانے { محمد شاہ کے عہد میں دہلی میں بہت سے شفا خانے قائم تھے! ان میں ایک بہت بڑا شفا خانہ تھا۔ جس کے مہتمم حکیم قوام الدین خاں تھے اس شفا خانہ کا سالانہ خرچ تین لاکھ روپیہ مقرر تھا[۳]۔

المختصر یہ کہ اسلامی دور حکومت میں رعایا کی صحت اور ہماری اس غریب طب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اوّل سے آخر تک ہر عہد حکومت میں جا بجا ہمارے شفا خانوں کا ایک لا متناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔

۱۲۱ اصل یہ ہے کہ عہد قدیم میں پریس کا رواج نہ تھا۔ اور جس طرح آج ہم مطبوعہ کتابوں کے صفحات کے نمبر پیش کر کے ان کے مباحث کے حوالے آسانی سے دے سکتے ہیں۔ اس وقت یہ صورت نہ تھی۔ لہٰذا قدیم مصنفین اپنی تصانیف میں موضوع بحث کو زیادہ سے زیادہ فصول و ابواب میں تقسیم کر دیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو ان کی تصانیف کے قلمی نسخوں سے مباحث اخذ کرنے اور حوالہ دینے میں سہولت ہو۔

پس ظاہر ہے۔ کہ اس دور کے لحاظ سے قانون اور ذخیرہ کے ابواب و فصول کی وہ تقسیم جس کی پروفیسر براؤن نے شکایت کی ہے۔ غیر ضروری نہیں بلکہ ایک حد تک ضروری تھی

---

[۱] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۱۱۵ ؛ [۲] ملاحظہ ہو آثار خیر صفحہ ۹۳ ؛

[۳] ملاحظہ ہو طب اسلامی صفحہ ۱۱۹ بحوالہ المنائر صفحہ ۲۲۹ ؛

علاوہ ازیں یہ تبویب و تفصیل کچھ اس قرینے سے کی جاتی تھی۔ کہ کتاب کے تمام مباحث ایک بلند پایہ خاندان کے شجرۂ نسب کی صورت میں یا مختلف انواع و اقسام کے موتیوں کی ایک منظم لڑی کی طرح اس ضابطہ اور سلیقہ سے پیش نظر ہو جاتے تھے۔ کہ قاری کو ان کا ذہن نشین کر لینا بہت آسان ہوتا تھا۔ پھر ساتھ ہی مباحث کو تدریجی طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ تاکہ ایک طالب فن کو اوّل سے آخر تک کتاب کی ہر چیز اس کی استعداد کے مطابق درجہ بدرجہ بالترتیب پہنچ جائے ؛

۱۲۲ عربی طب میں امراض النساء کو ایک علیحدہ موضوع قرار دے کر اس پر نہایت ممتاز اور جامع کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ جیش نے جالینوس کی کتاب تشریح الرحم کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ اور حنین نے جالینوس کی کتاب المولود کو زیور ترجمہ سے آراستہ کیا[1]۔

یوحنا بن ماسویہ نے حفظ صحت حوامل کے سلسلے میں لِمَ امتنع الاطباء من علاج الحوامل فی شہور حملھن کے عنوان سے ایک کتاب سپرد قلم کی اور ایک اور تالیف کتاب علاج النساء اللواتی لا یحبلن حتیٰ یحبلن کے نام سے لکھی جس میں تدابیر استقرار حمل بتائی گئی تھیں[2]۔

موفق الدین عبد اللطیف بغدادی نے کتاب الجنین کا خلاصہ لکھا[3]۔ اور احمد بن محمد البلدی نے خلیفہ عزیز باللہ کے وزیر ابوالفرج یعقوب بن یوسف المعروف بہ کلس کے لئے ایک تالیف تدبیر الحبالیٰ والاطفال والصبیان وحفظ صحتہم سپرد قلم کی جس میں حوامل کے لئے بھی تدابیر صحت بیان کی گئی تھیں[4]۔

امراض نسواں پر ان مخصوص کتب کے علاوہ عرب اطباء نے اپنی جامع تصانیف میں بھی اس قدر مبسوط اور سیر حاصل مقالات لکھے ہیں کہ ہر مقالہ بجائے خود امراض النساء پر ایک

---

[1] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۹۱۔ مطبوعہ مطبع سعادت مصر۔

[2] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۱۸۳۔ مطبوعہ مصر۔

[3] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۱ ؛

[4] ملاحظہ ہو۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۴۷ ؛

مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ علی بن ربن الطبری نے فردوس الحکمۃ میں۔ علی بن عباس مجوسی نے کامل الصناعۃ میں اور رازی نے حاوی میں اس موضوع پر جو ابواب سپرد قلم کئے ہیں۔ وہ یقیناً نسوانی امراض اور ان کے معالجات پر نہایت مفید اور کارآمد اور مستقل تالیفات کا درجہ رکھتے ہیں۔

شیخ نے قانون میں اس موضوع پر جو مقالات لکھے ہیں۔ ان میں فن الولادت

Gynaecology اور علم امراض النساء Midwifery

کو علیحدہ علیحدہ کر کے ذکر کیا ہے۔ اور ان میں تقریباً تمام صورتوں میں نسوانی تکالیف کے ازالہ کے لئے ضروری ہدایات و تدابیر اور امراض کے اسباب و علامات اور طریقہائے علاج بیان کئے گئے ہیں۔

علم الولادۃ اور علم امراض النساء کا تعلق بڑی حد تک علم الجراحت (سرجری) سے بھی ہے لہٰذا ان اطبائے کرام کی تصانیف میں ان امراض کے معالجہ کے لئے سرجری کے مباحث کی بھی کمی نہیں۔ چنانچہ متذکرۂ بالا تالیفات میں بھی نسوانی تکالیف کے معالجہ کے سلسلے میں جا بجا علاج بالجراحت کے طریقہائے کار مسطور نظر آتے ہیں۔

امراض نسواں کے علاج بالجراحت پر ابوالقاسم الزہراوی کا مقالہ خصوصاً بہت مفید اور اہم ہے۔ آپ نے اپنی کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف کے مقالۂ جراحت میں دائیوں کو نہایت مفید ہدایات دی ہیں اور علم القابلہ (مڈوائفری) کی تعلیم کے سلسلے میں ان آلاتِ جراحت کی تصویریں بھی زیب قرطاس کی ہیں جن کے ذریعے فم رحم کو فراخ کر کے مردہ بچے کے سر کو دبا دبا کر رحم سے باہر نکالا جاتا ہے۔

عرب اطبائے علم القابلہ اور علم امراض النساء کے تقریباً تمام مباحث پر سیر حاصل مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ طب عربی میں علم القابلہ (مڈوائفری) کے سلسلے میں تدابیر حوامل۔ تدبیر سیلان طمثِ حوامل۔ اسقاط۔ منع اسقاط۔ تدبیر حوامل بعد الاسقاط۔ منع حبل۔ عسر ولادت۔ اشکال طبعیہ و غیر طبعیہ۔ اخراج جنین میتت۔ احوال النفساء اور تدابیر نفساء وغیرہ پر بیش قیمت سرمایۂ معلومات پایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح علم امراض النساء

(گائنی کالوجی)، کے ضمن میں احکام طمث۔ احتباس طمث۔ سیلان الرحم۔ نزف الدم
اورام رحم۔ قروح رحم۔ تعفن الرحم۔ آکلۃ الرحم۔ شقاق الرحم۔ حکۃ الرحم۔ باسور الرحم
اوجاع الرحم۔ انغلاق رحم۔ نتوء الرحم۔ انقلاب الرحم۔ الماء الحاصل فی الرحم۔ لحم الزائد
وغیرہ تمام امراض نسواں پر نہایت قابل قدر فنی ذخیرہ موجود ہے۔

مسلمانوں کے عہد حکومت میں ابتدا ہی سے مسلم خواتین نے طب و جراحت کی جانب توجہ خصوصی مبذول کی ہے۔ صحابیات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی (فرسٹ ایڈ) کرتیں۔ اور زخمیوں کی تیمارداری فرماتی تھیں۔ ام سلیمؓ۔ ام مطاعؓ۔ ام عطیہؓ اور لیلیٰؓ کو اس سلسلے میں مہارت حاصل تھی۔ اسماء بنت ابابکر کے تقدس اور علاج و معالجہ کا خاص شہرہ تھا اور رفیدہ انصاریہؓ تو فن جراحت میں امتیازی شہرت رکھتی تھیں آپ کا خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں نصب کیا گیا تھا۔ جہاں آپ کے لئے اُس وقت کی جراحی کے تمام آلات اور سامان رکھے گئے تھے۔

عہد بنی امیہ میں زینب جو قبیلہ اُود سے تعلق رکھتی تھیں اعمال طب اور بالخصوص امراض چشم کے علاج میں بڑی شہرت رکھتی تھیں[1]۔

حفیدہ ابوبکر بن زہر کی خواہر اور خواہر زادی بھی فن طب میں دستگاہ کامل رکھتی تھیں۔ اور حرم شاہی میں معالجہ کا کام ان ہی کے سپرد تھا۔ ابن ابی اصیبعہ ان کی قابلیت۔ حذاقت اور امتیازی شہرت کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔

وكانت اخته وابنتها هٰذه
عالمتين بصناعة الطب و
المداواة ولهما خبرة جيدة
بما يتعلق بمداواة النساء و
كانتا تدخلان الى نساء المنصور[2]

حفیدہ کی بہن اور بھانجی دونوں علم
طب و علاج کی عالم تھیں اور ان کو معالجہ
نسوانی سے متعلق علوم پر جیّد قوت
حاصل تھا۔ اور یہ دونوں منصور کے
حرم میں بغرض علاج جایا کرتی تھیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۲۲۔ مطبوعہ مصر۔

[2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۷۰۔ مطبوعہ مصر۔

ان کے علاوہ ام الحسن بنت قاضی ابوجعفر اندلسی بھی طب میں منفرد تھیں اور جب عہد مغلیہ میں شاہجہان کا دور حکومت آیا تو ستی النساء (خانم) کو فن علاج میں خاص امتیازی شہرت حاصل ہوئی۔

غرض مسلمانوں کے دور دولت واقبال میں امراض نسواں کے معالجہ کے سلسلے میں باقاعدہ طبیبات (لیڈی ڈاکٹرز) موجود تھیں۔

مورخ کا بیان ہے۔ کہ شہر قرطبہ میں عورتیں باقاعدہ مطب کرتی تھیں[۵۱]۔ اور پروفیسر براؤن کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے ہسپتالوں میں عورتوں کے لئے بھی اسی طرح علیحدہ وارڈز (کمرے) بنائے گئے تھے۔ جس طرح مردوں کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ اور ان ہسپتالوں میں مردوں کی طرح عورتیں بھی تیمار دار مقرر کی گئی تھیں[۵۲]۔

۱۲۳۔ ان سطور میں پروفیسر براؤن نے نظام طب قدیم پر جو اعتراض قائم کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تاریخ۔ حقائق اور اصول کی روشنی میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تاکہ صحیح طور پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ موجودہ سائنٹیفک فن طب کے پیش نظر طب قدیم کے نظام اور مسائل کی حیثیت کیا تھی۔ اور موجودہ دور میں ہم اس کو کس حد تک اور کیوں سائنٹیفک قابل عمل اور مفید سمجھ سکتے ہیں لہٰذا ذیل میں اس پر کسی قدر تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائیے؛

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے عربوں کو جب علوم وفنون کی لازوال دولت سے بہرہ ور ہونے کا شوق ہوا۔ تو شہرستان علم وتمدن کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں۔ عربوں نے علم وحکمت کے ہر گوشے پر نگاہ کی اور ہر دیوار پر اینٹیں رکھیں چنانچہ گلستان معارف علوم کی کوئی شاخ آج ایسی نہیں ہے جس میں عربی اور اسلامی مساعی علمیہ کے گلہائے رنگین موجود نہ ہوں۔

اس وقت یورپ پر ہر طرف جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی لیکن ایشیائے کوچک سے لے کر خلیج فارس تک علم وحکمت کا آفتاب درخشاں تھا۔ یونانی فلسفہ کا مطالعہ پانچویں صدی

---

۵۱ ملاحظہ ہو۔ طبی میگزین کراچی (بابت اگست ۱۹۵۲ء) صفحہ ۱۷؛

۵۲ ملاحظہ ہو۔ اریبین میڈیسن صفحہ ۱۰۲۔ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

عیسوی میں ہی نیشا پور میں شروع ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی سے ترجمہ و تالیف کا کام شروع ہوا اور آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عربوں کا مہر جہاں تاب علم نصف النہار پہ تھا۔ حتیٰ کہ گیارہویں صدی عیسوی میں عربی زبان علم و ہنر کی واحد زبان تھی۔ اور اس وقت اس کو وہی حیثیت حاصل تھی جو اس سے پہلے یونانی زبان کو تھی اور جو آج انگریزی کو حاصل ہے۔

الغرض یہ کہ دیگر علوم کی طرح عرب میں طب کے لئے بھی شوق اور انہماک پیدا ہوا۔ دور اوّل میں نامور اطبا پیدا ہوئے۔ جنہوں نے طبی کتابیں تالیف و تصنیف کیں۔ اور غیر زبانوں سے عربی میں طبی کتب سے ترجمہ کا کام شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ طب عربی زبان میں منتقل ہونے لگی۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہ علم یونان سے عرب میں تین[۳] ذرائع سے پہنچا۔ پہلا ذریعہ تواتر و روایت کا ہے دوسرا درس و تدریس کا اور تیسرا ذریعہ براہ راست غیر زبانوں میں اصل کتابوں کے مطالعہ کا۔

ترجمہ اور تصنیف و تالیف کے سلسلے میں مسلسل جد و جہد کے بعد بالآخر رفتہ رفتہ ایک ایسا ٹھوس نظام طب مرتب ہو گیا جس میں تقریباً وہ تمام اہم علوم جزئیہ شامل ہیں جن پہ ایک بہترین اور سائنٹیفک طب کے قصر کی بنیادیں استوار ہونی چاہئیں۔ ذیل میں ہم ان علوم جزئیہ پہ اجمالی تبصرہ عرض کرتے ہیں۔

کلیات } طب قدیم میں کلیات کی جانب خصوصاً توجہ کی گئی۔ طب میں کلیات کا باب ایک خاص اور اہم چیز ہے۔ جس میں امور طبیعیہ (فزکس) علم ماہیت امراض (پیتھالوجی) اسباب ستہ ضروریہ (ہائی جین) علم الاسباب (ایٹیالوجی) علم علامات امراض (سمٹم ایٹالوجی) اور علم تشخیص امراض (ڈیاگنوسس) کو جمع کر دیا گیا ہے۔

کلیات میں امور طبیعیہ کے ضمن میں تشریح و منافع (اناٹومی اور فزیالوجی) کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے اور پھر علاج بالتدبیر علاج بالدواء اور علاج بالجراحت کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

کلیات کا موضوع اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ اس میں تقریباً وہ تمام اہم طبی مباحث آ گئے ہیں جنہیں آج طب جدید میں علیحدہ علیحدہ ایک نئی ترتیب کے ساتھ مدون کیا گیا ہے

اطبائے عرب نے کلیات پر خاص توجہ کی ہے اور اس میں جا بجا شاندار علمی موشگافیاں کی ہیں۔ طب میں کلیات پر مستقل کتب تالیف ہوئی ہیں اور اکثر کتابیں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اور ان پر مفید حواشی لکھے گئے ہیں۔ کلیات میں شیخ کے قانون کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کی شرح آملی گیلانی اور قرشی نے کی ہے۔ موفق الدین یعقوب السامری نے بھی کلیات قانون کی شرح لکھی تھی جس میں قطب مصری کے اقوال پر جا بجا محاکمہ کیا گیا تھا[1]۔

موجز القانون کی شرح میں جمال الدین اقسرائی۔ سدید الدین کازرونی اور ملا نفیس کی نکتہ طرازیاں اور علمی موشگافیاں آج تک مدارس طبیہ میں داد سخن حاصل کر رہی ہیں۔

شیخ کے بعد ابن رشد کی کلیات کو خاص درجہ حاصل ہے اس کتاب کو انگریز مصنفین کالی گیٹ کہتے ہیں۔

معالجات اطباء نے معالجات پر نہایت شاندار اور مستند کتب تالیف کی ہیں قانون کامل الصناعۃ اور دیگر مبسوطات میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر عضو کی بیماریوں کے اسباب اور ان کے تمام موثر صحیح اور سائنٹیفک طریقہائے علاج کی وہ تمام صورتیں جو طبیخ۔ نقوع۔ غطوس۔ سعوط۔ تدہین۔ احتقان۔ نطول وغیرہ سے ممکن ہیں بہ تفصیل ذکر کی گئی ہیں۔

علم معالجات میں کتاب الاسباب والعلامات ایک جامع اور بے نظیر کتاب ہے یہ کتاب نجیب الدین سمرقندی نے تاتاریوں کے حملوں کے دور اضطراب وفتن میں لکھی تھی۔ اس کی لاجواب شرح ملا نفیس نے کی ہے۔ جو شرح اسباب کے نام سے مشہور ہے اور آج تک داخل نصاب ہے۔

معالجات پر ابو المنصور بن نوح القمری نے غنیٰ منیٰ کے نام سے ایک نہایت مفید کتاب لکھی۔ جس میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر عضو کی بیماریوں کے مفید طریقہائے علاج درج ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۴۷۔

اس نوع کی جامع کتب معالجات کے علاوہ علیحدہ علیحدہ ہر عضو کی بیماری اور تقریباً ہر بیماری پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ امراض مفاصل، تولنج اور ضعف باہ پر ذکریا رازی نے متعدد کتابیں لکھیں[1]۔ جذام، کلب الکلب اور نفث الدم پر یعقوب بن اسحٰق کندی نے مستقل کتابیں تحریر کیں[2] اور سدد و دوار، صداع، اور حمیات پر یوحنا بن ماسویہ نے کتابیں تالیف کیں[3]۔

ضیق النفس اور امراض چشم پر حنین بن اسحٰق نے دو کتابیں لکھی تھیں[4] اور موفق الدین عبداللطیف بغدادی نے کتاب آلات النفس اور کتاب الصوت کا خلاصہ تحریر کیا تھا[5]۔

معالجہ بذریعہ غذا و آب و ہوا

مغربی اطباء نے غذاؤں کے استعمال اور خصوصاً آب و ہوا کے اثرات پر مبسوط کتابیں سپرد قلم کی ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس باب میں بھی عرب اطباء نے خصوصی توجہ کی ہے۔ زہراوی نے اپنے مشہور یگانہ روزگار شاہکار "التصریف" میں ایک باب علاج بالغذا کے لئے مخصوص کیا ہے۔ اور اس کے ضمن میں بالتصریح واضح کیا ہے کہ مختلف امراض کے علاج کے لئے مریضوں کو کس کس قسم کی غذائیں استعمال کرائی جائیں۔ اور ایک دوسرے باب میں اس نے مختلف امراض سے نجات حاصل کرنے کے لئے مریضوں کے لئے مختلف قسم کے صحت افزا مقامات کا قیام تجویز کیا ہے۔ علاوہ ازیں زہراوی نے کتاب مذکور میں شاہی علاج کے زیر عنوان لطیف الطبع اور نفیس المزاج بیماروں کے لئے مختلف امراض کے استیصال کی غرض سے ایسی نو دو اثر دوائیں تجویز کی ہیں۔ کہ نہ صرف ان کا ذائقہ خوشگوار ہے۔ بلکہ ان کی مقدار بھی بہت تھوڑی رکھی گئی ہیں تاکہ مرضا ان کے استعمال میں کراہت اور نفرت

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا۔ جلد اوّل صفحہ ۳۱۶۔

[2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۱۲۔

[3] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۲۴۹۔

[4] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا جلد اوّل۔ صفحہ ۱۹۸۔

[5] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۱۱ ؎

محسوس نہ کریں۔

اسی طرح شیخ علی بن عباس اور دیگر مؤلفین طب نے اس موضوع پر بہترین مقالات سپرد قلم کئے ہیں۔ زکریا رازی کی کتاب الملوکی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اس نے تمام امراض کے لئے اغذیہ مناسبہ تجویز کی ہیں۔ اس نے اپنی ایک دوسری کتاب میں ان جاہل اطبا کی بھی خبر لی ہے۔ جو مریض کی خواہشوں کو انتہائی سختی کے ساتھ رد کرتے ہیں اور بے سوچے سمجھے پرہیز کرائے چلے جاتے ہیں[1]۔

نجیب الدین سمرقندی نے کتاب اغذیۃ المرضیٰ لکھی تھی جس میں ہر بیماری کے لئے جداگانہ ایسی اغذیہ تجویز کیں جن کے استعمال سے مرض کا استیصال ہو سکتا ہے[2]۔

احمد بن الطیب السرخسی نے ایک کتاب الطبیخ لکھی تھی جس میں اس نے ہر فصل و موسم اور سال کے تمام مہینوں کے لئے علیحدہ علیحدہ غذائیں تجویز کیں[3]۔

علم الادویہ — عرب اطبائے علم ادویہ اور علم نباتات پر خاص توجہ کی ہے اور اس باب میں نہایت بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں۔ علم الادویہ اور علم نباتات پر یعقوب بن اسحٰق کندی کی کتابیں نہایت ممتاز سمجھی گئی تھیں۔ قانون میں شیخ کی کتاب المفردات نہایت مستند چیز ہے۔ شیخ نے قوابد کاسنی پر بھی ایک مستقل رسالہ لکھا تھا[4]۔ ابو المنصور موفق بن علی ہروی نے ادویہ مفردہ پر ایک مستند کتاب لکھی جس میں تقریباً پانچسو دواؤں کا ذکر ہے اور جن میں ادویہ ہندیہ کا بیان بھی موجود ہے اور حنین بن اسحٰق کی کتاب اسرار الادویہ بھی خاص اہمیت رکھتی تھی۔

حکمت کیمیا اور علم نباتات میں رسائل اخوان الصفا کو خاص امتیاز حاصل ہے[5]۔ اندلسی علماء کہتے تھے کہ دیار مشرق سے اندلس میں الکرمانی جو نادر ترین تحفہ لایا وہ رسائل اخوان الصفا تھے

---

[1] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۱۴۔ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۳۱۔

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اوّل صفحہ ۲۱۵۔ [4] ملاحظہ ہو اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۲۴۲۔

[5] ملاحظہ ہو۔ اخبار العلماء باخبار الحکما صفحہ ۵۸۔

ابن جلجل کا یہ کارنامہ خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے دیسقوریدوس کی کتاب کے مطالب کی عربی زبان میں نہایت محققانہ شرح کی۔ نیز اس نے سنہ ۳۷۲ھ میں مفردات پر ایک اور مفید ترین کتاب لکھی۔

علم قرابادین

علم ادویہ سازی کے سلسلہ میں مفردات کی طرح علم دواسازی پر بھی خاص توجہ کی گئی۔ اور فن قرابادین کو وسعت دی گئی۔ قرابادین طب قدیم میں فارماکوپیا کا درجہ رکھتی ہے۔ کتب قرابادین اطباء کے مطبوں کے علاوہ سرکاری شفاخانوں میں بھی رائج تھیں۔ قانون کا حصہ قرابادین نہایت مستند ہے اور داؤد انطاکی نے ادویہ مرکبہ پر شاندار کتابیں لکھی ہیں۔

علم کیمیا

اہل عرب نے علم کیمیا پر بھی توجہ خصوصی مبذول کی اور اس پر مفید ترین کتابیں تحریر کی ہیں۔ چنانچہ جابر بن حیان نے علم کیمیا پر بہت سے رسائل تحریر کئے ہیں جن میں سے بعض ہماری نظر سے بھی گزرے ہیں۔

جابر بن حیان عرب کا مشہور کیمسٹ تھا۔ اس نے آرسنک (سنکھیا سیاہ) اور انٹی منی (ایک قسم کی دھات) کو ان کے مرکبات سے علیحدہ کرنے کی ترکیب معلوم کی۔ جابر کی بہت سی کتابیں لاطینی میں بھی ترجمہ ہوئی ہیں۔

دسویں صدی کے آغاز میں رازی نے بھی طبیعیات طب کے علاوہ کیمسٹری کی شاندار خدمت کی۔

ان اکابر کے علاوہ جلدکی نے بھی اس موضوع پر مفید کتب لکھی ہیں۔ قدیم کتب میں بولوس حرانی کی کتاب الکیمیا کا ترجمہ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے۔

طب قانونی

طب عربی میں علم السموم اور علم التریاقات کے ضمن میں طب قانونی یعنی میڈیکل جورس پروڈنس پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ اس باب میں التریاق مؤلفہ بوعلی سینا اور التریاق مؤلفہ رازی خاص اہمیت رکھتی ہیں یحیی النحوی نے بھی جوامع کتاب التریاق لکھی تھی۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا۔ جلد اوّل صفحہ ۱۰۵۔

ہندوستان کے مشہور طبیب منکہ نے بو ابتدا دیں ہندوستان سے طبی تراجم کے سلسلہ میں بلایا گیا تھا۔ شاناق ہندی کی کتاب السموم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا[۱]۔ اور اس کی شرح لکھی۔ اسی طرح ابو عمران موسیٰ بن میمون نے علم سموم پر ایک مستند تالیف مرتب[۲] کی اور اس کتاب کے لاطینی زبان میں بھی ترجمے ہوئے۔

سموم و زہریات کی مخصوص کتب کے علاوہ طب قانونی کا عام ضروری مواد مختلف مباحث طبیہ میں اطباء[۳] کی جامع تصانیف میں بھی جا بجا موجود ہے کہ اگر اس پر بحیثیت مجموعی نظر کی جائے تو ہوفت کی ایک نہایت مستند قانونی طب پیش نگاہ ہو جاتی ہے۔

امراض متعدیہ و وبائیہ { طب قدیم میں متعدی اور وبائی امراض پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں متعدی امراض کو نہایت تفصیل سے ذکر کر کے ان کی خطرناکیوں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

امراض وبائیہ کے ضمن میں قانون کامل الصناعۃ اور شرح اسباب وغیرہ میں چیچک اور خسرہ پر مفصل مباحث موجود ہیں اور رازی نے اس موضوع پر نہایت قابل قدر کتاب تالیف کی ہے۔

اسی طرح ہیضہ اور دیگر امراض وبائیہ پر نہایت بیش قیمت کتب لکھی گئی ہیں جن میں ان کے حفظ ما تقدم اسباب اور سرلنہا ئے علاج پر سیر حاصل بحث کی گئی اور ذرائع علاج مرتب کئے گئے ہیں۔

امراض وبائیہ و متعدیہ امراض کے سلسلے میں ہوا کی مسموم کیفیت اور فضائے ہوائی کی مہلک حالت پر نہایت گراں قدر معلومات سپرد قلم کی گئی ہیں۔ چنانچہ ابو عبد اللہ تمیمی نے یعقوب بن کلس وزیر کی فرمائش پر کتاب مادۃ البقاء باصلاح فساد الہوا لکھی[۴]۔ اور یعقوب بن اسحٰق کندی

۱؎ ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۳۔

۲؎ ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۱۷۔

۳؎ ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد دوم۔ صفحہ ۸۹۔

نے ان بخارات پر ایک رسالہ لکھا جو خلائے بسیط کی اصلاح کرتے ہیں اور اسے وبائی اثرات سے پاک کرنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں[1]۔

علم تشریح و منافع

شیخ بوعلی سینا اور علی بن عباس مجوسی نے قانون اور کامل الصناعۃ میں تشریح اور علم وظائف اعضاء پر سیر حاصل مقالات سپرد قلم کئے ہیں۔ اور جمیع اعصاب۔ عضلات۔ شرائین۔ اوردہ۔ رباطات۔ اوتار۔ عظام۔ اعضائے مفردہ و مرکبہ کی تشریحی معلومات وضاحت و تشریح کے ساتھ ذکر کی ہیں اور پھر ساتھ ہی ہر عضو کے وظائف اور افعال بیان کئے ہیں۔

ان کتب کے علاوہ منافع و تشریح پر دیگر بے شمار مستقل کتب لکھی گئیں۔ ابن ابی صادق نے جالینوس کی کتاب منافع الاعضاء کی شرح لکھی[2] اور یوحنا بن ماسویہ نے کتاب التشریح اور کتاب ترکیب خلق الانسان تالیف کیں[3]۔

علم جراحت

علم جراحت طب قدیم کا ایک اہم شعبہ ہے اور آغاز کار ہی سے اس پر کافی توجہ ہوتی رہی ہے۔ علم جراحت پر قانون شیخ میں سیر حاصل مقالات موجود ہیں اور الکافی میں بھی اس پر کافی مواد ہے۔ اہلی یعنی علی بن عباس مجوسی کی کتاب کامل الصناعۃ کا ایک حصہ فن جراحت پر ایک خاص چیز ہے جس میں علیحدہ علیحدہ سر سے لے کر پاؤں تک تمام خطرناک امراض جراحت اور تمام اعضائے داخلیہ و خارجیہ کے عمل جراحت پر عملی قواعد اور اصول تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب کنگلی بک (Kingly book) کے نام سے لاطینی زبان میں یورپ میں شائع ہو چکی ہے۔

بلاشبہ کتب قدیمہ علم جراحت میں مراہم و ذرورات وغیرہ کی شکل میں حیرت انگیز دوائیں موجود ہیں۔ جو بعض اوقات ان خطرناک پھوڑوں۔ زخموں اور ناسوروں کو بھی درست کر دیتی ہیں جن کا علاج بادی النظر میں اسکے سوا کچھ نہیں سمجھا جاتا کہ جس عضو میں وہ پیدا ہوں اسے جڑ سے کاٹ

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۱۱۔

[2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲۲۔

[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۸۳۔

دیا جائے یہ صحیح ہے کہ دورِ آخر میں اطباء نے علم جراحت پر وہ توجہ جاری نہیں رکھی جو ضروری تھی۔ لیکن گفتگو نظامِ طب میں ہے نہ کہ حالاتِ اطباء عہد حاضر میں۔

امراضِ رجال امراضِ رجال پر بھی طب کی جامع تالیفات میں خصوصی توجہ کی گئی ہے اور رازی۔ مجوسی۔ شیخ اور صاحب الذخیرہ نے اس موضوع پر سیر حاصل مقالات لکھے ہیں۔ نیز اس مبحث پر مختصر رسالوں کی بھی کمی نہیں۔ اور رازی جیسے اکابرِ فن نے کتاب الباہ جیسی کتابیں لکھیں۔[1]

طبِ قدیم میں ضعفِ باہ اور عنانت کا طریقۂ علاج اپنے موثر اور مفید تر معالجات کی بنا پر خاص امتیازی شہرت رکھتا ہے۔

پھر اصلاحِ خیال اور ہیجانِ باہ کے لئے ذہنی اور فکری تدابیر بھی تجویز کی گئی ہیں جن سے مریض کے خیالات کی رفتار بدل جاتی ہے۔ اور احتشام اور دیگر مایوس کن۔ وہم انگیز اور مفروضہ افکار رفع ہو کر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

قانونِ ازدواج ازدواجی زندگی کا ذکر سوسائٹی میں کتنا ہی معیوب کیوں نہ ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وظیفۂ ازدواج خواب و خور کی طرح انسانی زندگی کے لئے ایک ضروری چیز ہے اور جس قدر یہ خود ضروری ہے اسی قدر حفظِ شباب اور بقائے نسل کے لئے اس کا علم لابدمنہ ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر عربی طب میں بکثرت کتابیں لکھی گئیں۔ شیخ نے امراضِ رجال کے سلسلے میں جابجا قوانینِ ازدواج ذکر کئے ہیں۔ اور ایک کتاب التوصل الی حفظ التناسل عبیداللہ بن جبرئیل نے تالیف کی[2]۔ جس میں اس نے اس موضوع پر بیش قیمت معلومات درج کی تھیں۔

پھر اسفارِ تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی مسرتوں اور شباب کی کیفیت انگیزیوں پر ایک تالیف کتاب اللهو والملاهی ونزهة الفكر الساهي احمد بن طیب السرخسی نے خلیفہ

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۳۱۷ [2] ملاحظہ ہو۔ طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۴۸

معتضد باللہ کی فرمائش پر اپنی اکسٹھ سال کی عمر میں لکھی تھی جس میں اس نے قوانین ازدواج کے علاوہ نغمہ و ساز عیش و نشاط اور ازدواجی ابتہاج و انبساط کے اصول پر دلچسپ۔ رنگین اور مفید مقالات قلمبند کئے تھے[1]۔

امراض نسواں — عرب اطباء نے امراض نسواں پر بھی جداگانہ کتابیں لکھیں۔ اور اس سلسلے میں اس شعبہ کی جانب بھی خصوصی توجہ کی گئی[2]۔

زیب و زینت — طب قدیم میں زیب و زینت اور آرائش حسن وجمال کے مسئلے کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اور اس مقصد کے لئے بے شمار حسن افروز سفوفات ادہان۔ گلگونے اور غازے وغیرہ تجویز کئے گئے۔ ابٹن تجویز کئے گئے جن کی مالش سے جسم کا رنگ نکھرتا اور جسم نرم ہوتا تھا۔ اسی ضمن میں کلف۔ کلف۔ جھائیوں۔ مہاسوں اور برص کے داغوں کے لئے بھی دوائیں تجویز کی گئیں۔ ساتھ ہی بالوں کی سفیدی۔ کوتاہی اور کمزوری کے لئے روغنیات اور خضابات بنائے گئے۔

لباس کے لئے مختلف النوع عطریات وضع کئے گئے۔ اور ان عارضی تدابیر کے علاوہ وہ خوردنی دوائیں اور غذائیں بھی تجویز کی گئیں جو جسمانی صحت کی اصلاح کے ساتھ حسن ظاہری میں بھی اضافہ کرتی ہیں۔

طب میں تزئین حسن و جمال پر مستقل کتابیں تالیف کی گئیں۔ سلامتہ بن رحمون نے کتاب المقالۃ فی تخصیب ابدان النساء بمصر عند تناہی الشباب لکھی جس میں نسوانی حسن وجمال اور زیب و زینت پر بیش قیمت مباحث درج کئے[3]۔

شیخ بو علی سینا۔ صاحب کامل۔ حنین بن اسحٰق اور دیگر نامور اطباء نے بھی زینت کے عنوان پر حسن و جمال۔ عام بناؤ سنگھار۔ اور بالوں کی افزائش و آرائش پر مقالات لکھے اور احمد بن طیب سرخسی نے خضابات پر ایک رسالہ لکھا[4]۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۴۴
[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے نوٹ ۱۲۲
[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۰۷
[4] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد اوّل صفحہ ۲۱۵

دیگر مباحثِ طبیہ — اطبائے طب قدیم نے عام درسی اور مشہور مباحث کے علاوہ فن کے چھوٹے سے چھوٹے مضمون کو بھی تشنۂ تحقیق نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ عبید اللہ بن جبرئیل (المتوفی سنہ ۴۵۰ھ) نے مقالہ فی الاختلاف بین الالبان میں دودھ کے خواص، تغیرات اور اختلافات پر روشنی ڈالی[1]۔ اور علی بن رضوان نے خواص لبن اتن پر ایک عالمانہ مقالہ لکھا تھا[2]۔

ذکریا رازی نے برف کے استعمال پر ایک نہایت مفید کتاب لکھی تھی[3]۔

یعقوب بن اسحٰق کندی نے عطر سازی وغیرہ پر کتابیں لکھیں[4]۔ عبید اللہ بن جبرئیل نے امزجۂ حیوانات پر کتاب طبائع الحیوان کے نام سے ایک کتاب تالیف کی[5]۔ عیسیٰ بن ماسہ بصری نے کتاب الالوان اور کتاب الروائح والطعوم لکھی[6]۔

یعقوب بن اسحٰق کندی نے ایک کتاب مرگ مفاجات پر مرتب کی[7]۔

عراق عرب کے مشہور کحال علی بن عیسیٰ نے کتاب تذکرۃ الکحالین تالیف کی جس کے تین مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں آنکھ کی تشریح و منافع کا ذکر ہے۔ مقالہ دوم میں آنکھ کے ان امراض کی بحث ہے جو آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً رمد، غرب، امراض قرنیہ وغیرہ اور مقالہ سوم میں ان امراض کا بیان ہے جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ مثلاً عشا، جہر اور امراض رطوبت جلیدیہ وغیرہ۔ آخر میں ان غذاؤں کی تفصیل ہے۔ جو آنکھ کے مریضوں کے لئے مفید ہیں۔ موفق الدین عبد اللطیف بغدادی نے امراض حادہ کے موضوع پر ایک مستند کتاب کا ملخص تیار کیا اور ایک دوسری کتاب میں بلحاظ کیفیات ادویہ اور امراض کا موازنہ کیا جو بالکل ایک نئی چیز تھی[8]۔

عربی طب میں لغات طبیہ پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس سلسلے میں سنہ ۹۲۴ھ میں بحر الجواہر کے نام سے ایک کتاب محمد یوسف ہروی نے مرتب کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۴۸ ؛ [2] ملاحظہ ہو طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۱۰۳۔
[3] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۳۱۸ ؛ [4] ملاحظہ ہو تاریخ الاطبا صفحہ ۲۳۳ ؛ [5] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۴۸ ؛ [6] ملاحظہ ہو تاریخ الاطبا صفحہ ۶۲۱ ؛ [7] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۱۲
[8] ملاحظہ ہو طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ ۲۱۲۔

جامع تصانیف مخصوص مضامین طب کی کتب کے علاوہ طب میں جامع تصانیف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ جن میں مباحث کلیہ کے ضمن میں اصولی طور پر فن کا تقریباً تمام علمی و عملی خزانہ یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ اور معالجات کے حصہ میں سر سے لے کر پاؤں تک تقریباً تمام امراض کے اسباب۔ علامات۔ طریقہائے علاج وغیرہ ایک جگہ فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ ان کتب میں حتی الامکان فن کا کوئی ضروری مسئلہ نہیں چھوڑا گیا گویا ان کے مطالعہ کے بعد ایک شخص تقریباً تمام نظام طب قدیم پر عبور حاصل کر سکتا ہے

جامع تصانیف میں کتاب شیخ یعنی قانون بوعلی سینا کو ممتاز ترین مرتبہ حاصل ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں انتہائی خوبی اور قابلیت کے ساتھ پوری طب جمع کر دی گئی ہے۔ قانون کے بعد ان تصانیف میں الملکی یعنی کامل الصناعۃ کو بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ کامل الصناعۃ کو اپنی جامعیت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے طبی کتب میں خاص درجہ حاصل ہے یہ کتاب علمی اور عملی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ علمی میں تشریح و منافع علم امراض عامہ و امراض خاصہ کا ذکر ہے اور حصۂ عملی میں حفظ صحت۔ علم الادویہ۔ علم اغذیہ۔ علاج الامراض وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے۔

ذخیرۂ خوارزم شاہی بھی ایک نہایت مبسوط اور جامع کتاب ہے جو شریف شرف الدین اسمٰعیل نے خوارزم شاہ کی فرمائش پر بارہ جلدوں میں مرتب کی ہے اور اسی طرح مائۃ مسیحی میں تمام اصول فن پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

الجامع۔ الحاوی اور المنصوری رازی کی نہایت اہم جامع تصانیف ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں سے فن عزیز کا بہت سا بیش قیمت سرمایہ ضائع ہو گیا۔ لیکن یہاں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے آپ سرسری طور پر یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ طب قدیم کا نظام درس و مطالعہ کس قدر جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ اور اس میں آج کل کی طرح ان تمام ضروری اور اہم مباحث کو جو اس وقت اہل فن کے سامنے آئے کسی کو تشنۂ بحث نہیں چھوڑا گیا۔

فن کلیات اب مسائل و نظریات پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ طب قدیم میں علم اسباب۔ علامات اور تشخیص سے متعلق تقریباً وہ تمام اہم مباحث موجود ہیں جو ایک سائینٹیفک طب میں ہونے چاہئیں اور ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا کلیات میں امور طبیعیہ کے باب میں بسلسلہ علم الاعضاء اناٹومی (تشریح الابدان) اور فزیالوجی (منافع الاعضاء) کو ذکر کیا گیا ہے علم الادویہ

کے سلسلے میں فارمیسی (فن دوا سازی) میڈیسین۔ ٹاکسی کالوجی (علم السموم) اور میٹیریا میڈیکا کے مباحث ہیں علم جراحت کے ضمن میں سرجری کا بیان ہے اور علم معالجات کے باب میں امراض مخصوصہ اور امراض عامہ کا تفصیلی ذکر ہے۔

علم اسباب امراض علم اسباب امراض یعنی ایٹیالوجی (Aetiology.) میں بھی دونوں طبیں باہم مشترک ہیں۔ چنانچہ ایلوپیتھی میں اسباب سابقہ کو پری ڈسپوزنگ کاذز Predisposing Causes اسباب واصلہ کو امیجی ایٹ کاذز Immediate Causes اسباب بادیہ کو ایکس ٹرنل کاذز۔ External Causes اور اسباب داخلہ کو انٹرنل کاذز۔ Internal Causes کہتے ہیں۔

علم تشخیص الامراض علم تشخیص الامراض یعنی ڈایاگنوسس۔ Diagnosis میں بھی دونوں طبوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ ایلوپیتھی میں نتائج مرض (یا عوارض) کو کمپلی کیشنز (Complications) اور تقدمۃ المعرفۃ یا انذار کو پراگ نوسس (Prognosis) کہتے ہیں۔

علم علامات امراض علم علامات امراض یعنی سمٹم ایٹالوجی Symptomatology میں بھی باہم اشتراک ہے۔ چنانچہ طب جدید میں علامات عامہ کو جنرل سمٹمز General Symptoms علامات مزاجیہ کو کانسٹی ٹیوشنل سمٹمز۔ Constitutional Symptoms علامات ذاتیہ کو ایڈیو پیتھک سمٹمز۔ Idiopathic Symptoms علامات شرکیہ کو سمپے تھے ٹک سمٹمز Sympathetic Symptoms علامات منذرہ کو پری مانی ٹری سمٹمز Premonitary Symptoms اور علامات ظاہرہ و باطنہ کو بالترتیب آبجیکٹیو سمٹمز Objective Symptoms اور سبجیکٹیو سمٹمز Subjective Symptoms کہتے ہیں۔

علم امراض ۔ علم امراض میں بھی باہم یگانگت ہے۔ چنانچہ طب جدید میں مرض سوء مزاج

کو فنکشنل ڈزیز Functional Disease کہتے ہیں۔ اور مزاج
دموی۔ سوداوی۔ صفراوی اور بلغمی کو علی الترتیب سینگوئی نس ٹمپرے منٹ۔
Sanguinnu Temperament میلن کولک ٹمپرے منٹ
Melancholic Temperament بی لی اس ٹمپرے منٹ۔
Bellious Temperament اور فلیگ مے ٹک ٹمپرے منٹ۔
Phlegmatic Temperement سے تعبیر کیا جاسکتا ہے
مرض ترکیب کو آرگینک ڈزیز Organic Disease مرض
حاد کو ایکیوٹ ڈزیز Acute Disease مرض مزمن کو کرانک ڈزیز
Chronic Disease مرض متعدی کو انفیکشس ڈزیز
Infectious Disease مرض وبائی کو ایپی ڈیمک ڈزیز
Epidemic Disease مرض عفنی کو سیپ ٹک ڈزیز
Septic Disease مرض خلقی کو کن جے نی ٹل ڈزیز۔
Congenital Disease مرض وراثت کو ہے ری ڈی ٹیری ڈزیز
Herediatary Disease مرض ذاتی کو ای۔ڈی او پے تھک
Idiopathic Disease مرض عرضی کو کمپلی کیٹنگ ڈزیز۔
Complicating Disease مرض دوری کو پیریا ڈی کل ڈزیز۔
Periodical Disease اور مرض نفسانی کو مینٹل ڈزیز
Mental Disease کہتے ہیں۔
علم علاج { علم علاج اور تقدم بالحفظ یعنی پری وین ٹیو ٹریٹمنٹ Preventive Treatment میں بھی دونوں طبیں باہم متحد ہیں۔ چنانچہ طب قدیم
میں بھی طب جدید کی طرح کیورے ٹیو ٹریٹمنٹ Curative Treatment یعنی
علاج شافی۔ ریشنل ٹریٹمنٹ Rational Treatment یعنی علاج
حکیمانہ۔ پیلی اے ٹیو ٹریٹمنٹ Palliative Treatment یعنی علاج تخفیفی

کلائی مے ٹک ٹریٹمنٹ Climatic Treatment یعنی علاج بہ آب وہوا
اور ڈائے ٹے ٹک ٹریٹمنٹ Dietetic Treatment یعنی علاج بالاغذیہ
مروّج ہے۔ اور فنِ جراحت اور عمل بالید کے نام سے سرجری کا نظام علاج موجود ہے ؛

وسائل تشخیص { وسائل تشخیص میں بھی دونوں طبیں مشارکت رکھتی ہیں۔ چنانچہ اطبائے یونانی بھی قارورہ۔ بلغم۔ براز۔ پسینہ۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ سحنہ۔ زبان۔ حلق اور جلد کی رنگت۔ بھوک۔ پیاس کی قلت وکثرت۔ اعضاء کی عام حالت تنفس کی زیادتی۔ نوم ویقظہ اور استفراغ واحتباس کی کیفیت وغیرہ امور سے ڈاکٹروں کی طرح اخذ نتائج کرتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے۔ کہ جدید طب کے ماہرین جدید سائنس کی بدولت بعض جدید آلات سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

طریق استعمال ادویہ { طریقہائے استعمال ادویہ میں بھی دونوں طبیں باہم متحد ہیں۔ چنانچہ جس طرح ایلوپیتھی میں آنکھ، کان۔ ناک۔ گلے اور دیگر اعضائے بدن کے لئے آئنٹمنٹس Ointments لانجز Lozenges. سیرپس Syrups سپازیٹوریز Suppositories پاؤڈرز Powders. پلز pills آئلز oils میوسیلیجز Mucilages لوشنز Lotions انفیوژنز Infusions. ایکسٹریکٹس Extracts. پلاسٹرز Plasters. کن فیکشنز Confections ڈی کاکشنز Decotions واٹرز Waters. ایسڈز Acids. وینےگرس Vinegars مستعمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح طب قدیم میں بھی علی الترتیب مراہم۔ اقراص۔ اشربہ۔ شیافات۔ سفوفات۔ حبوب۔ ادہان۔ لعابات۔ غسولات۔ ربوب۔ لزوقات۔ معاجین مطبوخات۔ عرقیات۔ نیزابات اور سرکے وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

استشہاد باللغات { علم الالسنہ میں لغت کی شہادت ایک اہم سند تصور کی جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ طب جدید کی بیشتر اصطلاحات عربی۔ اور یونانی زبان

سے اخذ کی گئی ہیں۔ چنانچہ الکلائن۔ الکلی۔ لعوک۔ لعوق۔ سنا۔ سنا۔ بورک۔ بورق۔ مانیا۔ مینیا۔ جولب۔ جلاب۔ کایئل۔ کیلوس۔ کولن۔ قولون۔ ڈایافرام۔ دیافرغما۔ ڈیسنٹری۔ ذوسنطاریا۔ پینکریاس۔ بانقراس۔ زنجبیر۔ زنجبیل۔ کیوبب۔ کبابہ۔ بےسی لک۔ باسلیق۔ کوما۔ قوما۔ کارنیا۔ قرنیہ۔ گینگرین۔ غانغرایا۔ سیفن۔ صافن۔ فلیگ مون۔ فلغمونی۔ وغیرہ الفاظ تمام تر عربی اور یونانی اصطلاحات سے ماخوذ ہیں۔

اگر جدید سائنس کی روشنی میں طب قدیم کی فتوحات علمیہ کا

مسلمات ونظریات کا نظارہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ وہ بیشتر مسائل و نظریات جنہیں آج طب جدید کی تنہا اکتشافی ملکیت قرار دے کر اکتشافات حدیثہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اصولی طور پر طب قدیم کے دور علم وحکمت کے نشانات ہیں۔ اس ضمن میں حسب ذیل امور خاص طور پر محتاج توجہ ہیں۔

حاملین طب جدید ارکان کی اربعیت سے اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن یہ اختلاف

ارکان حکمائے متقدمین میں بھی موجود تھا۔ بعض حکماء نے صرف ایک جوہر کو عنصر مانا ہے طالیس نبطی۔ ہرقلیس اور بعض دیگر متقدمین تنہا آگ۔ پانی۔ مٹی یا ہوا کی عنصریت کے قائل رہے ہیں کہ کنافس نے صرف مٹی اور پانی کو عنصر مانا ہے بعض کہتے ہیں۔ کہ صرف آگ اور مٹی عنصر ہیں۔ فرولیس کی رائے میں عناصر صرف تین ہیں۔ اور حکیم انکسقورس کی نظر میں عناصر بےشمار اور لامحدود ہیں۔

لوقس کا خیال ہے کہ فضائے ارضی میں بےشمار ذرات بسیطہ موجود ہیں۔ جو ترکیب و تخلیق عالم کے لئے ذمہ دار ہیں۔ جدید سائنس بھی ہر دور میں چند نئے عناصر دریافت کرتی رہتی ہے اور وہ بھی بےشمار عناصر کی قائل ہے۔ جو ابھی تک اسے معلوم نہیں ہوئے ہیں عناصر کی تعداد کا اختلاف آج کوئی نیا انکشاف نہیں بلکہ حکمائے متقدمین کی آراء کا تتبع ہے۔ یہاں ایک غور طلب امر یہ ہے کہ طب کی غرض و غایت حفظ صحت موجودہ اور استرداد صحت زائلہ ہے اور جہاں تک طبیعات کے مسائل کا تعلق ہے۔ ان کے رد و قبول میں ایک طبیب بقول شیخ ہر وقت آزاد ہے۔

اخلاط اخلاط کی اربعیت کا انکار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی انکشاف نہیں فیثا غورث کی رائے میں بھی اخلاط چار قسموں میں محدود نہیں ہیں۔ وہ خون سمیت "گیارہ خلطیں" قرار دیتا ہے۔ علاوہ ازیں غور طلب امر یہ ہے۔ کہ صفرا اور خون کے باب میں طب جدید و قدیم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف بلغم و سودا میں ہے۔ تاہم سودا کو یوریا سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے اور بلغم کو سفید دانہائے خون سے جو عندالضرورت سرخ دانہائے خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں ؛

علاوہ بریں ایک قابل غور امر یہ ہے کہ لفظ بلغم یونانی لفظ فلیگم (Phlegm.) سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی التہاب و اشتعال ہیں۔ فلغمونی بھی جو ایک التہابی مرض کا نام ہے فلیگم ہی سے مشتق ہے۔ اس تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا۔ کہ لفظ بلغم عہد اولیٰ میں التہابی مفہوم کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ اور قرین قیاس یہ ہے۔ کہ اسی بنا پر وہ رفتہ رفتہ اس رطوبت کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ جو غشائے مخاطی کے التہاب کی بنا پر خارج ہوتی ہے۔ جیسا کہ آج بھی عرف عام میں منہ۔ ناک اور حلق کی رطوبت خاص کو بلغم ہی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح لفظ سودا پر غور کیجئے کہ یہ یونانی لفظ "مالیخولیا" کا ترجمہ ہے۔ جسے طب جدید میں مالنکولیا کہتے ہیں۔ دور اوّل میں یہ لفظ خیالات کی ظلمت اور قوائے فکریہ کے فساد کے لئے بھی مستعمل تھا۔ جیسا کہ آج بھی زبان زد خاص و عام ہے ؛

پس طب جدید جو اربعیت اخلاط اور بلغم و سودا کے خلط ہونے کی منکر ہے۔ لغوی معنوں میں ان کی قائل ہے۔ یا پھر فیثا غورث کے نقش قدم پر گامزن ہے۔

نوٹ۔ ارکان اور اخلاط کی اس شکل کو تسلیم کرنے سے مزاج کا بحث خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔

وظائف جگر و طحال اب جگر اور طحال کے وظایف کے اختلافی مسائل کو لیجئے۔ طب قدیم کے نقطۂ نگاہ کے مطابق کیلوس معدہ اور آنتوں سے بذریعہ عروق ماساریقا جگر میں جا کر اور اس کے فعل سے متاثر ہو کر خون بن جاتا ہے۔ اور جگر کے علاوہ دوسرے اعضاء میں بھی خون بنتا ہے۔ چنانچہ بلغم (جسے سفید ذرات خون یا لمف سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے)

جسم کے مختلف حصص میں خون میں تبدیل ہوتا رہتا ہے ؛

طب جدید کا نظریہ ہے کہ یہ خلاصہ غذا کچھ تو بذریعہ عروق کیلوسیہ جذب ہو کر براہ مجری الصدر وریدی خون میں شریک ہو جاتا ہے ۔ اور کچھ پورٹل وین کے ذریعہ جگر میں جاتا ہے ۔ جہاں تمام اعضاء سے زیادہ خون کے اجزا بنتے ہیں ۔ اور ان کی اصلاح ہوتی ہے بدن کے دیگر حصص میں بھی خون کے سرخ دانے سفید ذرات خون سے بنتے رہتے ہیں ۔ لیکن جگر کو اجزائے خون کی تشکیل و تخلیق میں خاص اہمیت حاصل ہے ۔

پس غور کیجئے کہ وظائف جگر کی تعیین میں دونوں طبیں باہم کس قدر اتفاق رکھتی ہیں ۔ رہا منافع طحال کا سوال اور سودا کے طحال سے فم معدہ پر گرنے کا اعتراض تو اس باب میں ارسطاطالیس کے مسلک کو ملاحظہ فرمائیے ۔ جو تلی کو ایک بیکار عضو سمجھتا ہے یا بقراط و افلاطون کے مذہب پر غور کیجئے جو طحال کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں ۔ کہ وہ محض خراب خون کو صاف کرتی اور اپنے اندر جذب کرتی ہے ۔

تولید فضول { براز کے متعلق طب جدید نے یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ چھوٹی آنتوں میں پیدا نہیں ہوتا ۔ لیکن یہ جالینوس کا اتباع ہے ۔ جو کہتا ہے کہ براز چھوٹی آنتوں میں سے آخری آنت میں پیدا ہوتا ہے ۔

حموضت معدہ { طب جدید معدہ میں ہضم ہونے والی غذا کے ترش ہو جانے کے قائل ہے اور اس باب میں اس نے معدہ کی ترشی اور تیزابی رطوبتوں کا انکشاف کیا ہے ۔ محمد بن زکریا رازی اس ترش مادہ کی نسبت تصریح فرما چکے ہیں ۔

روح { روح کے مسئلہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ صرف اسی نسیم کا نام ہے ۔ جو تنفس کے ذریعہ خون میں شریک ہوتی ہے ۔ اور یہ جالینوس کے مسلک کا متبع ہے ۔

خط استواء { خط استوا کے باب میں شیخ کے مسلک سے اختلاف کیا جاتا ہے ۔ اس بارے میں جدید جغرافیہ طبعی نے ابن خطیب الرے امام فخر الدین رازی کے افکار و آراء کی خوشہ چینی کی ہے ۔

بحران ۔ طب جدید نے بحران کے اکثر مسائل میں طب قدیم کی تقلید کی ہے ۔ چنانچہ

متعدد امراض اور میعادی حمیات میں ایک طرح کا بحران ذکر کیا گیا ہے تسلیم کیا گیا ہے۔
لیکن بصورت آخر اگر بحران کے وجود سے قطعی انکار بھی کیا جائے۔ تو گویا یہ اسقلیبادیس کے
مذہب کا اتباع ہے۔ جو ایک فاضل طبیب ہونے کے باوجود بحران کا منکر مطلق تھا۔

دوران خون { جدید نظام طب میں نظریۂ دوران خون کو ہاروے کی تحقیق و انکشاف کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ امر تحقیق ہو چکا ہے کہ اس عقدہ کی کشائش آغانیس کے ناخن فکر کی رہین منت ہے۔

ضغطۃ الدم { کہا جاتا ہے۔ کہ طب قدیم میں عروق کے امراض نہیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبض کے مسائل کے ضمن میں ان کے بیشتر مباحث آ گئے ہیں۔ اور بلاشبہ نبض کی صلابت۔ لینت عظم۔ صغر۔ امتلاء۔ عدم انتظام۔ موجیت۔ دودیت اور مطرقیت کے مباحث میں ضغطۃ الدم (بلڈ پریشر) اور دیگر بہت سے امراض عروق و قلب و نظام عصبی آ جاتے ہیں۔

علم الجراثیم { جراثیم سے متعلق بھی طب قدیم میں مباحث موجود ہیں۔ چنانچہ اسقلیبیوس کہتا ہے کہ سبب امراض وہ غیر طبعی ذرات ہیں۔ جو باختلاف اشکال و تعداد و نظام و حرکات جسم انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

طب میں جراثیم کا تصور ایک پرانی اور عام چیز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بالعموم دانتوں کی مشہور تکلیف اور پرانے زخموں اور قروح خبیثہ کی حالت کو تاکّل دکھائے جاتے) اور کیڑا لگنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کیڑا قطعاً غیر مرئی چیز ہے۔

احتقان جلدی { دواؤں کو جلد کے ذریعے خون میں پہنچانے یعنی احتقان جلدی (انجکشن) کا بھی طب قدیم میں ایک طرح کا طریق موجود ہے۔ چنانچہ ادویۂ متقرحہ کے ذریعہ سے عضو میں قروح پیدا کر کے اور پچھنے اور سوئیاں لگا کر اور مختلف دواؤں کو ان پر چھڑک کر خون میں پہنچانے کا رواج عہد قدیم سے چلا آتا ہے۔

حکمائے ہند کی کتب میں سوچکا بھرن کا ذکر بہ تصریح کے ساتھ آتا ہے۔ سوچکا کے معنی سوئی اور بھرن کے معنے بھرنا۔ قیاس یہ کیا گیا ہے کہ عہد قدیم میں کوئی اس قسم کا آلہ تھا۔ جس میں

دوا بھر کر خون میں داخل کی جاتی ہو گی ۔

آیور ویدک کتب میں سوچکا بھرن رس کا ایک نسخہ ملتا ہے جو بے ہوشی اور سرسام کے لئے بے نظیر چیز ہے ۔ پہلے پیشانی پر پچھنے لگا کر اس کو صرف اتنی مقدار میں کہ سوئی کے اگلے حصہ پر آجائے ، پچھنے کی جگہ مل دیا جاتا ہے ۔ تاکہ دوا ان خون میں شامل ہو جائے ۔

قیاس اور تجربہ عاملین طب جدید ۔ طب قدیم کو قیاسات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے ۔ کہ طب جدید کی بنیاد تجربہ ۔ مشاہدہ اور استقراء پر رکھی گئی ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ طب جدید اس مسلک میں بھی حکمائے قدیم کے نقوش قدم پر گامزن ہے ۔

طب یونانی میں اصحاب ذیلطوریقی کی ایک جماعت کا ذکر آتا ہے ۔ جو محض تجربہ کو دلیل سمجھتی تھی ۔ جالینوس نے قوائے طبعیہ میں لکھا ہے کہ میں محض قیاس سے کام لینے کا عادی نہیں بلکہ تجربہ سے اس کی تصدیق کرتا ہوں ۔ پھر ایک جگہ لکھتا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے تجربہ کی غرض سے کتنی مرتبہ پیٹ کا اپریشن کیا ہے اور ایک دوسری جگہ لکھتا ہے :-

وقد یعرض فی الناس للقلب	کبھی انسان کے دل میں ورم صلب
اورام صلب غیر حار یحزل	پیدا ہوتا ہے جس سے مریض گھل گھل
صاحبہ قلیلاً قلیلاً حتی یقتلہ	کر مر جاتا ہے ۔ اور اس چیز کو میں نے
بعد مدۃ طویلۃ وقال انما	اس طرح پہچانا کہ میرے پاس ایک
علمت ذالک من قرد لی کنت	بندر تھا ۔ جو روز بروز دبلا ہوتا جاتا
اردت ذبحہ لا نظر تشریحہ	تھا ۔ میں نے اس کو ذبح کرنا چاہا ۔
فتغلت عنہ مدۃ وکان	تاکہ علم تشریح میں تجربات اور اجتہادات
القرد یزداد کل یوم حتی الافلمّا	کروں ۔ جب اس کو ذبح کر کے پیٹ
ذبحتہ و شققت بطنہ وجدت	کو چاک کیا ۔ تو اس کے دل کی جھلی
فی لباس قلبہ ورماً غلاظاً	کو غلیظ متورم اور رطوبات سے بھرا
ورماً ممتلیاً رطوبۃ	پایا ۔ تب میں نے سمجھا کہ اس کے

فعلمت ان الھزال کان من ذالک — دبلا ہونے کا راز یہی تھا۔ اسی طرح
فقال وقد ذبحت مرۃ دیکاً — میں نے ایک مرغ کو ذبح کیا۔ تو اس کے
فوجدت عند قلبہ غلظاً و — دبلا ہونے کا بھی یہی سبب پایا۔
کان مھزولاً فعلمت ان ھزالہ — پس جیسا کہ میں نے جانوروں کے
کان من ذالک وقال وقد تعرض — متعلق بتایا ہے۔ یہی کیفیت
للانسان مثلہ ایضاً۔ (غنی منی ملخوراً) — انسانوں کی بھی ہے۔

جالینوس نے بندروں کے علاوہ صدہا انسانی لاشیں بھی چاک کی ہیں۔

ہیروفیلوس نے تشریحی تجارب کے لئے تقریباً سات سو لاشیں چاک کی تھیں۔

دماغی غشائے عنکبوتی۔ بطون دماغی اور معدہ اور آنتوں کی عروق کیلوسیہ اسی کے دور میں دریافت ہو چکی تھیں ؎

جرح ونقد { طب قدیم میں عہد حاضر کی طرح بحث ونظر کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ چنانچہ علی بن رضوان نے مسائل فن میں ذکریا رازی پر جا بجا اعتراضات کئے ہیں اور قطب الدین مصری نے جو امام فخر الدین رازی اور ابو سہل مسیحی دونوں کا شاگرد تھا شیخ اور مسیحی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسیحی کا کلام شگفتہ ہوتا ہے اور شیخ کے بیان میں الفاظ کی بھرمار ہے۔ اور امام فخر الدین رازی اور شیخ کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ باعتبار زمانہ شیخ کو امام پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن باعتبار علم و عمل امام کا درجہ بلند ہے۔

پھر جہاں تک متقدمین کا تعلق ہے۔ اطبائے عرب نے ان کے افکار ونظریات پر بھی پوری طرح بحث وتنقید کی ہے چنانچہ شیخ نے جالینوس کے معتقدات پر جا بجا گرفت کی ہے۔

ممکن ہے کہ شیخ کو اپنی علمی شہرت کے راستے میں جالینوس کی عظمت حائل نظر آتی ہو لیکن اقرب الی الصواب یہ قیاس ہے کہ شیخ نے خدمت فن کے حقیقی جذبہ سے متاثر ہو کر جالینوس کے مسلمات پر نقد وجرح کی ہے۔ بہرحال شیخ کی تنقیدات نہایت وقیع اور پرمغز

ہیں۔ وہ ایک جگہ قانون میں کہتا ہے

وجالینوس اذا حاول اقامة	جالینوس جب طب کے علمی حصہ پر دلائل
البرهان على القسم الاول	قائم کرنے کا قصد کرتا ہے تو ایک
فلا یجب ان یحاول ذالك	طبیب کی حیثیت سے استدلال کرنے
من جهة انه طبیب ولكن	کا قصد نہیں کرتا۔ بلکہ اس انداز
من جهة انه یجب ان یكون	سے استدلال کرتا ہے کہ لوگ یہ
ذالك فیلسوفاً یتكلم فی	سمجھیں کہ ایک بہت بڑا فلسفی
العلم الطبیعی[1]	علم طبیعات پر دلائل پیش کر رہا ہے

اجتہادات واضافات پھر عہد حاضر کی طرح طب قدیم میں اجتہادات، انکشافات اور اضافات کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا ہے۔ جیسا کہ اطبائے عرب کی بعد کی تالیفات سے ظاہر ہے اور ہم نے تشریحات و تنقیدات کے پہلے نوٹ اور دیگر بیانات میں جا بجا اس طرف اشارہ کیا ہے۔

عرق النساء طب جدید میں عرق النساء (سیاٹیکا) کو ایک عصبی بیماری سمجھا جاتا ہے۔ یہ گویا علی بن زین کے مسلک کی پیروی ہے جو اس مرض میں عصب پر کی کرنا تجویز کرتا ہے۔

برامیلس ونیمہ اس مرض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی دریافت کا سہرا ڈاکٹر برائیٹ زمانہ حیات ۱۷۸۹ء (۱۸۹۸ء) کے سر ہے۔ حالانکہ استسقائے لحمی کے عنوان سے یہ مرض طب کی قدیم کتابوں میں مذکور ہے۔ اور عام طلبائے طب بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں۔

اس مرض کی مخصوص علامات دو ہیں۔ پیشاب میں اس رطوبت بیضیہ (البیومن) کا خارج ہونا اور جسم پر اس قسم کے ورم کا پیدا ہونا کہ اگر اسے دبایا جائے۔ تو دبانے کی جگہ کچھ دیر تک

---

[1] ملاحظہ ہو۔ قانون۔ جلد اول صفحہ ۱۳۔

اس کا نشان باقی رہے۔ دیکھیے علامہ نجیب الدین سمرقندی نے اس حقیقت کو کس قدر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ:-

و علامتہ بیاض البول و	اس بیماری کی علامت بول کی بیاض اور
انتفاخ الجسد انتفاخا من عند	جسم کا پھول جانا ہے حتیٰ کہ اگر کچھ دیر
الغمز علیہ و بقاء موضع	تک انگلی سے دبایا جائے تو اس میں کچھ دیر تک
الغمز لحظۃ [1]	گڑھا باقی رہتا ہے۔

سوزاک سوزاک (گنوریا) کو ایک نئی بیماری سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ شرح اسباب وغیرہ عام کتب درسیہ میں قرحۂ داخل قضیب کے نام سے یہ مرض مذکور ہے اور اس سلسلے میں ایک لطیف ترین چیز یہ ہے کہ طب قدیم میں لحم زائد یعنی سٹرکچر کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ جو اس مرض کے نتیجے کے طور پر کبھی مجری بول میں پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابو المنصور الحسن القمری (استاذ شیخ بو علی سینا ؒ) اپنی کتاب غنیٰ منیٰ کے صفحہ ۲۳۱ پر اقتباس البول کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:-

و یحدث ایضاً من علق	اقتباس بول کبھی عارض ہوتا ہے
دم او مدۃ لیشد فم المثانۃ	خون کے لوتھڑے یا پیپ کی وجہ سے
و علامتہ ان یکون ذالک	جو مثانہ کے منہ کو بند کر دیتا ہے
یعقب دم او مدۃ و یکون	اور اس کی علامت یہ ہے کہ یہ تکلیف
المثانۃ ممتدۃ ممتلیۃ	پیپ آنے کے بعد پیدا ہوتی ہے
و ربما عرض معہ ضیق النفس	ایسی حالت میں مثانہ کشادہ اور
و صفرۃ اللون و الذبول	پیپ سے بھرا ہوتا ہے۔ اور
و علاجہ ان یسقیہ ھذہ	بسا اوقات مریض کو ضیق النفس کی
الدواء فانہ عجیب فی	سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ بدن
اذابۃ ذالک الدم و	کا رنگ زرد اور جسم دبلا ہو جاتا ہے
المدۃ فی المثانۃ - صفتہ	اس کا علاج یہ ہے کہ مریض کو وہ
قرومانا و مروقوۃ الصبغ والہیل	دوا پلائی جائے جو خون کے لوتھڑے اور پیپ کے پگھلانے

[1] ملاحظہ ہو شرح اسباب جلد دوم صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ

واشق وصلیت اجزاء مساوی حل	کیلئے عجیب النفع ہے بتجربہ ہے۔ قرو اما۔ مرکی بجلیٹہ۔
الاشق فیذیب الادویۃ وبجعلی منھا	اہل اشق لے دو ہیگ سب اجزاء ہموزن لئے جائیں اور
اس بخہ موات بطبیخ البزدور۔	اشق کو گھول کر اور باقی دواؤں کو کوٹ چھان کر اور

پھر سب کو باہم ملا کر بزرور کے جوشاندہ کے ساتھ دن میں چار بار مریض کو پلائی جائے

ریٹ بائٹ فیور } ریٹ بائٹ فیور Rat bite fever یعنی چوہے کے کاٹنے کے بخار کو ایک جدید تحقیق سمجھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت مغربی ڈاکٹروں کی معلومات یہ ہیں۔ کہ یہ بخار نیولے کے کاٹنے سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس میں خون مسموم اور متعفن ہو جاتا ہے۔ جسم کے غدود پھول جاتے ہیں۔ بدن میں درد ہوتا ہے۔ آواز کے بھرا جانے سے مریض کے لئے کلام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بخار نہایت تیز ہوتا ہے۔ اور تقریباً ایک ہفتہ تک رہتا ہے۔ اس مرض میں زخم کو کاسٹک کی بتی سے جلایا جاتا ہے۔ اور مریض کو زود ہضم غذا دی جاتی ہے۔ تاکہ مرض میں شدت نہ ہو۔

غالباً اسی یا اسی نوع کے بخار کا ذکر عالمائن طب قدیم کی کتب میں ملتا ہے۔ چنانچہ حکیم اعظم خاں اکسیر اعظم جلد چہارم صفحہ ۶۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"گویند کہ از گزیدن کوش تپ مطبقہ آید"

پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"از گزیدن ابن عرس (نیولا) ورم جمیع غدد بدن مثل پس گوش و زیر بغل و تپ است"

پھر علاج کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"بر موضع مغز پیاز با زیرہ باریک سودہ نہند"

اور پرہیز کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"و طعام او مزورات تنہا دہند تا آنکہ تپ ولہیب زائل شود ودرد ساکن گردد"۔

شیخ بوعلی سینا القانون کتاب چہارم صفحہ ۱۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وقد یوجب العفونة فیه پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں ۔ ویکون فی الحمیٰ المطبقة عسر کلام وکذالک اورام الحلق والوان تین "۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں ۔ " وحرارتها کثیرة "

اور پھر اس کی میعاد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :" وبحرانها الی السابع "۔

سیری بروسپائنل فیور ۔ یعنی گردن توڑ بخار کو ایک نئی قسم کا بخار سمجھا جاتا ہے ۔ اور اس سلسلے میں نئے انکشافات کا ادعا کیا جاتا ہے لیکن اگر آپ علامات وعوارض کو تفصیلی طور پر پیش نظر رکھیں ۔ تو معلوم ہوگا کہ فی الحقیقت یہ قرانیطس کی بیماری ہے جو آج ایک وبائی صورت اختیار کر چکی ہے ۔ نفیس ۔ علی بن عباس مجوسی اور بوعلی سینا نے نہایت شرح وبسط سے اس مرض پر مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طب جدید اپنی تاریخ ۔ اپنے نظامات مصطلحات ۔ لغات اور مسائل ونظریات کے اعتبار سے تقریباً طب قدیم کی معلومات ہی کے مجموعہ کا ایک دوسرا نام ہے ۔ جس میں یقیناً بیش قیمت اضافات کئے گئے ہیں لیکن ستم ظریفی ہے کہ ان میں سے ایک طب کو سائینٹیفک اور دوسری طب کو ان سائینٹیفک کہا جائے ۔

۱۲۴ اس سوال کا جواب پہلے لیکچر کے ابتدائی نوٹ میں ایک حد تک دیا جا چکا ہے ۔

۱۲۵ اردو زبان میں لاطینی زبان کے مذکورۂ بالا جملہ کا ترجمہ ہوا ۔ کرابیٹو کا عام بیان جس سے مراد گرم سرسام ہے ۔ اور یہ در حقیقت لاطینی ترجمہ ہے شیخ کی اس اصل عربی عبارت کا جو قانون میں اس طرح مذکور ہے :-

فصل فی قرانیطس وھوالسرسام الحاد (ملاحظہ ہو قانون شیخ جلد ثالث صفحہ ۳۸ ۔ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ ۔

۱۲۶ کتب طبیہ میں سرسام کی ایک خاص قسم کے مفہوم کے لئے ایک خاص یونانی لفظ قرانیطس مستعمل ہے ۔ جس کو تمام قدیم اسفار طبیہ میں بالعموم قرانیطس لکھا گیا ہے چنانچہ قانون شیخ میں جو روما میں ۱۵۹۳ء میں چھپا ہے اس کو قرانیطس تحریر کیا گیا ہے[1] ۔ اور قانون

---

[1] القانون مطبوعہ روما صفحہ ۳۰۲ ۔

نسخہ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ میں بھی یہ لفظ قرانیطس ہی درج ہے[1]۔

علاوہ ازیں نجیب الدین سمرقندی نے کتاب الاسباب والعلامات میں بھی اس کو قرانیطس ہی لکھا ہے[2]۔ اور ملا نفیس شارح اسباب علامات نے رازی جیسے متبحر عالم طب کی تصحیح کی سند پیش کرتے ہوئے صاف الفاظ میں اس امر کی تصریح کی ہے۔ کہ یہ لفظ "قرانیطس" ق سے ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ "یعنی قرانیطس بالقاف علیٰ ما صححہ الرازی"[3]۔

ترجمہ شرح اسباب مع حاشیہ شریف خانی میں اس عبارت کا اردو ترجمہ اس طرح درج ہے

"اور اس کا نام قرانیطس درج ہے۔ لفظ قرانیطس ق سے ہے۔ جیسا کہ رازی نے اس کی تصحیح کی ہے[4]۔"

لیکن کتب لغت و تاریخ و مباحث طب سے اس امر کی تائید نہیں ہوتی بلکہ واضح صورت میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لفظ "قرانیطس" نہیں بلکہ "فرانیطس" ہے۔ یعنی اس لفظ میں "ق" کی جگہ "ف" ہے۔ اور "س" مشدد ہے۔ اور "ط" مضموم نہیں مکسور ہے چنانچہ علم الالسنہ کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ یونانی ہے۔ اور یونانی زبان میں اس کا صحیح تلفظ قرانیطس نہیں بلکہ فرانیطس اور یونانی رسم الخط میں اس کا املاء φpενιτιs, ہے[5]۔

پھر ایلوپیتھی میں ایک لفظ فری نائیٹس (Phrenitis) موجود ہے جس کے معنیٰ الیاس انطون الیاس نے اپنی کتاب "القاموس العصری" میں "التہاب غشاء الدماغ" لکھے ہیں[6]۔ اور صاحب مخزن الجواہر نے "سرسام غیر حقیقی" بیان کئے ہیں[7]۔

---

[1] القانون جلد ثالث صفحہ ۸۳ مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ۔ [2] کتاب الاسباب والعلامات۔ بحث سرسام مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ۔ [3] شرح اسباب والعلامات جلد اول صفحہ ۳۰ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ۔

[4] ترجمہ شرح اسباب مع حاشیہ شریف خانی صفحہ ۵۵ مطبوعہ جید برقی پریس دہلی۔

[5] اریجن میڈیسن صفحہ ۳۰ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

[6] القاموس العصری انگلیزی عربی صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ مطبع عصریہ مصر۔

[7] مخزن الجواہر صفحہ ۷۵۹ مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور۔

ظاہر ہے کہ ایلوپیتھی میں مرسام کے لئے جو لفظ "فرے نائیٹس" مستعمل ہے۔ وہ یونانی لفظ فرانیطس سے لیا گیا ہے۔ جس کے لغوی معنٰی انگریزی زبان میں پروفیسر براؤن نے فرینزی Frensy "اختلال عقل" بیان[1] کئے۔

یہاں ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ اکثر قدیم کتب طب میں اس کے لغوی معنے بھی غیر صحیح درج ہیں۔ چنانچہ ملا نفیس نے قرانیطس کے معنی ذہن اور رائے بیان کئے ہیں[2]۔ حالانکہ مصرحہ صدر رائے کی روشنی میں اس کے واضح معنے "اختلال عقل" اور "فساد ذہن و ہذیان" ہیں۔

پھر حاشیہ شرح اسباب میں بھی اس امر کی تصریح کی گئی ہے۔ کہ قرانیطس کا نام لازم ہذیان کے نام پر قرانیطس رکھا گیا ہے[3]۔ اور صاحب مخزن الجواہر کی توضیح[4] اور الیاس انطون الیاس کی تصریح[5] سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرانیطس کے لغوی معنی فساد عقل اور ہذیان ہیں۔

آمدم برسر مطلب۔ مصرحہ فوق بیان سے ثابت ہوا کہ لغت کی شہادت کے اعتبار سے یہ لفظ یقیناً قرانیطس ہی ہے۔ اور اب اگر قدیم مخطوطات اور قدیم اطبا کی آراء پر نظر کی جائے۔ تو ان سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اسفار طبیہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عہد قدیم میں اس لفظ کے متعلق عربی اطباء میں یہ ایک رائے موجود تھی کہ یہ لفظ "ق" کی بجائے "ف" سے ہے تاآنکہ رازی نے اس کو "ق" سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ فخر الحکماء حکیم مولوی سید حسین صاحب مرحوم لکھنوی حل المعضلات حاشیہ شرح الاسباب والعلامات میں لکھتے ہیں:۔

بالقاف وقیل بالفاء۔ ولہذا قال الشارح علی ما صححہ الرازی[6]۔

"لفظ قرانیطس "ق" سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "ف" سے ہے لہٰذا شارح اسباب نے اس کو "قاف" سے بنایا ہے جیسا کہ رازی نے تصحیح کی ہے"۔

پھر جیسا کہ متن سے ظاہر ہے اس سلسلہ میں ایک چیز یہ ہے کہ پروفیسر براؤن کو قانون کا ایک قدیم قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے

---

[1] اریبین میڈیسن صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس :: [2] شرح الاسباب والعلامات حصہ اوّل صفحہ ۲۷ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ [3] حاشیہ شرح الاسباب والعلامات جلد اوّل صفحہ ۳۷ ::
[4] مخزن الجواہر صفحہ ۶۵۹ [5] القاموس العصری انگلیزی عربی صفحہ ۲۵۲ بہ فرنیزی کا ترجمہ ::
[6] شرح الاسباب والعلامات جلد اوّل صفحہ ۳۷ ::

جس میں یہ لفظ فرانیطس کی جگہ قرانیطس درج ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ لفظ شیخ کی زبان پر اور شیخ کے زمانے "ق" کی جگہ "ف" سے رائج تھا۔ غرض السنۂ شرقیہ و غربیہ علم لغت۔ اسفار طب اور تاریخ طب تمام کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ یہ لفظ قرانیطس نہیں بلکہ فرانیطس ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ ابتداءً جب یونانی کتابیں یونانی سے عربی میں منتقل ہوئیں تو اس لفظ کو فرانیطس ہی لکھا پڑھا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ایک زمانہ کے بعد یہ لفظ کتب طب میں نقطوں کی غلطی سے قرانیطس لکھا جانے لگا۔ اور یہ تلفظ اس قدر عام ہوا۔ کہ خواص نے بھی اس کو قرانیطس ہی بولنا اور لکھنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بارہویں صدی عیسوی کے بعد سے یہ لفظ تقریباً تمام طبی کتابوں میں اسی طرح مسطور ہے۔ اور پھر ایک تماشا یہ ہے کہ یہ لفظ جب عربی طب سے لاطینی زبان کے مترجمین کے ہاتھوں میں پہنچا تو انہوں نے اس کو کرابیٹو Karabito بنا دیا جیسا کہ قانون کے اس لاطینی ترجمہ میں جو ۱۵۲۷ء میں وینس میں چھپا۔ صفحہ ۱۹۸۔ الف پر درج ہے[1]۔

پروفیسر براؤن نے ان سطور میں ہندوستانی تشنگان علم کو یورپ میں عربی طب کی تالیفات اور بالخصوص ہانکی پورہ پٹنہ کے مشہور کتب خانے کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ متحدہ ہند میں طب عربی کے درس و مطالعہ کا سلسلہ مدت سے جاری ہے۔ یہاں اطباء کے ممتاز خاندانوں اور کتب خانوں میں عرب اطباء کی نادر تالیفات کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں عربی طب کی بہت سی کتابیں اردو میں تالیف و ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اور یہاں صدیوں سے عربی طب کی روشنی میں مریضوں کے علاج و معالجہ کا سلسلہ قائم ہے۔

طب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی سے سقوط بغداد کے بعد عربی علوم طبیہ دنیا کے دو خطوں کی طرف رخ کرنے لگے۔ ایک طرف وہ مصر تیونس۔ الجزائر اور سسلی کی راہ یورپ میں داخل ہونے لگے اور دوسری طرف ان کا رخ ایران اور نواح ایران کے راستے سے سرزمین ہند کی جانب ہو گیا۔ مغرب میں اور ہند کی جانب علوم طبیہ کا سفر اور اثر و نفوذ تاریخ طب کی ایک دلچسپ داستان ہے اور یہاں ذیل میں ہم اسے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ عربین میڈیسن صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔

یونانی طب کے سفر ہند کی تفصیل مؤرخین طب کی تحقیق و تدقیق کا دلچسپ موضوع بن سکتی ہے - یہاں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہوگا کہ طب جس طرح قدیم یونان سے عالم اسلام تک تین ذرائع سے پہنچی تھی، اسی طرح عالم اسلام سے ہندوستان پہنچنے میں بھی اس نے تین ذرائع اختیار کئے ہیں - اول ان عرب اور ایرانی تاجروں کے ذریعہ سے جو ہندوستان کے مختلف ساحلی مقامات سے تاجرانہ تعلقات رکھتے تھے - دوسرے ان مسلمان فاتحین کے قہرمانی حملوں کی وجہ سے جو مسلسل اور متواتر ہندوستان کی سرزمین کو اپنی فوجی صف آرائیوں کی بازی گاہ بنائے ہوئے تھے - اور تیسرے مسلمان اطباء کے انفرادی نقل مکانی کی وجہ سے جو خصوصی صورت اس وقت بروئے کار آئی - جب تمام ہندوستان ایک منظم اور جامع اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکا - اور دوسرے ارباب فضل و کمال کی طرح عرب اور ایرانی اطباء بھی قدر و منزلت کی امیدیں "دجلہ و زمزم" اور "فرات و جیحون" کی موجوں کو الوداع کہہ کہہ کر سرزمین پنج آب اور وادی گنگ و جمن کا رخ کرنے لگے - اور راجی سے رعایا اور راجہ سے پرجا تک ان کی قدر افزائی میں مصروف ہونے لگے -

طب یونانی ہندوستان میں { یونانی طب جو رازی کی ذہانت اور سینا کی فطانت کے نتائج میں ڈھل کر بڑی حد تک اسلامی طب کا عنوان حاصل کر چکی تھی اور جس کی عالمگیری ایک طرف ہسپانیہ اور وہاں سے اٹلیہ اور یورپ اور دوسری طرف عراق اور وہاں سے ایران و نواح ایران کو محیط ہو چکی تھی اب اپنی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی قسمت آزمانے کے لئے نئے نئے میدان تلاش کر رہی تھی - چنانچہ ہندوستان کا وسیع و طویل بر اعظم اس کی قسمت آزمائی کا میدان اور بالآخر گہوارہ بن گیا -

طب اور آیورویدک { بھارت ورش کی آیوروید کو اپنی پوترتا پر کتنا ہی ناز کیوں نہ ہو لیکن اس کی مہمان نوازی نے اپنی اس پردیسی بہن کی خوب آؤ بھگت کی - اور دونوں بہنیں بہت جلد شیر و شکر کی طرح گھل مل نظر آنے لگیں - اور شاید یہ طریق علاج کی برتری کا اثر تھا - کہ آیورویدک نے با ایں ہمہ عظمت یونانی طب کے لئے مسند کی جگہ خالی کر دی اور ہندوستانی طب کے مہمان نے ایسی چھاؤنی چھائی - کہ میزبان کے لئے گنجائش نہ رہی -

مغل عہد میں یونانی طب مغلوں کی منظم حکومت کی تاریخ آپ کو دونوں طبوں کی آمیزش و آویزش کی کیفیت بتلا سکتی ہے۔ اور اس عہد میں یونانی طب کو دیسی طب پر قبولیت خاص و عام اس تفوق و برتری کا ثبوت دے سکتی ہے۔ جو یونانی طب کو اس طب پر حاصل ہو گئی تھی۔ یونانی طب کی اس فضیلت و فوقیت کو ایک معترض المناس علیٰ دین ملوکھم کی روشنی میں شاید اسلامی حکومت کی سرپرستی کا نتیجہ خیال کرے۔ لیکن گذشتہ ڈیڑھ سو سال تک جبکہ نہ مسلمان فرمانروا موجود تھے اور نہ یونانی طب کو سرکاری طب کی حیثیت حاصل تھی۔ بلکہ بخلاف اس کے ایک تیسری حکومت اور تیسری طب ہم پر حکمران تھی پھر بھی ہم جس طب کو ہردلعزیز پاتے رہے وہ طب یونانی تھی جو آیورویدک طب سے مل جل کر "دیسی طب" بن گئی تھی۔

مغل عہد کے چند مشاہیر اطباء مغل عہد کے اطباء میں حکیم علی گیلانی کا رتبہ بہت بلند ہے آپ علم و عمل طب میں یگانۂ روزگار تھے۔ مؤلف قصص الاطباء وغیرہ نے آپ کی حذاقت و فطانت اور حسن معالجہ کی نسبت حکایات سپرد قلم کی ہیں۔

علمی کمالات کا اندازہ اس چیز سے کیجئے۔ کہ آپ نے قانون کی ایک بے نظیر شرح لکھی ہے۔ عہد اکبری میں حکیم مصری بھی ایک فاضل طبیب تھے۔ جو برہان پور خاندیس میں مدفون ہیں۔ شیخ فیضی کے معالج بھی تھے خواجہ شمس الدین آپ کے زیر علاج رہتے تھے اور کبھی کبھی مسائل میں آپ سے الجھنے لگتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے حسب ذیل شعر لطور لطیفہ ارشاد فرمایا ؎

خواجہ شمس الدین چہ خللے مے کند در طبابت نیز و خللے مے کند

مغل عہد کے اطباء میں حکیم حسن گیلانی[۲] حکیم الملک گیلانی[۳] اور حکیم لطف اللہ[۴] گیلانی کا پایہ بھی بہت ممتاز ہے۔ اور حکیم مسیح الملک[۵] شیرازی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ آپ دکن سے ہندوستان آئے۔ اور

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الاطباء صفحہ ۴۸۴۔ مطبوعہ لاہور۔

[۲] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الاطباء صفحہ ۴۸۴ :: [۳] ملاحظہ ہو تاریخ الاطباء صفحہ ۴۸۳ ::

[۴] ملاحظہ ہو۔ طب اسلامی صفحہ ۱۰۵ ::

[۵] ملاحظہ ہو۔ تاریخ الاطباء صفحہ ۷۳۶ ::

شہزادہ سلطان مراد کے ساتھ گجرات گئے۔ اور مالوہ میں وفات پائی۔

حکیم ثناء اللہ صاحب فرخ آبادی کے اسلاف میں ملک الحکماء حکیم محمد مقیم صاحب بھی سلاطین دہلی کے دربار میں خاص عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے[1]۔

مسیح الزمان مرزا محمد ہاشم صاحب مسیح الزمان خان بہادر مرزا محمد ہاشم صاحب۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے مشہور درباری طبیب تھے۔ علم و حکمت و فلسفہ میں آپ کا پایہ بہت رفیع ہے۔ شرح اسباب۔ موجز۔ میبذی اور شرح ہدایت الحکمۃ پر آپ کے حواشی اور تعلیقات ہیں۔

آپ کے منجھلے صاحبزادہ حکیم محمد جعفر صاحب ۱۶۵۱ھ جلوس محمد شاہی میں حکیم عمدۃ الدولہ کے خطاب سے مفتخر فرمائے گئے۔ آپ کا پانصدی ذات و بست سوار منصب تھا۔ آپ کی حذاقت کے کمالات کا مشاہدہ کر کے والئ جے پور آپ کو اپنی ریاست میں لے گئے اور وہاں آپ کو آپ کے مرتبہ کے مطابق جاگیر عطا کی گئی۔

آج تک مسیح الزماں حکیم مرزا محمد ہاشم کا خاندان جے پور میں آباد ہے جو مسیح الزمانی خاندان کہلاتا ہے۔ حکیم ذوالفقار علی خاں اسی دودمان والا نسب کے چشم و چراغ تھے[2]۔

دودمان نعمت خان عالی اورنگ زیب کا وزیر نعمت خاں عالی شیراز کے ایک مشہور طبی خاندان کا فرد تھا۔ اور اس کے والد ہندوستان میں طبابت کے لئے آئے تھے۔

حکیم محمد اکبر ارزانی فرخ سیر کے عہد ۱۱۷۱ھ میں حکیم محمد اکبر صاحب ارزانی کے علمی اور عملی فیوض کی بارش نے چمنستان طب کو سرسبز و شاداب کیا ہے۔ آپ نے لغات طب پر "حدود الامراض" لکھی کلیات میں قانونچہ کی شرح "مفرح القلوب" تحریر کی۔ اور معالجات میں میزان الطب اور طب اکبر لکھیں۔ آپ کی تالیفات اپنی جامعیت اور خوبی نگارش کے اعتبار سے نہایت مقبول ہیں۔ آپ نے کمال تحقیق سے یہ کتب لکھیں

---

[1] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطباء جلد اوّل صفحہ ۵۲۶ مطبوعہ کواپریٹو سٹیم پریس لاہور
[2] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۳۰ :

اور اپنے ملک میں طب کو عربی سے فارسی میں منتقل کر کے ارزاں کر دیا۔

حکیم مرزا امان خاں مرحوم کا نام بھی اس عہد کی تاریخ میں قابل ذکر ہے۔ جس نے سنہ ۱۱۰۰ھ میں لغات طب پر مشتمل ایک کتاب الالباب لکھی۔ عمدۃ الحکماء، معتمد الملک حاذق الزمان حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب سراج الدین ظفر آخری تاجدار دہلی کے طبیب خاص اور وزیر سلطنت تھے اور آپ کے بعد دہلی میں آپ کے شاگرد حکیم غلام نجف خاں صاحب بھی نہایت فاضل اور حاذق طبیب ہوئے ہیں۔

آثار الصنادید ہندوستان کے مرکزی شہروں میں عہد مغلیہ کے مطبوں کے نشانات آج بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ فتح پور سیکری (آگرہ) کے قلعہ سے ملحق شاہی حکماء کے مطب کی ایک رفیع الشان اور سر بفلک عمارت نظر آتی ہے۔ جو اگرچہ آج کسی قدر شکستہ حالت میں ہے لیکن اندلس و غرناطہ کے طبی کھنڈروں کی طرح وہ بھی دنیا کے لئے سامان عبرت اور ترانۂ عظمت ہے۔[۵]

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدید است صنادید عجم را

مغل عہد کے مدارس طبیہ عہد مغلیہ میں طب کی تعلیم عموماً دیگر علوم مشرقیہ کے ساتھ درس نظامی کے سلسلے میں مکاتب اور مدارس ہی میں دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے تقریباً تمام علماء دینی علم طب کے عالم نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حاذق الاطباء اپنے تلامذہ کو اپنے مطبوں میں باقاعدہ عمل طب سکھلاتے تھے۔ اور علم طب کی تعلیم بالعموم اپنے مطبوں یا دیوان خانوں میں دیتے تھے۔ اور یہی درحقیقت اس عہد کے بہترین طبی مدارس تھے۔

اطباء کے پاس طلباء طب کا ایک جم غفیر رہتا تھا۔ جو برسوں ان کی خدمت میں رہ کر کسب علوم طبیہ کرتا تھا۔ اور شوق حصول کا یہ عالم تھا۔ کہ اکثر طلباء آخر عمر تک اپنے اساتذہ کی خدمت سے جدا ہونا منظور نہ کرتے تھے۔

مغل عہد کی تالیفات طبیہ عہد مغلیہ میں طب قدیم کی بے شمار طبی کتابیں تالیف ہوئیں۔ کتب اطبائے عرب پر بہترین حواشی اور بے نظیر شروح

---

۵ ملاحظہ ہو مخزن الجواہر صفحہ ۴۔ مطبوعہ لاہور۔

لکھی گئیں۔ اور اکثر کتب کے بے مثال خلاصے مرتب کئے گئے۔

ملک کی آب و ہوا کے پیش نظر آیورویدک کے مسایل اور مفید معلومات کو اخذ کیا گیا اور اس سلسلے میں تقریباً تمام اہم معلومات کو فراہم کر کے "معدن الشفاء سکندر شاہی" وغیرہ کتب تالیف ہوئیں۔ بعد میں حکیم محمد شریف خاں مرحوم نے بھی اس چیز پر توجہ کی اور آیورویدک کی تقریباً تمام کارآمد چیز وں کو جذب کر لیا۔

ہندوستان کی جڑی بوٹیوں پر خاص توجہ کی گئی۔ اور ان پر مستقل تالیفات مرتب ہوئیں۔ اس سعی میں حکیم محمد حسین مؤلف مخزن الادویہ اور حکیم مومن خاں مؤلف تحفۃ المومنین کے نام خصوصاً مستحق ستائش ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عہد مغلیہ میں فنی اکتشافات سے قطع نظر تراجم۔ حواشی۔ شروح اور تالیفات کے ضمن میں جو قدم اٹھائے گئے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہیں۔ اس سلسلے میں صرف حکیم اعظم خاں مرحوم کی مساعی حسنہ ہی کو دیکھئے۔ جن کی تالیفات کی جامعیت ایک مستقل بالشان طبی کارنامہ ہے اور آپ کی ذاتی تالیفات کا انبار گراں بجائے خود ایک مستقل طبی کتب خانہ ہے جس میں فن قدیم کا تقریباً تمام سرمایہ جمع کر لیا گیا ہے۔

حکیم اعظم خاں کے نام کے ساتھ حکیم علوی خاں مرحوم کی جلالت علم بھی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جن کی ذہانت و حذاقت نے علم و عمل طب کی شاندار تالیفی خدمات سرانجام دی ہیں۔

یونان اور عرب کے اطبا کی طرح ہندوستانی اطبا کی کتابیں بھی مغربی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ اور بعض کتابوں کے بعض حصص ترجمہ ہو چکے ہیں حکیم شریف خاں صاحب مرحوم کی تالیف شرح نفیسی کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اصل کتاب اس وقت نایاب ہے۔ اور ہمیں مغربی زبان کے مترجمین کی بدولت اس کتاب کے ترجمہ انگریزی ترجمہ سے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔

غرض جب سلطنت مغلیہ کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ اور جب لکھنؤ میں شاہان اودھ کے عظمت و جلال کا دور دورہ تھا۔ اس وقت دہلی لکھنؤ اور دیگر امصار ہند کے تاجداران طب بھی نہایت عزت و جلال کے ساتھ اقلیم فن پر حکمرانی کر رہے تھے۔

انداں بعد ان سلطنتوں کے آخری دور میں بھی ہندوستان میں نہایت رفیع المرتبت رجالِ فن پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے نفوس و اجسام انسانی کی طرح فن عزیزہ کو بھی حیاتِ تازہ بخشی ہے۔ جن کے اعجازِ مسیحائی نے مخلوقِ خدا کے دلوں پر سلطنت کی ہے۔ اور جن کو شاہانِ اسلام کی طرح راجگان و شہزادگانِ ہند نے اپنی آنکھوں اور پلکوں پر جگہ دی ہے۔

بطور تعارف ذیل میں چند بزرگوں اور خاندانوں کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات درج کرتا ہوں۔

حکیم شریف خاں مرحوم

مفاخرینِ طب کی تاریخ میں حکیم شریف خاں صاحب مرحوم کا نام مبارک خاص تعظیم و احترام کا مستحق ہے۔ آپ محمد شاہ کے عہد کے نہایت فاضل اور حاذق طبیب تھے۔ آپ نے قانون نفیسی اور شرح اسباب پر حواشی لکھے۔ جن سے آپ کی اصابتِ رائے اور تبحرِ علم کا سرسری اندازہ ہو سکتا ہے۔ مفردات میں تالیف شریفی مرتب فرمائی۔ اور مرکبات میں اپنے خاندان کے تمام معمولات اور مجربات جمع کر کے علاج الامراض تالیف فرمائی۔

آپ کے علم و فضل اور حذاقت کی شہرت اکنافِ ہند سے گزر کر ایران اور سمرقند و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی اور آپ کی فطانت و حذاقت کے ہزاروں افسانے مشہور ہیں۔

اطبائے دہلی

حکیم شریف خاں مرحوم خاندان شریفی کے بانی ہیں۔ اور آپ کے بعد آپ کے خاندان نے دہلی میں کئی پشتوں تک اپنے اپنے زمانے میں طبابت نہیں بلکہ مسیحائی کی ہے۔ ان اکابر فن میں حکیم محمود خاں اعظم۔ حکیم واصل خاں حکیم صادق علی خاں۔ حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں رحمۃ اللہ علیہم کے نام آسمانِ طب کی زینت ہیں۔

طبِ قدیم کی تاریخ کے صفحات پر اجمل خانِ اعظم کا نام ہمیشہ شمس و قمر کی طرح چمکتا رہے گا آپ نے ہندوستانی دواخانہ قائم کیا اور طبیہ کالج کے نام سے ایک ایسی مثالی درسگاہ کی بنیاد رکھی جس کی نظیر صرف اسلاف کی تاریخ ہی میں مل سکتی ہے۔

اطبائے لکھنؤ ۔ دہلی مرحوم کے اطبائے کرام کے ذکرِ جمیل کے سلسلے میں کعبہ پرستاران

بلادِ علم و حکمت یعنی لکھنؤ (سلام علیٰ نجدٍ و من حلّ بالنجد) کی فردوس نظر تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ جہاں شاہانِ اودھ کے دور میں طب عربی کے فیض کی گھنگھور گھٹا اٹھی اور اس طرح کھل کر برسی کہ چمن زاروں کی طرح دامنِ دشت و صحرا بھی شادابیوں اور رنگینیوں سے بھر گیا۔

لکھنؤ کے شاہی اطبائے حذاق میں مسیح الزماں حکیم محمد علی عرف حکیم نبا صاحب، حکیم محمد صغر، حکیم میر محمد مرتعش، حکیم عماد الدین شیرازی اور حکیم مرزا محمد علی حاذق شیرازی نہایت جلیل المنزلت اور گرامی مرتبت اطبا تھے۔

لکھنؤ کے اطبا میں مرزا علی خاں صاحب کا مرتبہ بہت ممتاز اور بلند ہے۔ آپ شاہ غازی الدین حیدر اوّل بادشاہ اودھ کے طبیب شاہی کے منصب پر مامور اور حکیم الملک کے خطاب سے ممتاز تھے۔ آپ کی حسن خدمات کے صلہ میں شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ نے آپ کو دہلو پور اور جلال پور کی معافی عطا کی تھی۔[1]

آپ کے بعد آپ کے فرزند سلطان الحکما زبدۃ الملک حکیم مرزا علی حسن خاں بہادر ۱۸۵۲ء میں دربار والیٔ اودھ کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔[2] حکیم نبا صاحب کے تلامذہ میں حکیم مولوی نور کریم صاحب دریاآبادی، حکیم مولوی انور علی صاحب اور مولوی لطف اللہ صاحب مؤلف مطوّل بھی یگانۂ روزگار اطبا میں سے تھے۔[3]

لکھنؤ میں خاندان عزیزی نہایت عظمت و جلالت کا مالک ہے اس دودمانِ عالی وقار میں سلسلۂ طبابت حضرت حکیم محمد ایوب صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس شان سے شروع ہوتا ہے کہ آلِ یعقوب پر خدا کے انعامات کا ایک نہ تمام سلسلہ نظر آتا ہے۔

حکیم محمد یعقوب صاحب نے حکیم میر محمد مرتعش صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنا نہایت شاندار مطب قائم کر کے اپنا حلقۂ درس جاری کیا۔ آپ کی حذاقت و ذہانت کی شہرت تمام اطراف در کنار دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اوّل صفحہ ۲۵ ٭ [2] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اوّل صفحہ ۲۶ ٭

[3] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اوّل صفحہ ۱۲۰ ٭

محلات شاہی میں اور بالخصوص قدسیہ محل میں آپ ہمیشہ معالج رہتے تھے ۔ اور سلطان بھی اکثر آپ کی رائے سے استفادہ کرتا تھا ۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے جن میں حکیم حاجی محمد ابراہیم صاحب حکیم محمد اسمٰعیل صاحب حکیم محمد مسیح صاحب اور حکیم محمد تقی صاحب کے مطبوں کی دھوم مچی ہوئی تھی ۔ یہ ارکان اربعۂ علم و حکمت اپنے وقت کے بقراط اور جالینوس اور شیخ و رازی تھے ۔ اور ان بزرگوں کے درس و تدریس اور فطانت و حذاقت کے کارناموں کے ذکر سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ معمور ہے ۔

معالجات میں حکیم محمد ابراہیم صاحب کے نسخوں کی ترکیبی خصوصیات عجیب ترین نکات فن پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اپنے اندر ایک خاص شان دلربائی رکھتی ہیں ۔ آپ شاہان اودھ کے طبیب خاص بھی رہ چکے ہیں ۔ اور رامپور میں نواب کلب علی خاں صاحب والئ رامپور نے بھی آپ کی خدمات فنی سے استفادہ کیا ہے ۔ ہمارے حضرت حاجی حکیم عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے فرزند رشید شفاء الملک حکیم عبدالرشید صاحب مرحوم اسی دور میں گرامی کے چشم و چراغ تھے آپ کے دوسرے فرزند ارجمند حضرت شفاء الملک حکیم عبدالحمید اعلیٰ اللہ مقامہ تھے اور فن طب کے یہ وہ شمس و قمر تھے جنھوں نے اس آخری دور میں اس فن کو چار چاند لگا دیئے تھے حکیم عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھنؤ میں طب قدیم کی ایک مہتم بالشان درسگاہ تکمیل الطب کے نام سے قائم کی جو آج تک اپنی شان کے ساتھ مرکز فیض بنی ہوئی ہے راقم السطور کو اسی دیر پیر مغاں کی نیازمندی کا شرف حاصل ہے ۔

فرنگی محل کے دور ماں والا تبار سے بھی ایک ممتاز طبی ذہانت یعنی عالم طبیب و فاضل لوذعی حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحی انار اللہ برہانہ کی عظیم المرتبت شخصیت جلوہ آرائے محفل علم ہوئی ۔ جن کی طبی قابلیت کو ہر چند کہ دیگر علوم میں انہماک کی وجہ سے نمایاں ہونے کا موقع نہیں ملا ۔ لیکن ان کی مہارت علم طب غالب کی زبان میں بجا طور پر کہہ سکتی ہے ۔ کہ ؎

مانبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

لے ملاحظہ ہو ۔ رموز الاطباء جلد اوّل صفحہ ۱۲۳ ۔

علوم طبیہ میں مولانا غلام الحسنین کنتوری کا نام بھی نہایت رفیع المنزلت ہے۔ جن کی ذات گرامی دنیا سے طب میں آفتاب بن کر درخشاں ہوئی آپ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۷۴ھ میں کنتور میں پیدا ہوئے[۱]۔ اور آپ نے اردو زبان میں قانون شیخ کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔

اطبائے پنجاب جب دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین میں طب قدیم کے کھائے رنگا رنگ دنیا کو دعوت نظارہ دے رہے تھے تو انتخاب ہفت کشور یعنی پانچ دریاؤں والی پنجاب کی زمین بھی چمن زار بہار بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس خاک سے وہ حذاق کرام اٹھے جنہوں نے علم وحکمت کے دریا بہا دیئے۔

لاہور میں حکیموں کا ایک ممتاز خاندان مشہور ہے۔ جس نے اپنے دور میں مسند طبابت پر حکومت کی ہے۔ حکیم بزرگ شاہ لاہوری حکیم ضیاء الدین صاحب۔ حکیم عالم شاہ صاحب ثانی لاہوری حکیم محمد بخش صاحب لاہوری حکیم امام الدین صاحب پاک پٹنی اور حکیم اللہ دین صاحب بھیروی کے نام خاص تعظیم وتوقیر کے مستحق ہیں۔ جن کی معجز نمائیوں نے پنجاب میں طب قدیم کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

حکیم سید ولی شاہ صاحب مرحوم کا خاندان نہایت رفیع المنزلت ہے۔ جس میں ایک مدت دراز سے سلسلۂ طبابت چلا آتا ہے۔ آپ کے نام پر یہاں ایک محلہ بھی کٹرہ ولی شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ حکیم سید ولی شاہ صاحب بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب والی ریاست کشمیر وجموں کے یہاں تین ہزار روپیہ ماہوار کے مشاہرہ پر طبیب خاص مقرر تھے۔ آپ کے والد محترم بھی ریاست جموں میں طبیب خاص کے عہدہ پر قائم تھے۔ اور وہاں اس وقت تمام سرکاری شفاخانے آپ کی وساطت سے قائم ہوئے[۲]۔

لاہور میں حکیم علاؤ الدین صاحب المعروف حکیم الہ دین صاحب یگانۂ روزگار طبیب تھے۔ آپ کے فرزند حکیم چراغ دین صاحب اور حکیم احمد دین صاحب شارح موجز بھی بڑے فاضل اطباء میں شمار کئے جاتے تھے۔ حکیم احمد دین صاحب عرصہ تک ریاست فرید کوٹ میں مہاراجہ بلبیر سنگھ اور

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطباء جلد اول صفحہ ۱۳۱ ۔ [۲] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۲۸۹

ان کے اسلاف کے طبیب خاص رہ چکے ہیں[1]۔

لاہور میں مفتی محمد انور مرحوم کا خاندان بھی بہت بلند پایہ ہے۔ مفتی غلام محمد قریشی۔ مفتی غلام سرور اور مفتی غلام اکبر اسی خاندان عالی تبار کے فاضل اطبّا تھے۔ اطبّائے لاہور میں مفتی سلیم اللہ خاں مرحوم کا اسم گرامی اور شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم کا نام نامی بھی بہت ممتاز ہے

پنجاب میں حکیم سید حیدر علی شاہ صاحب مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے طبیب خاص تھے۔ فتح گڑھ میں آپ کو بہت سی زمین اور ایک کنواں دربار سے ملا تھا۔ جو اب تک چاہ بیداں کے نام سے مشہور ہے[2]۔ بٹالہ میں حکیم سید حفیظ علی شاہ صاحب بھی سکھوں کی عملداری میں طبی خدمات پر متعین تھے۔ آپ کا تعلق عموماً راجاؤں اور سرداروں سے رہتا تھا۔ اور آپ کو طبی خدمات کے صلہ میں بہت سی جاگیریں بھی عطا ہوئی تھیں[3]۔

اطبّائے پنجاب میں حکیم نورالدین صاحب بھیروی معالج ریاست کشمیر و جموں کا نام نامی نہایت سربلند ہے۔ جن کے گنگا جمنی طریق علاج نے نظام طب میں ایک عجیب تاثیر اور رنگینی پیدا کر دی ہے۔ آپ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی لاہور میں مفتی محمد قاسم صاحب سے پڑھی اور طب میں آپ نے لکھنؤ کے مشہور حکیم مولوی علی حسین صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا[4]۔

اطبائے ریاستہائے ہند ہندوستان کے ریاستی اطبا میں حکیم سید برکات احمد صاحب ٹونکی کا نام نہایت عزت و احترام کا مالک ہے جن کی شخصیت کو علم و عمل طب میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور اگرچہ آپ کی فنی قابلیت کو ریاستی زندگی کے غلیظ ماحول سے باہر ہنگامہ آرائی کا موقع نہیں ملا لیکن آپ کی فنی عظمت تمام ارباب علم و فن کے قلوب پر ایک نقش زریں ہے۔

حکیم سید برکات احمد صاحب مرحوم کے والد محترم حضرت سید شاہ دائم علی صاحب عالیجناب امین الدولہ وزیر الملک حضور نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ آئی۔ والئ ریاست ٹونک کے معالج خصوصی تھے[5]۔

---

[1] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۱۳۸ ؛ [2] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۲۶۳ ۔ [3] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۸۷ ؛ [4] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ 19 ؛ [5] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۵۹ ؛

حیدر آباد دکن میں حکیم میر فضل علی خاں صاحب المخاطب بہ شفائی خان بہادر معتمد الملک طبیب خاص نواب ناظر الدولہ بہادر مرحوم ایک عظیم المرتبت طبی شخصیت تھی۔ آپ اعتماد الدولہ بہادر نواب حکیم علوی خاں صاحب کے شاگرد رشید تھے۔ اور دکن سے ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے ابتدائی دور میں آپ نواب بنگالہ کے طبیب خاص بھی رہ چکے ہیں بنگال ہی میں آپ نے مستر پالمر کا معرکہ آرا علاج کر کے کامیابی حاصل کی تھی[1]

عالی جناب حکیم سید احمد سعید صاحب امروہوی بھی دکن میں افسر الاطبا رہ چکے ہیں[2] اور حکیم محمد عبد العزیز خاں صاحب اعلیٰ حضرت ہز ہائینس میر محبوب علی خاں صاحب نظام الملک آصف جاہ بہادر سادس والی دکن مرحوم و مغفور کے ایران شاہی کے طبیب خاص تھے[3]۔ اور حکیم سید الطاف حسین صاحب ممالک محروسہ دکن کے افسر الاطبا مقرر ہوئے[4]۔

بھوپال میں حکیم سید محمد حسین صاحب سکندر جہاں بیگم خلد آشیاں والیہ بھوپال اور شاہ جہاں بیگم صاحبہ ممدوحہ بالقابہا کے طبیب خاص تھے[5]۔ عہد آخر کے فاضل ترین جامع لب عالیجناب حکیم محمد اعظم خاں صاحب المخاطب بہ ناظم جہاں بھی بھوپال ہی میں معالج خصوصی رہ چکے ہیں۔

افسر الاطبا حکیم خورشید حسن خاں صاحب راجہ ٹکوہی کے دربار کے طبیب خاص تھے۔ اور دو سو روپیہ مشاہرہ پاتے تھے۔ حکیم مظہر علی صاحب طبی خدمات کے سلسلے میں دربار گوالیار سے پانچسو روپے ماہوار پاتے تھے۔ اور آپ کے بزرگوار حکیم بدر الدین صاحب شاہی طبیب تھے اور نواب آصف الدولہ بہادر لکھنؤ کے دربار سے ایک ہزار روپیہ ماہوار پاتے تھے[6]۔

رامپور میں حکیم علی رضا خاں صاحب کا طبی خاندان بھی نہایت ممتاز ہے اس خاندان نے صدیوں تک داد مسیحائی دی ہے۔ آپ کے فرزند حکیم حسن رضا خاں صاحب بھی والی رامپور کے طبیب خاص تھے[7]۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اوّل صفحہ ۵۴ [2] ملاحظہ ہو رموز الاطبا جلد اوّل صفحہ ۹۴
[3] ملاحظہ ہو " " صفحہ ۲۱۲ [4] ملاحظہ ہو۔ " " جلد اوّل " ۱۰۷
[5] ملاحظہ ہو۔ " " ۸۲
[6] ملاحظہ ہو " " " ۱۵۷ [7] ملاحظہ ہو " " " " ۴۵۶

ریاست ٹانک کے حکیم سید غلام حسین صاحب مہاراجہ میسور کے طبیب مخلص[۱] تھے۔ مدراس میں حکیم غلام محمد صاحب مقیم کے والد ماجد نواب اعظم جاہ پرنس آف ارکاٹ کے شاہی طبیب تھے۔ حکیم کرم بخش صاحب معالج مہاراجہ بہادر رنگپور تھے[۲] اور حکیم سید ظفریاب علی معالج نواب خیرپور رہے۔

لبعض دیگر مشاہیر فن

یو۔پی میں حکیم رحیم اللہ خاں صاحب مؤلف اسرار رحیمی حکیم صادق علی صاحب مؤلف زادِ غریب اور حکیم سید محمد سجاد صاحب موہانی۔ سورت میں حکیم مولوی نور محمد صاحب اور احمد آباد گجرات میں قوم بوہرہ میں شیخ الفاضل ملا عبدالحسین صاحب طب قدیم کی باکمال شخصیتیں تھیں لکھنؤ میں حکیم مرتضیٰ صاحب عرف دولہا صاحب بھی بڑے حاذق معالج تھے۔ اور دہلی مرحوم میں شفاء الملک حکیم رضی الدین صاحب مرحوم کی ذات گرامی دور آخر میں طب کا درخشندہ ستارہ تھی۔ شریف خانی اور عزیزی خاندان کی طرح آپ کا خاندان بھی نہایت سربلند تھا۔

۱۲۸ پروفیسر براؤن نے چہار مقالہ سے یہ مختصر سطور معلومات اخذ کی ہیں لیکن اس سلسلہ میں آپ نے چہار مقالہ کے صفحات کا کوئی حوالہ نہیں دیا[۴]۔ بہرکیف تلاش و جستجو سے میں نے معلوم کیا۔ کہ یہ معلومات چہار مقالہ مطبوعہ لیدن میں صفحہ ۷۶ پر درج ہیں۔

نظامی عروضی نے چہار مقالہ میں اس نظریۂ ارتقاء کو بتفصیل بیان کیا ہے۔ جو بعد میں ڈاروِن کے نام پر ڈاروِن تھیوری کے عنوان سے مشہور ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مبحث کو سامنے رکھ کر یہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ ڈاروِن نے اس موضوع پہ سرتاسر عربوں کے انکشافات سے استفادہ کیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ نظامی عروضی نے عالم جمادات میں اولین چیز گل یعنی مٹی اور آخرین چیز مرجان کو قرار دیا ہے۔ اور عالم نباتات میں اولین چیز خار اور آخرین چیز خرما اور انگور کو بتایا ہے[۵]۔ اور اسی طرح عالم حیوانات میں اولین چیز خراطین اور آخرین چیز نسناس کو سمجھا ہے

---

[۱] ملاحظہ ہو رموز الاطبا رجلد اول صفحہ ۱۸۰؛ [۲] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۳۸۔

[۳] ملاحظہ ہو۔ رموز الاطبا جلد اول صفحہ ۹۲۸؛ [۴] ملاحظہ ہو اریبین میڈیسین صفحہ ۱۱۸؛

[۵] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۷ مطبوعہ لیدن؛

مرجان مونگے کو کہتے ہیں۔ جو ایک جسم حجری ہے اور بالعموم بحر یمن و اندلس میں پانی کے نیچے درخت کی طرح نشو و نما پاتا ہے۔ اور غواص اس کو نکالتے ہیں۔ اور اس کی طرح بسد بھی ایک بحری چیز ہے۔ قانون کے بین المسطور میں اس کو مونگے کی جڑ بتایا گیا ہے[1]۔

عشقہ ایک بیل ہے۔ یہ جس درخت کو لپٹتی ہے اس کو خشک کر دیتی ہے۔ آخر عشق سے مشتق ہے۔ نظامی عروضی اس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "و آن گیاہے ست کہ چوں بر تاک رز پیچد اورا خشک کند پس تاک از دیگر بیند[2]"۔

نسناس غالباً بن مانس کو کہتے ہیں۔ اور صاحب چہار مقالہ اس کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔ "او حیوانے است کہ در بیابان ترکستان باشد منتصب القامت الفی القد عریض الاظفار آدمی را عظیم دوست دارد۔ ہر کجا آدمی را بیند۔ بر سر راہ آید و در ایشاں نظارہ ہمی کند و چوں بیگانہ از آدمی بیند ببرد و از دگر بیند بچہ گیرد۔ پس بعد انسان از حیوان او شریف تر است کہ چند چیز با آدمی شبہ کرد یکے بہ بالائے راست و دوم بہ پہنائے ناخن و سوم موئے سر[3]۔"

۱۲۹ اہل مغرب کی رائے یہ ہے کہ نظریہ دوران خون کا انکشاف انگلستان کے ولیم ہاروے (المتوفی ۱۶۵۷ء) نے ۱۶۱۶ء میں ایک لیکچر کے ذریعہ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے انکشاف کا سہرا طب قدیم کے سر ہے۔ اور یہ انکشاف بہت پرانی چیز ہے۔ چنانچہ جالینوس نے اس موضوع پر اہم تصریحات کی ہیں۔ اور یونانی حکیم آغانیس نے اس کو ایک حد تک بالوضاحت بیان کیا ہے۔ اور قنادائے طب میں اس مسئلہ کی قدامت پر روشنی ڈالی گئی ہے

بعد میں ولیم ہاروے سے بہت پہلے عربی طب کے کاملین میں سے صاحب کامل مسیحی قرشی اور گیلانی اس مسئلہ کو پوری صراحت سے بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ صاحب کامل کا بیان تو آپ نے سن لیا۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ابو سہل مسیحی نے مائتہ مسیحی[4] میں نوبتہ از یمن یعنی اجوف سے قلب کے دائیں بطن میں خون کے پہنچنے۔ قلب کی کیواڑیوں۔ ان کیواڑیوں کے کھلنے بند ہونے۔ وریدشریانی کے ذریعے قلب کے بطن ایمن میں سے (خان و کاربالک ابسد گیس)

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الثانی من القانون فی الادویۃ المفردۃ صفحہ ۲۴۷۔

[2] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۶۔ [3] ملاحظہ ہو چہار مقالہ صفحہ ۹۔ [4] مائتہ مسیحی کا ایک قلمی نسخہ طبیہ کالج دہلی کی لائبریری میں بھی تھا۔

اور خون کے پھیپھڑوں میں جانے اور پھر شریان وریدی کے ذریعہ ہوا (آکسیجن) اور خون کے قلب میں پہنچنے۔ اور طب میں قلب سے روح اور خون کے پہنچنے اور پھر اورطی کی کیواڑیوں کے بند ہوجانے وغیرہ دوران خون سے متعلق تمام امور کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح قرشی نے شرح قانون (بحث و تشریح شریان وریدی) میں قلب کے چاروں دہانوں، چاروں دہانوں کی کیواڑیوں۔ اور چاروں قسم کی رگوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور علامہ علی حسین گیلانی نے شرح قانون میں قلب کی کیواڑیوں کی مجموعی تعداد کا بالتشریح ذکر کیا ہے۔

۱۳ عربی عبارت "مات حتف انفہ" میں حتف کے لغوی معنی موت کے ہیں اور الیاس انطون الیاس کی کتاب القاموس العصری عربی انگلیزی میں جو مطبع عصریہ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی To die natural death. طبعی موت مرنا تحریر کئے گئے ہیں اور یہی معنی یہاں پروفیسر براؤن نے کئے ہیں۔

حرف آخر ان چند سطور کے بعد طب العرب کے مباحث پر تنقیدات و تشریحات کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس اثنا میں یونان سے لے کر مشترکہ ہندوستان تک کے تقریباً تمام اطباء کے حالات زندگی اور کارنامے میرے پیش نظر رہے ہیں اور عرب اطباء کے ساتھ خصوصاً میرا گہرا تعلق رہا ہے۔ پس عہد رفتہ کے ماہ و سال میں جبکہ میں دن رات اطباء عرب کے ادوار حیات۔ تصانیف اور مخطوطات کے مطالعہ میں مستغرق رہتا تھا اور ان کے عروج و اقبال کے زمانے سائے کی طرح آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے میں اپنے آپ کو ان محترم اور بزرگ عظمتوں سے اس قدر قریب محسوس کرتا رہا کہ بارہا یوں معلوم ہوا کہ ان سے شرف ہمکلامی حاصل ہو رہا ہے اور بغداد و اندلس کی علمی اور فنی محفلیں میری آنکھوں کے سامنے آراستہ ہیں۔ کاش یہ سماں اور کچھ دیر باقی رہتا۔

نیر واسطی

۲۱ - نومبر ۱۹۵۲ء